روحانی خزائن

تصنیفات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام



روحانی خزائن

مجموعہ کتب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

Rūḥānī Khazā'in

Collection of the books of Ḥaḍrat Mirza Ghulam Ahmad Qādiānī, (1835-1908), The Promised Messiah and Mahdi, peace be on him

Volumes. 1-23

First published in Rabwah, Pakistan in 1960's
Reprinted in UK in 1984
Current Computerised edition published in Rabwah, Pakistan in 2008
(ISBN: 81 7912 175 5)
Reprinted in India in 2008
Reprinted in UK in 2009

Published by:
Islam International Publications Limited
Islamabad
Sheephatch Lane
Tilford, Surrey GU10 2AQ
United Kingdom

Printed in UK at:
William Clowes

ISBN: 978-1-84880-102-8 (Set Vol. 1-23)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وعلٰی عبدہِ المسیح الموعود
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھوالنّاصــــر

لندن
10-8-2008

پیغام

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے   اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

اللہ تعالیٰ نے وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس زمانے کے امام اور مہدی کے طور پر مبعوث فرمایا کہ تا اس کی توحید کا دنیا میں بول بالا ہو اور ہمارے پیارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور قرآن کریم کی صداقت دنیا پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے۔

قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب اسلام کی اشاعت اور تبلیغ ساری دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے سامان اس خدائے قادر مطلق نے پہلے سے مقرر کر رکھے تھے۔ اسی لئے اس زمانے میں سائنسی ایجادات اتنی تیزی اور کثرت سے ہوئی ہیں کہ انسانی عقل وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَھَا کے مصداق حیران ہو جاتی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس کے بارے میں وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کی پیشگوئی فرما کر یہ بتلا دیا کہ اس زمانے میں ایسی ایسی ایجادات ہوں گی کہ کتابوں اور رسالوں کی نشر و اشاعت عام ہو جائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”اور نشر صحف سے اس کے وسائل یعنی پریس وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ نے ایسی قوم کو پیدا کیا جس نے آلات طبع ایجاد کئے۔ دیکھو کس قدر

پریس ہیں جو ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تا وہ ہمارے کام میں ہماری مدد کرے اور ہمارے دین اور ہماری کتابوں کو پھیلائے اور ہمارے معارف کو ہر قوم تک پہنچائے تا وہ ان کی طرف کان دھریں اور ہدایت پائیں''۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد۵ صفحہ ۴۷۳)

ایک اور کتاب میں آپؑ فرماتے ہیں:

''کامل اشاعت اس پر موقوف تھی کہ تمام ممالک مختلفہ یعنی ایشیا اور یورپ اور افریقہ اور امریکہ اور آبادیٔ دنیا کے انتہائی گوشوں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تبلیغ قرآن ہو جاتی اور یہ اس وقت غیر ممکن تھا بلکہ اس وقت تک تو دنیا کی کئی آبادیوں کا ابھی پتا بھی نہیں لگا تھا اور دور دراز سفروں کے ذرائع ایسے مشکل تھے کہ گویا معدوم تھے...... ایسا ہی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور ہدایت کا ذخیرہ کامل ہو گیا مگر ابھی اشاعت ناقص ہے اور اس آیت میں جو مِنْهُمْ کا لفظ ہے وہ ظاہر کر رہا تھا کہ **ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کے لئے موزوں ہے مبعوث ہوگا جو آنحضرت** صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ہوگا...... اس لئے خدا تعالیٰ نے تکمیل اشاعت کو ایک ایسے زمانہ پر ملتوی کر دیا جس میں قوموں کے باہم تعلقات پیدا ہو گئے اور برّی اور بحری مرکب ایسے نکل آئے جن سے بڑھ کر سہولت سواری کی ممکن نہیں۔ اور کثرت مطابع نے تالیفات کو ایک شیرینی کی طرح بنا دیا جو دنیا کے تمام مجمع میں تقسیم ہو سکے۔ سو اس وقت حسب منطوق آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ اور حسب منطوق آیت قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور

مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاص کر ملک ہند میں اردو نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک زبان مشترک ہوگئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بزبان حال درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تمام خدام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کے لئے بدل و جان سرگرم ہیں۔ آپ تشریف لائیے اور اس اپنے فرض کو پورا کیجئے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں تمام کافہ ناس کے لئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ ان تمام قوموں کو جو زمین پر رہتی ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں اور اتمام حجّت کے لئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت قرآن پھیلا سکتے ہیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے جواب دیا کہ دیکھو میں بروز کے طور پر آتا ہوں۔ مگر میں ملک ہند میں آؤں گا۔ کیونکہ جوش مذاہب و اجتماع جمیع ادیان اور مقابلہ جمیع ملل و نحل اور امن اور آزادی اسی جگہ ہے''۔

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۰-۲۶۳)

سو اس زمانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ساری دنیا تک پہنچانے اور اسلام کی سچائی کو ساری دنیا پر ثابت کرنے اور خدائے واحد و یگانہ کی توحید کا پرچار کرنے کے لئے اسلام کا یہ بطل جلیل، جری اللہ، سیف کا کام قلم سے لیتے ہوئے قلمی اسلحہ پہن کر سائنس اور علمی ترقی کے میدان کارزار میں اترا اور اسلام کی روحانی شجاعت اور باطنی قوت کا ایسا کرشمہ دکھایا کہ ہر مخالف کے پرخچے اڑا دیے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا پرچم پھر سے ایسا بلند کیا کہ آج بھی اس کے پھریرے آسمان کی رفعتوں پر بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں اور ساری دنیا پر اسلام کا یہ پیغام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کے ذریعہ پھیل رہا ہے اور پھیلتا رہے گا۔ مسیح محمدی کی زندگی بخش تحریرات کی ہی یہ برکت ہے کہ ایک جہان روحانی اور جسمانی احیاء کی نوید سے مستفیض ہو رہا ہے اور صدیوں کے مردے ایک دفعہ پھر زندہ ہو رہے ہیں اور ایسا کیوں

نہ ہوتا کہ اسلام کی گزشتہ تیرہ صدیوں میں صرف آپ کا ہی کلام ایسا تھا جسے کبھی خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ''مضمون بالا رہا'' کی سند نصیب ہوئی تو کبھی الہاماً یہ نوید عطا ہوئی کہ:

''در کلامِ تو چیزے است کہ شعراء را دراں دخلے نیست۔ کَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَّبٍّ کَرِیْمٍ''۔ (کاپی الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام صفحہ ۶۲۔ تذکرہ صفحہ ۵۰۸)

ترجمہ: ''تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۰۶)

چنانچہ ایسی ہی عظیم الٰہی تائیدات سے طاقت پا کر آپ فرماتے ہیں:

''میں بڑے دعویٰ اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دوربین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۰۳)

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

''میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ جب میں عربی یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے''۔ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۴)

پس یہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ وہ آبِ حیات جو آپ کے مبارک قلم سے آپ کی کتابوں کی شکل میں دنیا کی روحانی اور علمی پیاس بجھانے کے لئے نکلا ہے اس سے سارا عالم فیضیاب ہو۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کے لئے آبِ حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا زمین پر اس کو کوئی بند نہیں کرسکتا''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۰۴)

عزیزو! یہی وہ چشمۂ رواں ہے کہ جو اس سے پئے گا وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا اور ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی **یفیض المال حتی لا یقبلہ احد** (ابن ماجہ) کے مطابق یہی وہ مہدی ہے جس نے حقائق و معارف کے ایسے خزانے لٹائے ہیں کہ انہیں پانے والا کبھی ناداری اور بے کسی کا منہ نہ دیکھے گا۔ یہی وہ روحانی خزائن ہیں جن کی بدولت خدا جیسے قیمتی خزانے پر اطلاع ملتی ہے اور اس کا عرفان نصیب ہوتا ہے۔ ہر قسم کی علمی اور اخلاقی، روحانی اور جسمانی شفا اور ترقی کا زینہ آپ کی یہی تحریرات ہیں۔ اس خزانے سے منہ موڑنے والا دین و دنیا، دونوں جہانوں سے محروم اٹھنے والا قرار پاتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں متکبر شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''جو شخص ہماری کتابوں کو کم از کم تین دفعہ نہیں پڑھتا۔ اس میں ایک قسم کا کبر پایا جاتا ہے''۔

(سیرت المہدی جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۶۵)

اسی طرح آپؑ نے فرمایا کہ:

''وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے

نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ‘‘۔

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۰۳)

پھر آپ نے ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

’’سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں، کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے‘‘۔

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۳۶۱)

یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اس امام مہدی اور مسیح محمدی کو ماننے کی توفیق ملی اور ان روحانی خزائن کا ہمیں وارث ٹھہرایا گیا۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم ان بابرکت تحریروں کا مطالعہ کریں تا کہ ہمارے دل اور ہمارے سینے اور ہمارے ذہن اس روشنی سے منور ہو جائیں کہ جس کے سامنے دجال کی تمام تاریکیاں کافور ہو جائیں گی۔ اللہ کرے کہ ہم اپنی اور اپنی نسلوں کی زندگیاں ان بابرکت تحریرات کے ذریعہ سنوار سکیں اور اپنے دلوں اور اپنے گھروں اور اپنے معاشرہ میں امن و سلامتی کے دیئے جلانے والے بن سکیں اور خدا اور اس کے رسول کی محبت اس طرح ہمارے دلوں میں موجزن ہو کہ اس کے طفیل ہم کل عالم میں بنی نوع انسان کی محبت اور ہمدردی کی شمعیں فروزاں کرتے چلے جائیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خصوصی ہدایات اور راہنمائی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ تصانیف کا سیٹ ''روحانی خزائن'' پہلی بار کمپیوٹرائزڈ شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔اس سیٹ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل میں ہر کتاب فسٹ ایڈیشن کے عین مطابق رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایک سے زائد ایڈیشن چھپے ہیں تو آخری ایڈیشن کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۲۔پورے سیٹ میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ صفحہ کی سائیڈ پر ایڈیشن اوّل کا صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔

۳۔ایڈیشن اوّل میں اگر سہو کتابت واقع ہوا ہے تو متن میں اس لفظ کو اسی طرح کمپوز کیا گیا ہے۔البتہ حاشیہ میں یہ نوٹ دیا گیا ہے کہ متن میں سہو کتابت معلوم ہوتا ہے اور غالباً صحیح لفظ یوں ہے۔

۴۔یہ ایڈیشن روحانی خزائن کے سابقہ ایڈیشن کے صفحات کے عین مطابق ہے تاکہ جماعتی لٹریچر میں گزشتہ نصف صدی سے آنے والے حوالہ جات کی تلاش میں سہولت رہے۔

۵۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت سے اس سیٹ میں مندرجہ ذیل اضافے کئے گئے ہیں۔

(ا) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک مضمون جو آپ نے منشی گردیال صاحب مدرس مڈل اسکول چنیوٹ کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا تھا اور روحانی خزائن میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔ اسے روحانی خزائن کے نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۲ میں شامل اشاعت کر دیا گیا ہے۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اہم مضمون **''ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات''** جو پہلے ''تصدیق النبی'' کے نام سے سلسلہ کے لٹریچر میں موجود ہے اسے روحانی خزائن جلد نمبر ۴ کے آخر میں شامل اشاعت کر لیا گیا ہے۔

(ج) روحانی خزائن جلد ۴ میں الحق مباحثہ دہلی کے عنوان سے ایک کتاب شامل ہے۔اس کے صفحہ ۲۲۱ پر مراسلت نمبر ۱ مابین مولوی محمد بشیر صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب ہے۔اس کے بعد مراسلت نمبر ۲ مابین منشی بوبہ صاحب و منشی محمد اسحاق و مولوی سید محمد احسن صاحب کسی وجہ سے روحانی خزائن میں شامل

ہونے سے رہ گئی ہے۔اسے روحانی خزائن جلد نمبر۴ کے نئے ایڈیشن میں شامل کرلیا گیا ہے۔

(د) روحانی خزائن جلد نمبر۵ آئینہ کمالات اسلام کے آخر میں "التبلیغ" کے نام سے جو عربی خط شامل ہے اس کے آخر میں عربی قصیدہ درج ہے۔ایڈیشن اوّل میں اس قصیدہ کے بعد ایک عربی نظم شائع شدہ ہے جو کسی وجہ سے روحانی خزائن جلد۵ میں شامل نہیں ہوسکی تھی۔ نئے ایڈیشن میں یہ نظم شامل کردی گئی ہے۔

(ہ) جلسہ اعظم مذاہب ۱۸۹۶ء کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تحریر فرمودہ بے مثال مضمون جو ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے نام سے اردو اور دوسری زبانوں میں چھپ چکا ہے اس کے اصل مسودہ کے کچھ صفحات کسی وجہ سے شامل اشاعت نہیں ہو سکے تھے انہیں اصل مسودہ سے جو خلافت لائبریری میں موجود ہے نقل کر کے جلد نمبر۱۰ میں شامل کیا گیا ہے۔

(و) ریویو آف ریلیجنز اردو کا پہلا شمارہ ۹؍جنوری ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔اس میں صفحہ ۹ تا ۳۴ پر مشتمل ''گناہ کی غلامی سے رہائی پانے کی تدابیر کیا ہیں؟'' کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بصیرت افروز مضمون شائع ہوا تھا۔اس مضمون کو روحانی خزائن جلد نمبر ۱۸ کے آخر میں کتاب نزول المسیح کے بعد شامل کیا جارہا ہے۔

(ز) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک سے لکھا ہوا ''عصمت انبیاء'' کے عنوان سے ایک اور مضمون بھی ریویو آف ریلیجنز اردو مئی ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۷۵ تا ۲۰۹ میں شائع ہوا تھا۔یہ مضمون اب تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا۔اسے بھی روحانی خزائن جلد ۱۸ کے آخر میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

اس جلد کی تیاری میں عزیزم محترم حبیب الرحمٰن صاحب زیروی نائب ناظر اشاعت کے ساتھ مکرم محمد یوسف صاحب شاہد، مکرم عمر علی صاحب طاہر، مکرم ظہور احمد صاحب مقبول، مکرم سلطان احمد شاہد صاحب، مکرم عطاء البصیر محمود صاحب، مکرم ایاز احمد صاحب اور مکرم طاہر احمد مختار صاحب مربیان سلسلہ نے کام کیا۔احباب ان سب واقفین زندگی کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام

سید عبدالحی

ناظر اشاعت

اکتوبر ۲۰۰۸ء

ترتیب

روحانی خزائن جلد۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

تعارف

(از حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس)

روحانی خزائن کی یہ جلد ششم ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی پانچ تالیفات برکات الدعا۔ حجۃ الاسلام۔ سچائی کا اظہار۔ جنگ مقدس اور شہادت القرآن پر مشتمل ہے۔

زمانہ تالیف

’’برکات الدعاء ‘‘حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپریل ۱۸۹۳ء میں اور ’’حجۃ الاسلام ‘‘اور’’سچائی کا اظہار‘‘ مئی ۱۸۹۳ء میں تالیف فرمائیں۔ اور’’جنگ مقدس‘‘یعنی مکمل روئیداد مباحثہ مابین اہل سلام وعیسائیان امرتسر ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء سے شروع ہو کر ۵ جون ۱۸۹۳ء کو ختم ہوا۔

’’کرامات الصادقین ‘‘’’تحفۂ بغداد‘‘اور’’شہادت القرآن‘‘ بھی ۱۸۹۳ء کی تصنیف ہیں لیکن اس خیال سے کہ ’’شہادت القرآن‘‘ اردو میں ہے وہ جلد ششم میں شامل کی گئی ہے اور کرامات الصادقین اور تحفۂ بغداد ساتویں جلد میں۔ اس لئے کہ اس جلد کی اور کتب بھی عربی زبان میں ہیں۔

برکات الدعاء

(سرسید احمد خان مرحوم کے رسالہ الدعاء والاستجابۃ اور رسالہ تحریر فی اصول التفسیر پر ایک نظر)

سرسید احمد خان مرحوم کے متعلق رُوحانی خزائن جلد پنجم میں ہم لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے بعض عقائد اسلامیہ کی ایسے رنگ میں تاویلیں کیں جو قرآن مجید کی آیات بیّنہ اور امتِ محمدیہ کے متفقہ مسلّمہ عقائد اسلامیہ کے

صریح مخالف تھیں۔ مثلاً یہ کہ انہوں نے لفظی یا خارجی وحی اور وجود ملائکہ اور استجابت دعا وغیرہ کا انکار کیا۔ وجود ملائکہ اور وحی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب ''آئینہ کمالات اسلام'' میں دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ ان کے خیالات کا ردّ فرمایا ہے اور ملائکہ کے وجود اور اُن کے کاموں پر جس تفصیل کے ساتھ اس میں بحث کی ہے اس کی نظیر متقدمین کی کتب میں بھی نہیں پائی جاتی۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ دعا کی حقیقت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اضطرار کی جگہ صبر و استقلال کی کیفیت کا پیدا ہو جانا جو لازمۂ عبادت ہے یہی دُعا کا مستجاب ہونا ہے سرسید مرحوم نے ایک رسالہ **الدعاء والاستجابة** لکھا۔ چونکہ دعا عبادت کا مغز تھی اور اس کے بغیر عبادت بے معنی چیز ٹھیرتی تھی اور اس کی قبولیت اور اس کے اثر اور خارجی وحی کے انکار سے اللہ تعالیٰ کے ایک لاکھ سے زائد انبیاء اور کئی کروڑ اولیاء کی شہادت کی تکذیب لازم آتی تھی اور ان کے اکثر معجزات اور کرامات کی اصل اور منبع بھی دعاؤں کی قبولیت ہی تھی اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سرسیّد مرحوم کے اس رسالہ کے جواب میں رسالہ **برکات الدعاء** لکھا۔ جس میں آپ نے اُن کے پیش کردہ دلائل کو معقولی اور منقولی رنگ میں ردّ کیا۔ اور خارجی وحی اور دعا کی قبولیت کے متعلق اپنا تجربہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

> ''میں نے دیکھا ہے کہ اس وحی کے وقت جو برنگِ وحی ولایت میرے پر نازل ہوتی ہے۔ ایک خارجی اور شدید الاثر تصرف کا احساس ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ یہ تصرف ایسا قوی ہوتا ہے کہ مجھ کو اپنے انوار میں ایسا دبا لیتا ہے۔ کہ میں دیکھتا ہوں کہ مَیں اس کی طرف ایسا کھینچا گیا ہوں کہ میری کوئی قوت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس تصرف میں کھلا اور روشن کلام سُنتا ہوں۔ بعض وقت ملائکہ کو دیکھتا ہوں (نوٹ حاشیہ میں۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ ملائک بعض وقت نظر آتے ہیں بلکہ بسا اوقات ملائک کلام میں اپنا واسطہ ہونا ظاہر کر دیتے ہیں۔ منہ) اور سچائی میں جو اثر اور ہیبت ہوتی ہے مشاہدہ کرتا ہوں۔ اور وہ کلام بسا اوقات غیب کی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور ایسا تصرف اور اخذ خارجی ہوتا ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ اب اس سے انکار کرنا ایک کھلی کھلی صداقت کا خون کرنا ہے۔'' (برکات الدعاء۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۲۶)

اور فرمایا:۔

''اگر کوئی وحی نبوت کا منکر ہو اور یہ کہے کہ ایسا خیال تمہارا سراسر وہم ہے تو اس کے منہ بند کرنے والی بجز اس کے نمونہ دکھلانے کے اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟

(برکات الدعاء۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۲۵)

اور دُعا کے اثر کا ثبوت دینے کے لئے آپ نے تحریر فرمایا:۔

''اگر سید صاحب اپنے اس غلط خیال سے توبہ نہ کریں اور یہ کہیں کہ دعاؤں کے اثر کا ثبوت کیا ہے تو **میں** ایسی غلطیوں کے نکالنے کے لئے **مامور** ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی بعض دُعاؤں کی **قبولیت** سے پیش از وقت سید صاحب کو اطلاع دوں گا اور نہ صرف **اطلاع** بلکہ چھپوا دوں گا مگر سید صاحب ساتھ ہی یہ بھی اقرار کریں کہ وہ بعد ثابت ہو جانے میرے دعویٰ کے اس غلط خیال سے رجوع کریں گے۔''

(برکات الدعاء۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۲)

پھر اس رسالہ کے آخر میں آپ نے پنڈت لیکھرام کے متعلق اپنی ایک قبول شدہ دُعا کا بھی ذکر کر دیا۔ چنانچہ فارسی نظم میں آپ نے سر سید احمد خان مرحوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ۔

چوں علاجِ مے زمے وقتِ خمار و التہاب ــــ از دُعا کن چارۂ آزار انکارِ دُعا

اے کہ گوئی گر دعاہا را اثر بودے کجاست ــــ سوئے من بشتاب بنمائیم ترا چوں آفتاب

ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرتہائے حق ــــ قصّہ کوتاہ کن بہ بیں از ما دُعائے مستجاب

(برکات الدعاء۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۳)

چنانچہ سید مرحوم کی زندگی میں ہی پنڈت لیکھرام کی ہلاکت سے متعلقہ پیشگوئی آفتاب نیمروز کی مانند پوری ہوگئی اور موافق ومخالف نے اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی شہادت دی۔

دوسرے رسالہ ''تحریر فی اصول التفسیر'' میں سر سید مرحوم نے اپنے دوست حریف سے تفسیر کے اصول مانگے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ خدمت بھی میں ہی کر دیتا ہوں۔ کیونکہ بھولے کو راہ بتانا سب سے پہلے میرا فرض ہے۔ آپؑ نے تفسیر کے لئے سات معیار تحریر فرما کر لکھا کہ سید صاحب کی تفسیر ان ساتوں معیاروں سے اکثر مقامات میں محروم و بے نصیب ہے۔

الغرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس فرقہ کی جن کے قائد سرسید مرحوم تھے ان آراء زائفہ اور خیالاتِ باطلہ کا ردّ فرمایا جو فلسفۂ مغرب سے متأثر ہو کر اور آیاتِ قرآنیہ کی دور از کار تاویلات کر کے انہوں نے اختیار کئے تھے۔ اگرچہ وہ اپنے خیال میں اسلام کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ناواقفی سے درحقیقت وہ اسلام کی جڑ پر تبر چلا رہے تھے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک طرف ایسے مسلمانوں کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کیا اور دوسری طرف دشمنانِ اسلام کو روحانی مقابلہ کے لئے للکارا اور اسلام کی صداقت اور قرآن مجید کا کلامِ الٰہی ہونا بدلائل عقلیہ ونقلیہ ثابت کیا۔

حجّۃ الاسلام

''برکات الدعاء'' کے بعد آپؑ نے اپریل ۱۸۹۳ء میں رسالہ **حجّۃ الاسلام** شائع کیا۔ اس رسالہ میں حضورؑ نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اور بعض دوسرے عیسائی صاحبان کو اس عظیم الشان دعوت کے لئے بلایا کہ دُنیا میں زندہ اور بابرکت اور اپنے اندر آسمانی روشنی رکھنے والا مذہب صرف اسلام ہے جس کے ثبوت کے نشان اب بھی اس کے ساتھ ایسے ہی ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ اور عیسائی مذہب تاریکی میں پڑا ہوا ہے اور زندہ مذہب کی علامتیں اُس میں نہیں پائی جاتیں۔ اور ۲۲؍مئی ۱۸۹۳ء کو جو مباحثہ ہونے والا تھا اس کی ضروری شرائط بھی اس رسالہ میں درج کر دی گئی ہیں اور آئندہ کے لئے دونوں مذہبوں میں قطعی فیصلہ کرنے کے لئے کہ اِن میں سے کون سا مذہب سچّا اور زندہ ہے۔ مباحثہ کے علاوہ مباہلہ کرنے اور نشان دکھانے کی بھی عیسائیوں کو دعوت دی گئی ہے اور وہ خط و کتابت بھی درج کی گئی ہے جو مسلمانان جنڈیالہ اور ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مابین ہوئی۔

اِس رسالہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی کی نسبت ایک رؤیا کی بناء پر یہ پیشگوئی بھی کی گئی ہے کہ وہ میرے ایمان کو مان لے گا۔ اور اپنی موت سے پہلے میری تکفیر سے تائب ہو گا۔ اور یہ پیشگوئی بزبان حال اُس وقت پوری ہوئی جب وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت مباہلہ پر مباہلہ میں شامل نہ ہوا اور حضورؑ نے مباہلہ سے پہلے بذریعہ اشتہار یہ شائع کر دیا تھا کہ

''اگر شیخ محمد حسین بٹالوی دہم ذیقعد ۱۳۱۰ھ کو مباہلہ کے لئے حاضر نہ ہوا تو اسی

روز سے سمجھا جائے گا کہ وہ پیشگوئی جو اس کے حق میں چھپوائی گئی تھی کہ وہ کافر
کہنے سے توبہ کرے گا پوری ہوگئی۔‘‘ (سچائی کا اظہار۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۸۲)

اور قولی لحاظ سے اس وقت پوری ہوئی۔ جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے زمانہ میں ضلع گوجرانوالہ کے منصف لالہ دیو کی نندن کے روبرو عدالت میں حلفی شہادت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کو مسلمان فرقوں میں سے شمار کیا۔

سچائی کا اظہار

ماہ مئی ۱۸۹۳ء میں آپؑ نے رسالہ سچائی کا اظہار شائع کیا۔ اس رسالہ میں حضورؑ نے پادری ڈپٹی عبداللہ آتھم رئیس امرتسر کا بشرط مغلوبیت اسلام لانے کا اقرار نامہ درج فرمایا۔ اور ڈاکٹر کلارک کے اشتہار مرقومہ ۱۲؍مئی ۱۸۹۳ء کا جو بطور ضمیمہ ’’نور افشاں‘‘ لدھیانہ شائع ہوا تھا ذکر فرمایا۔ اس اشتہار میں ڈاکٹر کلارک نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مباحثہ سے بچنے کے لئے مسلمانان جنڈیالہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ آپ نے جسے اپنا پیشوا مقرر کیا ہے اس کو تو علمائے اسلام کافر اور خارج از اسلام قرار دیتے ہیں اور اس کے جنازہ کو بھی جائز نہیں سمجھتے اور اشاعۃ السنہ کا حوالہ دیا۔ مگر مسلمانانِ جنڈیالہ کی طرف سے میاں محمد بخش صاحب نے انہیں لکھا کہ ہم ایسے مولویوں کو خود مفسد سمجھتے ہیں جو ایک مسلمان مؤید اسلام کو کافر ٹھہراتے ہیں۔ نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا کہ

’’تمام مستند علماء اسلام جن کو خدا تعالیٰ نے علم و عمل بخشا ہے اور نورِ فراست ایمانیہ عطا کیا ہے وہ میرے ساتھ ہیں اور اس وقت چالیس کے قریب ہیں اور فریقِ ثانی کے ساتھ اکثر ایسے لوگ ہیں جو صرف نام کے مولوی اور علمی اور عملی کمالات سے تہید ست ہیں۔‘‘ (سچائی کا اظہار۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۷۴)

مزید برآں حضورؑ نے اس امر کے ثبوت کے لئے علمائے حرمین میں سے تین فاضل بزرگوں کے خطوط بھی شائع کئے جنہوں نے آپؑ کے دعویٰ کی تصدیق کی تھی اور اس رسالہ میں وہ اشتہار بھی درج فرمایا جس میں آپؑ نے عبدالحق غزنوی کو جس نے خود مباہلہ کے لئے درخواست کی تھی اور دوسرے علماء کو بھی اس کے ساتھ مباہلہ میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

جنگ مقدس [1]

کتاب ''جنگ مقدس'' اس عظیم الشان مباحثہ کی مکمل روئیداد کا نام ہے جو امرتسر میں اہل اسلام اور عیسائیوں کے مابین ۲۲؍مئی ۱۸۹۳ء سے لے کر ۵؍جون ۱۸۹۳ء تک ہوا۔ جس میں اہلِ اسلام کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور عیسائیوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم [2] مناظر تھے۔

اسباب مباحثہ:۔ روحانی خزائن کی جلد اوّل اور سوم میں ہم پنجاب اور ہندوستان کے عیسائی مشنریوں کی مساعی کا ذکر کر چکے ہیں اور لکھ چکے ہیں کہ اس وقت مسیحیت کی تبلیغ عنفوان شباب پر تھی۔ اور مختلف شہروں اور دیہات میں ان کے مشن قائم تھے۔ اور ہندوستانی مسلمان اور دیگر اقوام کے لوگ پے در پے عیسائی ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ یہ خیال کیا جانے لگا تھا کہ چند سالوں میں ہندوستان عیسائیت کی آغوش میں آ جائے گا۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر چارلس ایچی سن نے بمقام شملہ مسیحی مبلغوں کی ایک میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

> ''جس رفتار سے ہندوستان کی معمولی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اس سے چار پانچ گُنا تیز رفتار سے عیسائیت اس ملک میں پھیل رہی ہے۔ اور اس وقت ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد دس لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔''

(''دی مشنز'' مصنفہ ریورنڈ رابرٹ کلارک)

---

[1] ریورنڈ رابرٹ کلارک نے اپنی کتاب ''دی مشنز آف دی سی۔ایم۔ایس اِن پنجاب اینڈ سندھ'' مطبوعہ سی۔ایم۔ایس لنڈن ۱۹۰۴ء میں اس مباحثہ کو .The great controversy یعنی ایک عظیم الشان مباحثہ قرار دیا ہے۔ اور اس مباحثہ کو جنگ مقدس کا نام خود ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے دیا۔ صفحہ ۶۴و۶۶۔ شمس

[2] عبداللہ آتھم قریباً ۱۸۳۸ء میں بمقام انبالہ پیدا ہوئے اور ۲۸؍مارچ ۱۸۵۳ء کو انہوں نے کراچی میں بپتسمہ لیا۔ اور اسی موقعہ پر انہوں نے اپنے نام کے ساتھ آثم یعنی گنہگار کا لفظ لگایا۔ پہلے انبالہ، ترنتارن اور بٹالہ میں تحصیلدار رہے۔ پھر سیالکوٹ۔ انبالہ اور کرنال میں ای۔اے۔سی کے عہدہ پر رہے اور پھر ریٹائرڈ ہونے کے بعد انہوں نے اپنی خدمات امرتسر مشن کو سپرد کر دیں اور اسلام کے خلاف چند کتب لکھیں۔ شمس

قبل ازیں ۱۸۵۱ء میں ہندوستانی عیسائی صرف ۹۱۰۹۲ تھے اور ۱۸۸۱ء میں ان کی تعداد ۴۱۷۳۷۲ تھی۔ جس زمانہ میں یہ مباحثہ ہوا اس وقت مسیحی مناد عیسائی مشنری یوروپین اور ہندوستانی پنجاب کے بیسیوں مقامات پر لوگوں کو عیسائیت کی طرف دعوت دے رہے تھے اور دجال پورے زور سے دین اسلام کی تباہی کے لئے ہمہ تن مصروف تھا۔ اور علمائے اسلام خواب خرگوش میں تھے۔ سب سے پہلے چرچ مشنری سوسائٹی نے ہندوستان میں ۱۷۹۹ء میں تبلیغی کام شروع کیا تھا۔ لیکن اس وقت بہت سی مشنری سوسائٹیاں کام کررہی تھیں جن کے ہیڈ کوارٹرز انگلستان جرمنی اور امریکہ وغیرہ ممالک تھے۔ ۱۹۰۱ء میں ان مشنری سوسائٹیوں کی تعداد ۳۷ تھی اور ایک بہت بڑی تعداد مشنریوں کی ایسی بھی تھی جو ان سوسائٹیوں سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ وسط ایشیا میں عیسائیت کے مشنری کام کے لئے وہ پنجاب کو ایک قدرتی بیس (Base) سمجھتے تھے[1]۔ اور پنجاب کے تیرہ مشہور شہروں میں ان کے بڑے بڑے مشن قائم تھے۔ اِن میں سے ایک مشن امرتسر میں قائم تھا۔ یہ مشن چرچ مشنری سوسائٹی نے ۱۸۵۲ء میں قائم کیا تھا۔ اور جنڈیالہ ضلع امرتسر میں عیسائی مشن کی بنیاد ۱۸۵۴ء میں رکھی گئی تھی۔ لیکن جب ہنری مارٹن کلارک[2] ایم۔ ڈی۔ سی۔ ایم (ایڈنبرا) ایم آر اے ایس۔ سی ایم ایس ضلع امرتسر کے میڈیکل مشنری انچارج تھے تو انہوں نے ۱۸۸۲ء میں امرتسر میڈیکل مشن کی ایک شاخ جنڈیالہ میں بھی جاری کردی جو عیسائیت کے فروغ کا نیا دروازہ ثابت ہوئی۔ عیسائی مناد جابجا وعظ کرنے لگے۔ جنڈیالہ کے مسلمانوں میں سے ایک میاں محمد بخش پاندہ مکتب دیسی تھے وہ باوجود معمولی تعلیم رکھنے کے اُن کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوگئے اور انہوں نے بعض دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی عیسائی منادوں پر سوالات کرنے سکھا دیئے۔ اب جنڈیالہ کے مسلمانوں اور مسیحی منادوں میں گفتگوئیں شروع ہوگئیں۔ آخر جنڈیالہ کے عیسائیوں نے ڈاکٹر کلارک سے صورت حالات کا ذکر کیا تو انہوں نے مسیحیان جنڈیالہ کی طرف سے میاں محمد بخش صاحب کو مخاطب کرکے مسلمانانِ جنڈیالہ کے نام ایک خط لکھا جو اس جلد کے صفحہ ۶۰ پر درج ہے اس میں ڈاکٹر کلارک

---

[1] دیکھو ''دی مشنز'' صفحہ ۱۷، ۲۴۵ مصنفہ ریورنڈ رابرٹ کلاک

[2] یاد رہے کہ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک ہی تھے جنہوں نے ۷/ اپریل ۱۸۸۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی خدمت میں آٹھ سوالات بھیجے تھے جن کا جواب آپ نے ۱۸۸۸ء میں اپنی کتاب ''فصل الخطاب'' میں دیا اور ۱۸۸۹ء میں ریورنڈ ٹامس ہاول نے جبکہ وہ پنڈ دادنخاں میں مشنری تھے جواب دینے کی کوشش کی۔ اور ایک رسالہ ''جواب اہل کتاب'' لکھا جو اختر ہند پریس امرتسر میں شائع ہوا۔ شمس

نے مسیحیان جنڈیالہ کی طرف سے لکھا کہ

''آپ خواہ خود یا اپنے ہم مذہبوں سے مصلحت کر کے ایک وقت مقرر کریں اور جس کسی بزرگ پر آپ کی تسلّی ہو اُسے طلب کریں اور ہم بھی وقت معیّن پر محفل شریف میں کسی اپنے کو پیش کریں گے کہ جلسہ اور فیصلہ امورات مذکورہ بالا کا بخوبی ہو جاوے۔''

اور لکھا

''کہ اگر صاحبانِ اہل اسلام ایسے مباحثہ میں شریک نہ ہونا چاہیں تو آئندہ کو اپنے اسپِ کلام کو میدان گفتگو میں جولانی نہ دیں اور وقتِ منادی یا دیگر موقعوں پر حجّت بے بنیاد ولا حاصل سے باز آکر خاموشی اختیار کریں۔''

(حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۶۰)

یہ خط میاں محمد بخش صاحب کو ۱۱؍ اپریل ۱۸۹۳ء کو ملا جو انہوں نے مع اپنے خط کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور اپنے خط میں حضور سے یہ التماس کی کہ

''اہل اسلام جنڈیالہ اکثر کمزور اور مسکین ہیں اس لئے خدمت شریف عالی میں ملتمس ہوں کہ آنجناب للہ اہل اسلام جنڈیالہ کو امداد فرماؤ۔ ورنہ اہلِ اسلام پر دھبّہ آجائے گا۔'' (حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۵۹)

اِس خط کے ملنے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور میاں محمد بخش صاحب کو اس کا مناسب جواب بھجوانے کے علاوہ اپنے ایک خط ۱۳؍ اپریل ۱۸۹۳ء کو براہِ راست مسیحیان جنڈیالہ کے نام ڈاکٹر کلارک امرتسر کی معرفت بھیج دیا۔ جس میں آپ نے ان کی دعوت مباحثہ مندرجہ مکتوب بنام میاں محمد بخش صاحب کا ذکر کر کے لکھا:۔

''کہ جنڈیالہ کے مسلمانوں کا ہم سے کچھ زیادہ حق نہیں بلکہ جس حالت میں خداوند کریم اور رحیم نے اس عاجز کو انھیں کاموں کے لئے بھیجا ہے تو ایک سخت گناہ ہوگا کہ ایسے موقعہ پر خاموش رہوں۔ اس لئے میں آپ لوگوں کو اطلاع دیتا ہوں کہ اس کام کے لئے میں ہی حاضر ہوں۔'' (حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۶۱)

اورتحریرفرمایا کہ

''یہ بحث زندہ مذہب یا مردہ مذہب کی تنقیح کے بارہ میں ہوگی اور دیکھا جاوے گا کہ جن روحانی علامات کا مذہب اور کتاب نے دعویٰ کیا ہے وہ اب بھی اس میں پائی جاتی ہیں کہ نہیں۔'' (حجۃ الاسلام۔روحانی خزائن جلد۶ صفحہ ۶۳، ۶۴)

اوراس امر کا ثبوت اِس طرح پیش کیا جائے گا۔

''اہلِ اسلام کا کوئی فرد اس تعلیم اور علامات کے موافق جو کامل مسلمان ہونے کے لئے قرآن کریم میں موجود ہیں اپنے نفس کو ثابت کرے۔اور اگر نہ کر سکے تو دروغ گو ہے نہ مسلمان۔اور ایسا ہی عیسائی صاحبوں میں سے ایک فرد اس تعلیم اور علامات کے موافق جو انجیل شریف میں موجود ہیں اپنے نفس کو ثابت کر کے دکھلائے اور اگر وہ ثابت نہ کر سکے تو وُہ دروغ گو ہے نہ عیسائی''

(حجۃ الاسلام۔روحانی خزائن جلد۶ صفحہ ۶۲)

اس کے جواب میں ۱۸/اپریل ۱۸۹۳ء کو عیسائیان جِنڈیالہ کی طرف سے ڈاکٹر کلارک نے لکھا:۔

''ہمارا دعویٰ نہ آپ سے پر جنڈیالہ کے محمدیوں سے ہے۔ہم آپ کی دعوت قبول کرنے میں قاصر ہیں۔اُن کی طرف ہم نے خط لکھا ہوا ہے۔اور تا حال جواب کے منتظر ہیں ....اگر وُہ آپ کو تسلیم کر کے اس جنگ مقدس کے لئے اپنی طرف سے پیش کریں تو ہمارا کچھ عذر نہیں بلکہ عین خوشی ہے۔'' (حجۃ الاسلام۔روحانی خزائن جلد۶ صفحہ ۶۴)

۲۳/اپریل ۱۸۹۳ء کو اِس خط کا جواب دیتے ہوئے پادری صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا کہ میں اپنے چند عزیز دوست بطور سفیر منتخب کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس پاک جنگ کے لئے آپ مجھے مقابلہ پر منظور فرمائیں گے۔جب آپ کا پہلا خط جو جنڈیالہ کے بعض مسلمانوں کے نام تھا مجھ کو ملا اور مَیں نے یہ عبارتیں پڑھیں کہ کوئی ہے کہ ہمارا مقابلہ کرے تو میری روح اس وقت بول اٹھی کہ ہاں میں ہوں جس کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے گا۔اور سچائی کو ظاہر کرے گا۔وہ حق جو مجھ کو ملا ہے اور وہ آفتاب جس نے ہم میں طلوع کیا ہے وہ اب پوشیدہ رہنا نہیں چاہتا۔میں دیکھتا

ہوں کہ اب وہ زوردار شعاعوں کے ساتھ نکلے گا۔ اور دلوں پر اپنا ہاتھ ڈالے گا۔ اور اپنی طرف کھینچ لائے گا۔

اور فرمایا:۔

''آپ جانتے ہیں کہ جنڈیالہ میں کوئی مشہور اور نامی فاضل نہیں اور یہ آپ کی شان سے بھی بعید ہوگا کہ آپ عوام سے الجھتے پھریں اور اس عاجز کا حال آپ پر مخفی نہیں کہ آپ صاحبوں کے مقابلہ کے لئے ...... پورے دس ۱۰ سال سے میدان میں کھڑا ہوں۔ جنڈیالہ میں میری دانست میں ایک بھی نہیں جو میدان کا سپاہی تصوّر کیا جائے۔''

(حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۶۵)

اور آپؑ نے یہ بھی واضح کر دیا۔

چاہیئے کہ یہ بحث صرف زمین تک محدود نہ رہے بلکہ آسمان بھی اُس کے ساتھ شامل ہو اور مقابلہ صرف اس بات میں ہو کہ روحانی زندگی اور آسمانی قبولیت اور روشن ضمیری کس مذہب میں ہے اور میں اور میرا مقابل اپنی اپنی کتاب کی تاثیریں اپنے اپنے نفس میں ثابت کریں۔''

(حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۶۶)

آپؑ کے سفیروں کا وفد اس خط کو لے کر امرتسر پہنچا اور ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک سے اُن کی گفتگو ہوئی اور شرائط مناظرہ طے ہوگئیں۔ تب ۲۴؍اپریل ۱۸۹۳ء کو ڈاکٹر کلارک نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ

''جناب نے جو مسلمانوں کی طرف سے مجھے مقابلہ کے لئے دعوت کی ہے اس کو میں بخوشی قبول کرتا ہوں آپ کی سفارت نے آپ کی طرف سے مباحثہ اور شرائط ضروریہ کا فیصلہ کر لیا ہے ...... اطلاع بخشیں کہ آپ اِن شرائط کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔''

(حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۶۶، ۶۷)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲۵؍اپریل ۱۸۹۳ء کو پادری ڈاکٹر کلارک کو جواباً لکھا کہ

''مَیں اُن تمام شرائط کو منظور کرتا ہوں جن پر آپ کے اور میرے دوستوں کے دستخط ہو چکے ہیں۔''

(حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۶۹)

منظوری دیتے ہوئے آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ اس مباحثہ کو دونوں مذہبوں میں فیصلہ کُن بنانے کے لئے یہ بھی ہونا ضروری ہے کہ چھ دن کے مباحثہ کے بعد ساتویں دن ایک روحانی مقابلہ بصورت مباہلہ کیا

جائے اور فریقین مباہلہ میں یہ دعا کریں۔

''مثلاً فریق عیسائی یہ کہے کہ وہ عیسیٰ مسیح ناصری جس پر میں ایمان لاتا ہوں وہی خدا ہے اور قرآن انسان کا افترا ہے خدا تعالیٰ کی کتاب نہیں اور اگر مَیں اس بات میں سچا نہیں تو میرے پر ایک سال کے اندر کوئی ایسا عذاب نازل ہو جس سے میری رسوائی ظاہر ہو جائے اور ایسا ہی یہ عاجز دُعا کرے گا کہ اے کامل اور بزرگ خدا میں جانتا ہوں کہ درحقیقت عیسیٰ مسیح ناصری تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے خدا ہرگز نہیں اور قرآن کریم تیری پاک کتاب اور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تیرا پیارا اور برگزیدہ رسول ہے اور اگر میں اس بات میں سچّا نہیں تو میرے پر ایک سال کے اندر کوئی ایسا عذاب نازل کر جس سے میری رسوائی ظاہر ہو جائے اور اے خدا میری رسوائی کے لئے یہ بات کافی ہوگی کہ ایک برس کے اندر تیری طرف سے میری تائید میں کوئی ایسا نشان ظاہر نہ ہو جس کے مقابلہ سے تمام مخالف عاجز رہیں۔''

(حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۷۰)

آسمانی نشان دکھانے کے لئے دعوت

اِس کے بعد آپؑ نے وہ اشتہار لکھا جس کا عنوان ہے ''ڈاکٹر پادری کلارک کا جنگ مقدس اور ان کے مقابلہ کے لئے اشتہار''[1] اِس میں مختصر طور پر مناظرہ کی طے شدہ شرائط کے ذکر کے علاوہ مباحثہ کے بعد مباہلہ اور نشان نمائی کی دعوت دی گئی ہے۔

مباہلہ کے متعلق حضورؑ نے فرمایا:۔

''وہ صرف اس قدر کافی ہے کہ فریقین اپنے مذہب کی تائید کے لئے خدا تعالیٰ سے آسمانی نشان چاہیں اور ان نشانوں کے ظہور کے لئے ایک سال کی میعاد قائم ہو پھر جس فریق کی تائید میں کوئی آسمانی نشان ظاہر ہو جو انسانی طاقتوں سے بڑھ کر ہو جس کا مقابلہ فریق مخالف سے نہ ہو سکے تو لازم ہوگا کہ فریق مغلوب اس فریق کا مذہب اختیار کرے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے آسمانی نشان کے ساتھ غالب کیا ہے اور مذہب

[1] یہ اشتہار اس جلد کے صفحہ ۴۴ تا ۵۰ پر درج ہے۔

اختیار کرنے سے اگر انکار کرے تو واجب ہوگا کہ اپنی نصف جائداد اس سچے مذہب کی امداد کی غرض سے فریق غالب کے حوالہ کر دے۔‘‘

(حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۴۸)

اور فرمایا

’’اگر ایک سال کے عرصہ میں دونوں طرف سے کوئی نشان ظاہر نہ ہو یا دونوں طرف سے ظاہر ہو تو پھر کیونکر فیصلہ ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ راقم اس صورت میں بھی اپنے تئیں مغلوب سمجھے گا اور ایسی سزا کے لائق ٹھیرے گا جو بیان ہو چکی ہے چونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں اور فتح پانے کی بشارت پا چکا ہوں پس اگر کوئی عیسائی صاحب میرے مقابل آسمانی نشان دکھلاویں یا میں ایک سال تک دکھلا نہ سکوں تو میرا باطل پر ہونا کُھل گیا۔...... میری سچائی کے لئے یہ ضروری ہے کہ میری طرف سے بعد مباہلہ ایک سال کے اندر ضرور نشان ظاہر ہو۔ اور اگر نشان ظاہر نہ ہو تو پھر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں اور نہ صرف وہی سزا بلکہ موت کی سزا کے لائق ہوں۔‘‘ (حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۴۹)

’’آپؑ نے نشان نمائی اور مباہلہ کے متعلق مباحثہ کے دوران میں بار بار فریق مقابل کو توجہ دلائی لیکن اُن میں سے کوئی اس روحانی مقابلہ کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ اور عبداللہ آتھم نے تو اپنے ایک خط میں صاف لکھ دیا۔

’’ہم اس امر کے قائل نہیں ہیں کہ تعلیماتِ قدیم کے لئے معجزہ جدید کی کچھ بھی ضرورت ہے اس لئے ہم معجزہ کے لئے نہ کچھ حاجت اور نہ استطاعت اپنے اندر دیکھتے ہیں...... بہرکیف اگر جناب کسی معجزہ کے دکھلانے پر آمادہ ہیں تو ہم اس کے دیکھنے سے آنکھیں بند نہ کریں گے اور جس قدر اِصلاح اپنی غلطی کی آپ کے معجزہ سے کر سکتے ہیں اس کو اپنا فرض عین سمجھیں گے۔‘‘ (حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۵۲)

حضورؑ نے نشان دیکھنے کے بعد بلا توقف مسلمان ہو جانے کی جو شرط لگائی تھی مسٹر عبداللہ آتھم نے اپنے خط مؤرخہ ۹ رمئی ۱۸۹۳ء میں اِن الفاظ میں منظور کر لی کہ

’’کہ اگر جناب یا اور کوئی صاحب کسی صورت سے بھی یعنی بہ تحدّی معجزہ یا دلیل قاطع عقلی تعلیماتِ قرآنی کو ممکن اور موافق صفاتِ اقدس ربّانی کے ثابت کر سکیں تو

میں اقرار کرتا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں گا۔'' (سچائی کا اظہار۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۸۰)

مباحثہ کی شرائط طے ہو چکیں۔ مسلمانانِ جنڈیالہ نے بھی اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا لیکن پادری آتھم اور دیگر پادریوں کو ڈاکٹر کلارک کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مناظرہ منظور کر لینا پسند نہ تھا۔ چنانچہ شیخ نور احمد صاحب[1] مالک ریاض ہند پریس امرتسر اپنے رسالہ ''نور احمد'' صفحہ ۲۲ میں لکھتے ہیں کہ جب وہ اور مستری قطب الدین صاحب پادری عماد الدین صاحب کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے پہنچے۔

''کہ کون سے پادری صاحب ہیں جنہوں نے عیسائیوں کی طرف سے مناظرہ میں پیش ہونا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب سے خط و کتابت شروع کر رکھی ہے۔ کیا آپ اس مناظرہ میں بطور مناظر پیش ہوں گے تو انہوں نے کہا کہ میں تو ایسے مناظروں کو فضول سمجھتا ہوں۔ بھلا میں ایسا کیوں کرنے لگا۔ اِس پر میں نے اُن کو جنڈیالہ کا واقعہ سنایا تو کہنے لگے ہنری مارٹن کلارک لونڈا ہوگا۔''

اور جب وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نمائندوں کو جو شرائط طے کرنے کے لئے حضورؑ نے امرتسر بھجوائے تھے ریلوے اسٹیشن سے ہی ڈاکٹر کلارک کی کوٹھی پر لے کر پہنچے تو ڈاکٹر کلارک صاحب اپنے اردلی کو برآمدے میں کرسیاں لگا دینے کا حکم دے کر خود دوسرے دروازے سے عبداللہ آتھم کی کوٹھی پر گئے جو قریب ہی تھی۔ اس عرصہ میں میاں محمد بخش صاحب پاندہ بھی جنڈیالہ سے پہنچ گئے تھے۔ ڈاکٹر کلارک نے آتھم صاحب سے جا کر کہا کہ

''قادیان سے چند آدمی جلسہ مناظرہ کی شرائط اور تاریخ وغیرہ طے کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ چل کر تاریخ و شرائط وغیرہ طے کر لیں۔ آتھم صاحب نے کانوں پر

---

[1] شیخ نور احمد صاحب کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ممبران سفارت میں شامل کیا تھا جو شرائط طے کرنے کے لئے حضورؑ کی طرف سے امرتسر گئے تھے اور شیخ صاحب موصوف ہی ڈاکٹر کلارک سے وقت مقرر کر کے ممبران سفارت کو سٹیشن سے ہی اپنے ساتھ لیکر ڈاکٹر کلارک کی کوٹھی پر پہنچے اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام مباحثہ کے لئے امرتسر تشریف لے گئے تھے تو پہلے آپ ہی کے مکان پر فروکش ہوئے تھے۔ بعد میں حاجی محمود صاحب کی درخواست پر جو خان محمد شاہ صاحب مرحوم رئیس امرتسر کے داماد تھے کہ آپ ان کے مکان پر تشریف لے چلیں حضورؑ نے فرمایا کہ شیخ نور احمد صاحب سے اجازت لے لیں تو شیخ صاحب کے حاجی محمود صاحب کو اجازت دینے پر حضورؑ ان کے مکان پر تشریف لے گئے تھے۔ امرتسر میں شیخ نور احمد صاحب ہی اس مناظرہ سے متعلقہ امور کو سرانجام دیتے تھے۔ شمس

ہاتھ دھرا اور کہا۔ڈاکٹر صاحب اگر ایک سو دوسرے مولوی ہوتے تو کچھ پرواہ نہ تھی۔تم نے کہاں بھڑوں کے چھتہ میں ہاتھ ڈال دیا۔مرزا قادیانی کا مقابلہ کرنا اور اُن سے نپٹنا آسان نہیں سخت مشکل کام ہے۔تم نے ہی یہ فتنہ اُٹھایا ہے۔تم ہی اس کام کو کرو۔ میں ہرگز نہیں جاؤں گا اور نہ اِس میں شریک ہوں گا۔ڈاکٹر صاحب نے کہا۔عیسائی قوم کے تم ہی پہلوان ہو۔تم ہی یہ کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتے ہو تمہارے بھروسہ پر میں نے یہ کام شروع کیا ہے اور تم اس سے انکار کرتے ہو۔تمہیں ضرور شامل ہونا پڑے گا۔آخر پون گھنٹہ کی گفتگو کے بعد ہلاشیری دلا کر ڈاکٹر صاحب آتھم صاحب کو ساتھ ہی لے آئے اس گفتگو کا علم عبداللہ آتھم صاحب کے مسلمان خانساماں سے بعد میں ہوا۔جب دونوں آئے اور کرسیوں پر بیٹھے تو آتھم صاحب کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ ’’ہائے مَیں مر گیا‘‘ اس کے بعد شرائط طے ہوئیں‘‘ [1]

جب پادری آتھم صاحب سے امرتسر اور بٹالہ کے مولویوں نے اُن کی کوٹھی پر جا کر یہ کہا کہ تم نے دوسرے علماء سے بحث کیوں منظور نہ کی۔مرزا صاحب سے کیوں بحث پر رضامندی ظاہر کی اُن کو تو تمام علماء کافر کہتے ہیں تو انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر ڈاکٹر کلارک سے کہا کہ

’’میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مرزا صاحب سے بحث کرنا آسان نہیں اب یہ موقعہ اچھا ہاتھ آ گیا ہے۔مرزا صاحب کو جواب دے دو اور اِن مولویوں سے بے شک مباحثہ کر لو کوئی ہرج نہیں [2]‘‘

اس پر ڈاکٹر کلارک نے ۱۲رمئی ۱۸۹۳ء کو ایک اشتہار لکھا جو بطور ضمیمہ ’’نور افشاں‘‘ ۱۲رمئی ۱۸۹۳ء کو شائع ہوا اور اس اشتہار کی اشاعت سے اُن کی غرض سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مباحثہ نہ ہو۔اس غرض سے انہوں نے مسلمانانِ جنڈیالہ کو آپ سے بدظن کرنے کے لئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور دیگر علماء کے تکفیری فتاویٰ کا ذکر کیا جو ’’اشاعۃ السنہ‘‘ میں شائع ہوئے تھے اور ’’اشاعۃ السنہ‘‘ کی خریداری کے متعلق بھی اعلان کر دیا کہ

’’کتاب اشاعة السنة النبوية مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب سے منگوا کر دیکھ

[1] رسالہ نور احمد صفحہ ۲۴ [2] رسالہ نور احمد صفحہ ۲۵

سکتے ہیں۔ قیمت ۸؍ آنے ہے۔ لاہور سے مل سکتی ہے۔‘‘

اِس اشتہار میں ڈاکٹر کلارک نے مسلمانانِ جنڈیالہ کو مخاطب کر کے لکھا:۔

’’آپ ایک ایسے بزرگ کو بحث کے لئے پیش کرتے ہو جن کو اوّلاً ایک محمدی شخص بھی تصوّر کرنا مشکل ہے آپ کن خیالوں میں مبتلا ہو رہے ہیں کیا آپ نے وہ فتویٰ جو کہ علمائے اسلام پنجاب و ہندوستان نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے حق میں شائع کئے ہیں نہیں دیکھے۔‘‘

نیز لکھا:۔

’’آپ عجب غفلت میں پڑے ہیں کہ اب تک اس کتاب (یعنی اشاعۃ السنہ۔ ناقل) کو نہیں دیکھا آفرین آپ پر اور جنڈیالہ کے اہلِ اسلام کی ہمّت پر جس کا جنازہ بھی جائز نہیں اُسی کو آپ نے پیشوا مقرر کیا۔ واہ صاحب واہ۔ آپ کی یہ خوش فہمی۔‘‘

(سچائی کا اظہار۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۷۳)

مگر جنڈیالہ کے مسلمانوں نے اس اشتہار سے ذرہ جنبش نہ کھائی اور میاں محمد بخش صاحب نے حضرات پادری صاحبان کو نہایت دندان شکن جواب دیا۔ لکھا

’’کہ کوئی مذہب اختلاف سے خالی نہیں اور عیسائی بھی اِس سے باہر نہیں اور ہم ایسے مولویوں کو خود مفسد سمجھتے ہیں جو ایک مسلمان مویّد اسلام کو کافر ٹھہراتے ہیں۔‘‘

(سچائی کا اظہار۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۷۳،۷۴)

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پادریوں پر واضح کر دیا کہ آپ کی تحریریں اور وعدے آپ کی منظور کردہ شرائط ہمارے پاس ہیں۔ لہٰذا اب آپ کو یا تو بحث کرنا ہوگی یا شکست تسلیم کرنا ہوگی۔ اگر آپ دوسرے مولویوں سے بحث کرنا چاہتے ہیں تو پہلے منظور کردہ بحث میں اپنی شکست کا اخبارات میں اعلان کریں۔

آخر کار جب پادریوں کو فرار کی کوئی راہ دکھائی نہ دی تو بادلِ ناخواستہ انہیں مباحثہ کا تلخ پیالہ پینا پڑا۔ اور مباحثہ ڈاکٹر کلارک کی کوٹھی پر فریقین کی منظور شدہ شرائط کے مطابق ۲۲؍مئی ۱۸۹۳ء سے شروع ہو کر ۵؍جون ۱۸۹۳ء کو ختم ہوا۔

یہ جنگ مقدس جو کاسرِ صلیب اور حامیانِ صلیب کے مابین ہوئی۔ اِس میں میدان اسلام کے پہلوان کے ہاتھ رہا۔ اور کسرِ صلیب ایسے رنگ میں ہوا کہ پھر صلیب جُڑنے کے قابل نہ رہی۔ مسلمان خوش ہوئے اور حامیانِ صلیب کے ہاں صفِ ماتم بچھ گئی۔

مسیح موعودؑ کا روحانی حربہ

احادیث میں آتا ہے کہ مسیح موعود دجّال کو اپنے حربہ (برچھی) کے ایک ہی وار سے قتل کر دے گا اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ وہ بابِ لُدّ میں قتل کرے گا۔ اور لُدّ عربی زبان میں اَلَدّ کی جمع ہے یعنی ایسے لوگ جو جدال اور مباحثہ میں غالب آجائیں۔ سو اس میں اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ مسیح موعودؑ اور آپ کے ساتھی دجّال کو مباحثات کے دروازے سے قتل کریں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی اپنی پوری شان سے پوری ہوئی۔

کاسرِ صلیب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابتدائے مناظرہ میں ہی ایک ایسا وار کیا جس سے آپ کا حریف پادری عبداللہ آتھم اور اس کے مددگار آخر دم تک نیم مُردہ کی مانند آئیں بائیں شائیں تو کرتے رہے لیکن حقیقی جواب نہ اُن سے ہوسکتا تھا اور نہ ہوا۔ آپؑ کا وہ کامیاب وار یہ تھا۔ آپؑ نے فرمایا:۔

”واضح ہو کہ اِس بحث میں یہ نہایت ضروری ہوگا کہ جو ہماری طرف سے کوئی سوال ہو یا ڈپٹی عبداللہ آتھم کی طرف سے کوئی جواب ہو وہ اپنی طرف سے نہ ہو بلکہ اپنی اپنی الہامی کتاب[1] کے حوالہ سے ہو۔ جس کو فریق ثانی حجّت سمجھتا ہو۔ اور ایسا ہی ہر ایک دلیل[2] اور ہر ایک دعویٰ[3] جو پیش کیا جاوے وہ بھی اِسی التزام سے ہو غرض کوئی فریق اپنی اس کتاب کے بیان سے باہر نہ جائے جس کا بیان بطور حجت ہوسکتا ہے۔“

(جنگ مقدس۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۸۹)

سارے مباحثہ کو از ابتداء تا انتہا پڑھ جاؤ۔ یہ امر واضح ہو جائے گا کہ عیسائی مناظر آخر دم تک اس معیار پر پورا نہیں اتر سکا بلکہ تعجب ہے کہ وہ دعویٰ اور دلیل میں بھی فرق نہیں کر سکا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید سے جو دعویٰ پیش کیا اس کے اثبات میں عقلی دلائل بھی قرآن مجید سے ہی پیش کئے۔

پادریوں کاوار

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دوران مناظرہ میں بار بار زندہ مذہب کی شناخت کا معیار تازہ نشان دکھانا قرار دیا اور یہ کہ مدعی فریق جس کتاب کو الہامی سمجھتا ہے اُس میں مومن کی بیان کردہ علامات کو اپنے وجود میں ثابت کر دکھائے تو وہ پکا مسلمان یا عیسائی ہوسکتا ہے۔ اور خود نہایت زور شور سے دعویٰ کیا کہ قرآن مجید میں ایمان کی بیان کردہ علامات کو مَیں اپنے وجود میں ثابت کر دکھاؤں گا۔ اور ایک سال کے اندر اندر جس رنگ میں اللہ تعالیٰ چاہے گا ایسا نشان دکھاؤں گا جس پر فریق مخالف ہرگز ہرگز قادر نہ ہوگا۔

پادری عبداللہ آتھم نے اس دعوت کو قبول کرنے سے بھی پہلوتہی کی۔ لیکن کئی دن کے غور وفکر کے بعد ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت اپنی طرف ایک ایسا وار کیا جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ اِس وار سے فریق مخالف ضرور شکست یافتہ سمجھا جائے گا اور ہمارے ہاں فتح کے نقارے بجیں گے اور وہ وار یہ تھا کہ ۲۶؍مئی ۱۸۹۳ء کے مباحثہ کے دن پادری عبداللہ آتھم نے یہ بیان لکھوایا کہ

''ہم مسیحی تو پرانی تعلیمات کے لئے نئے معجزات کی کچھ ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ ہم اس کی استطاعت اپنے دیکھتے ہیں......اور نشانات کا وعدہ ہم سے نہیں لیکن جناب کو اِس کا بہت سا ناز ہے، ہم بھی دیکھنے معجزہ سے انکار نہیں کرتے''

''پس ہم یہ تین شخص پیش کرتے ہیں جن میں ایک اندھا ایک ٹانگ کٹا اور ایک گونگا ہے اِن میں سے جس کسی کو صحیح و سالم کرسکو کردو۔ اور جو اس معجزہ سے ہم پر فرض و واجب ہوگا ہم ادا کریں گے آپ بقول خود ایسے خدا کے قائل ہیں جو گفتہ قادر نہیں لیکن درحقیقت قادر ہے تو وہ اُن کو تندرست بھی کرسکے گا پھر اس میں تأمل کی کیا ضرورت ہے۔ اور ضرور بقول آپ کے راستباز کے ساتھ ہوگا ضرور ہوگا۔ آپ خَلق اللہ پر رحم فرمایئے جلد فرمایئے اور آپ کو خبر ہوگی کہ آج یہ معاملہ پڑنا ہے جس خدا نے الہام سے آپ کو خبر دے دی کہ اس جنگ و میدان میں تجھے فتح ہے اس نے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ اندھے و دیگر مصیبت زدوں نے بھی پیش ہونا ہے سوسب

عیسائی صاحبان ومحمدی صاحبان کے روبرو اسی وقت اپنا چیلنج پورا کیجئے۔‘‘

(جنگ مقدس۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۵۰۔۱۵۱)

فریق مخالف کا یہ وار کاسر صلیب کے مقابلہ میں بیسیوں موافق ومخالف کے روبرو بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ساحروں نے اپنے سونٹے اور رسیّاں جو حاضرین کو دوڑتی ہوئی نظر آئیں پھینک کر اپنے غالب آنے کا اعلان کر دیا تھا جس سے حضرت موسیٰؑ کے دل میں بھی ڈر پیدا ہوا کہ کہیں مخلوقِ خدا پر اُن کی اس ساحرانہ کارروائی کو دیکھ کر حق مشتبہ نہ ہو جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُسی وقت اپنا عصا پھینکنے کا ارشاد فرمایا اور بشارت دی کہ تو ہی غالب اور فتحیاب ہوگا۔ لیکن اس جگہ مباحثہ کے سُننے والوں کے دلوں میں پریشانی ہوئی ہو تو ہو اور انہوں نے خیال کیا ہو کہ اب اس وار کا کیا جواب دے سکیں گے۔ اور عیسائی تو دل میں بے انتہا خوشی محسوس کر رہے تھے کہ ہم نے ایسا وار کیا ہے جس کا نتیجہ لازمی طور پر ہماری فتح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شیر جو پہلے سے اپنے حیّ وقادر خدا سے اس جنگ میں فتح کی بشارت پا چکا تھا۔ مطمئن بیٹھا تھا۔ آپ کے چہرہ پر پریشانی کا کوئی اثر نہ تھا۔ البتہ بے تابی سے اپنے وقت کا منتظر تھا تا پادریوں کے دجل کو ھباءً منثورًا کر کے دکھاوے۔ سو جب پادری آتھم اپنا بیان لکھوا چکے اور آپ کے بیان لکھوانے کا وقت آیا تو آپ نے نہایت جلالی رنگ میں اپنا بیان لکھوانا شروع کیا۔ فرمایا کہ اگر آپ سچے عیسائی ہیں تو بتائیں کہ

’’آپ کے مذہب میں حضرت عیسیٰؑ نے جو نشانیاں نجات یا بندوں یعنی حقیقی **ایمانداروں** کی لکھی ہیں وہ آپ میں کہاں موجود ہیں۔ مثلاً جیسے مرقس $\frac{16}{17}$ میں لکھا ہے:۔

’’اور وے جو **ایمان** لائیں گے اُن کے ساتھ یہ علامتیں ہوں گی ...... وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے‘‘

’’تو اب مَیں باادب التماس کرتا ہوں اور اگر ان الفاظ میں کچھ درشتی یا مرارت ہو تو اس کی معافی چاہتا ہوں کہ یہ **تین** بیمار جو آپ نے پیش کئے ہیں یہ علامت تو بالخصوصیت مسیحیوں کے لئے حضرت عیسیٰؑ قرار دے چکے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے **ایماندار** ہو تو تمہاری یہی علامت ہے کہ بیمار پر ہاتھ رکھو گے تو وہ چنگا ہو جائے

گا۔اب گستاخی معاف اگر آپ سچے ایمان دار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس وقت تین بیمار آپ ہی کے پیش کردہ موجود ہیں۔آپ ان پر ہاتھ رکھ دیں اگر وہ چنگے ہو گئے تو ہم قبول کرلیں گے کہ بے شک آپ سچے **ایماندار** اور نجات یافتہ ہیں ورنہ کوئی قبول کرنے کی راہ نہیں کیونکہ حضرت مسیح تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ برابر بھی **ایمان** ہوتا تو اگر تم پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے چلا جا تو وہ چلا جاتا مگر خیر مَیں اس وقت پہاڑ کی نقلِ مکانی تو آپ سے نہیں چاہتا کیونکہ وہ ہماری اس جگہ سے دُور ہیں لیکن یہ تو بہت اچھی تقریب ہوگئی کہ بیمار تو آپ نے ہی پیش کر دیئے اب آپ اِن پر ہاتھ رکھو اور چنگا کر کے دکھلاؤ۔ ورنہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی **ایمان** ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

مگر آپ پر یہ واضح رہے کہ یہ الزام ہم پر عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ **جلّ شانہٗ** نے **قرآن** کریم میں ہماری یہ نشانی نہیں رکھی کہ بالخصوصیت تمہاری یہی نشانی ہے کہ جب تم بیماروں پر ہاتھ رکھوگے تو اچھے ہو جائیں گے۔ ہاں یہ فرمایا ہے کہ مَیں اپنی رضا اور مرضی کے موافق تمہاری **دعائیں** قبول کروں گا اور کم سے کم یہ کہ اگر ایک دُعا قبول کرنے کے لائق نہ ہو اور مصلحتِ الٰہی کے مخالف ہو تو اس میں اطلاع دی جائے گی یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم کو یہ اقتدار دیا جائے گا کہ تم اقتداری طور پر جو چاہو وہی کر گذرو گے۔ مگر حضرت مسیح کا تو یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیماروں وغیرہ کے چنگا کرنے میں اپنے تابعین کو اختیار بخشتے ہیں جیسا کہ **متی ۱۰** باب ۱ میں لکھا ہے......اب یہ آپ کا فرض اور آپ کی **ایمانداری** کا ضرور نشان ہوگیا کہ آپ ان بیماروں کو چنگا کر کے دکھلاویں یا یہ **اقرار** کریں کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ہم میں **ایمان** نہیں ......اور آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ اب بھی حضرت مسیح زندہ حی و قیوم قادرِ مطلق عالم الغیب دن رات آپ کے ساتھ ہے جو چاہو وہی دے سکتا ہے۔ پس آپ حضرت **مسیح** سے درخواست کریں کہ اِن تینوں بیماروں کو آپ کے ہاتھ رکھنے سے **اچھا** کر دیویں تا

نشانی ایمانداری کی آپ میں باقی رہ جاوے ورنہ یہ تو مناسب نہیں کہ ایک طرف تو **اہل حق** کے ساتھ بحیثیت عیسائی ہونے کے مباحثہ کریں اور جب سچے عیسائی کے نشان مانگے جائیں تب کہیں کہ ہم میں استطاعت نہیں اس بیان سے تو آپ اپنے پر ایک اقبالی ڈگری کراتے ہیں کہ آپ کا مذہب **اس وقت زندہ** مذہب نہیں ہے۔ لیکن ہم جس طرح پر خدا تعالیٰ نے ہمارے سچے ایماندار ہونے کے **نشان** ٹھہرائے ہیں۔اس التزام سے نشان دکھلانے کو تیار ہیں اگر نشان نہ دکھلاسکیں تو جو سزا چاہیں دے دیں اور جس طرح کی چُھری چاہیں ہمارے گلے میں پھیر دیں۔''

(جنگ مقدس۔روحانی خزائن جلد۶ صفحہ۱۵۳۔۱۵۵)

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خود حضرت مسیحؑ بھی اقتداری نشان دکھلانے سے عاجز رہے جیسا کہ مرقس $\frac{۸}{۱۱\text{۔}۱۲}$ میں لکھا ہے :

''تب فریسی نکلے اور اس سے حجت کر کے یعنی جس طرح اب اس وقت مجھ سے حجت کی گئی۔اس کے امتحان کے لئے آسمان سے کوئی نشان چاہا اُس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کر کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا...... پھر اس سے بھی عجب طرح کا ایک اَور مقام دیکھئے کہ جب مسیحؑ **صلیب** پر کھینچے گئے تو تب یہودیوں نے کہا کہ اس نے اوروں کو بچایا پر آپ کو نہیں بچا سکتا اگر اسرائیل کا بادشاہ ہے تو اَب **صلیب** سے اُتر آوے تو ہم اس پر ایمان لاویں گے...... لیکن حضرت مسیح اُتر نہیں سکے۔''

(جنگ مقدس۔روحانی خزائن جلد۶ صفحہ۱۵۵۔۱۵۶)

نیز فرمایا۔برعایت شرائط بحث کے

''میرے مخاطب اس بارہ میں **ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب** ہیں۔صاحب موصوف کو چاہئے کہ **انجیل** شریف کی علامات قرار دادہ کے موافق سچا ایماندار ہونے کی

نشانیاں اپنے وجود میں ثابت کریں اور اس طرف میرے پر لازم ہوگا کہ مَیں سچا
ایمان دار ہونے کی نشانیاں **قرآن کریم** کے رُو سے اپنے وجود میں ثابت کروں مگر اس
جگہ یاد رہے کہ قرآن کریم ہمیں اقتدار نہیں بخشتا بلکہ ایسے کلمہ سے ہمارے بدن پر لرزہ
آتا ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ کس قسم کا نشان دکھلائے گاؤ ہی **خدا** ہے سو اس کے اَور کوئی
خدا نہیں ہاں یہ ہماری طرف سے اس بات کا عہد پختہ ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے
میرے پر ظاہر کر دیا ہے کہ ضرور مقابلہ کے وقت میں فتح پاؤں گا مگر یہ معلوم نہیں کہ
خدا تعالیٰ کس طور سے نشان دکھلائے گا اصل مدعا تو یہ ہے کہ نشان ایسا ہو کہ **انسانی**
طاقتوں سے بڑھ کر ہو۔'' (جنگ مقدس۔روحانی خزائن جلد۶ صفحہ۱۵۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ جواب لکھوانا تھا کہ پادریوں نے ان پیش کردہ بیماروں کو مجلس سے ایسے طور پر غائب کر دیا کہ گویا انہیں زمین نگل گئی۔اور پادریوں کی یہ ساحرانہ کارروائی بالکل اکارت اور بے فائدہ گئی۔اور ہمیشہ کے لئے اُن کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوئی اور خدا تعالیٰ کے جری پہلوان کاسرِ صلیب کی نمایاں فتح کا موجب بنی۔

نشان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے نشان دکھانے کے لئے تضرع و ابتہال سے کی ہوئی دُعائیں آخرکار پایۂ قبولیت کو پہنچیں اور اللہ تعالیٰ نے فریق مخالف سے متعلق آپ کو اس نشان سے اطلاع دی جو اس جلد کے صفحہ ۲۹۱۔۲۹۲ پر درج ہے۔اور جس کی تفصیل ہم کتاب انجامِ آتھم کی اشاعت کے وقت لکھیں گے۔

الغرض یہ جنگ مقدس جو دجالی گروہ اور مسیح موعودؑ کے درمیان ہوئی اس نے صلیبی مذہب کو پاش پاش کر دیا اور دلائل و براہین کی رو سے دجال ہمیشہ کے لئے قتل کر دیا گیا۔

اِس مباحثہ کے نتائج

اِس مباحثہ کے خوشگوار نتائج ایامِ مباحثہ میں ہی ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔چنانچہ ایّام مباحثہ میں

میاں نبی بخش رفو گر وسوداگر پشمینہ امرتسر اور ہمارے اُستاد ماہر فقہ وحدیث عالم باعمل حضرت قاضی امیر حسینؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ قاضی صاحب جو اُن دنوں مدرسہ اسلامیہ امرتسر میں مدرس تھے اُن کے احمدی ہونے سے مولویوں کے گھر میں شور برپا ہو گیا۔[1]

اِسی طرح کرنل الطاف علی خان صاحب رئیس کپورتھلہ جو عیسائیت اختیار کر چکے تھے۔ اور بوقت مباحثہ عیسائیوں کی طرف بیٹھے تھے اسلام لے آئے[2] اور عیسائی پادریوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ اُن کا مدّ مقابل حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلام کا ایک بے نظیر پہلوان ہے اور جو علم کلام ان کے مذہب کی تردید اور اسلام کی تائید میں اس نے پیدا کیا ہے وہ ایک ایسا حربہ ہے جس کے وار سے کسرِ صلیب کا ہونا ایک یقینی امر ہے۔ پس اس عظیم الشان مباحثہ میں نامور پادریوں کی شکست اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس رنگ میں اسلام کو زندہ مذہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ نبی اور قرآن مجید کو زندہ کتاب کے طور پر پیش کیا۔ وہ ایسے امور نہ تھے جن سے عیسائی دنیا متاثر نہ ہوتی۔ چنانچہ انگلستان جس کی کئی مشنری سوسائٹیاں پنجاب اور ہندوستان میں کام کر رہی تھیں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ ۱۸۹۴ء میں دنیا بھر کے پادریوں کی جو عظیم الشان کانفرنس لنڈن میں منعقد ہوئی اس کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے لارڈ بشپ آف گلوسٹر ریورنڈ چارلس جان ایلی کوٹ نے کہا:۔

> ’’اسلام میں ایک نئی حرکت کے آثار نمایاں ہیں۔ مجھے اُن لوگوں نے جو صاحبِ تجربہ ہیں بتایا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی مملکت میں ایک نئی طرز کا اسلام ہمارے سامنے آ رہا ہے اور اس جزیرے میں بھی کہیں کہیں اس کے آثار نظر آ رہے ہیں...... یہ اُن بدعات کا سخت مخالف ہے جن کی بنا پر **محمد** (صلعم) کا مذہب ہماری نگاہ میں قابلِ نفرین قرار پاتا ہے۔ اس نئے اسلام کی وجہ سے **محمد** (صلعم) کو پھر وہی پہلی سی عظمت حاصل ہوتی رہی جارہی ہے۔ یہ نئے تغیرات بہ آسانی شناخت کئے جاسکتے ہیں۔ پھر یہ نیا اسلام اپنی نوعیت میں مدافعانہ ہی نہیں بلکہ جارحانہ حیثیت کا بھی حامل ہے۔ افسوس ہے تو اِس بات کا کہ ہم سے بعض ذہن اس کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔‘‘[3]

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ پر ابھی چار سال ہی گذرے تھے کہ پادریوں کے دلوں پر آپ کا رعب چھا گیا۔ اور مسیحی دنیا کو محسوس ہو گیا کہ اسلام کے غلبہ اور عیسائیت کی شکست کا وقت آ پہنچا۔

[1] رسالہ ’’نور احمد‘‘ صفحہ ۳۰ [2] ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۰ء [3] دی آفیشل رپورٹ آف دی مشنری کانفرنس آف دی انگلیکن کمیونین ۱۸۹۴ء صفحہ ۶۴

شہادت القرآن

ایک صاحب عطا محمد نام نے جو امرتسر کے ضلع کی کچہری میں اہلمد تھے اور وفات مسیحؑ کے قائل تھے لیکن کسی مسیح کے اِس امت میں آنے کے منکر تھے اگست ۱۸۹۳ء میں اپنے مطبوعہ خط کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں یا کسی مسیح کا انتظار کرنا ہم کو واجب و لازم ہے۔ مسیح موعود کے آنے کی پیشگوئی گو احادیث میں موجود ہے مگر احادیث کا بیان میرے نزدیک پایۂ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ احادیث زمانۂ دراز کے بعد جمع کی گئی ہے اور اکثر مجموعہ احاد ہے۔ جو مفید یقین نہیں۔

چونکہ سوال اہم تھا اس لئے حضورؑ نے اس سوال کے جواب میں سائل کی حالت کو مدّنظر رکھتے ہوئے رسالہ ''شہادت القرآن'' لکھا اور مندرجہ ذیل تین امور تنقیح طلب قائم کر کے مفصل جواب دیا۔

اول یہ کہ مسیح موعود کے آنے کی خبر جو حدیثوں میں پائی جاتی ہے کیا یہ اس وجہ سے نا قابلِ اعتبار ہے کہ حدیثوں کا بیان مرتبہ یقین سے دُور و مہجور ہے۔

دوسرے یہ کہ کیا قرآن کریم میں اس پیشگوئی کے بارے میں کچھ ذکر ہے یا نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ پیشگوئی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اِس کا مصداق یہی عاجز ہے۔ (شہادت القرآن۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۲۹۷)

اِن تینوں تنقیحات کو بدلائلِ بیّنہ واضح کر کے آخر میں لکھا:۔

''اور اگر اب بھی یہ تمام ثبوت میاں عطا محمد صاحب کے لئے کافی نہ ہوں تو پھر طریق سہل یہ ہے کہ اس تمام رسالہ کو غور سے پڑھنے کے بعد بذریعہ کسی چھپے ہوئے اشتہار کے مجھ کو اطلاع دیں کہ میری تسلّی ان امور سے نہیں ہوئی اور میں ابھی تک افترا سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری نسبت کوئی نشان ظاہر ہو تو میں انشاءاللہ القدیر اُن کے بارہ میں توجہ کروں گا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کسی مخالف کے مقابل پر مجھے مغلوب نہیں کرے گا کیونکہ میں اس کی طرف سے ہوں اور اُس کے دین کی تجدید کے لئے اُس کے حکم سے آیا ہوں لیکن چاہئے کہ وہ اپنے اشتہار میں مجھے عام اجازت دیں۔ کہ جس طور سے میں اُن کے حق میں الہام پاؤں اُس کو شائع کرادوں۔''☆ (شہادت القرآن۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۷۶)

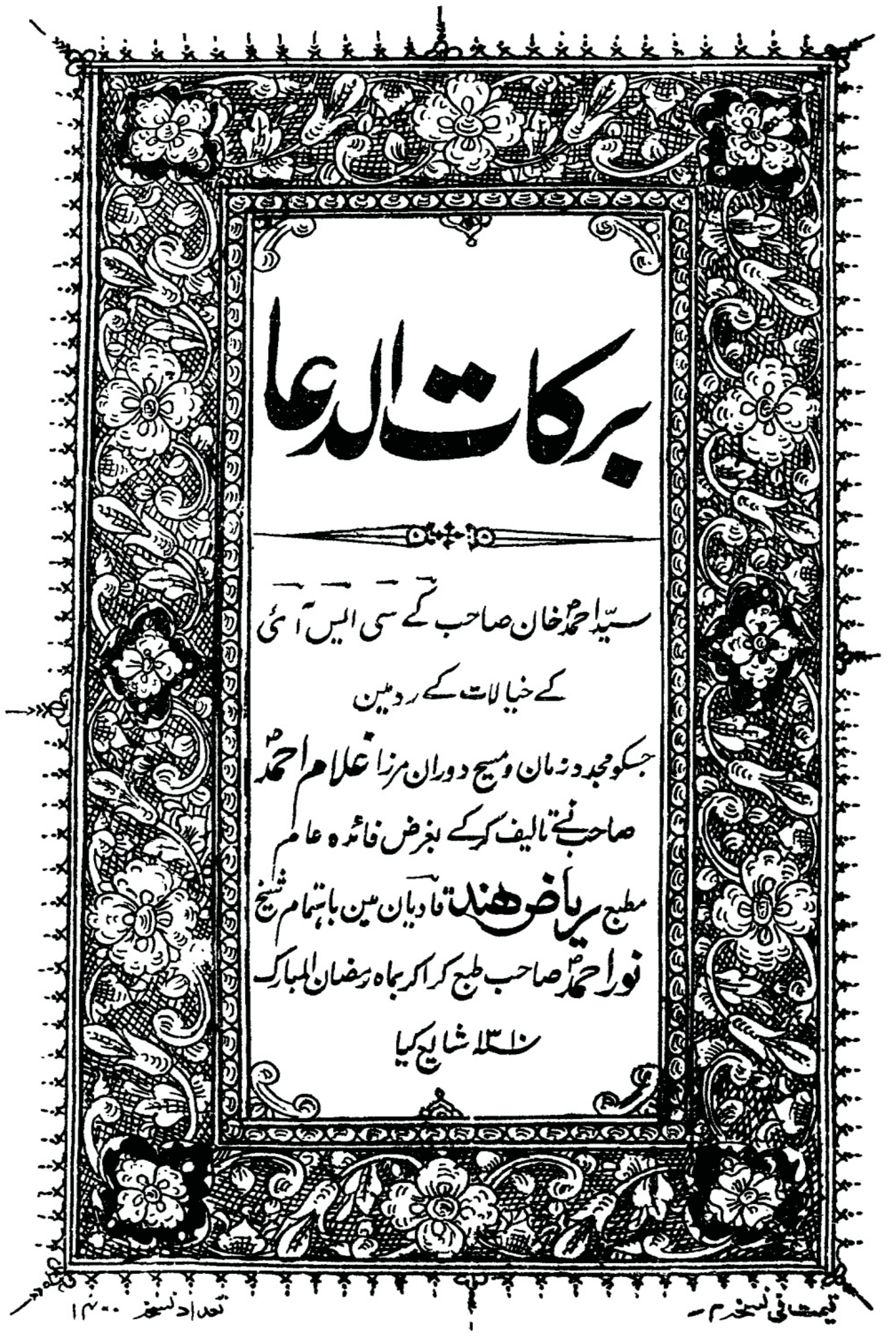
☆ نوٹ:۔ موجودہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ کے مطابق ہے۔ (ناشر)

اِس کے بعد میاں عطا محمد صاحب نے خاموشی اختیار کی۔ مگران کا یہ سوال دریافت کرنا اس لحاظ سے خیر و برکت کا موجب ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا جو جواب رقم فرمایا وہ بہت سے طالبانِ حق کی ہدایت اور قلبی اطمینان کا باعث ہوا۔

خاکسار
جلال الدین شمسؔ



ٹائیٹل بار اوّل



برکات الدعا

سیّد احمد خان صاحب کے سی ایس آئی

کے خیالات کے رد میں

جسکو مجدد زمان و مسیح دوران مرزا غلام احمد

صاحب نے تالیف کر کے بغرض فائدہ عام

مطبع ریاض ہند قادیان مین باہتمام شیخ

نور احمد صاحب طبع کرا کر بماہ رمضان المبارک

۱۳۱۰ شایع کیا

قیمت فی نسخہ ۲ـ — تعداد نسخہ ۱۴۰۰

﴿۲﴾

نمونہ دعائے مستجاب[1]

انیس ہند میرٹھ اور ہماری پیشگوئی پر اعتراض

اس اخبار کا پرچہ مطبوعہ ۲۵ مارچ ۱۸۹۳ء جس میں میری اس پیشگوئی کی نسبت جو لیکھرام پشاوری کے بارے میں میں نے شائع کی تھی کچھ نکتہ چینی ہے مجھ کو ملا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض اور اخباروں پر بھی یہ کلمۃ الحق شاق گذرا ہے اور حقیقت میں میرے لئے خوشی کا مقام ہے کہ یوں خود مخالفوں کے ہاتھوں اس کی شہرت اور اشاعت ہو رہی ہے سو میں اس وقت اس نکتہ چینی کے جواب میں صرف اس قدر لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ جس طور اور طریق سے خدا تعالیٰ نے چاہا اسی طور سے کیا میرا اس میں دخل نہیں ہاں یہ سوال کہ ایسی پیشگوئی مفید نہیں ہوگی اور اس میں شبہات باقی رہ جائیں گے اس اعتراض کی نسبت میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ پیش از وقت ہے میں اس بات کا خود ہی اقراری ہوں اور اب پھر اقرار کرتا ہوں کہ اگر جیسا کہ معترضوں نے خیال فرمایا ہے پیشگوئی کا ماحصل آخر کار یہی نکلا کہ کوئی معمولی تپ آیا یا معمولی طور پر کوئی درد ہوا یا ہیضہ ہوا اور پھر اصلی حالت صحت کی قائم ہوگئی تو وہ پیشگوئی متصور نہیں ہوگی اور بلا شبہ ایک مکر اور فریب ہوگا کیونکہ ایسی بیماریوں سے تو کوئی بھی خالی نہیں ہم سب کبھی نہ کبھی بیمار ہو جاتے ہیں پس اس صورت میں بلا شبہ میں اس سزا کے لائق ٹھہروں گا جس کا ذکر میں نے کیا ہے لیکن اگر پیشگوئی کا ظہور اس طور سے ہوا کہ جس میں قہر الٰہی کے نشان صاف صاف اور کھلے طور پر دکھائی دیں تو پھر سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ پیشگوئی کی ذاتی عظمت

---

[1] یہ ’’نمونہ دعائے مستجاب‘‘ پہلے ایڈیشن میں صفحہ۲، ۳، ۴ سرورق پر شائع ہوا ہے۔ شمس

اور ہیبت دنوں اور وقتوں کے مقرر کرنے کی محتاج نہیں اس بارے میں تو زمانہ نزول عذاب کی ایک حد مقرر کر دینا کافی ہے پھر اگر پیشگوئی فی الواقعہ ایک عظیم الشان ہیبت کے ساتھ ظہور پذیر ہو تو وہ خود دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور یہ سارے خیالات اور یہ تمام نکتہ چینیاں جو پیش از وقت دلوں میں پیدا ہوتی ہیں ایسی معدوم ہو جاتی ہیں کہ منصف مزاج اہل الرائے ایک انفعال کے ساتھ اپنی رایوں سے رجوع کرتے ہیں۔ ماسوا اس کے یہ عاجز بھی تو قانون قدرت کے تحت میں ہے اگر میری طرف سے بنیاد اس پیشگوئی کی صرف اسی قدر ہے کہ میں نے صرف یاوہ گوئی کے طور پر چند احتمالی بیماریوں کو ذہن میں رکھ کر اور اٹکل سے کام لیکر یہ پیشگوئی شائع کی ہے تو جس شخص کی نسبت یہ پیشگوئی ہے وہ بھی تو ایسا کر سکتا ہے کہ انہی اٹکلوں کی بنیاد پر میری نسبت کوئی پیشگوئی کر دے بلکہ میں راضی ہوں کہ بجائے چھ برس کے جو میں نے اس کے حق میں معیاد مقرر کی ہے وہ میرے لئے دس برس لکھ دے لیکھرام کی عمر اس وقت شاید زیادہ سے زیادہ تیس برس کی ہوگی اور وہ ایک جوان قوی ہیکل عمدہ صحت کا آدمی ہے اور اس عاجز کی عمر اس وقت پچاس برس سے کچھ زیادہ ہے اور ضعیف اور دائم المرض اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہے پھر باوجود اس کے مقابلہ میں خود معلوم ہو جائے گا کہ کونسی بات انسان کی طرف سے ہے اور کونسی بات خدا تعالیٰ کی طرف سے۔ اور معترض کا یہ کہنا کہ ایسی پیشگوئیوں کا اب زمانہ نہیں ہے ایک معمولی فقرہ ہے جو اکثر لوگ منہ سے بول دیا کرتے ہیں میری دانست میں تو مضبوط اور کامل صداقتوں کے قبول کرنے کیلئے یہ ایک ایسا زمانہ ہے کہ شائد اسکی نظیر پہلے زمانوں میں کوئی بھی نہ مل سکے۔ ہاں اس زمانہ سے کوئی فریب اور مکر مخفی نہیں رہ سکتا مگر یہ تو راستبازوں کیلئے اور بھی خوشی کا مقام ہے کیونکہ جو شخص فریب اور سچ میں فرق کرنا جانتا ہے وہی سچائی کی دل سے عزت کرتا ہے اور بخوشی اور دوڑ کر سچائی کو قبول کر لیتا ہے اور سچائی میں کچھ ایسی کشش ہوتی ہے کہ وہ آپ قبول کرا لیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ زمانہ صدہا ایسی نئی باتوں کو قبول کرتا جاتا ہے جو لوگوں کے باپ دادوں نے قبول نہیں کی تھیں اگر

﴿۳﴾ ﴿۴﴾

زمانہ صداقتوں کا پیاسا نہیں تو پھر کیوں ایک عظیم الشان انقلاب اس میں شروع ہے زمانہ بیشک حقیقی صداقتوں کا دوست ہے نہ دشمن اور یہ کہنا کہ زمانہ عقلمند ہے اور سیدھے سادے لوگوں کا وقت گذر گیا ہے یہ دوسرے لفظوں میں زمانہ کی مذمّت ہے گویا یہ زمانہ ایک ایسا بد زمانہ ہے کہ سچائی کو واقعی طور پر سچائی پاکر پھر اس کو قبول نہیں کرتا لیکن میں ہرگز قبول نہیں کروں گا کہ فی الواقع ایسا ہی ہے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ زیادہ تر میری طرف رجوع کرنے والے اور مجھ سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو نو تعلیم یافتہ ہیں جو بعض ان میں سے بی اے اور ایم اے تک پہنچے ہوئے ہیں اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ یہ نو تعلیم یافتہ لوگوں کا گروہ صداقتوں کو بڑے شوق سے قبول کرتا جاتا ہے اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ ایک نو مسلم اور تعلیم یافتہ یوریشین انگریزوں کا گروہ جن کی سکونت مدراس کے احاطہ میں ہے ہماری جماعت میں شامل اور تمام صداقتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اب میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے وہ تمام باتیں لکھ دی ہیں جو ایک خدا ترس آدمی کے سمجھنے کیلئے کافی ہیں آریوں کا اختیار ہے کہ میرے اس مضمون پر بھی اپنی طرف سے جس طرح چاہیں حاشیے چڑھاویں مجھے اس بات پر کچھ بھی نظر نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس وقت اس پیشگوئی کی تعریف کرنا یا مذمت کرنا دونوں برابر ہیں اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ اسی کی طرف سے ہے تو ضرور ہیبت ناک نشان کے ساتھ اس کا وقوعہ ہوگا اور دلوں کو ہلا دے گا اور اگر اس کی طرف سے نہیں تو پھر میری ذلت ظاہر ہوگی اور اگر میں اس وقت رکیک تاویلیں کروں گا تو یہ اور بھی ذلت کا موجب ہوگا وہ ہستی قدیم اور وہ پاک وقدوس جو تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے وہ کاذب کو کبھی عزت نہیں دیتا یہ بالکل غلط بات ہے کہ لیکھرام سے مجھ کو کوئی ذاتی عداوت ہے مجھ کو ذاتی طور پر کسی سے بھی عداوت نہیں بلکہ اس شخص نے سچائی سے دشمنی کی اور ایک ایسے **کامل** اور مقدس کو جو تمام سچائیوں کا چشمہ تھا توہین سے یاد کیا اس لئے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے ایک پیارے کی دنیا میں عزت ظاہر کرے۔

وَالسّلام علٰی من اتبع الھدیٰ

﴿۱﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سیّد احمد خان صاحب کے ۔سی ۔ایس ۔آئی ۔ کے رسالہ

الدعا و الاستجابۃ اور رسالہ تحریر فی اصول التفسیر پر ایک نظر

اے اسیرِ عقل خود برہستی خود کم بناز کین سپہر بوالعجائب چون تو بسیار آورد
غیر را ہرگز نمی باشد گزر در کوئ حق ہر کہ آید ز آسمان او رازِ آن یار آورد
خود بخود فہمیدنِ قرآن گمانِ باطل است ہر کہ از خود آورد او نجس و مُردار آورد

سیّد صاحب اپنے رسالہ مندرجہ عنوان میں دعا کی نسبت اپنا یہ عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ استجابت دعا کے یہ معنے نہیں ہیں کہ جو کچھ دعا میں مانگا گیا ہے وہ دیا جائے کیونکہ اگر استجابت دعا کے یہی معنے ہوں کہ وہ سوال بہر حال پورا کر دیا جائے تو دو مشکلیں پیش آتی ہیں اوّل یہ کہ ہزاروں دعائیں نہایت عاجزی اور اضطراری سے کی جاتی ہیں مگر سوال پورا نہیں ہوتا جس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی حالانکہ خدا نے استجابت دعا کا وعدہ کیا ہے۔ **دوسری** یہ کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدّر ہیں اور جو نہیں ہونے والے وہ بھی مقدّر ہیں۔ اُن مقدّرات کے برخلاف ہرگز نہیں ہوسکتا پس اگر استجابت دعا کے معنے سوال کا پورا کرنا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[1] ان سوالوں پر جن کا ہونا مقدّر نہیں ہے صادق نہیں آ سکتا یعنی ان معنوں کی رو سے یہ عام وعدہ استجابت دعا کا باطل ٹھہرے گا کیونکہ سوالوں کا وہی حصہ پورا کیا جاتا ہے جس کا پورا کیا جانا مقدّر رہے۔ لیکن استجابت دعا کا وعدہ عام ہے جس میں کوئی بھی استثناء نہیں پھر جس حالت میں

﴿۲﴾

[1] المؤمن:۶۱

بعض آیتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ جن چیزوں کا دیا جانا مقدّر نہیں وہ ہرگز دی نہیں جاتیں اور بعض آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی دعا رد نہیں ہوتی اور سب کی سب قبول کی جاتی ہیں اور نہ صرف اسی قدر بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کرلیا ہے جیسا کہ آیت اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ [1] سے ظاہر ہے پھر اس تناقض اور تعارض آیات سے بجز اس کے کیونکر مخلصی حاصل ہو کہ استجابت دعا سے عبادت کا قبول کرنا مراد لیا جائے یعنی یہ معنے کئے جائیں کہ دعا ایک عبادت ہے اور جب وہ دل سے اور خشوع اور خضوع سے کی جائے تو اُس کے قبول کرنے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے پس استجابت دعا کی حقیقت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ دعا ایک عبادت متصور ہو کر اس پر ثواب مترتب ہوتا ہے ہاں اگر مقدّر میں ایک چیز کا ملنا ہے اور اتفاقاً اس کے لئے دعا بھی کی گئی تو وہ چیز مل جاتی ہے مگر نہ دعا سے بلکہ اس کا ملنا مقدّر تھا اور دعا میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب دعا کرنے کے وقت خدا کی عظمت اور بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ خیال حرکت میں آ کر ان تمام خیالات پر جن سے اضطرار پیدا ہوا ہے غالب ہو جاتا ہے اور انسان کو صبر اور استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی کیفیت کا دل میں پیدا ہو جانا لازمہ عبادت ہے اور یہی دعا کا مستجاب ہونا ہے پھر سیّد صاحب اپنے رسالہ کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ حقیقت دعا سے ناواقف اور جو حکمت اس میں ہے اس سے بے خبر ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ امر مسلم ہے کہ جو مقدّر نہیں ہے وہ نہیں ہونے کا تو دعا سے کیا فائدہ ہے یعنی جب کہ مقدّر بہرحال مل رہے گا خواہ دعا کرو یا نہ کرو اور جس کا ملنا مقدّر نہیں اس کے لئے ہزاروں دعائیں کئے جاؤ کچھ فائدہ نہیں تو پھر دعا کرنا ایک امر عبث ہے اس کے جواب میں سیّد صاحب فرماتے ہیں کہ اضطرار کے وقت اِستمداد کی خواہش رکھنا انسان کی ﴿۳﴾

[1] المؤمن:۶۱

فطرت کا خاصہ ہے سو انسان اپنے فطرتی خاصہ سے دعا کرتا ہے بلا خیال اس کے کہ وہ ہوگا یا نہیں اور بمقتضائے اس کی فطرت کے اس کو کہا گیا ہے کہ خدا ہی سے مانگو جو مانگو۔

اس تمام تحریر سے جس کو ہم نے بطور خلاصہ اوپر لکھ دیا ہے ثابت ہوا کہ سیّد صاحب کا یہ مذہب ہے کہ دعا ذریعہ حصولِ مقصود نہیں ہوسکتی اور نہ تحصیل مقاصد کے لئے اس کا کچھ اثر ہے اور اگر دعا کرنے سے کسی داعی کا فقط یہی مقصد ہو کہ بذریعہ دعا کوئی سوال پورا ہو جائے تو یہ خیال عبث ہے کیونکہ جس امر کا ہونا مقدّر ہے اسکے لئے دعا کی حاجت نہیں اور جس کا ہونا مقدّر نہیں ہے اسکے لئے تضرع وابتہال بے فائدہ ہے۔ غرض اس تقریر سے بتمام تر صفائی کھل گیا کہ سیّد صاحب کا یہی عقیدہ ہے کہ دعا صرف عبادت کیلئے موضوع ہے اور اس کو کسی دنیوی مطلب کے حصول کا ذریعہ قرار دینا طمع خام ہے۔

اب واضح ہو کہ سیّد صاحب کو قرآنی آیات کے سمجھنے میں سخت دھوکا لگا ہوا ہے مگر ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس دھوکے کی کیفیت کو اس مضمون کے اخیر میں بیان کریں گے اس وقت ہم نہایت افسوس سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اگر سیّد صاحب قرآن کریم کے سمجھنے میں فہم رسا نہیں رکھتے تھے تو کیا وہ قانونِ قدرت بھی جس کی پیروی کا وہ دم مارتے ہیں اور جس کو وہ خدا تعالیٰ کی فعلی ہدایت اور قرآن کریم کے اسرار غامضہ کا مفسر قرار دیتے ہیں اس مضمون کے لکھنے کے وقت ان کی نظر سے غائب تھا؟ کیا سیّد صاحب کو معلوم نہیں کہ اگرچہ دنیا کی کوئی خیر و شر مقدّر سے خالی نہیں تاہم قدرت نے اسکے حصول کیلئے ایسے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقلمند کو کلام نہیں مثلاً اگرچہ مقدّر پر لحاظ کر کے دوا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دُعا یا ترکِ دُعا مگر کیا سیّد صاحب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا۔ پھر اگر سیّد صاحب باوجود ایمان بالتقدیر کے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ دوائیں بھی اثر سے خالی نہیں تو پھر کیوں خدا تعالیٰ کے یکساں اور متشابہ

﴿۴﴾

قانون میں فتنہ اور تفریق ڈالتے ہیں؟ کیا سیّد صاحب کا یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ اس بات پر تو قادر تھا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں تو ایسا قوی اثر رکھے کہ انکی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جائیں یا مثلاً سم الفار اور بیش اور دوسری ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈال دی کہ ان کا کامل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کر دے لیکن اپنے برگزیدوں کی توجہ اور عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرّہ بھی اثر نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ نظامِ الٰہی میں اختلاف ہو اور وہ ارادہ جو خدا تعالیٰ نے دواؤں میں اپنے بندوں کی بھلائی کے لئے کیا تھا وہ دعاؤں میں مرعی نہ ہو؟ نہیں نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ خود سیّد صاحب دعاؤں کی حقیقی فلاسفی سے بےخبر ہیں اور ان کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہیں رکھتے اور ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سال خوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اس کو بے اثر پاکر اس دوا پر عام حکم لگا دے کہ اسمیں کچھ بھی تاثیر نہیں۔ افسوس! صد افسوس کہ سیّد صاحب باوجودیکہ پیرانہ سالی تک پہنچ گئے مگر اب تک اُن پر یہ سلسلۂ نظام قدرت مخفی رہا کہ کیونکر قضا و قدر کو اسباب سے وابستہ کر دیا گیا ہے اور کس قدر یہ سلسلہ اسباب اور مسببات کا باہم گہرے اور لازمی تعلقات رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس دھوکے میں پھنس گئے کہ انہوں نے خیال کرلیا کہ گویا بغیر ان اسباب کے جو قدرت نے روحانی اور جسمانی طور پر مقرر کر رکھے ہیں کوئی چیز ظہور پذیر ہوسکتی ہے۔ یوں تو دنیا میں کوئی چیز بھی مقدّر سے خالی نہیں مثلاً جو انسان آگ اور پانی اور ہوا اور مٹی اور اناج اور نباتات اور حیوانات اور جمادات وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ سب مقدّرات ہی ہیں لیکن اگر کوئی نادان ایسا خیال کرے کہ بغیر ان تمام اسباب کے جو خدا تعالیٰ نے مقرر کر رکھے ہیں اور بغیر ان راہوں کے جو قدرت نے معیّن کر دی ہیں ایک چیز بغیر توسط جسمانی یا روحانی

﴿۵﴾

وسائل کے حاصل ہوسکتی ہے تو ایسا شخص گویا خدا تعالیٰ کی حکمت کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ میں نہیں دیکھتا کہ سیّد صاحب کی تقریر کا بجز اس کے کچھ اور بھی ماحصل ہے کہ وہ دعا کو منجملہ ان اسباب مؤثرہ کے نہیں سمجھتے جن کو انہوں نے بڑی مضبوطی سے تسلیم کیا ہوا ہے بلکہ اس راہ میں حد سے زیادہ آگے قدم رکھ دیا ہے مثلاً اگر سیّد صاحب کے پاس آگ کی تاثیر کا ذکر کیا جائے تو وہ ہرگز اس سے منکر نہیں ہوں گے اور ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ اگر کسی کا جلنا مقدّر ہے تو بغیر آگ کے بھی جل رہے گا تو پھر میں حیران ہوں کہ وہ باوجود مسلمان ہونے کے دعا کی تاثیروں سے جو آگ کی طرح کبھی اندھیرے کو روشن کر دیتی ہیں اور کبھی گستاخ دست انداز کا ہاتھ جلا دیتی ہیں کیوں منکر ہیں کیا ان کو دعاؤں کے وقت تقدیر یاد آ جاتی ہے اور جب آگ وغیرہ کا ذکر کریں تو پھر تقدیر بھول جاتی ہے؟ کیا ان دونوں چیزوں پر ایک ہی تقدیر حاوی نہیں ہے؟ پھر جس حالت میں باوجود تقدیر ماننے کے وہ اسباب مؤثّرہ کو اس شدت سے مانتے ہیں کہ اسکے غلوّ میں وہ بدنام بھی ہو گئے تو پھر اس کا کیا موجب ہے کہ وہ نظام قدرت جس کو وہ تسلیم کر چکے ہیں دعا میں ان کو یاد نہیں رہا یہاں تک کہ مکھی میں تو کچھ تاثیر ہے مگر دعا میں اتنی بھی نہیں۔ پس اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کوچہ سے بے خبر ہیں اور نہ ذاتی تجربہ اور نہ تجربہ والوں کی ان کو صحبت ہے۔ ﴿۶﴾

اب ہم فائدہ عام کے لئے کچھ استجابت دعا کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں سو واضح ہو کہ استجابت دعا کا مسئلہ درحقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا اس کو فرع کے سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں اور دھوکے لگتے ہیں پس یہی سبب سیّد کی غلط فہمی کا ہے۔ اور دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے ربّ میں ایک تعلق مجاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے

اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواصِ عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمّت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جلّ شانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ ﴿۷﴾ اور اگر قحط کے لئے بد دعا ہے تو قادرِ مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات اربابِ کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ **کامل** کی دعا میں ایک قوتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی باذنہٖ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤیّد مطلوب ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل **استجابت** دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات **انبیا** سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ **اولیائے** کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی **دُعا** ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں وہ جو **عرب** کے بیابانی ملک میں ایک

عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہوگئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔ اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے۔ اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے۔ اور دُنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ **وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا**۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اُس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ **اللھم صل و سلم و بارک علیہ و آلہ بعدد ھمہ و غمہ و حزنہ لھٰذہ الا مۃ و انزل علیہ انوار رحمتک الی الابد**۔ اور میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دُعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے۔ بلکہ **اسباب طبعیہ** کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی **عظیم التاثیر** نہیں جیسی کہ دُعا ہے۔ ﴿۸﴾

اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض دُعائیں خطا جاتی ہیں اور اُنکا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے؟ یا اُن کا خطا جانا غیر ممکن ہے؟ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی اُن کی تاثیر سے انکار کرسکتا ہے؟ یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے۔ مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ **جسمانی** اور **روحانی** اسباب بھی تقدیر سے باہر نہیں ہیں۔ مثلاً اگر ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو تو اسباب علاج پورے طور میسّر آ جاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ ان سے نفع اٹھانے کے لئے مستعد ہوتا ہے۔ تب **دوا** نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے۔ یہی قاعدہ **دُعا** کا بھی ہے۔ یعنی دُعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائط

قبولیت اُسی جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادۂ الٰہی اُس کے قبول کرنے کا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے نظام جسمانی اور روحانی کو ایک ہی سلسلہ مؤثرات اور متاثرات میں باندھ رکھا ہے۔ پس سیّد صاحب کی سخت غلطی ہے کہ وہ نظامِ جسمانی کا تو اقرار کرتے ہیں مگر نظامِ روحانی سے منکر ہو بیٹھے ہیں!

بالآخر مَیں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر سیّد صاحب اپنے اس غلط خیال سے توبہ نہ کریں اور یہ کہیں کہ دُعاؤں کے اثر کا ثبوت کیا ہے۔ تو **مَیں** ایسی غلطیوں کے نکالنے کے لیے **مامور** ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی بعض دُعاؤں کی **قبولیت** سے پیش از وقت سیّد صاحب کو **اطلاع** دونگا۔ اور نہ صرف اطلاع بلکہ چھپوا دونگا۔ مگر سیّد صاحب ساتھ ہی یہ بھی اقرار کریں کہ وہ بعد ثابت ہو جانے میرے دعویٰ کے اپنے اس غلط خیال سے رجوع کریں گے۔ ﴿۹﴾

سیّد صاحب کا یہ قول ہے کہ گویا قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ تمام دُعائیں قبول نہیں ہوتیں یہ اُنکی سخت غلط فہمی ہے۔ اور یہ آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[1] اُن کے مدعا کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ یہ دُعا جو آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[2] میں بطور امر کے بجالانے کے لئے فرمائی گئی ہے۔ اس سے مراد معمولی دُعائیں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ عبادت ہے جو انسان پر فرض کی گئی ہے کیونکہ امر کا صیغہ یہاں فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کُل دُعائیں فرض میں داخل نہیں ہیں۔ بلکہ بعض جگہ اللہ جَلّ شانہ نے صابرین کی تعریف کی ہے جو اِنَّا لِلّٰہ پر ہی کفایت کرتے ہیں۔ اور اس دُعا کی فرضیت پر بڑا قرینہ یہ ہے کہ صرف امر پر ہی کفایت نہیں کی گئی بلکہ اس کو عبادت کے لفظ سے یاد کرکے بحالت نافرمانی عذابِ جہنم کی وعید اس کے ساتھ لگا دی گئی ہے۔

۱، ۲ المؤمن: ۶۱

اور ظاہر ہے کہ دوسری دعاؤں میں یہ وعید نہیں۔ بلکہ بعض اوقات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دُعا مانگنے پر زجر و توبیخ کی گئی ہے چنانچہ اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ [۱] اس پر شاہد ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ہر دُعا عبادت ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کو لَا تَسۡـَٔلۡنِ [۲] کا تازیانہ کیوں لگایا جاتا! اور بعض اوقات اولیا اور انبیا دُعا کرنے کو سوءِ ادب سمجھتے رہے ہیں اور صلحاء نے ایسی دُعاؤں میں استفتاءِ قلب پر عمل کیا ہے یعنی اگر مصیبت کے وقت دل نے دُعا کرنے کا فتویٰ دیا تو دُعا کی طرف متوجہ ہوئے اور اگر صبر کے لئے فتویٰ دیا تو پھر صبر کیا اور دُعا سے مُنہ پھیر لیا۔ ماسوا اس کے اللہ تعالےٰ نے دوسری دُعاؤں میں قبول کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ صاف فرما دیا ہے کہ چاہوں تو قبول کروں اور چاہوں تو ردّ کروں جیسا کہ یہ آیت قرآن کی صاف بتلا رہی ہے اور وہ یہ ہے بَلۡ اِیَّاہُ تَدۡعُوۡنَ فَیَکۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡہِ اِنۡ شَآءَ [۳] سورۃ الانعام الجزء نمبر ۷ اور اگر ہم تنزّلاً مان بھی لیں کہ اس مقام میں لفظ اُدۡعُوۡ سے عام طور پر دُعا ہی مُراد ہے تو ہم اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں دیکھتے کہ یہاں دُعا سے وہ دُعا مُراد ہے جو بجمیع شرائط ہو۔ اور تمام شرائط کو جمع کر لینا انسان کے اختیار میں نہیں جب تک توفیق ازلی یاور نہ ہو اور یہ بھی یاد رہے کہ دُعا کرنے میں صرف تضرع کافی نہیں ہے۔ بلکہ تقویٰ اور طہارت اور راست گوئی اور کامل یقین اور کامل محبت اور کامل توجہ اور یہ کہ جو شخص اپنے لئے دُعا کرتا ہے یا جس کے لئے دُعا کی گئی ہے اُسکی دنیا اور آخرت کیلئے اس بات کا حاصل ہونا خلاف مصلحت الٰہی بھی نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات دُعا میں اور شرائط تو سب جمع ہو جاتے ہیں۔ مگر جس چیز کو مانگا گیا ہے وہ عند اللہ سائل کے لئے خلاف مصلحت الٰہی ہوتی ہے۔ اور اس کے پُورا کرنے میں خیر نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کسی ماں کا پیارا بچہ بہت الحاح اور رونے سے یہ چاہے کہ وہ آگ کا ٹکڑا یا سانپ کا بچہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دے۔ یا ایک

﴿۱۰﴾

[۱]، [۲] ھود: ۴۷ [۳] الانعام: ۴۲

زہر جو بظاہر خوبصورت معلوم ہوتی ہے اس کو کھلا دے تو یہ سوال اس بچہ کا ہرگز اُس کی ماں پورا نہیں کرے گی۔ اور اگر پورا کر دیوے اور اتفاقاً بچہ کی جان بچ جاوے لیکن کوئی عضو اس کا بے کار ہو جاوے تو بلوغ کے بعد وہ بچہ اپنی اس احمق والدہ کا سخت شاکی ہوگا اور بجز اسکے اور بھی کئی شرائط ہیں کہ جب تک وہ تمام جمع نہ ہوں اُسوقت تک دُعا کو دُعا نہیں کہہ سکتے۔ اور جب تک کسی دُعا میں پوری روحانیت داخل نہ ہو اور جس کے لئے دعا کی گئی ہے اور جو دُعا کرتا ہے ان میں استعدادِ قریبہ پیدا نہ ہو تب تک توقع اثرِ دعا امید موہوم ہے۔ اور جب تک ارادۂ الٰہی قبولیت دُعا کے متعلق نہیں ہوتا تب تک یہ تمام شرائط جمع نہیں ہوتیں۔ اور ہمتیں پوری توجہ سے قاصر رہتی ہیں۔ سیّد صاحب اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ دارِ آخرت کی سعادتیں اور نعمتیں اور لذّتیں اور راحتیں جن کی نجات سے تعبیر کی گئی ہے ایمان اور ایمانی دُعاؤں کا نتیجہ ہیں پھر جبکہ یہ حال ہے تو سیّد صاحب کو ماننا پڑا کہ بلاشبہ ایک مومن کی دُعائیں اپنے اندر اثر رکھتی ہیں اور آفات کے دُور ہونے اور مرادات کے حاصل ہونے کا موجب ہو جاتی ہیں کیونکہ اگر موجب نہیں ہوسکتیں تو پھر کیا وجہ کہ قیامت میں موجب ہو جائیں گی۔ سوچو اور خوب سوچو کہ اگر درحقیقت دُعا ایک بے تاثیر چیز ہے اور دُنیا میں کسی آفت کے دور ہونے کا موجب نہیں ہو سکتی تو کیا وجہ کہ قیامت کو موجب ہو جائے گی؟ یہ بات تو نہایت صاف ہے کہ اگر ہماری دُعاؤں میں آفات سے بچنے کے لئے درحقیت کوئی تاثیر ہے تو وہ تاثیر اس دُنیا میں بھی ظاہر ہونی چاہیئے تا ہمارا یقین بڑھے اور امید بڑھے اور تا آخرت کی نجات کے لئے ہم زیادہ سرگرمی سے دُعائیں کریں۔ اور اگر درحقیقت دُعا کچھ چیز نہیں صرف پیشانی کا نوشتہ پیش آنا ہے تو جیسا دنیا کی آفات کیلئے بقول سیّد صاحب! دُعا عبث ہے اسی طرح آخرت کے لئے بھی عبث ہوگی اور اس پر اُمید رکھنا طمع خام۔ اب میں اس بارے میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا کیونکہ

﴿۱۱﴾

﴿۱۲﴾

ناظرین باانصاف میرے اس بیان کوغور سے پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے سیّد صاحب کی غلط فہمی کا ثبوت کافی دے دیا ہے۔ ماسوااس کے اگر سیّد صاحب اب بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آویں تو ایک دوسرا طریق بھی اُن پر حجت پورا کرنے کے لئے لکھا گیا ہے۔ اگر وہ طالب حق ہونگے تو اعراض نہیں کریں گے۔ اور سیّد صاحب کی دوسری کتاب جسکا نام **تحریر فی اصول التفسیر** ہے۔ اُن کی اس کتاب سے بالکل مناقض اور مغائر پڑی ہوئی ہے۔ گویا سیّد صاحب نے کسی مدہوشی کی حالت میں یہ دونوں رسالے لکھے ہیں۔ کیونکہ سیّد صاحب استجابت دُعا کے رسالہ میں تو تقدیر کو مقدّم رکھتے ہیں۔ اور اسباب عادیہ کو گویا ہیچ خیال کرتے ہیں اور اسی بناپر استجابت دُعا سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ دُعا منجملہ اسباب عادیہ کے ہے۔ جس پر ایک لاکھ سے زیادہ نبی اور کئی کروڑ ولی گواہی دیتا چلا آیا ہے☆ اورنبیوں کے ہاتھ میں بجُز دُعا کے اور کیا تھا۔

☆**حاشیہ** : قطب ربانی وغوث سبحانی **سیّد عبد القادر جیلانی** رضی اللہ عنہ نے جس قدر اپنی کتاب فتوح الغیب میں کامل کی توجّہ اور دُعا کا اثر اپنے تجارب کے رو سے لکھا ہے۔ ہم عام فائدہ کے لئے وہ عبارتیں معہ ترجمہ ذیل میں لکھتے ہیں۔ اس تحریر سے مطلب یہ ہے کہ ہر ایک فن میں اسی شخص کی شہادت معتبر سمجھی جاتی ہے جو اس فن کا محقق ہوتا ہے۔ پس اس بناپر استجابت دُعاء کی فلاسفی اس شخص کو سچے طور پر معلوم ہوسکتی ہے جس کو خداوندتعالیٰ سے سچّے تعلقات صدق اور محبت کے حاصل ہوں۔ پس سیّد احمد خان صاحب سے اس پاک فلاسفی کا دریافت کرنا ایسا ہے جیسے ایک بَیطار سے کسی انسان کی مرض کا علاج پوچھنا۔ سیّد صاحب اگر کسی دنیوی گورنمنٹ کے تعلقات اُن کی رعایا کے ساتھ بیان کریں تو بلا شبہ وہ اس بات کے لائق ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی باتیں خدائی لوگ جانتے ہیں۔ اور وہ عبارت یہ ہے :۔ **فاجعل انت جملتک واجزاءک اصنامًا مع سائر الخلق ولا تطع شیئًا من ذالک ولا تتبعه جملة فتکون کبریتًا احمر فلا تکاد تری فحینئذٍ تکون وآرث کل نبی و رسول و بک تختم الولایة و تنکشف الکروب و بک تسقی الغیوث و بک تنبت الزروع و بک تدفع البلایا والمحن عن الخاص والعام واهل الثغور و تقلبک ید القدرة ویدعوک لسان الازل وتنزل منازل من سلف من اولی العلم و یرد علیک التکوین و خرق العادات وتؤمن علی الاسرار والعلوم اللّدنیة وغرائبها** ۔**ترجمہ** :۔ یعنی اگر تو خدا تعالیٰ کا مقبول بننا

﴿۱۳﴾

﴿۱۳﴾ اور دوسرے رسالہ میں گویا سیّد صاحب تقدیر کو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتے کیونکہ تمام اشیاء کو انہوں نے ایک مستقل وجود قرار دے دیا ہے کہ گویا وہ تمام چیزیں خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے نکل گئی ہیں۔ اب اس کو ان کی تبدیل اور تغییر پر کچھ بھی اختیار نہیں۔ اور گویا اُس کی خدائی فقط ایک تنگ دائرہ میں محدود ہے اور اُس کے قادرانہ تصرفات آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ اور جو اشیاء پر حالت وارد ہے وہ اُس کی تقدیر نہیں بلکہ اب وہ مخلوقات کی ایک ذاتی خاصیت ہے جو

بقیہ حاشیہ : چاہتا ہے تو اس بات پر یقین کر لے اور ایسا سمجھ لے کہ تیرے ہاتھ تیرے پاؤں تیری زبان تیری آنکھ اور تیرا سارا وجود اور اس کے تمام اجزاء تیری راہ میں بُت ہی ہیں۔ اور مخلوق میں سے دوسری تمام چیزیں بھی تیری راہ میں بُت ہیں۔ تیرے بچّے تیری بیوی اور ہر یک دنیا کی مراد جو تو چاہتا ہے اور دنیا کا مال اور دنیا کی عزت اور دنیا کا ننگ و ناموس اور دنیا کا رجاء اور خوف اور زید و بکر پر توکل یا خالد و ﴿۱۴﴾ ولید کی ضرر رسانی کا خوف یہ سب تیری راہ میں بُت ہیں۔ سو تو اِن بتوں میں سے کسی کا فرمانبردار مت ہو اور سارا اسی کی پیروی میں غرق نہ ہو جا۔ یعنی صرف بقدر حقوق شرعیہ اور سُنن صالحین اس کی رعایت رکھ۔ پس اگر تو نے ایسا کر لیا تو تو کبریت احمر ہو جائیگا اور تیرا مقام نہایت رفیع ہوگا۔ یہاں تک کہ تو نظر نہیں آئے گا۔ اور خدا تعالیٰ تجھے اپنے نبیوں اور رسولوں کا وارث بنا دے گا یعنی اُن کے علوم و معارف اور برکات جو مخفی اور ناپدید ہو گئے تھے۔ وہ از سرِ نو تجھ کو عطا کئے جائیں گے اور ولایت تیرے پر ختم ہوگی یعنی تیرے بعد کوئی نہیں اُٹھے گا جو تجھ سے بڑا ہو۔ اور تیری دعاؤں اور تیری عقد ہمّت اور تیری برکت سے لوگوں کے سخت غم دُور کئے جائیں گے اور قحط زدوں کے لئے بارشیں ہوں گی۔ اور کھیتیاں اُگیں گی اور بلائیں اور محنتیں ہر یک خاص و عام کی یہاں تک کہ بادشاہوں کی مصیبتیں تیری توجّہ اور دُعا سے دور ہوں گی۔ اور یہ قدرت تیرے ساتھ ہوگا۔ اور جس طرف وہ پھرے اسی طرف تو پھرے گا۔ اور لسان الازل تجھے اپنی طرف بلائے گی۔ یعنی ﴿۱۵﴾ جو کچھ تیری زبان پر جاری ہو جائیگا وہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اس میں برکت رکھی جائے گی اور تو ان تمام راستبازوں کا قائم مقام کیا جائے گا جن کو تجھ سے پہلے علم دیا گیا۔ اور تکوین تیرے پر ردّ کی جائے گی۔ یعنی تیری دُعاء اور تیری توجّہ عالم میں تصرف کرے گی۔ اور پھر اگر تو معدوم کو موجود کرنا یا موجود کو معدوم کرنا چاہے گا تو وہی ہو جائے گا اور امور خارق عادت تجھ سے ظاہر ہوں گے۔ اور تجھ کو اسرار اور علوم لدنیہ اور معارف غریبہ عطا ہوں گے۔ جن کے لئے تو امین اور مستحق سمجھا جائے گا۔ مِنہُ

قابل تغیر وتبدیل نہیں کیونکہ **تقدیر کے مفہوم کو اختیار مقدّر** لازم پڑا ہوا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جن خواص پر خدا تعالیٰ کا کچھ بھی اختیار باقی نہیں رہا۔ تو پھر اُن خواص کو اُس کی تقدیر کیونکر کہنا چاہیئے اور اگر اختیار ہے تو پھر امکان تبدیل باقی ہے۔ غرض سیّد صاحب نے اس دوسرے رسالہ میں مقدّر حقیقی کی حکومت تمام چیزوں کے سر پر سے ایسی اُٹھا دی ہے کہ وہ اپنے خواص میں (بقول سیّد صاحب) تابع مرضی مالک نہیں رہیں۔ بلکہ ایکٹ مزارعان کی پانچویں دفعہ کے موروثیوں کے لئے جو حقوق انگریزوں نے قائم کئے ہیں۔ یعنی یہ کہ ﴿۱۴﴾ مالک کو کسی قسم کے تصرف کا اُن پر اختیار نہیں ہوگا۔ اسی قسم کے موروثی سیّد صاحب نے بھی تمام چیزوں آگ وغیرہ کو ٹھہرا دیا ہے۔ بلکہ سیّد صاحب کے قانون میں انگریزوں کے قانون سے زیادہ تشدّد ہے کیونکہ انگریزوں نے پانچویں دفعہ کے موروثی کے اخراج کے لئے ایک صورت قائم بھی کر دی ہے اور وہ یہ کہ جب موروثی ایک سال تک لگان واجب کا ایک حصّہ خواہ ۲/ (دو آنہ) بھی ہوں ادا نہ کرے تو خارج ہوسکتا ہے۔ مگر سیّد صاحب نے تو ہر حال میں حقوق مالک کو تلف کر دیا۔ اور یہ **ظلم عظیم** ہے۔

اور سیّد صاحب نے جو اپنے دوست حریف سے تفسیر قرآن کریم کا معیار مانگا ہے سو میں نے مناسب سمجھا کہ اس جگہ بھی سیّد صاحب کی کسی قدر میں ہی خدمت کر دوں کیونکہ بھولے کو راہ بتانا سب سے پہلے میرا فرض ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ سب سے ﴿۱۵﴾ **اوّل معیار** تفسیر صحیح کا شواہد قرآنی ہیں۔ یہ بات نہایت توجّہ سے یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن کریم اور معمولی کتابوں کی طرح نہیں جو اپنی صداقتوں کے ثبوت یا انکشاف کے لئے دوسرے کا محتاج ہو۔ وہ ایک ایسی متناسب عمارت کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ ہلانے سے تمام عمارت کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ اس کی کوئی صداقت

ایسی نہیں ہے جو کم سے کم دس یا بیس شاہد اس کے خود اُسی میں موجود نہ ہوں۔ سو اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک معنے کریں تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ان معنوں کی تصدیق کیلئے دوسرے شواہد قرآن کریم سے ملتے ہیں یا نہیں۔ اگر دوسرے شواہد دستیاب نہ ہوں بلکہ ان معنوں کے دوسری آیتوں سے صریح معارض پائے جاویں تو ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ معنی بالکل باطل ہیں۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم میں اختلاف ہو۔ اور سچّے معنوں کی یہی نشانی ہے کہ قرآن کریم میں سے ایک لشکر شواہد بیّنہ کا اس کا مصدق ہو۔

دوسرا معیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تفسیر ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کے معنے سمجھنے والے ہمارے پیارے اور بزرگ **نبی** حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تھے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی تفسیر ثابت ہو جائے تو مسلمان کا فرض ہے کہ بلاتوقف اور بلا دغدغہ قبول کرے نہیں تو اُس میں الحاد اور فلسفیت کی رگ ہوگی۔ ﴿۱۶﴾

تیسرا معیار صحابہ کی تفسیر ہے۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت کے نوروں کو حاصل کرنے والے اور علمِ نبوت کے پہلے وارث تھے اور خدا تعالیٰ کا اُن پر بڑا فضل تھا اور نصرتِ الٰہی اُن کی قوتِ مدرکہ کے ساتھ تھی۔ کیونکہ اُن کا نہ صرف قال بلکہ حال تھا۔

چوتھا معیار خود اپنا نفسِ مطہر لے کر قرآن کریم میں غور کرنا ہے۔ کیونکہ نفسِ مطہرہ سے قرآن کریم کو مناسبت ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ [1] یعنی قرآن کریم کے حقائق صرف اُن پر کھلتے ہیں جو پاک دل ہوں۔ کیونکہ مطہر القلب انسان پر قرآن کریم کے پاک معارف بوجہ مناسبت کھل جاتے ہیں اور وہ اُن کو شناخت کر لیتا ہے اور سُونگھ لیتا ہے۔ اور اُس کا دل بول اُٹھتا ہے۔ کہ ہاں یہی راہ سچّی ہے۔ اور اُس کا نورِ قلب سچائی کی پرکھ کیلئے ایک عمدہ معیار ہوتا ہے۔ پس جب تک انسان صاحبِ حال نہ ہو اور اِس تنگ راہ سے

[1] الواقعۃ: ۸۰

گزرنے والا نہ ہو جس سے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں۔ تب تک مناسب ہے کہ گستاخی اور تکبّر کی جہت سے مفسّر القرآن نہ بن بیٹھے ورنہ وہ تفسیر بالرائے ہوگی جس سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْیِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ یعنی جس نے صرف اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی۔ اور اپنے خیال میں اچھی کی۔ تب بھی اُس نے بُری تفسیر کی۔

پانچواں معیار لغت عرب بھی ہے لیکن قرآن کریم نے اپنے وسائل آپ اس قدر قائم کر دیئے ہیں کہ چنداں لغات عرب کی تفتیش کی حاجت نہیں ہاں موجب زیادتِ بصیرت بے شک ہے بلکہ بعض اوقات قرآن کریم کے اسرار مخفیہ کی طرف لغت کھودنے سے توجہ پیدا ہو جاتی ہے اور ایک بھید کی بات نکل آتی ہے۔ ﴿۱۷﴾

چھٹا معیار روحانی سلسلہ کے سمجھنے کے لئے سلسلہ جسمانی ہے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ کے دونوں سلسلوں میں بکلّی تطابق ہے۔

ساتواں معیار وحی ولایت اور مکاشفاتِ محدثین☆ ہیں اور یہ معیار گویا

☆ **حاشیہ معیار ھفتم** ۔ سیّد صاحب نے اپنی کسی کتاب میں وحی کو معیار صداقت نہیں ٹھہرایا اور نہ ٹھہرانا چاہتے ہیں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ وحی کو خواہ وہ وحی نبوت ہو یا وحیٔ ولایت نظر عزت سے نہیں دیکھتے بلکہ اُس کو صرف ملکۂ فطرت خیال کرتے ہیں سو اُن کی اس رائے کی نسبت بھی اس جگہ کسی قدر بیان کرنا قرین مصلحت ہے سو واضح ہو کہ سیّد صاحب کی یہ بڑی غلط اور سخت فتنہ انداز اور حق سے دُور ڈالنے والی رائے ہے کہ وحی اللہ کو صرف ملکۂ فطرت خیال کرتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ انسان کی فطرت میں کئی قسم کے ملکات ہوتے ہیں اور تمام ملکات اس قسم کے ہیں کہ ایک کی طرز اور وضع دوسرے کی طرز اور وضع پر شاہد ہے مثلاً بعض کی فطرت علمِ حساب اور ہندسہ سے ایک مناسبت رکھتی ہے اور بعض کی علم طب سے اور بعض کی علم منطق اور کلام سے لیکن خود بخود یہ استعداد مخفیہ کسی کو محاسب اور مہندس یا طبیب اور منطقی نہیں بنا سکتی بلکہ ایسا شخص تعلیم استاد کا محتاج ہوتا ہے، اور پھر دانا استاد جب اس شخص کی طبیعت کو ایک خاص علم سے مناسبت دیکھتا ہے تو اس کے پڑھنے کی اس کو رغبت دیتا ہے اسکے مناسب یہ شعر ہے کہ ﴿الف﴾

ہر کسے را بہر کارے ساختند　　میل طبعش اندران انداختند

تمام معیاروں پر حاوی ہے کیونکہ صاحب وحی محدثیت اپنے نبی متبوع کا پورا ہمرنگ ہوتا ہے اور **بغیر نبوّت اور تجدید احکام کے** وہ سب باتیں اُس کو دی جاتی ہیں جو نبی کو دی جاتی ہیں اور اُس پر یقینی طور پر سچی تعلیم ظاہر کی جاتی ہے اور نہ صرف اس قدر بلکہ اُس پر وہ سب امور بطور انعام واکرام کے وارد ہو جاتے ہیں جو نبی متبوع پر وارد ہوتے ہیں۔ سو اس کا بیان محض اٹکلیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ دیکھ کر کہتا ہے۔ اور سن کر بولتا ہے اور یہ راہ

بقیہ حاشیہ۔ اس تعلیم یابی کے بعد وہ ملکہ جو تخم کی طرح چھپا ہوا تھا بھڑک اُٹھتا ہے اور طرح طرح کی باریکیاں اس علم کی اُس کو سُوجھتی ہیں اور جو کچھ اس فن کے متعلق نئے نئے امور من جانب اللہ اسکے دل میں پیدا ہوتے ہیں اگر اُن کا الہام اور القا نام رکھیں تو کچھ بعید نہیں ہوتا کیونکہ بلاشبہ وہ تمام عمدہ باتیں جن سے انسانوں کو نفع پہنچتا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے دل میں ڈالی جاتی ہیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہ بھی درحقیقت اسی کی طرف اشارہ فرما کر کہتا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا[1] یعنی بُری باتیں اور نیک باتیں جو انسانوں کے دلوں میں پڑتی ہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی الہام ہوتی ہیں اچھا آدمی اپنی اچھی طبیعت کی وجہ سے اس لائق ہوتا ہے کہ اچھی باتیں اس کے دل میں پڑیں اور بُرا آدمی اپنی بُری طبیعت کی وجہ سے اس لائق ٹھہرتا ہے کہ بُرے خیالات اور بداندیشی کی تجویزیں اُس کے دل میں پیدا ہوتی رہیں اور درحقیقت نیک انسان اس قسم کے الہامات کے حاصل کرنے کے لئے فطرتاً ایک نیک ملکہ اپنے اندر رکھتا ہے اور بُرا انسان فطرتاً ایک بُرا ملکہ رکھتا ہے چنانچہ اسی ملکہ فطرتی کی وجہ سے بہت سے لوگ اچھی اور بُری تالیفیں اور پاک اور ناپاک ملفوظات اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا انبیاء کی وحی کی بھی یہی حقیقت ہے کہ وہ بھی درحقیقت ایک ملکہ فطرت ہے جو اس قسم کے القاء سے فیضیاب ہوتا رہتا ہے جس کی تفصیل ابھی بیان ہوئی ہے اگر صرف اتنی ہی بات ہے تو حقیقت معلوم شد کیونکہ انبیاء کی وحی کو صرف ایک ملکۂ فطرت قرار دے کر پھر انبیاء اور اسی قسم کے دوسرے لوگوں میں مابہ الامتیاز قائم کرنا نہایت مشکل ہے۔ شاید سیّد صاحب اس جگہ یہ فرماویں کہ ہم وحی متلو کے قائل ہیں یعنی قرآن کریم بالفاظ وحی ہے مگر میں سیّد صاحب کی اس حکمت عملی کو خوب سمجھتا ہوں وہ اس وحی متلو کے ہرگز قائل نہیں جس کے ہم لوگ قائل ہیں ظاہر ہے کہ یوں تو کوئی القا الفاظ کے بغیر نہیں ہوتا اور ایسے معانی جو الفاظ سے مجرد ہوں ذہن میں آ ہی نہیں سکتے لیکن پھر خود قرآن اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں بھی ایک فرق ہے اور اُسی فرق کی بنا پر حدیث کے الفاظ کو اس چشمہ سے نکلا ہوا قرار نہیں دیتے جس چشمہ سے قرآن کے الفاظ نکلے ہیں گو عام القا اور الہام کا مفہوم مدّنظر رکھ کر حدیث کے الفاظ بھی من جانب اللہ ہیں چنانچہ آیت وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى[2]

[1] الشمس:۹ [2] النجم:۴، ۵

اس اُمت کیلئے کھلی ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وارث حقیقی کوئی نہ رہے اور ایک شخص جو دنیا کا کیڑا اور دُنیا کے جاہ وجلال اور ننگ وناموس میں مبتلا ہے وہی وارث علم نبوّت ہو کیونکہ خداتعالیٰ وعدہ کر چکا ہے کہ بجز **مطہرین** کے علم نبوت کسی کو نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ تو اس پاک علم سے بازی کرنا ہے کہ ہر ایک شخص باوجود اپنی آلودہ حالت کے وارث النبی ہونے کا دعویٰ کرے اور یہ بھی ایک سخت جہالت ہے کہ ان وارثوں کے وجود سے انکار کیا جائے اور یہ

بقیہ حاشیہ۔ اس پر شہادت دے رہی ہے۔ یہ بات تو ہم دوبارہ یاد دلا دیتے ہیں کہ گو کسی قسم کا القا ہو الفاظ ہمیشہ ساتھ ہونگے مثلاً ایک شاعر جو ایک مصرعہ کے لئے دوسرا مصرعہ تلاش کر رہا ہے تو جب اس کے ذہن پر منجانب اللہ کوئی القاء ہوگا تو الفاظ کے ساتھ ہی ہوگا۔

اب جبکہ یہ بات پختہ طور پر فیصلہ پاگئی کہ حکماء اور عرفاء اور شعراء کو بھی خداتعالیٰ کی طرف سے ہی القاء ہوتا ہے اور وہ بھی الہام متلو ہی ہوتا ہے اور ان میں سے راستبازوں کو راستی کا اور بدوں کو بدی کا ایک ملکہ عطا کیا جاتا ہے اور مناسب حال اس ملکہ کے وقتاً فوقتاً ان کو الہام ہوتا رہتا ہے مثلاً جسؔ نے ریل ایجاد کی اس کو بھی القاء ہی ہوا تھا اور جو تار برقی کا موجد گزرا ہے وہ بھی ان معنوں کر کے ملہم ہی تھا تو وہی اعتراض جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں سیّد صاحب پر وارد ہوگا۔ اگر سیّد صاحب یہ جواب دیں کہ درحقیقت نفسِ القا میں تو انبیاء اور حکماء بلکہ کافر اور مومن برابر ہیں مگر فرق یہ ہے کہ انبیاء کا القاء ہمیشہ صحیح ہوتا ہے تو ایسے جواب میں سیّد صاحب کو اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ وحی نبوت کفار کے الہام سے کوئی ذاتی امتیاز نہیں رکھتی صرف یہ زائد امر ہے کہ انبیاء کی وحی غلطی سے پاک ہوتی ہے اور ارسطو اور افلاطون وغیرہ حکماء کی وحی غلطی سے پاک نہیں تھی لیکن یہ دعویٰ بے دلیل ہے بلکہ سراسر تحکم ہے کیونکہ اس صورت میں ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ حصّہ کثیر حکماء کے مواعظ اور نصائح اور اخلاقی باتوں کا جو غلطیوں سے پاک اور قرآن کے موافق ہے اُس کو بلاشبہ کلام الٰہی سمجھیں اور فرقان حمید کے برابر قرار دے دیں اور اس کی وحی متلو ہونے پر ایمان لاویں اور دوسرا حصّہ جس میں غلطی ہو اس کو اُسی طرح اجتہادی غلطیوں کی مَد میں داخل کر دیں جیسا کہ انبیاء سے بھی کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے اور پھر اس اصول کے لحاظ سے ایسے حکماء بلکہ کفار کو بھی نبی سمجھ لیں۔ اب ظاہر ہے کہ درحقیقت یہ ایسا خیال ہے کہ قریب ہے کہ سیّد صاحب کا ایمان اس سے ضائع ہو جائے بلکہ شاید کسی موقعہ پر نیوٹن وغیرہ حکماء کی وحی کو قرآن کی وحی سے اعلیٰ سمجھنے لگیں۔ افسوس کہ اگر سیّد صاحب قرآن کے معنے سمجھنے کے لئے قرآن کو ہی معیار ٹھہراتے تو اس ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچ جاتے۔ قرآن نے کسی جگہ اپنی وحی کی یہ مثال پیش نہیں کی

﴿ب﴾

اعتقاد رکھا جائے کہ اسرار نبوت کو اب صرف بطور ایک گذشتہ قصّہ کے تسلیم کرنا چاہیئے۔ جن کا وجود ہماری نظر کے سامنے نہیں ہے اور نہ ہونا ممکن ہے اور نہ ان کا کوئی نمونہ موجود ہے۔ بات یوں نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اسلام **زندہ مذہب** نہ کہلا سکتا بلکہ اور مذہبوں کی طرح یہ بھی **مُردہ مذہب** ہوتا اور اس صورت میں اعتقادِ مسئلہ نبوت بھی صرف ایک **قصہ** ہوتا جس کا گذشتہ قرنوں کی طرف حوالہ دیا جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ

﴿۱۸﴾

بقیہ حاشیہ۔ کہ وہ اس چشمہ کی مانند ہے کہ جو زمین سے جوش مارتا ہے بلکہ ہر جگہ یہی مثال پیش کی کہ وہ اُس بارش کی مانند ہے کہ جو آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اور اگر سیّد صاحب لکھنے کے وقت کسی صاحب حال سے پوچھ لیتے کہ وحی اللہ کیا شے ہے اور کیونکر نازل ہوتی ہے تو تب بھی اس لغزش سے بچ جاتے۔ اس ٹھوکر سے سیّد صاحب نے ایک جماعت کثیرہ مسلمان کو تباہ کر دیا اور قریب قریب الحاد اور دہریت کے پہنچا دیا اور وحیٔ نبوت کی عزت کو کھو کر اس فطرتی ملکہ تک محدود کر دیا جس میں کافر اور بے ایمان بھی شریک ہیں۔

اس وقت میں محض لِلّٰہ اپنی ذاتی شہادت سیّد صاحب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں شاید خدا تعالےٰ اُن پر فضل کرے۔ سواے عزیز سیّد! مجھے اس جل شانہ کی قسم ہے کہ یہ بات واقعی صحیح ہے کہ وحی آسمان سے دل پر ایسی گرتی ہے جیسے کہ آفتاب کی شعاع دیوار پر۔ میں ہر روز دیکھتا ہوں کہ جب مکالمہٴ الٰہیہ کا وقت آتا ہے تو اوّل یک دفعہ مجھ پر ایک ربودگی طاری ہوتی ہے تب میں ایک تبدیل یافتہ چیز کی مانند ہو جاتا ہوں اور میری حس اور میرا ادراک اور ہوش گو بگفتن باقی ہوتا ہے مگر اُس وقت میں پاتا ہوں کہ گویا ایک وجود شدید الطاقت نے میرے تمام وجود کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے اور اُس وقت احساس کرتا ہوں کہ میری ہستی کی تمام رگیں اُس کے ہاتھ میں ہیں اور جو کچھ میرا ہے اب وہ میرا نہیں بلکہ اُسکا ہے جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو اُس وقت سب سے پہلے خدا تعالیٰ دل کے اُن خیالات کو میری نظر کے سامنے پیش کرتا ہے جن پر اپنے کلام کی شعاع ڈالنا اس کو منظور ہوتا ہے تب ایک عجیب کیفیت سے وہ خیالات یکے بعد دیگرے نظر کے سامنے آتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک خیال مثلاً زید کی نسبت دل میں آیا کہ وہ فلاں مرض سے صحت یاب ہوگا یا نہ ہوگا تو جھٹ اُس پر ایک ٹکڑا کلامِ الٰہی کا ایک شعاع کی طرح گرتا ہے اور بسا اوقات اُس کے گرنے کے ساتھ تمام بدن ہل جاتا ہے پھر وہ مقدمہ طے ہو کر دوسرا خیال سامنے آتا ہے ادھر وہ خیال نظر کے سامنے کھڑا ہوا اور ادھر ساتھ ہی ایک ٹکڑا الہام کا اُس پر گرا جیسا کہ ایک تیر انداز ہر یک شکار کے نکلنے پر تیر مارتا جاتا ہے اور عین اس وقت میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ خیالات کا ہمارے ملکۂ فطرت سے پیدا ہوتا ہے اور کلام جو اُس پر گرتا ہے وہ اوپر سے نازل ہوتا ہے

اسلام کے زندہ ہونے کا ثبوت اور نبوت کی یقینی حقیقت جو ہمیشہ ہر ایک زمانہ میں منکرین وحی کو ساکت کر سکے اُسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے کہ سلسلہ وحی برنگ محدثیت ہمیشہ کیلئے جاری رہے۔سو اُس نے ایسا ہی کیا۔**محدّث** وہ لوگ ہیں جو شرف مکالمہ الٰہی سے مشرف

بقیہ حاشیہ۔ اگرچہ شعراء وغیرہ کو بھی سوچنے کے بعد القا ہوتا ہے مگر اس وحی کو اس سے مناسبت دینا سخت بے تمیزی ہے کیونکہ وہ القا خوض اور فکر کا ایک نتیجہ ہوتا ہے اور ہوش وحواس کی قائمی اور انسانیت کی حد میں ہونے کی حالت میں ظہور کرتا ہے لیکن یہ القا صرف اس وقت ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے تمام وجود کے ساتھ خدا تعالیٰ کے تصرف میں آجاتا ہے اور اپنا ہوش اور اپنا خوض کسی طور سے اُس میں دخل نہیں رکھتا اُسوقت زبان ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا یہ اپنی زبان نہیں اور ایک دوسری زبردست طاقت اس سے کام لے رہی ہے۔اور یہ صورت جو میں نے بیان کی ہے اس سے صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ فطرتی سلسلہ کیا چیز ہے اور آسمان سے کیا نازل ہوتا ہے؟ بالآخر میں دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس منحوس نیچریت کو مسلمانوں کے دلوں سے ایسا دھودیوے کہ کوئی داغ اس کا باقی نہ رہے کیونکہ اسلام کی برکتیں جس آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں وہ آنکھ تب تک نہیں کھلے گی جب تک کہ یہ دُخان آگے سے دُور اور دفع نہیں ہوگا۔

اے نیچرِ شوخ اِین چہ ایذاست — از دستِ تو فتنہ ہر طرف خاست
آن کس کہ رہِ کجت پسندید — دیگر نہ گُزید جانبِ راست
لیکن چو زِ غور و فکر بینیم — از ماست مصیبتے کہ بر ما است
متروک شد است درسِ فرقان — زان روز ہجوم این بلاہا است
نیچر نہ باصلِ خویش بَد بُود — دینِ گم شُد و نُورِ عقل ہا کاست
برقطرہ نگون شُدند یک بار — رو تافتہ زان طرف کہ دریا است
برجنت و حَشر و نَشر خندند — کین قصۂ بعید از خِرَدہا است
چوں ذِکرِ فرشتگان بیائد — گوید خلافِ عقلِ دانا است
اے سیّدِ سرگروہ این قوم — ہُشدار کہ پائے تو نہ بر جا است
پیرانہ سَر ایں چہ در سر افتاد — رو توبہ کُن ایں نہ راہِ تقواست
تَرسم کہ بدینِ قیاس یک روز — گوئی کہ خدا خیال بیجا است
اے خواجہ برو کہ فکرِ انسان — درکارِ خدا ز نوعِ سودا است
آخر ز قیاس ہا چہ خیزد — بنشین کہ نہ جائے شور و غوغا است
اے بندۂ بصیرت از خدا خواہ — اسرار خدا نہ خوان یغما است

ہوتے ہیں اور اُن کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس سے اشد مشابہت رکھتا ہے۔ اور وہ **خواص عجیبہ نبوّت کے لئے بطور آیات باقیہ کے ہوتے ہیں تا یہ دقیق مسئلہ نزول وحی کا کسی زمانہ میں بے ثبوت ہو کر صرف بطور قصّہ کے نہ ہو جائے اور یہ خیال ہرگز درست نہیں کہ انبیاء علیہم السلام دُنیا سے بے وارث ہی گذر گئے اور اب اُن کی نسبت کچھ رائے ظاہر کرنا بجز قصّہ خوانی کے اور کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا** بلکہ ہر ایک **صدی** میں ضرورت کے وقت اُن کے وارث پیدا ہوتے رہے ہیں اور اس صدی میں یہ عاجز ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس زمانہ کی اصلاح کیلئے بھیجا ہے تا وہ غلطیاں جو بجز خدا تعالیٰ کی خاص تائید کے نکل نہیں سکتی تھیں وہ مسلمانوں کے خیالات سے نکالی جائیں اور منکرین کو سچے اور زندہ خدا کا ثبوت دیا جائے اور اسلام کی عظمت اور حقیقت تازہ نشانوں سے ثابت کی جائے سو یہی ہو رہا ہے۔ قرآن کریم کے معارف ظاہر ہو رہے ہیں لطائف اور دقائق کلام ربّانی کھل رہے ہیں نشان آسمانی اور خوارق ظہور میں آ رہے ہیں اور اسلام کے حسنوں اور نوروں اور برکتوں کا خدا تعالیٰ نئے سرے جلوہ دکھا رہا ہے جس کی ﴿۱۹﴾ آنکھیں دیکھنے کی ہیں دیکھے اور جس میں سچا جوش ہے وہ طلب کرے اور جس میں ایک ذرّہ حبّ اللہ اور رسول کریم کی ہے وہ اُٹھے اور آزمائے اور خدا تعالیٰ کی اس پسندیدہ جماعت میں داخل ہووے جس کی بنیادی اینٹ اُس نے اپنے پاک ہاتھ سے رکھی ہے۔ اور یہ کہنا کہ اب وحی ولایت کی راہ مسدود ہے اور نشان ظاہر نہیں ہو سکتے اور دُعائیں قبول نہیں ہوتیں یہ ہلاکت کی راہ ہے۔ نہ سلامتی کی۔ خدا تعالیٰ کے فضل کو ردّ مت کرو **اُٹھو آزماؤ اور پرکھو** پھر اگر یہ پاؤ کہ معمولی سمجھ اور معمولی عقل اور معمولی باتوں کا انسان ہے تو قبول نہ کرو لیکن اگر کرشمہ قدرت دیکھو اور **اُسی ہاتھ کی چمک پاؤ** جو مؤیدانِ حق اور مکلمانِ الٰہی میں ظاہر ہوتا رہا ہے تو

قبول کرلو اور یقیناً سمجھو کہ خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بڑا احسان یہی ہے کہ وہ اسلام کو مُردہ مذہب رکھنا نہیں چاہتا بلکہ ہمیشہ یقین اور معرفت اور الزام خصم کے طریقوں کو کھلا رکھنا چاہتا ہے۔ بھلا تم آپ ہی سوچو کہ اگر کوئی وحی نبوت کا منکر ہو اور یہ کہے کہ ایسا خیال تمہارا سراسر وہم ہے تو اس کے منہ بند کرنے والی بجز اس کے نمونہ دکھلانے کے اور کونسی دلیل ہوسکتی ہے؟ کیا یہ خوشخبری ہے یا بدخبری کہ آسمانی برکتیں صرف چند سال اسلام میں رہیں اور پھر وہ خشک اور مُردہ مذہب ہوگیا؟ اور کیا ایک سچّے مذہب کے لئے یہی علامتیں ہونی چاہئیں!!!

غرض صحیح تفسیر کے لئے یہ معیار ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ سیّد صاحب کی تفسیر ان ساتوں معیاروں سے اپنے اکثر مقامات میں محروم و بے نصیب ہے۔ اور اسوقت اس سے تعرض کرنا ہمارا مقصود نہیں۔ سیّد صاحب کو قانون قدرت پر بڑا ہی ناز تھا مگر اپنی تفسیر میں وہ قانون قدرت کا لحاظ بھی چھوڑ گئے۔ مثلاً اُن کا یہ اعتقاد کہ وحی نبوت بجز اپنے ہی فطرت کے ملکہ کے اور کچھ چیز نہیں اور اس میں اور خدا تعالیٰ میں ملائکہ کا واسطہ نہیں۔ کس قدر خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کے مخالف ہے۔ ہم صریح دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے جسمانی قویٰ کی تکمیل کے لئے آسمانی توسط کے محتاج ہیں۔ ہمارے اس بدنی سلسلہ کے قیام اور اغراض مطلوبہ تک پہنچانے کے لئے خدا تعالےٰ نے آفتاب اور مہتاب اور ستاروں اور عناصر کو ہمارے لئے مسخر کیا ہے۔ اور کئی وسائط کے پیرایہ میں ہوکر اس علت العلل کا فیض ہم تک پہنچتا ہے اور بے واسطہ ہرگز نہیں پہنچتا۔ مثلاً اگرچہ ہماری آنکھوں کو تو نور خداوند تعالیٰ ہی سے ملتا ہے کیونکہ وہی تو علت العلل ہے۔ مگر وہ آفتاب کے واسطے سے ہماری آنکھوں تک پہنچاتا ہے ہم ایک چیز بھی نظام ظاہری میں ایسی نہیں دیکھتے جسکو خدا تعالیٰ بلا واسطہ آپ ہی اپنا مبارک ہاتھ لمبا کرکے ہمیں دیدے۔

﴿۲۰﴾

بلکہ ہر ایک چیز وسائط کے ذریعہ سے ہی ملتی ہے۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہمارے ظاہری قویٰ کی خلقت تام نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ مثلاً مستقل طور پر روشن ہوں اور آپ کے مجوزہ ملکہ وحی کی طرح ایسا اُن میں ملکہ موجود ہو جو آفتاب کے واسطہ سے ہم کو مستغنی کردے۔ پھر اس نظام کے برخلاف بے اصل باتیں آپ کی کیونکر صحیح ٹھہر سکیں۔ ماسوا اس کے ذاتی تجارب کی شہادت جو سب شہادتوں سے بڑھ کر ہے آپ کی اس رائے کی سخت تکذیب کرتی ہے کیونکہ یہ عاجز قریباً گیارہ برس سے شرف مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہے اور اس بات کو بخوبی جانتا ہے۔ کہ وحی درحقیقت آسمان سے ہی نازل ہوتی ہے۔ وحی کی مثال اگر دنیا کی چیزوں میں سے کسی چیز کے ساتھ دی جائے۔ تو شاید کسی قدر تار برقی سے مشابہ ہے جو اپنے ہر یک ﴿۲۱﴾ تغیر کی آپ خبر دیتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس وحی کے وقت جو برنگ وحی ولایت میرے پر نازل ہوتی ہے۔ ایک خارجی اور شدید الاثر تصرف کا احساس ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ یہ تصرف ایسا قوی ہوتا ہے کہ مجھ کو اپنے انوار میں ایسا دبا لیتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اُس کی طرف ایسا کھینچا گیا ہوں کہ میری کوئی قوت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس تصرف میں کھلا اور روشن کلام سُنتا ہوں۔ بعض وقت ملائکہ کو دیکھتا ہوں ☆ اور سچائی میں جو اثر اور ہیبت ہوتی ہے مشاہدہ کرتا ہوں اور وہ کلام بسا اوقات غیب کی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور ایسا تصرف اور اخذ خارجی ہوتا ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ اب اس سے انکار کرنا ایک کھلی کھلی صداقت کا خون کرنا ہے۔

مناسب ہے کہ سیّد صاحب موت سے پہلے اس صداقت کو آج مان لیں۔ اور آسمانی وحی کی توہین نہ کریں۔ تعجب ہے کہ وہ نظامِ ظاہری کو تو دیکھتے ہیں اور پھر نظام باطنی کا

☆نوٹ:۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ ملائک بعض وقت نظر آتے ہیں بلکہ بسا اوقات ملائک کلام میں اپنا واسطہ ہونا ظاہر کر دیتے ہیں۔ منہ

اس پر قیاس نہیں کرتے۔نہیں سمجھتے کہ وہ خدا جس نے ہمارے نظام جسمانی کو اس طرح بنایا کہ آسمان سے ظاہری روشنی ہمارے لئے اترتی ہے اور حقیقی مؤثر آسمانی وسائط کے ذریعہ سے ہمارے جسمانی قویٰ پر اپنا فیض نازل کرتا ہے۔اور بغیر واسطہ علل کے کوئی فیض نازل کرنا اس کی عادت ہی نہیں تو پھر کیونکر وہ خدا ہمارے روحانی نظام میں اس سلسلۂ وسائط سے بالکل ہم کو منقطع کر دیوے۔کیا جسمانی طور سے ہم اس سلسلہ سے منقطع ہیں۔یا درحقیقت ایک سلسلہ وسائط میں بندھے ہوئے ہیں جو علت العلل سے شروع ہو کر ہم تک پہنچتا ہے۔اس بحث پر غور کرنے کے لئے ہماری کتاب **توضیح مرام** اور **آئینہ کمالات اسلام** دیکھنی چاہئے خاص کر فرشتوں کی ضرورت میں جس قدر مبسوط بحث آئینہ کمالات اسلام میں ہے اس کی نظیر کسی دوسری کتاب میں نہیں پاؤ گے۔اور سیّد صاحب کی خدا شناسی کا اندازہ معلوم کرنے کے لئے یہ ان کے اقوال کافی ہیں۔کہ وہ مخلوقات کو مقدرِ حقیقی کے تصرفوں اور حکومتوں سے بے نیاز کر بیٹھے ہیں۔نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ کی خدائی اس کی قدرت کاملہ سے وابستہ ہے۔اور قدرت اِسی کا نام ہے کہ اُس کے تصرفات اُس کی مخلوقات پر ہر آن غیر محدود ہوں۔بلاشبہ یہ سچ ہے کہ **اگر اس مخلوقات کو اس نے پیدا کیا ہے تو اپنی غیر محدود ذات کی طرح غیر محدود تصرفات کی گنجائش بھی رکھ لی ہوگی**۔تا کسی درجہ پر اس کی خدائی کا تعطّل لازم نہ آوے☆ اور اگر نعوذ باللہ آریہ ہندوؤں کا قول صحیح ہے

﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾

☆ **حاشیہ:۔** اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس بات کے ماننے سے کہ خدا تعالیٰ کی غیر متناہی حکمت استحالات غیر متناہیہ پر قادر ہے۔حقائق اشیاء سے امان اٹھ جاتا ہے۔مثلاً اگر خدا تعالیٰ اس بات پر قادر سمجھا جائے کہ پانی کی صورت نوعیہ کو سلب کر کے ہوا کی صورت نوعیہ اس جگہ رکھ دے یا ہوا کی صورت نوعیہ کو سلب کر کے آگ کی صورت نوعیہ اس کی قائم مقام کر دے یا آگ کی صورت نوعیہ کو سلب کر کے ان مخفی اسباب سے جو اس کے علم میں ہیں پانی کی صورت نوعیہ میں لے آوے یا مٹی کو کسی زمین کی تہ میں تصرفات لطیفہ سے سونا بنا دے یا سونے کو مٹی بنا دے تو اس سے امان اٹھ جائے گا اور علوم وفنون ضائع ہو جائیں گے۔تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال سراسر فاسد ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ

کہ پرمیشور ارواح اور ذرات عالم کا پیدا کرنے والا نہیں تو اس صورت میں بلاشبہ ایسا کمزور پرمیشور کسی حد تک کچھ ضعیف سی حکومت کر کے پھر ٹھہر جائے گا۔ اور ایک رسوائی کے ساتھ اس کی پردہ دری ہوگی۔ مگر ہمارا خداوند قادر مطلق ایسا نہیں ہے۔ وہ تمام ذرات عالم اور ارواح اور جمیع مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی قدرت کی نسبت اگر کوئی سوال کیا جائے تو بجز اُن خاص باتوں کے جو اسکی صفات کاملہ اور **مواعید صادقہ** کے منافی ہوں۔ باقی سب امور پر وہ قادر ہے

بقیہ حاشیہ : خدا تعالیٰ اپنی مخفی حکمتوں کے تصرف سے عناصر وغیرہ کو صدہا طور کے استحالات میں ڈالتا رہتا ہے ایک زمین کو ہی دیکھو کہ وہ انواع اقسام کے استحالات سے کیا کچھ بنتی رہتی ہے اسی سے سم الفار نکل آتا ہے اور اسی سے فاذ زہر اور اسی سے سونا اور اسی سے چاندی اور اسی سے طرح طرح کے جواہرات اور ایسا ہی بخارات کا صعود ہو کر کیا کیا چیزیں ہیں جو جوّ آسمان میں پیدا ہو جاتی ہیں انہیں بخارات میں سے برف گرتی ہے اور انہیں سے اولے بنتے ہیں اور انہیں میں سے برق اور انہیں میں سے صاعقہ اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ کبھی جوّ آسمان سے راکھ بھی گرتی ہے تو کیا ان حالات سے علم باطل ہو جاتے ہیں یا امان اٹھ جاتا ہے اور اگر یہ کہو کہ ان چیزوں میں تو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کی فطرت میں ان تمام استحالات کا مادہ رکھا ہے تو ہمارا یہ جواب ہوگا کہ ہم نے کب اور کس وقت کہا ہے کہ اشیاء متنازعہ فیہا میں ایسا مادّہ متشارکہ نہیں رکھا گیا بلکہ صحیح اور سچا مذہب تو یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اپنی ذات میں واحد ہے تمام اشیاء کو شئ واحد کی طرح پیدا کیا ہے تا وہ موجد واحد کی وحدانیت پر دلالت کریں۔ سو خدا تعالیٰ نے اسی وحدانیت کے لحاظ سے اور نیز اپنی قدرت غیر محدودہ کے تقاضا سے استحالات کا مادہ اُن میں رکھا ہے اور بجز اُن روحوں کے جو اپنی سعادت اور شقاوت میں خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا[1] کے مصداق ٹھہرائے گئے ہیں اور وعدہ الٰہی نے ہمیشہ کے لئے ایک غیر متبدل خلقت ان کے لئے مقرر کر دی ہے باقی کوئی چیز مخلوقات میں سے استحالات سے بچی ہوئی معلوم نہیں ہوتی بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو ہر وقت ہر یک جسم میں استحالہ اپنا کام کر رہا ہے یہاں تک کہ علم طبعی کی تحقیقاتوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تین برس تک انسان کا جسم بدل جاتا ہے اور پہلا جسم ذرات ہو کر اڑ جاتا ہے۔ مثلاً اگر پانی ہے یا آگ ہے تو وہ بھی استحالہ سے خالی نہیں اور دو طور کے استحالے ان پر حکومت کر رہے ہیں ایک یہ کہ بعض اجزا نکل جاتے ہیں اور بعض اجزا جدیدہ آ ملتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو اجزا نکل جاتے ہیں وہ اپنی استعداد کے موافق دوسرا جنم لے لیتے ہیں۔ غرض اس فانی دنیا کو استحالات کے چرخ پر چڑھائے رکھنا خدا تعالیٰ کی ایک سنت ہے اور ایک باریک نگاہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾

[1] الجنّ:۲۴

اور یہ بات کہ گو وہ قادر ہو مگر کرنا نہیں چاہتا یہ عجیب بے ہودہ الزام ہے جب کہ اس کی صفات میں كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ [1] بھی داخل ہے۔ **اور ایسے تصرفات کہ پانی سے برودت دور کرے۔ یا آگ سے خاصیت احراق زائل کر دیوے اس کی صفات کاملہ اور مواعید صادقہ کی منافی نہیں ہیں تو پھر** ﴿۲۴﴾ کیوں تحکم کی راہ سے کہا جائے کہ ہمیشہ کے لئے اس پر لازم ہو گیا ہے کہ

بقیہ حاشیہ : یہ سب چیزیں بوجہ وحدت مبدء فیض اپنی اصل ماہیت میں ایک ہی ہیں گو ان چیزوں کا کامل کیمیاگر انسان نہیں بن سکتا اور کیونکر بنے حکیم مطلق نے اپنے اسرار حکمیہ غیر متناہیہ پر کسی دوسرے کو محیط نہیں کیا۔ اور اگر یہ کہو کہ اجرام علوی میں استحالات کہاں ہیں تو میں کہتا ہوں کہ بیشک ان میں بھی استحالات اور ﴿۲۵﴾ تحلیلات کا مادہ ہے گو ہمیں معلوم نہ ہو تبھی تو ایک دن زوال پذیر ہو جائیں گے۔ ماسوا اسکے ہزارہا چیزوں کے استحالات پر نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ کوئی چیز استحالہ سے خالی نہیں۔ سوتم پہلے زمین کے استحالات سے انکار کرلو پھر آسمان کی بات کرنا۔

تو کار زمین را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پرداختی

غرض جب انواع اقسام کے استحالات ہر روز مشاہدہ میں آتے ہیں اور وحدت ذاتی الٰہی کا یہ تقاضا بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام چیزوں کا منبع اور مبدء ایک ہو اور خدا تعالیٰ کی الوہیت تامہ بھی تبھی قائم رہ سکتی ہے کہ جب ذرہ ذرہ پر اس کا تصرف تام ہو تو پھر یہ استبعاد اور یہ اعتراض کہ ان استحالات سے امان اٹھ جائے گا اور علوم ضائع ہوں گے اگر سخت غلطی نہیں تو اور کیا ہے اور ہم جو کہتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہ قادر ہے کہ پانی سے آگ کا کام لیوے یا آگ سے پانی کا کام تو اس سے یہ مطلب تو نہیں کہ اپنی حکمت غیر متناہی کو اس میں دخل نہ دے یونہی تحکم سے کام لے لیوے کیونکہ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل آمیزش حکمت سے خالی نہیں اور نہ ہونا چاہئے بلکہ ہمارا یہ مطلب ہے کہ جس وقت وہ پانی سے آگ کا کام یا آگ سے پانی کا کام لینا چاہے تو اس وقت اپنی اس حکمت کو کام میں لائے گا جو اس عالم کے ذرہ ذرہ پر حکومت رکھتی ہے گو ہم اس سے مطلع ہوں یا نہ ہوں اور ظاہر ہے کہ جو حکمت کے طور پر کام ہو وہ علوم کو ضائع نہیں کرتا بلکہ علوم کی اس سے ترقی ہوتی ہے۔ ﴿۲۶﴾ دیکھو مصنوعی طور پر پانی کی برف بنائی جاتی ہے یا برقی روشنی پیدا کی جاتی ہے۔ تو کیا اس سے امان اٹھ جاتا ہے یا علم ضائع ہو جاتے ہیں۔

اس جگہ ایک اور سرّ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ اولیاء سے جو خوارق کبھی

[1] الرحمٰن:۳۰

ان چیزوں کی خاصیت میں کبھی تصرف نہ کرے!!! اس لزوم پر دلیل کیا ہے۔ اور وجہ کیا اور خدا تعالیٰ کو اس بے وجہ التزام کی جو اس کی خدائی کو بھی داغ لگاتا ہے ضرورت کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ میں سیّد صاحب بھی اس کمزور خیال کے بودے پن کو سمجھ گئے ہیں اس لئے اپنے رکیک قول کے قائم رکھنے کے لئے انہوں نے ایک اور رکیک عذر پیش کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی جگہ آگ کے گرم ہونے

بقیہ حاشیہ : اس قسم کے ظہور میں آتے ہیں کہ پانی ان کو ڈبو نہیں سکتا اور آگ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اس میں بھی دراصل یہی بھید ہے کہ حکیم مطلق جس کی بے انتہا اسرار پر انسان حاوی نہیں ہو سکتا اپنے دوستوں اور مقربوں کی توجّہ کے وقت کبھی یہ کرشمہ قدرت دکھلاتا ہے کہ وہ توجّہ عالم میں تصرف کرتی ہے اور جن ایسے مخفی اسباب کے جمع ہونے سے مثلاً آگ کی حرارت اپنے اثر سے رک سکتی ہے خواہ وہ اسباب اجرام علوی کی تاثیریں ہوں یا خود مثلاً آگ کی کوئی مخفی خاصیت یا اپنے بدن کی ہی کوئی مخفی خاصیت یا ان تمام خاصیتوں کا مجموعہ ہو وہ اسباب اس توجّہ اور اس دعا سے حرکت میں آتی ہیں۔ تب ایک امر خارق عادت ظاہر ہوتا ہے مگر اس سے حقائق اشیاء کا اعتبار نہیں اٹھتا اور نہ علوم ضائع ہوتے ہیں بلکہ یہ تو علوم الٰہیہ میں سے خود ایک علم ہے اور یہ اپنے مقام پر ہے اور مثلاً آگ کا محرق بالخاصیت ہونا اپنے مقام پر۔ بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ روحانی مواد ہیں جو آگ پر غالب آکر اپنا اثر دکھاتے ہیں اور اپنے وقت اور اپنے محل سے خاص ہیں۔ اس دقیقہ کو دنیا کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ انسان کامل خدا تعالیٰ کی روح کا جلوہ گاہ ہوتا ہے اور جب کبھی کامل انسان پر ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ وہ اس جلوہ کا عین وقت ہوتا ہے تو اس وقت ہر یک چیز اس سے ایسی ڈرتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ سے۔ اس وقت اس کو درندہ کے آگے ڈال دو، آگ میں ڈال دو وہ اس سے کچھ بھی نقصان نہیں اٹھائے گا کیونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کی روح اس پر ہوتی ہے اور ہر یک چیز کا عہد ہے کہ اس سے ڈرے۔ یہ معرفت کا اخیری بھید ہے جو بغیر صحبت کاملین سمجھ میں نہیں آسکتا۔ چونکہ یہ نہایت دقیق اور پھر نہایت درجہ نادر الوقوع ہے اس لئے ہر ایک فہم اس فلاسفی سے آگاہ نہیں مگر یاد رکھو کہ ہر یک چیز خدا تعالیٰ کی آواز سنتی ہے ہر یک چیز پر خدا تعالیٰ کا تصرف ہے اور ہر یک چیز کی تمام ڈوریاں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اس کی حکمت ایک بے انتہا حکمت ہے جو ہر یک ذرہ کی جڑ تک پہنچی ہوئی ہے اور ہر یک چیز میں اتنی ہی خاصیتیں ہیں جتنی اس کی قدرتیں ہیں۔ جو شخص اس بات پر ایمان نہیں لاتا وہ اس گروہ میں داخل ہے جو

﴿۲۷﴾

کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور کسی جگہ پانی کے سَرد ہونے کی طرف ایما فرمایا ہے۔ اور کبھی کہا ہے کہ سُورج مشرق سے مغرب کی طرف جاتا ہے۔ تو یہ بیانات جو حالات موجودہ کے اظہار کے لئے ہیں سیّد صاحب کی نظر میں بطور **وعدہ** کے ہیں جن میں تغییر تبدیل ممکن نہیں ﴿۲۵﴾ اگر استخراجِ دلائل کا یہی طریق ہے تو سیّد صاحب پر بڑی مشکل پڑے گی اور اُن کو ماننا پڑے گا کہ تمام بیانات قرآن کریم کے مواعید میں داخل ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے جو حضرت زکریا کو بشارت دیکر فرمایا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ [1] تو بموجب قاعدہ سیّد صاحب کے چاہیئے تھا کہ حضرت یحییٰ ہمیشہ غلام یعنی لڑکے ہی رہتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو غلام کر کے پکارا ہے۔ اور یہ وعدہ ہوگیا۔ ایسی ہی اور بیسوں مثالیں ہیں سب کو بیان کرنا صرف وقت ضائع کرنا ہے۔ اگر سیّد صاحب کی نظر میں واقعات موجودہ کے بیان کرنے سے آئندہ کے لئے اور ہمیشہ کے لئے کوئی وعدہ لازم آجاتا ہے تو ان سے ڈرنا چاہیئے کہ ایسا ہی وہ بات بات میں انسانوں پر الزام لگائیں گے۔ اور ایک موجودہ واقعہ کے بیان کرنے کو وہ ایک دائمی وعدہ سمجھ لیں گے۔ میرے نزدیک بہتر ہے کہ سیّد صاحب اپنے آخری دن ﴿۲۶﴾ کو یاد کر کے چند ماہ اس عاجز کی صحبت میں رہیں۔ اور **چونکہ میں مامور ہوں اور مبشّر ہوں** اس لئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ سیّد صاحب کے اطمینان کے لئے توجّہ کروں گا۔ اور اُمید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کوئی ایسا نشان دکھلائے کہ سیّد صاحب کے مجوزہ قانون قدرت

بقیہ حاشیہ: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ [2] کے مصداق ہیں۔ اور چونکہ انسان کامل مظہر اتم تمام عالم کا ہوتا ہے اس لئے تمام عالم اس کی طرف وقتاً فوقتاً کھینچا جاتا ہے وہ روحانی عالم کا ایک عنکبوت ہوتا ہے اور تمام عالم اس کی تاریں ہوتی ہیں اور خوارق کا یہی سرّ ہے۔

بر کاروبار ہستی اثری صد عارفان را ۔ زجہان چہ دید آن کس کہ ندید این جہان را

منہ

---

[1] مریم: ۸ [2] الانعام: ۹۲

کو ایک دم میں خاک میں ملا دیوے اور اس قسم کے کام اب تک بہت ظہور میں آئے ہیں کہ جو سیّد صاحب کی نظر میں قانون قدرت کے مخالف ہیں۔ مگر اُن کا بیان کرنا بے فائدہ ہے کہ سیّد صاحب اس کو ایک قصّہ سمجھیں گے۔ سیّد صاحب وحیٔ ولایت کی ایسی پیشگوئیوں سے بھی تو منکر ہیں جو بذریعہ الہام اولیاء اللہ کو معلوم ہوتے ہیں۔ اور اُن کی نظر میں وہ ایسی ہی خلافِ قانون قدرت ہیں جیسا کہ آگ کا اپنی خاصیتِ احراق کو چھوڑ دینا۔ ایسا ہی دُعا کی ذاتی تاثیرات بھی جن کے ذریعہ سے وہ مطلب حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کیلئے دُعا کی گئی سیّد صاحب کی نظر میں خلاف قانون قدرت ہیں۔ سو اگر سیّد صاحب میرے پاس آ نہیں سکتے تو ان دونوں باتوں میں ہی وعدہ قبولِ حق کر کے مجھ کو اجازت دیں کہ اُن کی نسبت جناب الٰہی میں توجّہ کر کے جو کچھ ظاہر ہو وہ شائع کروں اس سے عام لوگوں کو فائدہ ہو جائیگا۔ اگر سیّد صاحب کی رائے درحقیقت درست ہے، تو میں اپنے مطلب میں کامیاب نہیں ہوں گا۔ ورنہ عقلمند لوگ سیّد صاحب کے خراب عقیدوں سے نجات پا کر پھر اپنے عظیم الشان خدا تعالیٰ کو پہچان لیں گے اور محبت سے اُس کی طرف رجوع کریں گے۔ اور دُعا کے وقت اُس کی رحمتوں سے نا اُمید نہیں ہونگے۔ اور ہاتھ اُٹھانے کے وقت لذّت اٹھائینگے۔ اور خدا تعالیٰ کے وجود کا فائدہ بھی تو یہی ہے کہ ہماری دُعائیں سُنے اور آپ اپنے وجود سے ہمیں خبر دے۔ نہ کہ ہم ہزار ہزار تکلیف سے ایک بُت کی طرح ایک فرضی خدا دل میں قائم کریں۔ جس کی ہم آواز نہیں سُن سکتے۔ اور اُس کی نمایاں قدرت کا کوئی جلوہ نہیں دیکھ سکتے۔ یقیناً سمجھو کہ وہ قادر خدا موجود ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔

﴿۲۷﴾ ﴿۲۸﴾

وما غلت ایدیه بل یداه مبسوطتان ینفق کیف یشاء و یفعل مایرید۔ و هو علی کل شیء قدیر۔ واٰخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ۔

رُوئے دلبر از طلبگاراں نمی دارد حجاب
می درخشد در خورو می تابد اندر ماہتاب

لیکن آن روئے حسین از غافلاں ماند نہاں
عاشقی باید کہ بردارند از بہرش نقاب

دامنِ پاکش زِ نَخوت ہا نمی آید بَدَست
ہیچ راہی نیست غیر از عجز و دردو اِضطراب

بس خطرناک است راہِ کُوچہٴ یارِ قدیم
جاں سلامت بایدت از خودروی ہا سر بتاب

تا کلامش فہم و عقلِ ناسزایاں کم رَسَد
ہر کہ از خود گم شود اویابداں راہِ صواب

مشکلِ قرآن نہ از ابناء دُنیا حل شود
ذوق آں می داند آں مستی کہ نوشد آں شراب

اَ یکہ آگاہی ندادندت ز انوارِ دروں
درحقِ ماہر چہ گوئی نیستی جائے عتاب

از سرِ وعظ و نصیحت این سخن ہا گفتہ ایم
تا مگر زین مرہمی بہ گردد آں زخمی خراب

از دعا کن چارۂ آزارِ انکارِ دُعا
چون علاج می زمی وقتِ خُمار و اِلتہاب

اَ یکہ گوئی گر دُعاہا را اثر بودے کجاست
سوئی من بشتاب بنمایم ترا چون آفتاب

ہان مکن انکار زین اسرار قدرت ہائے حق
قِصہ کوتہ کن بہ بیں از ما دُعائے مستجاب

دیکھو صفحہ ۲۔۳۔۴ سرورق☆

لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک اور خبر

﴿۴۔سرورق﴾

آج ۲۔ اپریل ۱۸۹۳ء مطابق ۱۴ ماہ رمضان ۱۳۱۰ھ ہے صبح کے وقت تھوڑی غنودگی کی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اُس کے چہرے پر سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے گویا انسان نہیں ملائک شدّاد غلاظ میں سے ہے اور اسکی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اُسکو دیکھتا ہی تھا کہ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور ایک اور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے تب میں نے اُسوقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اس دوسرے شخص کی سزادہی کیلئے مامور کیا گیا ہے مگر مجھے معلوم نہیں رہا کہ وہ دوسرا شخص کون ہے ہاں یقینی طور پر یاد ہے کہ وہ دوسرا شخص انہیں چند آدمیوں میں سے تھا جن کی نسبت میں اشتہار دے چکا ہوں اور یہ یکشنبہ کا دن اور ۴ بجے صبح کا وقت تھا۔ فالحمد للہ علٰی ذالک۔

☆ موجودہ ترتیب میں بھی یہ مضمون صفحہ ۲ تا ۴ پر آیا ہے۔

﴿۲۹﴾

اسؔ کو غور سے پڑھو کہ اس میں آپ لوگوں کے لئے خوشخبری ہے

بخدمت امراء ورئیسان و مُنعمان ذی مقدرت ووالیان ارباب حکومت ومنزلت

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اے بزرگانِ اسلام خدا تعالیٰ آپ لوگوں کے دلوں میں تمام فرقوں سے بڑھ کر نیک ارادے پیدا کرے اور اس نازک وقت میں آپ لوگوں کو اپنے پیارے دین کا سچا خادم بناوے۔ میں اس وقت محض لِلّٰہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کے لئے بھیجا ہے تاکہ میں اس پُرآشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمتیں ظاہر کروں اور اُن تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں اُن نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کئے گئے ہیں سو یہ کام برابر دس برس سے ہو رہا ہے لیکن چونکہ وہ تمام ضرورتیں جو ہم کو اشاعتِ اسلام کیلئے درپیش ہیں بہت سی مالی امدادات کی محتاج ہیں اس لئے میں نے یہ ضروری سمجھا کہ بطور تبلیغ آپ صاحبوں کو اطلاع دوں سو سنو اے عالیجاہ بزرگو۔ ہمارے لئے اللہ جلّ شانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی راہ میں یہ مشکلات درپیش ہیں کہ ایسی تالیفات کے لئے جو لاکھوں آدمیوں میں پھیلانی چاہیئے بہت سے سرمایہ کی حاجت ہے اور اب صورت یہ ہے کہ اوّل تو

﴿۳۰﴾

انؔ بڑے بڑے مقاصد کے لئے کچھ بھی سرمایہ کا بندوبست نہیں اور اگر بعض پُرجوش مردانِ دین☆ کی ہمت اور اعانت سے کوئی کتاب تالیف ہو کر شائع ہو تو بباعث کم توجہی اور غفلت زمانہ کے وہ کتاب بجز چند نسخوں کے زیادہ فروخت نہیں ہوتے اور اکثر نسخے اس کے یا تو سالہا سال صندوقوں میں بند رہتے ہیں یا لِلّٰہ مفت تقسیم کئے جاتے ہیں اور اس طرح اشاعتِ ضروریاتِ دین میں بہت سا حرج ہو رہا ہے اور گو خدا تعالیٰ اس جماعت کو دن بدن زیادہ کرتا جاتا ہے مگر ابھی تک ایسے دولتمندوں میں سے ہمارے ساتھ کوئی بھی نہیں کہ کوئی حصّہ معتد بہ اس خدمتِ اسلام کا اپنے ذمہ لے لے اور چونکہ یہ عاجز خدا تعالیٰ سے مامور ہو کر تجدید دین کے لئے آیا ہے اور مجھے اللہ جلّ شانہٗ نے یہ خوشخبری بھی دی ہے کہ وہ بعض امراء اور ملوک کو بھی ہمارے گروہ میں داخل کرے گا اور مجھے اُس نے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دُونگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ سو اسی بنا پر آج مجھے خیال آیا کہ میں ارباب دولت اور مقدرت کو اپنے کام کی نصرت کے لئے تحریک کروں۔

اور چونکہ یہ دینی مدد کا کام ایک عظیم الشان کام ہے اور انسان اپنے شکوک اور شبہات اور وساوس سے خالی نہیں ہوتا اور بغیر شناخت وہ صدق بھی پیدا نہیں ہوتا جس سے ایسی بڑی مددوں کا حوصلہ ہو سکے اس لئے میں تمام امراء کی خدمت میں بطور عام اعلان کے لکھتا ہوں کہ اگر ان کو بغیر آزمائش ایسی مدد میں تامل ہو تو وہ اپنے بعض مقاصد اور مہمات اور مشکلات کو اس غرض سے میری طرف لکھ بھیجیں کہ تا میں اُن مقاصد کے پورا ہونے کے لئے دعا کروں۔ مگر اس بات کو تصریح سے لکھ بھیجیں کہ وہ مطلب کے پورا ہونے کے وقت کہاں تک ہمیں اسلام کی راہ میں مالی مدد دیں گے اور کیا انہوں نے اپنے دلوں

☆ پُرجوش مردانِ دین سے مراد اس جگہ اخویم حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی ہیں جنہوں نے گویا اپنا تمام مال اسی راہ میں لٹا دیا ہے۔ اور بعد ان کے میرے دلی دوست حکیم فضل الدین صاحب اور نواب محمد علی خانصاحب کوٹلہ مالیر اور درجہ بدرجہ تمام وہ مخلص دوست ہیں جو اس راہ میں فدا ہو رہے ہیں۔ منہ

﴿۳۱﴾

میں نے پختہ اور حتمی وعدہ کرلیا ہے کہ ضرور وہ اس قدر مدد دینگے اگر ایسا خط ☆ کسی صاحب کی طرف سے مجھ کو پہنچا تو میں اُسکے لئے دُعا کرونگا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ بشرطیکہ تقدیر مبرم نہ ہو ضرور خدا تعالیٰ میری دُعا سُنے گا اور مجھ کو الہام کے ذریعہ سے اطلاع دے گا۔ اس بات سے نومید مت ہو کہ ہمارے مقاصد بہت پیچیدہ ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے بشرطیکہ ارادہ ازلی اُس کے مخالف نہ ہو۔ اور اگر ایسے صاحبوں کی بہت سی درخواستیں آئیں تو صرف اُنکو اطلاع دی جائے گی جن کے کشود کار کی نسبت از جانب حضرتِ عزّ وجل خوشخبری ملے گی۔ اور یہ امور منکرین کیلئے نشان بھی ہونگے اور شاید یہ نشان اس قدر ہو جائیں کہ دریا کی طرح بہنے لگیں۔ بالآخر میں ہر ایک مسلمان کی خدمت میں نصیحتًا کہتا ہوں کہ اسلام کے لئے جاگو کہ اسلام سخت فتنہ میں پڑا ہے اس کی مدد کرو کہ اب یہ غریب ہے اور میں اسی لئے آیا ہوں اور مجھے خدا تعالیٰ نے علم قرآن بخشا ہے اور حقائق معارف اپنی کتاب کے میرے پر کھولے ہیں اور خوارق مجھے عطا کئے ہیں سو میری طرف آؤ تا اس نعمت سے تم بھی حصّہ پاؤ۔ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں کیا ضرور نہ تھا کہ ایسی **عظیم الفتن** صدی کے سر پر جس کی کھلی کھلی آفات ہیں ایک مجدد کھلے کھلے دعویٰ کے ساتھ آتا سو عنقریب میرے کاموں کے ساتھ تم مجھے شناخت کرو گے ہر ایک جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا اُسوقت کے علماء کی ناسمجھی اُس کی سدِّ راہ ہوئی آخر جب وہ پہچانا گیا تو اپنے کاموں سے پہچانا گیا کہ تلخ درخت شیریں پھل نہیں لاسکتا اور خدا غیر کو وہ برکتیں نہیں دیتا جو خاصوں کو دی جاتی ہیں۔ اے لوگو! اسلام نہایت ضعیف ہو گیا ہے اور اعداء دین کا چاروں طرف سے محاصرہ ہے اور تین ہزار سے زیادہ مجموعہ اعتراضات کا ہو گیا ہے ایسے وقت میں ہمدردی

☆ چاہیئے کہ خط نہایت احتیاط سے بذریعہ رجسٹری سربمہر آوے اور اس راز کو قبل از وقت فاش نہ کیا جاوے اور اس جگہ بھی پوری امانت کے ساتھ وہ راز مخفی رکھا جائیگا اور اگر بجائے خط کوئی معتبر کسی امیر کا آوے تو یہ امر اور بھی زیادہ مؤثر ہوگا۔ منہ

سےاپنا ایمان دکھاؤ اور مردانِ خدا میں جگہ پاؤ۔ والسلام علٰی من اتبع الھدٰی ﴿۳۲﴾

بیکسے شد دین احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست | ہر کسے درکار خود بادین احمدؐ کار نیست
ہر طرف سیلِ ضلالت صد ہزاران تن ربود | حیف بر چشمے کہ اکنون نیز ہم ہشیار نیست
اے خداوندانِ نعمت ایں چنیں غفلت چراست | بیخود از خوابید یا خود بختِ دین بیدار نیست
اے مسلمانان خدا را یک نظر برحالِ دین | آنچہ می بینم بلاہا حاجتِ اظہار نیست
آتش افتاد است در رختش بخیزید اے یلان | دیدنش از دور کارِ مردمِ دیندار نیست
ہر زمان از بہرِ دین در خون دلِ من می تپد | محرمِ این درد ماجز عالمِ اسرار نیست
آنچہ برما می رود از غم کہ داند جز خدا | زہر می نوشیم لیکن زہرۂ گفتار نیست
ہر کسے غمخواری اہل و اقارب می کند | اے دریغ این بیکسی راہیچ کس غمخوار نیست
خونِ دین بینم روان چون کشتگانِ کربلا | اے عجب ایں مردمان را مہرآن دلدار نیست
حیرتم آید چو بینم بذل شان درکار نفس | کاین ہمہ جود و سخاوت در رہِ دادار نیست
اے کہ داری مقدرت ہم عزم تائیداتِ دیں | لُطف کن مارا نظر براندک و بسیار نیست
بین کہ چون درخاک می غلطدز جورِ ناکساں | آنکہ مثل او بزیرِ گنبدِ دوّار نیست
اندرین وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں | جُز دُعاء بامداد و گریۂ اسحار نیست
اے خدا ہرگز مکن شادآن دلِ تاریک را | آنکہ او را فکرِ دینِ احمدؐ مختار نیست
اے برادر پنج روز ایّام عشرت ہا بود | دائمًا عیش و بہار گلشن و گلزار نیست

راقم مرزا غلام احمدؐ از قادیان ضلع گورداسپورہ پنجاب

آئینہ کمالات اسلام شائقین کے لئے اطلاع

اس وقت ایک کتاب آئینہ کمالات اسلام نام میں نے تالیف کی ہے۔ جس میں بڑی تحقیق و تدقیق سے اسلام اور قرآن کریم کی خوبیوں اور کمالات کا بیان ہے۔ اور علاوہ اس کے مخالفین مذاہب کے عقائد باطلہ کا رد ہے اور فرقہ نیچریہ کے خیالات باطلہ کا بھی اچھی طرح استیصال کیا گیا ہے۔ ضخامت اس کی ساڑھے چھ سو صفحہ سے زیادہ ہے قیمت دو روپیہ ہے۔ محصول علاوہ ہے اور ماسوا اس کے مفصلہ ذیل کتابیں بھی موجود ہیں۔

فتح اسلام، توضیح مرام، ازالہ اوہام محصول علاوہ ہے۔ اور فتح اسلام اور توضیح مرام کی قیمت آٹھ آٹھ آنہ تھی اب ہم نے چار چار آنہ کم کر دیئے ہیں۔

المشتہر
مرزا غلام احمد
قادیان ضلع گورداسپورہ، پنجاب

(مطبوعہ ریاض ہند قادیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد و اٰل محمد افضل الرسل و خاتم النبیین

اشتہار

کتاب براہین احمدیہ جس کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح وتجدید دین تالیف کیا ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں منجانب اللہ وسچا مذہب جس کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ کو ہر یک عیب اور نقص سے بَری سمجھ کر اس کی تمام پاک اور کامل صفتوں پر دِلی یقین سے ایمان لاتا ہے وُہ فقط **اسلام** ہے جس میں سچائی کی برکتیں آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں اور صداقت کی روشنی دن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے اور دوسرے تمام مذہب ایسے بدیہی البطلان ہیں کہ نہ عقلی تحقیقات سے اُن کے اصول صحیح اور درست ثابت ہوتے ہیں اور نہ اُن پر چلنے سے ایک ذرہ روحانی برکت وقبولیت الٰہی مل سکتی ہے بلکہ اُن کی پابندی سے انسان نہایت درجہ کا کور باطن اور سیاہ دل ہو جاتا ہے جس کی شقاوت پر اسی جہان میں نشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کتاب میں دین اسلام کی سچائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے۔ (۱) **اوّل** تین سو مضبوط اور قوی دلائل عقلیہ سے جن کی شان وشوکت وقدر ومنزلت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مخالفِ اسلام ان دلائل کو توڑ دے تو اُس کو دس ہزار روپیہ دینے کا اشتہار دیا ہوا ہے اگر کوئی چاہے تو اپنی تسلی کے لئے عدالت میں رجسٹری بھی کرالے۔ (۲) دوم اُن آسمانی نشانوں سے کہ جو سچے دین کی کامل سچائی ثابت ہونے کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ اس امر دوم میں مؤلف نے اس غرض سے کہ سچائی

دین اسلام کی آفتاب کی طرح روشن ہو جائے تین قسم کے نشان ثابت کر کے دکھائے ہیں۔ اوّل[۱] وہ نشان کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں مخالفین نے خود حضرت ممدوح کے ہاتھ سے اور آنجناب کی دُعا اور توجّہ اور برکت سے ظاہر ہوتے دیکھے جن کو مؤلف یعنی اس خاکسار نے تاریخی طور پر ایک اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے مخصوص وممتاز کر کے درج کتاب کیا ہے۔ دوم[۲] وہ نشان کہ جو خود قرآن شریف کی ذات بابرکات میں دائمی اور ابدی اور بےمثل طور پر پائے جاتے ہیں جن کو راقم نے بیان شافی اور کافی سے ہر یک عام وخاص پر کھول دیا ہے اور کسی نوع کا عذر کسی کے لئے باقی نہیں رکھا۔ سوم[۳] وہ نشان کہ جو کتاب اللہ کی پیروی اور متابعت رسولؐ برحق سے کسی شخص تابع کو بطور وراثت ملتی ہیں جن کے اثبات میں اس بندۂ درگاہ نے بفضل خداوند حضرت قادرِ مطلق یہ بدیہی ثبوت دکھلایا ہے کہ بہت سے سچّے الہامات اور خوارق اور کرامات اور اخبار غیبیّہ اور اسرار لدنیہ اور کشوف صادقہ اور دعائیں قبول شدہ کہ جو خود اس خادمِ دین سے صادر ہوئی ہیں اور جن کی صداقت پر بہت سے مخالفین مذہب (آریوں وغیرہ سے) بشہادت رویت گواہ ہیں کتاب موصوف میں درج کئے ہیں اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدّد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات **مسیح بن مریم** کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدّت مناسبت ومشابہت ہے اور اس کو خواص انبیاء ورسل کے نمونہ پر محض ببرکت متابعت حضرت خیر البشر وافضل الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ان بہتوں پر اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور اس کے قدم پر چلنا موجب نجات وسعادت وبرکت اور اس کے برخلاف چلنا موجب بُعد وحرمان ہے یہ سب ثبوت کتاب **براہین احمدیہ** کے پڑھنے سے جو منجملہ تین سو[۳۰۰] جزو کے قریب ۳۷ جزو کے چھپ

چکی ہے ظاہر ہوتے ہیں اور طالب حق کے لئے خود مصنف پوری پوری تسلی وتشفی کرنے کو ہر وقت مستعد اور حاضر ہے۔ وَ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا فَخْرَ ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ اور اگر اس اشتہار کے بعد بھی کوئی شخص سچا طالب بن کر اپنی عقدہ کشائی نہ چاہے اور دلی صدق سے حاضر نہ ہو تو ہماری طرف سے اس پر اتمام حجت ہے جس کا خدا تعالیٰ کے رُوبرو اُس کو جواب دینا پڑے گا۔ بالآخر اس اشتہار کو اس دُعا پر ختم کیا جاتا ہے کہ اے خداوند کریم تمام قوموں کے مستعد دلوں کو ہدایت بخش کہ تا تیرے رسول مقبول افضل الرسل **محمد مصطفٰی** صلی اللہ علیہ وسلّم اور تیرے کامل ومقدس کلام **قرآن شریف** پر ایمان لاویں اور اُس کے حکموں پر چلیں تا اُن تمام برکتوں اور سعادتوں اور حقیقی خوشحالیوں سے متمتع ہو جاویں کہ جو سچّے مسلمان کو دونوں جہانوں میں ملتی ہیں اور اس جاودانی نجات اور حیات سے بہرہ ور ہوں کہ جو نہ صرف عقبیٰ میں حاصل ہوسکتی ہے بلکہ سچے راستباز اسی دُنیا میں اس کو پاتے ہیں بالخصوص قوم **انگریز** جنہوں نے ابھی تک اس آفتابِ صداقت سے کچھ روشنی حاصل نہیں کی اور جن کی شائستہ اور مہذّب اور بارحم **گورنمنٹ** نے ہم کو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملت سے ممنون کر کے اس بات کیلئے دلی جوش بخشا ہے کہ ہم اُن کے دُنیا و دین کے لئے دِلی جوش سے بہبودی وسلامتی چاہیں تا اُن کے گورے وسپید مُنہ جس طرح دُنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں بھی نورانی ومنور ہوں۔ فنسأل اللّٰہ تعالٰی خیرھم فی الدنیا والاخرۃ اللّھم اھدھم بروح منک و اجعل لھم حظًا کثیرًا فی دینک و اجذبھم بحولک و قوتک لیؤمنوا بکتابک و رسولک و یدخلوا فی دین اللّٰہ افواجًا. اٰمین ثم اٰمین والحمدللّٰہ رب العالمین۔

المشــــــــــــــــــــــــــتھر

خاکسار

مرزا **غلام احمد** از قادیان ضلع گورداسپورہ۔ ملک پنجاب

(بیس ہزار اشتہار چھاپے گئے) (مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر پنجاب)

rank than that of other Prophets, I also by virtue of being a follower of the August Person (the benefactor of mankind, the best of the messangers of God) am favoured with a higher rank than, that assigned to many of the Saints and Holy Personages preceding me. To follow my footsteps will be a blessing and the means of salvation whereas any antogonism to me will result in estrangemen and disappointment. All these evidences will be found by perusal of the book which will consist of nearly 4800 pages of which about 592 pages have been published. I am always ready to satisfy and convince any seeker of truth. "*All this is a Grace of God He gives it to whom-soever. He likes and there is no bragging in this*." "Peace be to all the followers of righteousness!"

If after the publication of this notice any one does not take the trouble of becoming earnest enquirer after the truth and does not come forward with an unbiassed mind to seek it then my challenging (discussion) with him ends here and he shall be answerable to God.

Now I conclude this notice with the following prayer: Oh Gracious God! guide the pliable hearts of all the nations, so that they may have faith on Thy chosen Prophet (Muhammad) and on Thy holy Al-Quran, and that they may follow the commandments contained therein, so that they may thus be benifitted by the peace and the true happiness which are specially enjoyed by the true Muslims in both the worlds, and may obtain absolution and eternal life which is not only procurable in the next world, but is also enjoyed by the truthful and honest people even in this world. Expecially the English nation who have not as yet availed themselves of the sunshine of truth, and whose civilized, prudent and merciful empire has, by obliging us numerous acts of kindness and friendly treatments, exceedingly encouraged us to try our utmost for their numerous acts of welfare, so that their fair faces may shine with heavenly effulgence in the next We beseech God for their well being in this world and the next. Oh God! guide them and help them with Thy grace, and instil in their minds the love for Thy religion, and attract them with Thy power, so that they may have faith on Thy Book and prophet, and embrace Thy religion in groups Amen! Amen!"

"Praise be to God the supporter of creation!"

(Sd) **MIRZA GULAM AHMAD**

Chief of Qadian, District Gurdaspur, Punjab, India

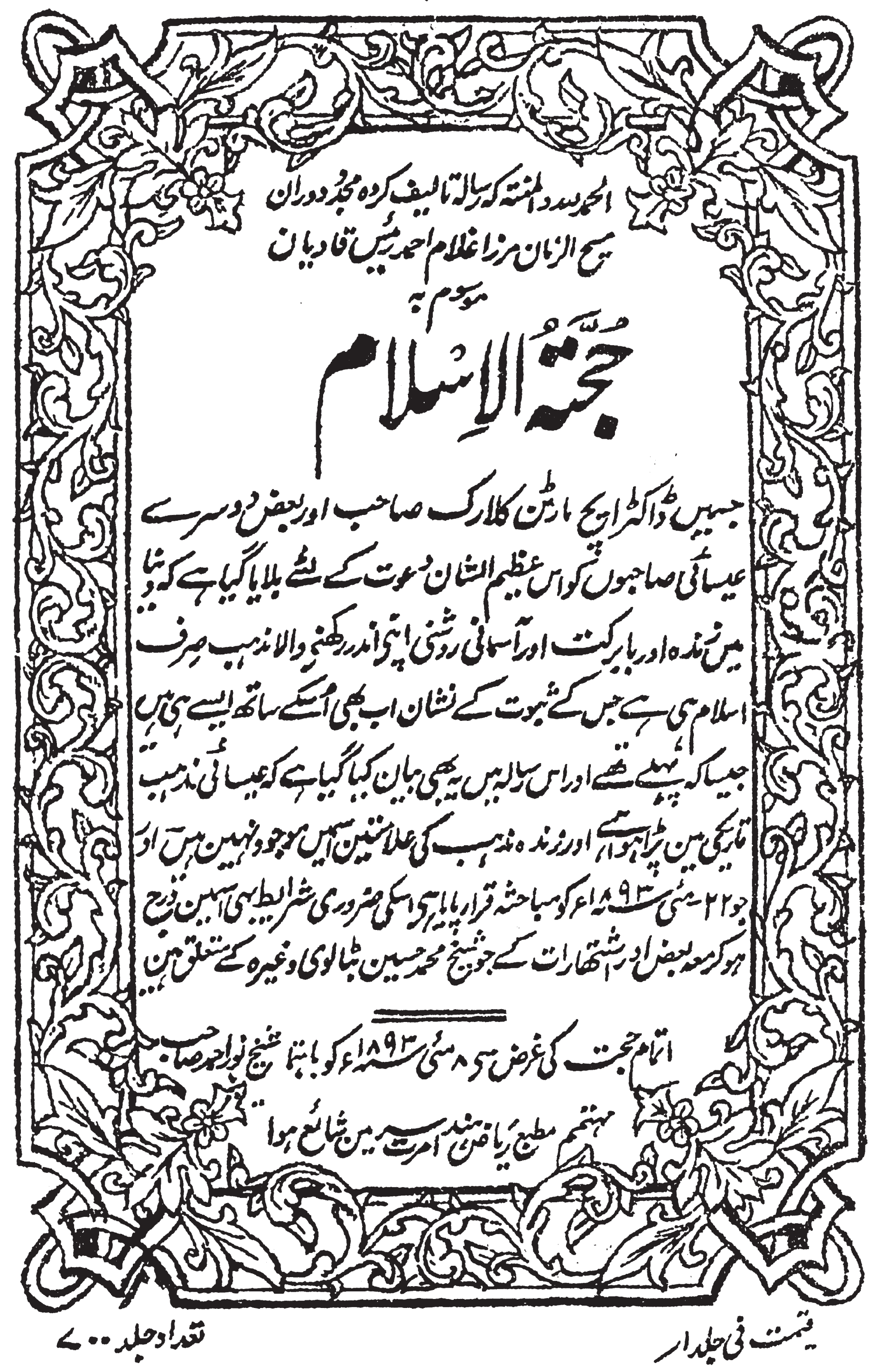
TRANSLATION OF THE VERNACULAR NOTICE ON REVERSE

Being inspired and commanded by God, I have undertaken the compilation of a book named"Barahin-i-Ahmadia," with the object of reforming and reviewing the religion, and have offered a reward of Rs. 10,000 to any one who would prove the arguments brought forward therein to be false. My object in this Book is to show that only true and the only revealed religion by means of which one might know God to be free from blemish, and obtain a strong conviction as to the perfection of His attributes is the religion of Islam, in which the blessings of truth shine forth like sun, and the impress of veracity is as vividly bright as the day-light. All other religions are so palpably and manifestly false that neither their principles can stand the test of reasoning nor their followers experience least spiritual edification. On the contrary those religions so obscure the mind and divest it of discernment that signs of future misery among the followers become apparent even in this world.

That the Muhammadan religion is the only true religion has been shown in this book in two ways: (1st), By means of 300 very strong and sound arguments based on mental reasoning (their congency and sublimity being inferred from the fact that a reward of Rs. 10,000 has been offered by me to any one refuting them, and from my further readiness to have this offer registered for the satisfaction of any one who might ask for it): (2) From those Divine signs which are essential for the complete and satisfactory proof of a true religion. With a view to establish that Muhammadan religion is the only true religion in the world, I have adduced under this latter head 3 kinds of evidences: (1) The miracles performed by the Prophet during his life time either by deeds or words which were witnessed by people of other persuasions and are inserted in this book in a chronological order (based on the best kind of evidences): (2), The marks which are inseparably adherent in the Al-Quran itself, and are perpetual and everlasting, the nature of which has been fully expounded for facility of comprehension (3), The signs which by way of inheritances devolve on any believer in the Book of God and the follower of the true Prophet. As an illustration of this, I, the humble creature of God, by His help have clearly evinced myself to be possessed of such virtues by the achieving of many unusual and supernatural deeds by foretelling future events and secrets, and by obtaining from God the objects of my prayers to all of which many persons of different persuasions like Aryas, & c., have been eye-witness (A full description of these will be found in the said book).

I am also inspired that I am the Reformer of my time, and that as regards spiritual excellence, my virtues bear a very close similarity and strict analogy to those of Jesus Christ, in the same way as the distinguished chief of Prophets were assigneda higher

ٹائیٹل بار اوّل



الحمدللہ والمنۃ کہ رسالہ تالیف کردہ مجدد دوران
مسیح الزمان مرزا غلام احمد رئیس قادیان
موسوم بہ

حجۃ الاسلام

جسمیں ڈاکٹر ایچ مارٹن کلارک صاحب اور بعض دوسرے
عیسائی صاحبوں کو اس عظیم الشان دعوت کے لئے بلایا گیا ہے کہ دنیا
میں زندہ اور بابرکت اور آسمانی روشنی اپنے اندر رکھنے والا مذہب صرف
اسلام ہی ہے جس کے ثبوت کے نشان اب بھی اسکے ساتھ ایسے ہی ہیں
جیسا کہ پہلے تھے اور اس رسالہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عیسائی مذہب
تاریکی میں پڑا ہوا ہے اور زندہ مذہب کی علامتیں اس میں موجود نہیں ہیں اور
جو ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کو مباحثہ قرار پایا ہے اسکی ضروری شرائط بھی اسمیں درج
ہو کر معہ بعض اور اشتہارات کے جو شیخ محمد حسین بٹالوی وغیرہ کے متعلق ہیں

اتمام حجت کی غرض سے ۸ مئی ۱۸۹۳ء کو باہتمام شیخ نور احمد صاحب
مہتمم مطبع ریاض ہند امرتسر میں شائع ہوا

قیمت فی جلد ۱ر

تعداد جلد ۷۰۰

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا[1]

کوئی اُس پاک سے جو دل لگاوے کرے پاک آپ کو تب اُسکو پاوے

یہ تو ہر ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ بہتیرے ہم میں ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔مگر ثبوت طلب یہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ بھی اُن سے محبت رکھتا ہے یا نہیں۔اور خدا تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ پہلے تو اُن کے دلوں پر سے پردہ اُٹھاوے جس پردہ کی وجہ سے اچھی طرح انسان خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین نہیں رکھتا اور ایک دُھندلی سی اور تاریک معرفت کے ساتھ اس کے وجود کا قائل ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات امتحان کے وقت اسکے وجود سے ہی انکار کر بیٹھتا ہے اور یہ پردہ اُٹھایا جانا بجز مکالمہ الٰہیہ کے اور کسی صورت سے میسر نہیں آ سکتا پس انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں اس دن غوطہ مارتا ہے جس دن **خدا تعالیٰ** اس کو مخاطب کر کے **انا الموجود** کی اس کو آپ بشارت دیتا ہے۔تب انسان کی معرفت صِرف اپنے قیاسی ڈھکوسلے یا محض منقولی خیالات تک محدود نہیں رہتی بلکہ خدا تعالیٰ سے ایسا قریب ہو جاتا ہے کہ گویا اس کو دیکھتا ہے اور یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کامل ایمان اسی دن انسان کو نصیب ہوتا ہے کہ جب اللہ جلّ شانہٗ اپنے وجود سے آپ خبر دیتا ہے۔اور پھر دُوسری علامت خدا تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے کہ اپنے پیارے بندوں کو صرف اپنے وجود کی خبر ہی نہیں دیتا بلکہ اپنی رحمت اور فضل کے آثار بھی خاص طور پر اُن پر ظاہر کرتا ہے اور وہ اس طرح پر کہ اُنکی دُعائیں جو ظاہری اُمیدوں سے زیادہ ہوں قبول فرما کر اپنے الہام اور کلام کے ذریعہ سے انکو اطلاع دے دیتا ہے تب اُن کے دل تسلّی پکڑ جاتے ہیں کہ یہ ہمارا قادر خدا ہے جو ہماری دُعائیں سُنتا اور ہم کو اطلاع دیتا اور مشکلات سے ہمیں نجات بخشتا ہے۔اسی روز سے نجات کا مسئلہ بھی سمجھ آتا ہے اور خدا تعالیٰ کے وجود کا بھی پتہ لگتا ہے اگرچہ جگانے اور متنبّہ کرنے کے لئے کبھی کبھی غیروں کو بھی سچی خواب آسکتی ہے

[1] الشمس:۱۰

مگر اس طریق کا مرتبہ اور شان اور رنگ اور ہے یہ خدا تعالیٰ کا مکالمہ ہے جو خاص مقربوں سے ہی ہوتا ہے اور جب مقرب انسان دُعا کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اپنی خدائی کے جلال کیساتھ اس پر تجلّی فرماتا ہے اور اپنی رُوح اُس پر نازل کرتا ہے اور اپنی محبت سے بھرے ہوئے لفظوں کے ساتھ اس کو قبولِ دُعا کی بشارت دیتا ہے اور جس کسی سے یہ مکالمہ کثرت سے وقوع میں آتا ہے اس کو نبی یا محدث کہتے ہیں اور سچے مذہب کی یہی نشانی ہے کہ اس مذہب کی تعلیم سے ایسے راستباز پیدا ہوتے رہیں جو محدث کے مرتبہ تک پہنچ جائیں جن سے خدا تعالیٰ آمنے سامنے کلام کرے اور اسلام کی حقّیت اور حقانیت کی اوّل نشانی یہی ہے کہ اس میں ہمیشہ ایسے راستباز جن سے خدا تعالیٰ ہمکلام ہو پیدا ہوتے ہیں ۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا[1] سو یہی معیار حقیقی سچے اور زندہ اور مقبول مذہب کی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ نور صرف اسلام میں ہے عیسائی مذہب اس روشنی سے بے نصیب ہے۔ اور ہماری یہ بحث جو ڈاکٹر کلارک صاحب سے ہے اس غرض اور اسی شرط سے ہے کہ اگر وہ اس مقابلہ سے انکار کریں تو یقیناً سمجھو کہ عیسائی مذہب کے بطلان کے لئے یہی دلیل ہزار دلیل سے بڑھ کر ہے کہ مردہ ہرگز زندہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ اندھا سُوجاکھے کے ساتھ پورا اتر سکتا ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدی .

۵ مئی ۱۸۹۳ء

خاکسار

میرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپورہ

[1] حٰمٓ السجدۃ:۳۱

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی علٰی رسولہِ الکَرِیۡم

ڈاکٹر پادری کلارک صاحب کا جنگ مقدس اور اُن کے مقابلہ کیلئے

اشتہار

واضح ہو کہ ڈاکٹر صاحب مندرج العنوان نے بذریعہ اپنے بعض خطوط کے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ علماء اسلام کے ساتھ ایک جنگ مقدس کے لئے طیاری کر رہے ہیں انہوں نے اپنے خط میں یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ جنگ ایک پورے پورے فیصلہ کی غرض سے کیا جائے گا اور یہ بھی دھمکی دی کہ اگر علماء اسلام نے اس جنگ سے مُنہ پھیر لیا یا شکست فاش کھائی تو آئندہ ﴿۲﴾ اُن کا استحقاق نہیں ہوگا کہ مسیحی علماء کے مقابل پر کھڑے ہو سکیں یا اپنے مذہب کو سچا سمجھ سکیں یا عیسائی قوم کے سامنے دم مار سکیں۔ اور چونکہ یہ عاجز انہیں روحانی جنگوں کے لئے مامور ہو کر آیا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام پا کر یہ بھی جانتا ہے کہ ہر ایک میدان میں فتح ہم کو ہے اس لئے بلاتوقف ڈاکٹر صاحب کو بذریعہ خط کے اطلاع دی گئی ہے کہ ہماری عین مراد ہے کہ یہ جنگ وقوع میں آ کر حق اور باطل میں کُھلا کُھلا فرق ظاہر ہو جائے اور نہ صرف اسی پر کفایت کی گئی بلکہ چند معزز دوست بطور سفیران پیغامِ جنگ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بمقام امرت سر بھیجے گئے جن کے نام نامی یہ ہیں:۔

مرزا خدا بخش[۱] صاحب۔ منشی عبدالحق[۲] صاحب۔ حافظ محمد یوسف[۳] صاحب۔ شیخ رحمت اللہ[۴] صاحب۔ مولوی عبدالکریم[۵] صاحب ۔ منشی غلام قادر[۶] صاحب فصیح ۔ میاں محمد یوسف[۷] خاں صاحب ۔ شیخ نور احمد[۸] صاحب۔ میاں محمد اکبر[۹] صاحب۔ حکیم محمد اشرف[۱۰] صاحب۔ حکیم نعمت اللہ[۱۱] صاحب۔ مولوی غلام احمد[۱۲] صاحب انجینئر۔ میاں محمد بخش[۱۳] صاحب۔ خلیفہ نورالدین[۱۴] صاحب۔ میاں محمد اسمٰعیل[۱۵] صاحب۔

تب ڈاکٹر صاحب اور میرے دوستوں میں جو میری طرف سے وکیل تھے کچھ گفتگو ہوکر بالاتفاق یہ بات قرار پائی کہ یہ مباحثہ بمقام امرت سر واقع ہو اور ڈاکٹر صاحب کی طرف سے اِس جنگ کا پہلوان مسٹر عبداللہ آتھم سابق اکسٹرا اسسٹنٹ تجویز کیا گیا اور یہ بھی اُن کی طرف سے تجویز کیا گیا کہ فریقین تین تین معاون اپنے ساتھ رکھنے کے مجاز ہونگے اور ہر یک فریق کو چھ چھ دن فریق مخالف پر اعتراض کرنے کے لئے دئے گئے اس طرح پر کہ اوّل چھ روز تک ہمارا حق ہوگا کہ ہم فریق مخالف کے مذہب اور تعلیم اور عقیدہ پر اعتراض کریں مثلاً۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیّت اور اُن کے منجّی ہونے کے بارہ میں ثبوت مانگیں یا اور کوئی اعتراض جو مسیحی مذہب پر ہوسکتا ہے پیش کریں ایسا ہی فریق مخالف کا بھی حق ہوگا کہ وہ بھی چھ روز تک اسلامی تعلیم پر اعتراض کئے جائیں۔ اور یہ بھی قرار پایا کہ مجلسی انتظام کے لئے ایک ایک صدر انجمن مقرر ہو جو فریق مخالف کے گروہ کو شور وغوغا اور ناجائز کارروائی اور دخل بیجا سے روکے اور یہ بات بھی باہم مقرّر اور مسلّم ہو چکی کہ ہر یک فریق کے ساتھ پچاس سے زیادہ اپنی قوم کے لوگ نہیں ہونگے اور فریقین ایک سو ٹکٹ چھاپ کر پچاس پچاس اپنے اپنے آدمیوں کے حوالہ کریں گے اور بغیر دکھلانے ٹکٹ کے کوئی اندر نہیں آسکے گا اور آخر پر ڈاکٹر صاحب کی خاص درخواست سے یہ بات قرار پائی کہ یہ بحث ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء سے شروع ہونی چاہیئے انتظام مقام مباحثہ اور تجویز مباحثہ ڈاکٹر صاحب کے متعلق رہا

﴿۳﴾

﴿۴﴾ اور وہی اس کے ذمّہ دار ہوئے ۔اور بعد طے ہونے ان تمام مراتب کے ڈاکٹر صاحب اور اخویم مولوی عبدالکریم صاحب کی اس تحریر پر دستخط ہوگئے جس میں یہ شرائط بہ تفصیل لکھے گئے تھے اور یہ قرار پایا کہ ۱۵ مئی ۱۸۹۳ء تک فریقین ان **شرائط** مباحثہ کو شائع کردیں اور پھر میرے دوست قادیان میں پہنچے اور چونکہ ڈاکٹر صاحب نے اس مباحثہ کا نام **جنگ مقدس** رکھا ہے اس لئے ان کی خدمت میں بتاریخ ۲۵ ؍ اپریل ۱۸۹۳ء کو لکھا گیا کہ وہ شرائط جو میرے دوستوں نے قبول کئے ہیں وہ مجھے بھی قبول ہیں لیکن یہ بات پہلے سے تجویز ہوجانا ضروری ہے کہ اس جنگ مقدس کا فریقین پر اثر کیا ہوگا۔ اور کیونکر کُھلے کُھلے طور پر سمجھا جائیگا کہ درحقیقت فلاں فریق کو شکست آگئی ہے کیونکہ سالہا سال کے تجربہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ **معقولی** اور منقولی بحثوں میں گو کیسی ہی صفائی سے ایک فریق **غالب** آجائے مگر دوسرے فریق کے لوگ کبھی قائل نہیں ہوتے کہ وہ درحقیقت مغلوب ہوگئے ہیں بلکہ مباحثات کے شائع کرنے کے وقت اپنی تحریرات پر حاشیئے چڑھا چڑھا کر یہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اپنا ہی غالب رہنا ثابت ہو اور اگر صرف اسی قدر منقولی بحث ہو تو ایک عقلمند پیشگوئی کرسکتا ہے کہ یہ مباحثہ بھی انہیں مباحثات کی مانند ہوگا جو اب تک پادری صاحبوں اور علماء اسلام میں ہوتے رہے ہیں بلکہ ﴿۵﴾ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسے مباحثہ میں کوئی بھی نئی بات معلوم نہیں ہوتی پادری صاحبوں کی طرف سے وُہی معمولی اعتراضات ہوں گے کہ مثلاً اسلام زورشمشیر سے پھیلا ہے اسلام میں کثرت ازدواج کی تعلیم ہے ۔اسلام کا بہشت ایک جسمانی بہشت ہے وغیرہ وغیرہ ۔ایسا ہی ہماری طرف سے بھی وہی معمولی جواب ہونگے کہ اسلام نے تلوار اُٹھانے میں سبقت نہیں کی اور اسلام نے صرف بوقت ضرورت امن قائم کرنے کی حد تک تلوار اُٹھائی ہے اور اسلام نے عورتوں اور بچّوں اور راہبوں کے قتل کرنے کیلئے حکم نہیں دیا بلکہ جنہوں نے سبقت کر کے اسلام پر تلوار کھینچی وہ تلوار سے ہی مارے

گئے۔اور تلوار کی لڑائیوں میں سب سے بڑھ کر توریت کی تعلیم ہے جس کی رو سے بیشمار عورتیں اور بچّے بھی قتل کئے گئے جس خدا کی نظر میں وہ بے رحمی اور سختی کی **لڑائیاں بُری نہیں تھیں** بلکہ اُس کے حکم سے تھیں تو پھر نہایت بے انصافی ہوگی کہ وہی خدا اسلام کی ان لڑائیوں سے ناراض ہو جو مظلوم ہونے کی حالت میں یا امن قائم کرنے کی غرض سے خداتعالیٰ کے پاک

نبی صلّی اللّٰہ علَیْہِ وَسلّم

کو کرنی پڑی تھیں ایسا ہی کثرت ازدواج کے اعتراض میں ہماری طرف سے وہی **معمولی** جواب ہوگا کہ اسلام سے پہلے اکثر قوموں میں کثرت ازدواج کی سینکڑوں اور ہزاروں تک «۶» نوبت پہنچ گئی تھی اور اسلام نے تعداد ازدواج کو کم کیا ہے نہ زیادہ۔ بلکہ یہ **قرآن** میں ہی ایک فضیلت خاص ہے کہ اس نے ازدواج کی بے حدی اور بے قیدی کو رد کر دیا ہے۔اور کیا وہ اسرائیلی قوم کے مقدس نبی جنہوں نے سَوسَو بیوی کی بلکہ بعض نے **سات** سو تک نوبت پہنچائی وہ اخیر عمر تک حرامکاری میں مبتلا رہے اور کیا اُن کی اولاد جن میں سے بعض راستباز بلکہ نبی بھی تھے ناجائز طریق کی اولاد سمجھی جاتی ہے۔ایسا ہی **بہشت** کی نسبت بھی وہی معمولی جواب ہوگا کہ مسلمانوں کا بہشت صرف جسمانی بہشت نہیں بلکہ **دیدار الٰہی** کا گھر ہے اور دونوں قسم کی سعادتوں روحانی اور جسمانی کی جگہ ہے ہاں عیسائی صاحبوں کا دوزخ **محض جسمانی** ہے۔

لیکن اس جگہ سوال تو یہ ہے کہ ان مباحثات کا نتیجہ کیا ہوگا کیا امید رکھ سکتے ہیں کہ عیسائی صاحبان مسلمانوں کے ان جوابات کو جو سراسر حق اور انصاف پر مبنی ہیں قبول کر لیں گے یا ایک انسان کے خدا بنانے کیلئے صرف **معجزات** کافی سمجھے جائیں گے یا **بائیبل** کی وہ عبارتیں جن میں علاوہ حضرت مسیح کے ذکر کے کہیں یہ لکھا ہے کہ **تم سب خدا کے بیٹے** ہو اور کہیں یہ کہ تم اس کی بیٹیاں ہو اور کہیں یہ کہ تم سب خدا ہو ظاہر پر محمول قرار «۷» دئے جائیں گے اور جب ایسا ہونا ممکن نہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس بحث کا عمدہ نتیجہ

جس کے لئے ۱۲دن امرتسر میں ٹھہرنا ضروری ہے کیا ہوگا۔

ان وجوہات کے خیال سے ڈاکٹر صاحب کو بذریعہ خط رجسٹرڈ یہ صلاح دی گئی تھی کہ مناسب ہے کہ چھ دن کے بعد یعنی جب فریقین اپنے اپنے چھ دن پورے کرلیں تو ان میں مباہلہ بھی ہو اور وہ صرف اس قدر کافی ہے کہ فریقین اپنے مذہب کی تائید کے لئے خدا تعالیٰ سے آسمانی نشان چاہیں اور ان نشانوں کے ظہور کے لئے ایک سال کی میعاد قائم ہو پھر جس فریق کی تائید میں کوئی آسمانی نشان ظاہر ہو جو انسانی طاقتوں سے بڑھ کر ہو جس کا مقابلہ فریق مخالف سے نہ ہو سکے تو لازم ہوگا کہ فریق مغلوب اس فریق کا مذہب اختیار کرلے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے آسمانی نشان کے ساتھ غالب کیا ہے اور مذہب اختیار کرنے سے اگر انکار کرے تو واجب ہوگا کہ اپنی نصف جائداد اس سچے مذہب کی امداد کی غرض سے فریق غالب کے حوالہ کردے یہ ایسی صورت ہے کہ اس سے حق اور باطل میں بکلی فرق ہو جائے گا کیونکہ جب ایک خارق نشان کے مقابل پر ایک فریق بالمقابل نشان دکھلانے سے بکلّی عاجز رہا تو فریق نشان دکھلانے والے کا غالب ہونا بکلی کھل جائے گا اور تمام بحثیں ختم ہو جائیں گی اور حق ظاہر ہو جائیگا لیکن ایک ہفتہ سے زیادہ گذرتا ہے جو آج تک جو ۳ رمئی ۱۸۹۳ء ہے ڈاکٹر صاحب نے اس خط کا کچھ بھی جواب نہیں دیا لہٰذا اس اشتہار کے ذریعہ سے ڈاکٹر صاحب اور انکے تمام گروہ کی خدمت میں التماس ہے کہ جس حالت میں انہوں نے اس مباحثہ کا نام جنگ مقدس رکھا ہے اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں قطعی فیصلہ ہو جائے اور یہ بات کھل جائے کہ سچا اور قادر خدا کس کا خدا ہے تو پھر معمولی بحثوں سے یہ اُمید رکھنا طمع خام ہے اگر یہ ارادہ نیک نیتی سے ہے تو اس سے بہتر اور کوئی بھی طریق نہیں کہ اب آسمانی مدد کے ساتھ صدق اور کذب کو آزمایا جائے اور میں نے اس طریق کو بدل و جان منظور کرلیا ہے اور وہ طریق بحث جو منقولی اور معقولی طور پر قرار پایا ہے

﴿۸﴾

گو میرے نزدیک چنداں ضروری نہیں مگر تاہم وہ بھی مجھے منظور ہے لیکن ساتھ اسکے یہ ضروریات سے ہوگا کہ ہر یک چھ دن کی میعاد کے ختم ہونیکے بعد بطور متذکرہ بالا مجھ میں اور فریق مخالف میں مباہلہ واقع ہوگا اور یہ اقرار فریقین پہلے سے شائع کر دیں کہ ہم مباہلہ کریں گے۔ یعنی اس طور سے دعا کرینگے کہ اے ہمارے خُدا اگر ہم دجل پر ہیں تو فریق مخالف کے نشان سے ہماری ذلّت ظاہر کر اور اگر ہم حق پر ہیں تو ہماری تائید میں نشان آسمانی ظاہر کر کے فریق مخالف کی ذلّت ظاہر فرما اور اس دُعا کے وقت دونوں فریق آمین کہیں گے اور ایک سال تک اسکی میعاد ہوگی اور فریق مغلوب کی سزا وہ ہوگی جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔

اور اگر یہ سوال ہو کہ اگر ایک سال کے عرصہ میں دونوں طرف سے کوئی نشان ظاہر نہ ہو یا دونوں طرف سے ظاہر ہو تو پھر کیونکر فیصلہ ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ راقم ﴿۹﴾ اس صورت میں بھی اپنے تئیں مغلوب سمجھے گا اور ایسی سزا کے لائق ٹھہرے گا جو بیان ہو چکی ہے چونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں اور فتح پانے کی بشارت پا چکا ہوں۔ پس اگر کوئی عیسائی صاحب میرے مقابل آسمانی نشان دکھلاویں یا میں ایک سال تک دکھلا نہ سکوں تو میرا باطل پر ہونا کھل گیا اور اللہ جلّ شانہٗ کی قسم ہے کہ مجھے صاف طور پر اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے الہام سے فرما دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بلا تفاوت ایسا ہی انسان تھا جس طرح اور انسان ہیں مگر خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور اُس کا مرسل اور برگزیدہ ہے اور مجھ کو یہ بھی فرمایا کہ جو مسیح کو دیا گیا وہ بمتابعت نبی علیہ السلام تجھ کو دیا گیا ہے اور تو مسیح موعود ہے اور تیرے ساتھ ایک نورانی حربہ ہے جو ظلمت کو پاش پاش کرے گا اور یکسر الصلیب کا مصداق ہوگا پس جبکہ یہ بات ہے تو میری سچائی کے لئے یہ ضروری ہے کہ میری طرف سے بعد مباہلہ ایک سال کے اندر ضرور نشان ظاہر ہو اور اگر نشان ظاہر نہ ہو تو پھر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں اور نہ صرف وہی سزا بلکہ موت کی سزا کے لائق ہوں سو آج میں ان تمام باتوں کو قبول کر کے اشتہار دیتا ہوں۔ اب بعد شائع ہونے اس اشتہار کے مناسب

﴿۱۰﴾ اور واجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی اس قدر اشتہار دے دیں کہ اگر بعد مباہلہ **مرزا غلام احمد** کی تائید میں ایک سال کے اندر کوئی نشان ظاہر ہو جائے جس کے مقابل پر اسی سال کے اندر ہم نشان دکھلانے سے عاجز آجائیں تو بلا توقف دین اسلام قبول کر لیں گے ورنہ اپنی تمام جائداد کا نصف حصہ دین اسلام کی امداد کی غرض سے فریق غالب کو دے دیں گے۔ اور آئندہ اسلام کے مقابل پر کبھی کھڑے نہیں ہونگے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت سوچ لیویں کہ میں نے اپنی نسبت بہت زیادہ سخت شرائط رکھی ہیں اور انکی نسبت شرطیں نرم رکھی گئی ہیں۔ یعنی اگر میرے مقابل پر وہ نشان دکھلائیں اور میں بھی دکھلاؤں تب بھی بموجب اس شرط کے وہی سچے قرار پائیں گے۔ اور اگر نہ میں نشان دکھلا سکوں اور نہ وہ ایک سال تک نشان دکھلا سکیں تب بھی وہی سچے قرار پائیں گے۔ اور میں صرف اس حالت میں سچا قرار پاؤں گا کہ میری طرف سے ایک سال کے اندر ایسا نشان ظاہر ہو جس کے مقابلہ سے ڈاکٹر صاحب عاجز رہیں اور اگر ڈاکٹر صاحب بعد اشاعت اس اشتہار کے ایسے مضمون کا اشتہار بالمقابل شائع نہ کریں تو پھر صریح ان کی گریز متصور ہوگی اور ہم پھر بھی انکی منقولی و معقولی بحث کے لئے حاضر ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اس بارے میں یعنی نشان نمائی کے امر میں اپنا اور اپنی قوم کا اسلام کے مقابل پر عاجز ہونا شائع کر دیں یعنی یہ لکھدیں کہ یہ **اسلام ہی کی شان** ہے کہ اس سے آسمانی نشان ظاہر ہوں ﴿۱۱﴾ اور عیسائی مذہب ان برکات سے خالی ہے۔ مَیں نے سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے میرے دوستوں کے روبرو یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم مباحثہ تو کریں گے مگر یہ مباحثہ فرقہ احمدیہ سے ہوگا نہ مسلمانانِ جنڈیالہ سے سو ڈاکٹر صاحب کو واضح رہے کہ فرقہ احمدیہ ہی سچے مسلمان ہیں جو خدا تعالیٰ کے کلام میں انسان کی رائے کو نہیں ملاتے اور حضرت مسیح کا درجہ اسی قدر مانتے ہیں جو قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے۔

والسّلام علٰی من اتبع الھُدٰی

میاں بٹالوی صاحب کی اطلاع کے لئے

اشتہار

واضح ہو کہ شیخ بٹالوی صاحب کی خدمت میں وہ اشتہار جس میں بالمقابل عربی تفسیر لکھنے کے لئے ان کو دعوت کی گئی تھی بتاریخ یکم اپریل ۱۸۹۳ء پہنچایا گیا تھا چنانچہ مرزا خدا بخش صاحب جو اشتہار لیکر لاہور گئے تھے یہ پیغام لائے کہ بٹالوی صاحب نے وعدہ کرلیا ہے جو یکم اپریل سے دو ہفتہ تک جواب چھاپ کر بھیج دیں گے سو دو ہفتہ تک انتظار جواب رہا اور کوئی جواب نہ آیا پھر دوبارہ اُن کو یاد دلایا گیا تو انہوں نے بذریعہ اپنے خط کے جو میرے اشتہار میں چھپ گیا ہے یہ جواب دیا کہ ہم اپریل کے اندر اندر جواب چھاپ کر روانہ کرینگے چنانچہ اب اپریل بھی گذر گیا اور بٹالوی صاحب نے دو وعدے کر کے تخلف وعدہ کیا ہم ان پر کوئی الزام نہیں لگاتے مگر انہیں آپ شرم کرنی چاہیئے کہ وہ آپ تو دوسروں کا نام بلا تحقیق کاذب اور وعدہ شکن رکھتے ہیں اور اپنے وعدوں کا کچھ بھی پاس نہیں کرتے تعجب کہ یہ جواب صرف ہاں یا نہیں سے ہوسکتا تھا مگر انہوں نے ایک مہینہ گذار دیا اور یہ مہینہ ہمارا صرف انتظاری میں ضائع ہوا اب ہمیں بھی دو ضروری کام پیش آ گئے ایک ڈاکٹر کلارک صاحب کے ساتھ مباحثہ دوسری ایک ضروری رسالہ کا تالیف کرنا جو تائید اسلام کے لئے بہت جلد امریکہ میں بھیجا جائے گا جس کا یہ مطلب ہوگا کہ دُنیا میں سچا اور زندہ مذہب صرف اسلام ہے اس لئے میاں بٹالوی صاحب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اگر ان دونوں کاموں کی تکمیل کے پہلے آپ کا جواب آیا تو ناچار کوئی دوسری تاریخ آپ کے مقابلہ کے لئے شائع کی جائے گی جو ان دونوں کاموں سے فراغت کے بعد ہوگی ۔ ﴿۱۲﴾

مسٹر عبداللہ آتھم کے خط کا جواب

﴿۱۳﴾ آج اس اشتہار کے لکھنے سے ابھی میں فارغ ہوا تھا کہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کا خط بذریعہ ڈاک مجھ کو ملا یہ خط اُس خط کا جواب ہے جو میں نے مباحثہ مذکورہ بالا کے متعلق صاحب موصوف اور نیز ڈاکٹر کلارک صاحب کی طرف لکھا تھا۔ سواب اس کا بھی جواب ذیل میں بطور **قولہ** اور **اقول** کے لکھتا ہوں۔

قولہ۔ ہم اس امر کے قائل نہیں ہیں کہ تعلیمات قدیم کیلئے معجزہ جدید کی کچھ بھی ضرورت ہے اس لئے ہم معجزہ کے لئے نہ کچھ حاجت اور نہ استطاعت اپنے اندر دیکھتے ہیں۔

اقول۔ صاحبِ من میں نے معجزہ کا لفظ اپنے خط میں استعمال نہیں کیا بیشک معجزہ دکھلانا نبی اور مرسل من اللہ کا کام ہے نہ ہر یک انسان کا لیکن اس بات کو تو آپ مانتے اور جانتے ہیں کہ ہر ایک درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور ایمانداری کے پھلوں کا ذکر جیسا کہ **قرآن** کریم میں ہے انجیل شریف میں بھی ہے مجھے اُمید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے اس لئے طول کلام کی ضرورت نہیں۔ مگر میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ایمانداری کے پھل دکھلانے کی بھی آپ کو استطاعت نہیں۔

قولہ۔ بہرکیف اگر جناب کسی معجزہ کے دکھلانے پر آمادہ ہیں تو ہم اسکے دیکھنے سے آنکھیں بند نہ کرینگے اور جس قدر اصلاح اپنی غلطی کی آپ کے معجزہ سے کر سکتے ہیں اُس کو اپنا فرض عین ﴿۱۴﴾ سمجھیں گے۔

اقول۔ بیشک یہ آپ کا مقولہ انصاف پر مبنی ہے اور کسی کے مُنہ سے یہ کامل طور پر نکل نہیں سکتا جب تک اُس کو انصاف کا خیال نہ ہو لیکن اس جگہ یہ آپ کا فقرہ کہ جس قدر اصلاح اپنی غلطی کی ہم آپ کے معجزہ سے کر سکتے ہیں اس کو اپنا فرض عین سمجھیں گے تشریح طلب ہے یہ عاجز تو محض اس غرض کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ

پیغام خلق اللہ کو پہنچاوے کہ دُنیا کے تمام مذاہب موجودہ میں سے وہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن کریم لایا ہے اور دارالنجات میں داخل ہونے کے لئے دروازہ لا الٰہ الّا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ ہے وبس۔ اب کیا آپ اس بات پر طیار اور مستعد ہیں کہ نشان دیکھنے کے بعد اس مذہب کو قبول کر لیں گے۔ آپ کا فقرہ مذکورہ بالا مجھے اُمید دلاتا ہے کہ آپ اس سے انکار نہیں کریں گے پس اگر آپ مستعد ہیں تو چند سطریں تین اخباروں یعنی نور افشاں اور منشور محمدی اور کسی آریہ کے اخبار میں چھپوا دیں کہ ہم خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اس مباحثہ کے بعد جس کی تاریخ ۲۲؍مئی ۱۸۹۳ء قرار پائی ہے۔ مرزا غلام احمد کی خدا تعالیٰ مدد کرے اور کوئی ایسا نشان اس کی تائید میں خدا تعالیٰ ظاہر فرماوے کہ جو اُس نے قبل از وقت بتلا دیا ہو اور جیسا کہ اس نے بتلایا ہو وہ پورا بھی ہو جاوے تو ہم اس نشان کے دیکھنے کے بعد بلا توقف مسلمان ہو جائیں گے اور ہم یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس نشان کو بغیر کسی قسم کی بیہودہ نکتہ چینی کے قبول کر لیں گے اور کسی حالت میں وہ نشان نامعتبر اور قابل اعتراض نہیں سمجھا جائے گا بغیر اس صورت کے کہ ایسا ہی نشان اسی برس کے اندر ہم بھی دکھلا دیں مثلاً اگر نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ہو کہ فلاں وقت کسی خاص فرد پر یا ایک گروہ پر فلاں حادثہ وارد ہوگا اور وہ پیشگوئی اس میعاد میں پوری ہو جائے تو بغیر اس کے کہ اس کی نظیر اپنی طرف سے پیش کریں بہرحال قبول کرنی پڑے گی۔ اور اگر ہم نشان دیکھنے کے بعد دین اسلام اختیار نہ کریں اور نہ اس کے مقابل پر اسی برس کے اندر اسی کی مانند کوئی خارق عادت نشان دکھلا سکیں تو عہد شکنی کے تاوان میں نصف جائداد اپنی امداد اسلام کے لئے اس کے حوالہ کریں گے اور اگر ہم دوسری شق پر بھی عمل نہ کریں اور عہد کو توڑ دیں اور اس عہد شکنی کے بعد کوئی قہری نشان ہماری نسبت مرزا غلام احمد شائع کرنا چاہے تو ہماری

﴿۱۵﴾

طرف سے مجاز ہوگا کہ عام طور پر اخباروں کے ذریعہ سے یا اپنے رسائل مطبوعہ میں اسکو شائع کرے فقط یہ تحریر آپ کی طرف سے بقید نام و مذہب و ولدیت وسکونت ہو اور فریقین کے پچاس پچاس معزز اور معتبر گواہوں کی شہادت اُس پر ثبت ہو تب تین اخباروں میں اس کو آپ شائع کرادیں۔ جبکہ آپ کا منشاء اظہار حق ہے اور یہ معیار آپ کے اور ہمارے مذہب کے موافق ہے تو اب برائے خدا اس کے قبول کرنے میں توقف نہ کریں اب بہرحال وہ وقت آ گیا ہے کہ خدا تعالیٰ سچّے مذہب کے انوار اور برکات ظاہر کرے اور دُنیا کو ایک ہی مذہب پر کر دیوے سو اگر آپ دل کو قوی کر کے سب سے پہلے اس راہ میں قدم ماریں اور پھر اپنے عہد کو بھی صدق اور جوانمردی کے ساتھ پورا کریں تو خدا تعالیٰ کے نزدیک صادق ٹھہریں گے اور آپکی راستبازی کا یہ ہمیشہ کے لئے ایک نشان رہے گا۔ ﴿۱۶﴾

اور اگر آپ یہ فرماویں کہ ہم تو یہ سب باتیں کر گذریں گے اور کسی نشان کے دیکھنے کے بعد اسلام قبول کر لیں گے یا دوسری شرائط متذکرہ بالا بجالائیں گے اور یہ عہد پہلے ہی سے تین اخباروں میں چھپوا بھی دیں گے لیکن اگر تم ہی جُھوٹے نکلے اور کوئی نشان دکھلا نہ سکے تو تمہیں کیا سزا ہوگی تو میں اس کے جواب میں حسب منشاء توریت سزائے موت اپنے لئے قبول کرتا ہوں اور اگر یہ خلاف قانون ہو تو کل جائداد اپنی آپکو دُوں گا۔ جس طرح چاہیں پہلے مجھ سے تسلّی کرالیں۔

قولہ ۔ لیکن یہ جناب کو یاد رہے کہ معجزہ ہم اُسی کو جانیں گے جو ساتھ تحدّی مدعی معجزہ کے بظہور آوے اور کہ مصدق کسی امر ممکن کا ہو۔

اقول ۔ اس سے مجھے اتفاق ہے اور تحدی اسی بات کا نام ہے کہ مثلاً ایک شخص منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے کوئی ایسی پیشگوئی کرے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہو اور وہ پیشگوئی سچّی نکلے تو وہ حسب منشاء ﴿۱۷﴾

توریت استثناء ۱۸-۱۸ سچا ٹھہرے گا ہاں یہ سچ ہے کہ ایسا نشان کسی امر ممکن کا مصدق ہونا چاہئے ورنہ یہ تو جائز نہیں کہ کوئی انسان مثلاً یہ کہے کہ میں خدا ہوں اور اپنی خدائی کے ثبوت میں کوئی پیشگوئی کرے اور وہ پیشگوئی پوری ہو جائے تو پھر وہ خدا مانا جاوے۔

لیکن میں اس جگہ آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب اس عاجز نے ملہم اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا تو ۱۸۸۸ء میں مرزا امام الدین نے جس کو آپ خوب جانتے ہیں چشمہ نور امرت سر میں میرے مقابل پر اشتہار چھپوا کر مجھ سے نشان طلب کیا تھا تب بطور نشان نمائی ایک پیشگوئی کی گئی تھی جو نور افشاں ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء میں شائع ہو گئی تھی جس کا مفصل ذکر اس اخبار میں اور نیز میری کتاب آئینہ کمالات کے صفحہ ۲۷۹، ۲۸۰ میں موجود ہے اور وہ پیشگوئی ۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء کو اپنی میعاد کے اندر پوری ہو گئی۔ سو اب بطور آزمائش آپ کے انصاف کے آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ نشان ہے یا نہیں اور اگر نشان نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے اور اگر نشان ہے اور آپ نے اس کو دیکھ بھی لیا اور نہ صرف نور افشاں ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء میں بلکہ میرے اشتہار مجریہ ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء میں بقید میعاد یہ شائع بھی ہو چکا ہے تو آپ فرماویں کہ آپ کا اس وقت فرض عین ہے یا نہیں کہ اس نشان سے بھی فائدہ اٹھاویں اور اپنی غلطی کی اصلاح کریں اور براہ مہربانی مجھ کو اطلاع دیں کہ کیا اصلاح کی اور کس قدر عیسائی اصول سے آپ دست بردار ہو گئے کیونکہ یہ نشان تو کچھ پرانا نہیں ابھی کل کی بات ہے کہ نور افشاں اور میرے اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا تھا اور آپ کے یہ تمام شرائط کے موافق ہے میرے نزدیک آپ کے انصاف کا یہ ایک معیار ہے اگر آپ نے اس نشان کو مان لیا اور حسب اقرار اپنے اپنی غلطی کی بھی اصلاح کی تو مجھے پختہ یقین ہو گا کہ اب آئندہ بھی آپ اپنی بڑی اصلاح کے لئے مستعد ہیں اس نشان کا اس قدر تو آپ پر اثر ضرور ہونا چاہئے کہ کم سے کم آپ یہ اقرار اپنا شائع

﴿۱۸﴾

کر دیں کہ اگر چہ ابھی قطعی طور پر نہیں مگر ظن غالب کے طور پر دین اسلام ہی مجھے سچا معلوم ہوتا ہے کیونکہ تحدّی کے طور پر اس کی تائید کے بارہ میں جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ پوری ہوگئی آپ جانتے ہیں کہ امام الدین دین اسلام سے منکر اور ایک دہریہ آدمی ہے اور اس نے اشتہار کے ذریعہ سے دین اسلام کی سچائی اور اس عاجز کے ملہم ہونے کے بارے میں ایک نشان طلب کیا تھا جس کو خدا تعالیٰ نے نزدیک کی راہ سے اسی کے عزیزوں پر ڈال کر اس پر اتمام حجت کی۔ آپ اس نشان کے رد یا قبول کے بارے میں ضرور جواب دیں ورنہ ہمارا یہ ایک پہلا قرضہ ہے جو آپ کے ذمّے رہے گا۔ ﴿۱۹﴾

قولہ۔ مباہلات بھی از قسم معجزات ہی ہیں مگر ہم بروئے تعلیم انجیل کسی کے لئے لعنت نہیں مانگ سکتے۔ جناب صاحب اختیار ہیں جو چاہیں مانگیں اور انتظار جواب ایک سال تک کریں۔

اقول۔ صاحب من مباہلہ میں دوسرے پر لعنت ڈالنا ضروری نہیں بلکہ اتنا کہنا کافی ہوتا ہے کہ مثلاً ایک عیسائی کہے کہ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ درحقیقت حضرت مسیح خدا ہیں اور قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور اگر میں اس بیان میں کاذب ہوں تو خدا تعالیٰ میرے پر لعنت کرے۔ سو یہ صورت مباہلہ انجیل کے مخالف نہیں بلکہ عین موافق ہے آپ غور سے انجیل کو پڑھیں۔

ماسوا اس کے میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ اگر آپ نشان نمائی کے مقابلہ سے عاجز ہیں تو پھر یک طرفہ اس عاجز کی طرف سے سہی۔ مجھ کو بسر وچشم منظور ہے آپ اقرار نامہ اپنا حسب نمونہ مرقومہ بالا شائع کریں۔ اور جس وقت آپ فرماویں میں بلاتوقف امرتسر حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ تو مجھ کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ عیسائی مذہب اسی دن سے تاریکی میں پڑا ہوا ہے جب سے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی جگہ دی گئی اور جب کہ حضرات عیسائیوں نے ایک سچے اور کامل ﴿۲۰﴾

اور مقدس نبی افضل الانبیاء **محمد** مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ اس لئے میں یقیناً جانتا ہوں کہ حضرات عیسائی صاحبوں میں سے یہ طاقت کسی میں بھی نہیں کہ اسلام کے زندہ نوروں کا مقابلہ کرسکیں میں دیکھتا ہوں کہ وہ نجات اور حیات ابدی جس کا ذکر عیسائی صاحبوں کی زبان پر ہے وہ اہل اسلام کے کامل افراد میں سورج کی طرح چمک رہی ہے اسلام میں یہ ایک زبردست خاصیّت ہے کہ وہ ظلمت سے نکال کر اپنے نور میں داخل کرتا ہے جس نور کی برکت سے مومن میں کھلے کھلے آثار قبولیت پیدا ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا شرف مکالمہ میسر آ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اپنی محبت کی نشانیاں اس میں ظاہر کر دیتا ہے سو میں زور سے اور دعوے سے کہتا ہوں کہ ایمانی زندگی صرف کامل مسلمان کو ہی ملتی ہے۔ اور یہی اسلام کی سچائی کی نشانی ہے۔

اب آپ کے خط کا ضروری جواب ہو چکا اور یہ اشتہار ایک رسالہ کی صورت پر مرتب کر کے آپ کی خدمت میں اور نیز ڈاکٹر کلارک صاحب کی خدمت میں بذریعہ رجسٹری روانہ کرتا ہوں اب میری طرف سے حجت پوری ہو چکی۔ آئندہ آپ کو اختیار رہے۔

والسلام علی من اتبع الھدی

راقم خاکسار

میرزا غلام احمد

از قادیان ضلع گورداسپور

شیخ محمد حسین بٹالوی کی نسبت ایک پیشین گوئی

﴿۲۱﴾

شیخ محمد حسین ابوسعید کی آجکل ایک نازک حالت ہے۔ یہ شخص اس عاجز کو کافر سمجھتا ہے اور نہ صرف کافر بلکہ اس کے کفر نامہ میں کئی بزرگوں نے اس عاجز کی نسبت اکفر کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ اپنے بوڑھے استاد نذیر حسین دہلوی کو بھی اس نے اسی بلا میں ڈال دیا ہے سبحان اللہ ایک شخص اللہ جلّ شانہ اور اس کے رسول کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلّم پر ایمان رکھتا ہے اور پابند صوم وصلوٰۃ اور اہل قبلہ میں سے ہے اور تمام عملی باتوں میں ایک ذرہ بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مخالف نہیں اس کو میاں بٹالوی صرف اس وجہ سے کافر بلکہ اکفر اور ہمیشہ جہنم میں رہنے والا قرار دیتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بموجب نص بین قرآن کریم فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي[1] فوت شدہ سمجھتا ہے۔ اور بموجب پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ مسیح موعود اسی امت میں سے ہوگا اپنے متواتر الہامات اور قطع[2] نشانوں کی بناء پر اپنے تئیں مسیح موعود ظاہر کرتا ہے۔ اور میاں بٹالوی بطور افتراء کے یہ بھی کہتا ہے کہ گویا یہ عاجز ملائک کا منکر اور معراج نبوی کا انکاری اور نبوت کا مدعی اور معجزات کو بھی نہیں مانتا۔ سبحان اللہ کافر ٹھہرانے کے لئے اس بیچارے نے کیا کچھ افتراء کئے ہیں۔ انہیں غموں میں مر رہا ہے کہ کسی طرح ایک مسلمان کو تمام خلق اللہ کافر سمجھ لے۔ بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں سے بھی کفر میں بڑھ کر قرار دیوے۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ اب اس شخص کا بہت ہی بُرا حال ہے۔ اگر کسی کے منہ سے نکل جائے کہ میاں کیوں کلمہ گوؤں کو کافر بناتے ہو کچھ خدا سے ڈرو تو دیوانہ کی طرح اس کے گرد ہو جاتا ہے اور بہت سی گالیاں اس عاجز کو نکال کر کہتا ہے کہ وہ ضرور کافر اور سب کافروں سے بدتر ہے۔ ہم اس کے خیر خواہوں سے ملتجی ہیں کہ اس نازک وقت میں ضرور اس کے حق میں دعا کریں۔ اب کشتی اس کی ایک ایسے گرداب میں ہے جس

﴿۲۲﴾

[1] المائدۃ:۱۱۸

[2] مطابق ایڈیشن اول یہ سہو کتابت ہے صحیح لفظ ''قطعی'' ہے۔ ناشر

سے جان بر ہونا بظاہر محال معلوم ہوتا ہے۔و انی رأیت ان ھٰذا الرّجل یؤمن بایمانی قبل موتہ ورأیت کانہ ترک قول التکفیر و تاب. و ھذہ رؤیای و ارجو ان یجعلھا ربی حقا. والسلام علٰی من اتبع الھدٰی.

راقم خاکسار **غلام احمد** از قادیان ضلع گورداسپور ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت جناب فیض مآب مجدد الوقت فاضل اجل حامی دین رسول حضرت غلام احمد صاحب

ازطرف محمد بخش السلام علیکم۔ گذارش یہ ہے کہ کچھ عرصہ سے قصبہ جنڈیالہ کے عیسائیوں نے بہت شور وشر مچایا ہوا ہے بلکہ آج بتاریخ ۱۱/اپریل ۱۸۹۳ء عیسائیان جنڈیالہ نے معرفت ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب امرتسر بنام فدوی بذریعہ رجسٹری ایک خط ارسال کیا ہے جس کی نقل خط ہٰذا کی دوسری طرف واسطے ملاحظہ کے پیش خدمت ہے۔ عیسائیوں نے بڑے زور وشور سے لکھا ہے کہ اہل اسلام جنڈیالہ اپنے علماء و دیگر بزرگان دین کو موجود کر کے ایک جلسہ کریں اور دین حق کی تحقیقات کی جائے۔ ورنہ آئندہ سوال کرنے سے خاموشی اختیار کریں اس لئے خدمت بابرکت میں عرض ہے کہ چونکہ اہل اسلام جنڈیالہ اکثر کمزور اور مسکین ہیں اس لئے خدمت شریف عالی میں ملتمس ہوں کہ آنجناب لِلّٰہ اہل اسلام جنڈیالہ کو امداد فرماؤ۔ ورنہ اہل اسلام پر دھبہ آجائے گا۔ و نیز عیسائیوں کے خط کو ملاحظہ فرما کر یہ تحریر فرماویں کہ ان کو جواب خط کا کیا لکھا جاوے۔ جیسا آنجناب ارشاد فرماویں۔ ویسا عمل کیا جاوے۔ فقط۔ ﴿۲۳﴾

جواب طلب ضروری

راقم

محمد بخش پاندھا مکتب دیسی قصبہ جنڈیالہ ضلع و تحصیل امرتسر ۱۱/اپریل ۱۸۹۳ء

وہ خط جو ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب نے محمد بخش پاندہ کو لکھا

بخدمت شریف میاں محمد بخش صاحب و جملہ شرکاء اہل اسلام جنڈیالہ

جناب من ۔ بعد سلام کے واضح رائے شریف ہو کہ چونکہ ان دنوں میں قصبہ جنڈیالہ میں مسیحیوں اور اہل اسلام کے درمیان دینی چرچے بہت ہوتے ہیں اور چند صاحبان آپ کے ہم مذہب دین عیسوی پر حرف لاتے ہیں اور کئی ایک سوال و جواب کرتے اور کرنا چاہتے ہیں ۔ اور نیز اسی طرح سے مسیحوں نے بھی دین محمدی کے حق میں کئی تحقیقاتیں کر لی ہیں اور مبالغہ از حد ہو چلا ہے لہٰذا راقم رقیمہ ھٰذا کی دانست میں طریقہ بہتر اور مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک جلسہ عام کیا جائے جس میں صاحبان اہل اسلام معہ علماء و دیگر بزرگان دین کے جن پر کہ ان کی تسلّی ہو موجود ہوں ۔ اور اسی طرح سے مسیحیوں کی طرف سے بھی کوئی صاحب اعتبار پیش کئے جاویں تا کہ جو باہمی تنازعہ ان دنوں میں ہو رہے ہیں خوب فیصل کئے جاویں اور نیکی اور بدی اور حق اور خلاف ثابت ہو ویں ۔ لہٰذا چونکہ اہل اسلام جنڈیالہ کے درمیان آپ صاحبِ ہمّت گنے جاتے ہیں ہم آپ کی خدمت میں از طرف مسیحان جنڈیالہ التماس کرتے ہیں کہ آپ خواہ خود یا اپنے ہم مذہبوں سے مصلحت کر کے ایک وقت مقرر کریں اور جس کسی بزرگ پر آپ کی تسلّی ہو اُسے طلب کریں اور ہم بھی وقت معیّن پر محفل شریف میں کسی اپنے کو پیش کریں گے کہ جلسہ اور فیصلہ امورات مذکورہ بالا کا بخوبی ہو جاوے اور خداوند صراط المتقسیم سب کو حاصل کرے ۔ ہم کسی ضد یا فساد یا مخالفت کی رو سے اس جلسہ کے در پئے نہیں ہیں ۔ مگر فقط اس بنا سے کہ جو باتیں راست برحق اور پسندیدہ ہیں سب صاحبان پر خوب ظاہر ہوں ۔ دیگر التماس یہ ہے کہ اگر صاحبان اہل اسلام ایسے مباحثہ میں شریک نہ ہونا چاہیں تو آئندہ کو اپنے اسپ کلام کو میدان گفتگو میں جولانی نہ دیں اور وقت منادی یا دیگر موقعوں پر حجت بے بنیاد و لا حاصل سے باز آ کر خاموشی اختیار کریں ۔ از راہ مہربانی اس خط کا جواب جلدی عنایت فرماویں تا کہ اگر آپ ہماری اس دعوت کو قبول کریں تو جلسہ کا اور

﴿۲۴﴾

ان مضامین کا جن کی بابت مباحثہ ہونا ہے معقول انتظام کیا جائے۔ فقط زیادہ سلام۔ یہ نقل بطور اصل کے ہے۔

الراقم مسیحان جنڈیالہ مارٹن کلارک امرتسر۔ دستخط انگریزی میں ہیں

نقل خط جو مرزا غلام احمد صاحب کی طرف سے مسیحان جنڈیالہ کی طرف ۱۳؍مئی ۱۸۹۳ء کو رجسٹری کر کے بھیجا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بخدمت مسیحان جنڈیالہ

بعد ماوجب ۔ آج میں نے آپ صاحبوں کی وہ تحریر جو آپ نے میاں محمد بخش صاحب کو بھیجی تھی اول سے آخر تک پڑھی۔ جو کچھ آپ صاحبوں نے سوچا ہے مجھے اس سے اتفاق رائے ہے۔ بلکہ درحقیقت مَیں اس مضمون کے پڑھنے سے ایسا خوش ہوا کہ میں اس مختصر خط میں اس کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ یہ بات سچ اور بالکل سچ ہے کہ یہ روز کے جھگڑے اچھے نہیں اوران سے دن بدن عداوتیں بڑھتی ہیں اور فریقین کی عافیت اور آسودگی میں خلل پڑتا ہے۔ اور یہ بات تو ایک معمولی سی ہے اوراس سے بڑھ کر نہایت ضروری اور قابل ذکر یہ بات ہے کہ جس حالت میں دونوں فریق مرنے والے اور دنیا کو چھوڑنے والے ہیں تو پھر اگر باقاعدہ بحث کر کے اظہار حق نہ کریں تو اپنے نفسوں اور دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ جنڈیالہ کے مسلمانوں کا ہم سے کچھ زیادہ حق نہیں بلکہ جس حالت میں خداوند کریم اور رحیم نے اس عاجز کو انہیں کاموں کے لئے بھیجا ہے تو ایک سخت گناہ ہوگا کہ ایسے موقعہ پر خاموش رہوں۔ اس لئے میں آپ لوگوں کو اطلاع دیتا ہوں کہ اس کام کے لئے میں ہی حاضر ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ فریقین کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کو اپنا اپنا مذہب بہت سے نشانوں کے ساتھ خدا تعالیٰ سے ملا ہے۔ اور یہ بھی فریقین کو اقرار ہے کہ زندہ مذہب وہی ہوسکتا ہے کہ جن دلائل پر اس کی صحت کی بنیاد ہے وہ دلائل بطور قصّہ کے نہ ہوں بلکہ

﴿۲۵﴾

دلائل ہی کے رنگ میں اب بھی موجود اور نمایاں ہوں۔ مثلاً اگر کسی کتاب میں بیان کیا گیا ہو کہ فلاں نبی نے بطور معجزہ ایسے ایسے بیماروں کو اچھا کیا تھا تو یہ اور اس قسم کے اور امور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے ایک قطعی اور یقینی دلیل نہیں ٹھہر سکتی بلکہ ایک خبر ہے جو منکر کی نظر میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔ بلکہ منکر ایسی خبروں کو صرف ایک قصّہ سمجھے گا۔ اسی وجہ سے یورپ کے فلاسفر مسیح کے معجزات سے جو انجیل میں مندرج ہیں کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ اس پر قہقہہ مار کر ہنستے ہیں۔ پس جبکہ یہ بات ہے تو یہ نہایت آسان مناظرہ ہے۔ ﴿۲۶﴾ اور وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کا کوئی فرد اس تعلیم اور علامات کے موافق جو کامل مسلمان ہونے کے لئے قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اپنے نفس کو ثابت کرے اور اگر نہ کر سکے تو دروغ گو ہے نہ مسلمان۔ اور ایسا ہی عیسائی صاحبوں میں سے ایک فرد اس تعلیم اور علامات کے موافق جو انجیل شریف میں موجود ہیں اپنے نفس کو ثابت کر کے دکھلائے۔ اور اگر وہ ثابت نہ کر سکے تو وہ دروغ گو ہے نہ عیسائی۔ جس حالت میں دونوں فریق کا یہ دعویٰ ہے کہ جس نور کو ان کے انبیاء لائے تھے وہ نور فقط لازمی نہیں تھا بلکہ متعدی تھا تو پھر جس مذہب میں یہ نور متعدی ثابت ہوگا اسی کی نسبت عقل تجویز کرے گی کہ یہی مذہب زندہ اور سچا ہے۔ کیونکہ اگر ہم ایک مذہب کے ذریعہ سے وہ زندگی اور پاک نور معہ اس کی تمام علامتوں کے حاصل نہیں کر سکتے جو اس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے تو ایسا مذہب بجز لاف گزاف کے زیادہ نہیں۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ کوئی نبی پاک تھا مگر ہم میں سے کسی کو بھی پاک نہیں کر سکتا۔ اور صاحب خوارق تھا مگر کسی کو صاحب خوارق نہیں بنا سکتا اور الہام یافتہ تھا مگر ہم میں سے کسی کو ملہم نہیں بنا سکتا تو ایسے نبی سے ہمیں کیا فائدہ۔ مگر **الحمد للّٰہ و المنّۃ** کہ ہمارا سید و رسول خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ایسا نہیں تھا اس نے ایک جہان کو وہ نور حسب مراتب استعداد بخشا کہ جو اس کو ملا تھا۔ اور اپنے نورانی نشانوں سے وہ شناخت کیا گیا۔ وہ ہمیشہ کے لئے نور تھا جو بھیجا گیا۔ اور اس سے پہلے کوئی ہمیشہ

کیلئے نور نہیں آیا۔ اگر وہ نہ آتا اور نہ اس نے بتلایا ہوتا تو حضرت مسیح کے نبی ہونے پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ کیونکہ اس کا مذہب مرگیا اور اس کا نور بے نشان ہو گیا اور کوئی وارث نہ رہا جو اس کو کچھ نور دیا گیا ہو۔ اب دنیا میں زندہ مذہب صرف اسلام ہے اور اس عاجز نے اپنے ذاتی تجارب سے دیکھ لیا اور پرکھ لیا کہ دونوں قسم کے نور اسلام اور قرآن میں اب بھی ایسے ہی تازہ بتازہ موجود ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے وقت موجود تھے اور ہم ان کے دکھلانے کے لئے ذمّہ دار ہیں۔ اگر کسی کو مقابلہ کی طاقت ہے تو ہم سے خط و کتابت کرے۔ **والسّلام علٰی من اتبع الھدٰی.** ﴿۲۷﴾

بالآخر یہ بھی واضح رہے کہ اس عاجز کے مقابلہ پر جو صاحب کھڑے ہوں وہ کوئی بزرگ نامی اور معزز انگریز پادری صاحبوں میں سے ہونے چاہئیں کیونکہ جو بات اس مقابلہ اور مباحثہ سے مقصود ہے اور جس کا اثر عوام پر ڈالنا مدنظر ہے وہ اسی امر پر موقوف ہے کہ فریقین اپنی اپنی قوم کے خواص میں سے ہوں۔ ہاں بطور تنزل اور اتمام حجت مجھے یہ بھی منظور ہے کہ اس مقابلہ کیلئے پادری عماد الدین صاحب یا پادری ٹھاکر داس صاحب یا مسٹر عبداللہ آتھم صاحب عیسائیوں کی طرف سے منتخب ہوں اور پھر ان کے اسماء کسی اخبار کے ذریعہ سے شائع کر کے ایک پرچہ اس عاجز کی طرف بھی بھیجا جائے اور اس کے بھیجنے کے بعد یہ عاجز بھی اپنے مقابلہ کا اشتہار دے دے گا۔ اور ایک پرچہ صاحب مقابلہ کی طرف بھیج دے گا۔ مگر واضح رہے کہ یوں تو ایک مدت دراز سے مسلمانوں اور عیسائیوں کا جھگڑا چلا آتا ہے اور تب سے مباحثات ہوئے اور فریقین کی طرف سے بکثرت کتابیں لکھی گئیں اور درحقیقت علمائے اسلام نے بہ تمام تر صفائی سے ثابت کر دیا کہ جو کچھ قرآن کریم پر اعتراض کئے گئے ہیں وہ دوسرے رنگ میں توریت پر اعتراض ہیں اور جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں نکتہ چینی ہوئی وہ دوسرے پیرایہ میں تمام انبیاء کی شان میں نکتہ چینی ہے جس سے حضرت مسیح بھی باہر نہیں۔ بلکہ ایسی ﴿۲۸﴾ نکتہ چینیوں کی بناء پر خدا تعالیٰ بھی مورد اعتراض ٹھہرتا ہے۔ سو یہ بحث زندہ مذہب یا مردہ مذہب کی تنقیح کے بارہ میں ہوگی اور دیکھا جاوے گا کہ جن روحانی علامات کا مذہب اور کتاب نے

دعویٰ کیا ہے وہ اب بھی اس میں پائی جاتی ہیں کہ نہیں۔ اور مناسب ہوگا کہ مقام بحث لاہور یا امرتسر مقرر رہو اور فریقین کے علماء کے مجمع میں یہ بحث ہو۔

خاکسار

مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

امرتسر میڈیکل مشن۔ ۱۸/اپریل ۱۸۹۳ء

﴿۲۹﴾

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیان سلامت

تسلیم۔ عنایت نامہ آں صاحب کا وارد ہوا۔ بعد مطالعہ طبیعت شاد ہوئی۔ خاص اس بات سے کہ جنڈیالہ کے اہل اسلام کو آپ جیسے لائق و فائق ملے لیکن چونکہ ہمارا دعویٰ نہ آپ سے پر جنڈیالہ کے محمدیوں سے ہے۔ ہم آپ کی دعوت قبول کرنے میں قاصر ہیں۔ ان کی طرف ہم نے خط لکھا ہوا ہے اور تا حال جواب کے منتظر ہیں۔ اگر ان کی مدد آپ کو قبول ہے تو مناسب و با قاعدہ طریقہ تو یہ ہے کہ آپ خود انہیں خطوط لکھیں جو آپ کے ارادے مہربانی کے ہیں ان پر ظاہر کریں اگر وہ آپ کو تسلیم کر کے اس جنگ مقدس کیلئے اپنی طرف سے پیش کریں تو ہمارا کچھ عذر نہیں بلکہ عین خوشی ہے چونکہ آپ روشن ضمیر و صاحب کار آزمودہ ہیں یہ آپ سے مخفی نہ ہوگا کہ اس خاص بحث کیلئے آپ کو قبول کرنا یا نہ کرنا ہمارا اختیار نہیں بلکہ جنڈیالہ کے اہل اسلام کا۔ لہٰذا انہیں سے آپ فیصلہ کرلیں بعد ازاں ہم بھی حاضر ہیں۔ آپ کے اور انکے فیصلہ کرنے ہی کی دیری ہے۔ زیادہ سلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشفق مہربان پادری صاحب

بعد ما وجب یہ وقت کیا مبارک وقت ہے کہ میں آپ کے اس مقدس جنگ کے لئے طیار ہو کر

جسؔ کا آپ نے اپنے خط میں ذکر فرمایا ہے اپنے چند عزیز دوست بطور سفیر منتخب کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس پاک جنگ کے لئے آپ مجھے مقابلہ پر منظور فرماویں گے جب آپ کا پہلا خط جو جنڈیالہ کے بعض مسلمانوں کے نام تھا مجھ کو ملا اور میں نے یہ عبارتیں پڑھیں کہ کوئی ہے کہ ہمارا مقابلہ کرے تو میری روح اسی وقت بول اٹھی کہ ہاں میں ہوں جس کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے گا اور سچائی کو ظاہر کرے گا۔ وہ حق جو مجھ کو ملا ہے اور وہ آفتاب جس نے ہم میں طلوع کیا ہے وہ اب پوشیدہ رہنا نہیں چاہتا میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ زوردار شعاعوں کے ساتھ نکلے گا اور دلوں پر اپنا ہاتھ ڈالے گا اور اپنی طرف کھینچ لائے گا لیکن اس کے نکلنے کیلئے کوئی تقریب چاہئے تھی سو آپ صاحبوں کا مسلمانوں کو مقابلہ کیلئے بلانا نہایت مبارک اور نیک تقریب ہے مجھے امید نہیں کہ آپ اس بات پر ضد کریں کہ ہمیں تو جنڈیالہ کے مسلمانوں سے کام ہے نہ کسی اور سے۔ آپ جانتے ہیں کہ جنڈیالہ میں کوئی مشہور اور نامی فاضل نہیں اور یہ آپ کی شان سے بھی بعید ہوگا کہ آپ عوام سے الجھتے پھریں اور اس عاجز کا حال آپ پر مخفی نہیں کہ آپ صاحبوں کے مقابلہ کے لئے دس برس کا پیاسا ہے اور کئی ہزار خط اردو انگریزی اسی پیاس کے جوش سے آپ جیسے معزز پادری صاحبان کی خدمت میں روانہ کر چکا ہوں اور پھر جب کچھ جواب نہ آیا تو آخر نا امید ہو کر بیٹھ گیا چنانچہ بطور نمونہ ان خطوں میں سے کچھ روانہ بھی کرتا ہوں۔ تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ آپ کی اسؔ توجہ کا اول مستحق میں ہی ہوں۔ اور سوائے اس کے اگر میں کاذب ہوں تو ہر ایک سزا بھگتنے کیلئے تیار ہوں میں پورے دس سال سے میدان میں کھڑا ہوں جنڈیالہ میں میری دانست میں ایک بھی نہیں جو میدان کا سپاہی تصور کیا جاوے اس لئے بادب مکلّف ہوں کہ اگر یہ امر مطلوب ہے کہ یہ روز کے قصے طے ہو جائیں اور جس مذہب کے ساتھ خدا ہے اور جو لوگ سچے خدا پر ایمان لا رہے ہیں ان کے کچھ امتیازی انوار ظاہر ہوں تو اس عاجز سے مقابلہ کیا جائے۔ آپ لوگوں کا یہ ایک بڑا دعویٰ ہے کہ

﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾

حضرت مسیح علیہ السلام درحقیقت خدا تھے اور وہی خالق ارض وسما تھے۔ اور ہمارا یہ بیان ہے کہ وہ سچے نبی ضرور تھے رسول تھے۔ خدا تعالیٰ کے پیارے تھے مگر خدا نہیں تھے سو انہیں امور کے حقیقی فیصلہ کیلئے یہ مقابلہ ہوگا مجھ کو خدا تعالیٰ نے براہ راست اطلاع دی ہے کہ جس تعلیم کو قرآن لایا ہے وہی سچائی کی راہ ہے اسی پاک توحید کو ہر یک نبی نے اپنی امت تک پہنچایا ہے مگر رفتہ رفتہ لوگ بگڑ گئے اور خدا تعالیٰ کی جگہ انسانوں کو دے دی۔ غرض یہی امر ہے جس پر بحث ہوگی اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ وقت آ گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی غیرت اپنا کام دکھلائے گی اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس مقابلہ سے ایک دنیا کیلئے مفید اور اثر انداز نتیجے نکلیں گے اور کچھ تعجب نہیں کہ اب کل دنیا یا ایک بڑا بھاری حصہ اس کا ایک ہی مذہب قبول کرلے جو سچا اور زندہ مذہب ہو اور جن کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ کی مہربانی کا بادل ہو۔ چاہئے کہ یہ بحث صرف زمین تک محدود نہ رہے بلکہ آسمان بھی اس کے ساتھ شامل ہو اور مقابلہ صرف اس بات میں ہو کہ روحانی زندگی اور آسمانی قبولیت اور روشن ضمیری کس مذہب میں ہے اور میں اور میرا مقابل اپنی اپنی کتاب کی تاثیریں اپنے اپنے نفس میں ثابت کریں۔ ہاں اگر یہ چاہیں کہ معقولی طور پر بھی ان دونوں عقیدوں کا بعد اس کے تصفیہ ہو جائے تو یہ بھی بہتر ہے مگر اس سے پہلے روحانی اور آسمانی آزمائش ضرور چاہئے۔ ﴿۳۲﴾

والسّلام علٰی من اتبع الھدٰی

خاکسار **غلام احمد** قادیان ضلع گورداسپور۔ ۲۳؍اپریل ۱۸۹۳ء

امرت سر (۲۴؍اپریل ۱۸۹۳ء) **ترجمہ چٹھی ڈاکٹر کلارک صاحب**

بخدمت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

جنابِ من۔ مولوی عبدالکریم صاحب بمعیت معزز سفارت یہاں پہنچے اور مجھے آپ کا دستی خط دیا۔ جناب نے جو مسلمانوں کی طرف سے مجھے مقابلہ کیلئے دعوت کی ہے اس کو میں بخوشی قبول کرتا ہوں آپ کی سفارت نے آپ کی طرف سے مباحثہ اور شرائط ضروریہ کا فیصلہ کرلیا ہے اور

میں یقین کرتا ہوں کہ جناب کو بھی وہ انتظام اور شرائط منظور ہوں گے اس لئے مہربانی کر کے اپنی فرصت میں مجھے اطلاع بخشیں کہ آپ ان شرائط کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

آپ کا تابعدار:۔ ایچ مارٹن کلارک ایم ڈی سی ایم (اڈنبرا) ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ ایس

شرائط انتظام مباحثہ قرار یافتہ مابین عیسائیاں و مسلماناں

(ترجمہ از انگریزی)

(۱) یہ مباحثہ امرتسر میں ہوگا (۲) ہر ایک جانب میں صرف پچاس اشخاص حاضر ہوں گے۔ پچاس[1] ٹکٹ مرزا غلام احمد صاحب عیسائیوں کو دیں گے اور پچاس ٹکٹ ڈاکٹر کلارک صاحب مرزا صاحب کو مسلمانوں کے لئے دیں گے۔ عیسائیوں[2] کے ٹکٹ مسلمان جمع کریں گے اور مسلمانوں کے عیسائی۔ ۳۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسلمانوں کی طرف سے اور ڈپٹی عبداللہ آتھم خاں صاحب عیسائیوں کی طرف سے مقابلہ میں آئیں گے۔ ۴۔ سوائے ان صاحبوں کے اور کسی صاحب کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہاں یہ صاحب تین شخصوں کو بطور معاون منتخب کر سکتے ہیں مگر ان کو بولنے کا اختیار نہ ہوگا۔ ۵۔ مخالف جانب صحیح صحیح نوٹ بغرض اشاعت لیتے رہیں گے۔ ۶۔ کوئی صاحب کسی جانب سے ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ بول سکیں گے۔ ۷۔ انتظامی معاملات میں صدر انجمن کا فیصلہ ناطق مانا جائے گا۔ ۸۔ دو صدر انجمن ہوں گے یعنی ایک ایک ہر طرف سے جو اس وقت مقرر کئے جائیں گے۔ ۹۔ جائے مباحثہ کا تقرر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کے اختیار میں ہوگا۔ ۱۰۔ وقت مباحثہ ۶ بجے صبح سے ۱۱ بجے صبح تک ہوگا۔ ۱۱۔ کل وقت مباحثہ دو زمانوں پر منقسم ہوگا۔ (۱) ۶ دن یعنی روز پیر مئی ۲۲ سے ۲۷ مئی تک ہوگا اور اس وقت میں مرزا صاحب کو اختیار ہوگا کہ اپنا یہ دعویٰ پیش کریں کہ ہر ایک مذہب کی صداقت زندہ نشانات سے ثابت کرنی چاہئے جیسے کہ انہوں نے اپنی چٹھی ۴ر اپریل ۱۸۹۳ء موسومہ ڈاکٹر کلارک صاحب میں ظاہر کیا ہے۔ ۱۲۔ پھر دوسرا سوال اٹھایا جائے گا۔ پہلے مسئلہ الوہیت مسیح پر۔

﴿۳۳﴾

اور پھر مرزا صاحب کو اختیار ہوگا کہ کوئی اور سوال جو چاہیں پیش کریں مگر چھ دن کے اندر اندر۔۱۳۔ دوسرا زمانہ بھی ۶ دن کا ہوگا یعنی مئی ۲۹ سے جون ۳ تک۔ (اگر اس قدر ضرورت ہوئی) اس زمانہ میں مسٹر عبداللہ آتھم خاں صاحب کو اختیار ہوگا کہ اپنے سوالات بہ تفصیل ذیل پیش کریں:۔

﴿۳۴﴾

(ا) رحم بلا مبادلہ (ب) جبر اور قدر

(ج) ایمان بالجبر (د) قرآن کے خدائی کلام ہونے کا ثبوت

(س) اس بات کا ثبوت کہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) رسول اللہ ہیں۔ وہ اور سوال بھی کرسکتے ہیں۔ بشرطیکہ ۶ دن سے زیادہ نہ ہوجائے۔

(۱۴) ٹکٹ ۱۵ مئی تک جاری ہوجانے چاہئیں۔ وہ ٹکٹ مفصلہ ذیل نمونہ کے ہوں گے۔

(۱۵) عیسائیوں اور ڈپٹی عبداللہ آتھم خاں صاحب کی طرف سے یہ قواعد واجب الاطاعت اور یہ صحیح تحریر مانی گئی۔

''بطور شہادت مَیں (جس کے دستخط نیچے درج ہیں) مسٹر عبداللہ آتھم خاں صاحب کی طرف سے دستخط کرتا ہوں اور مذکورہ بالا شرائط میں سے کسی شرط کا توڑنا فریق توڑنے والے کی طرف سے ایک اقرار گریز خیال کیا جائے گا۔''

(۱۶) تقریروں پر صاحبان صدر اور تقریر کنندگان اپنے اپنے دستخط ان کی صحت کے ثبوت میں ثبت کریں گے۔

دستخط

ہنری کلارک ایم۔ ڈی وغیرہ

امرتسر۔ اپریل ۲۴۔ ۱۸۹۳ء

﴿۳۵﴾

نمونہ ٹکٹ

مباحثہ مابین ڈپٹی عبداللہ آتھم خانصاحب امرتسری اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

ٹکٹ داخلہ عیسائیوں کے لئے

داخل کرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کو

نمبر۔۔۔۔۔۔۔۔۔دستخط مرزا صاحب

نمونہ ٹکٹ

مباحثہ مابین ڈپٹی عبداللہ (آتھم) خانصاحب امرتسری اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

ٹکٹ داخلہ فریق مسلمانوں کے لئے

داخل کرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کو

نمبر۔۔۔۔۔۔دستخط ڈاکٹر کلارک صاحب

امرتسر ۲۴-۴-۱۸۹۳ء

رجسٹرڈ خط جو ۲۵؍ اپریل کو پادری صاحب کے ۲۴؍ اپریل کے خط کے جواب میں بھیجا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مشفق مہربان پادری صاحب سلامت

بعد ماوجب میں نے آپ کی چٹھی کو اول سے آخر تک سنا میں ان تمام شرائط کو منظور کرتا ہوں جن پر آپ کے اور میرے دوستوں کے دستخط ہو چکے ہیں لیکن سب سے پہلے یہ بات تصفیہ پا جانی چاہئے کہ اس مباحثہ اور مقابلہ سے علت غائی کیا ہے کیا یہ انہیں معمولی مباحثات کی طرح ایک مباحثہ ہوگا جو سالہائے دراز سے عیسائیوں اور مسلمانوں میں پنجاب اور ہندوستان میں ہو رہے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمان تو اپنے خیال میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم نے عیسائیوں کو ہر یک بات میں شکست دی ہے اور عیسائی اپنے گھر میں یہ باتیں کرتے ہیں کہ مسلمان لاجواب ہو گئے ہیں اگر اسی قدر ہے تو یہ بالکل بے فائدہ اور تحصیل حاصل ہے اور بجز اس بات کے اس کا آخری نتیجہ کچھ نظر نہیں آتا کہ چند روز بحث مباحثہ کا شور وغوغا ہو کر پھر ہر یک فضول گو کو اپنی ہی طرف کا غلبہ ثابت کرنے کے لئے باتیں بنانے کا موقعہ ملتا رہے مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ حق کھل جائے اور ایک دنیا کو سچائی نظر آجائے اگر فی الحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہی ہیں۔ اور وہی ربّ العالمین اور خالق السموات والارض ہے۔ تو بے شک ہم لوگ کافر کیا اکفر ہیں۔ اور بے شک اس صورت میں دین اسلام حق پر نہیں ہے لیکن اگر حضرت

﴿۳۶﴾

مسیح علیہ السلام صرف ایک بندہ خداتعالیٰ کا نبی اور مخلوقیت کی تمام کمزوریاں اپنے اندر رکھتا ہے تو پھر یہ عیسائی صاحبوں کا ظلم عظیم اور کفر کبیر ہے کہ ایک عاجز بندہ کو خدا بتا رہے ہیں اور اس حالت میں قرآن کے کلام اللہ ہونے میں اس سے بڑھ کر اور کوئی عمدہ دلیل نہیں کہ اس نے نابود شدہ توحید کو پھر قائم کیا اور جو اصلاح ایک سچی کتاب کو کرنی چاہئے تھی وہ کر دکھائی اور ایسے وقت میں آیا جس وقت میں اس کے آنے کی ضرورت تھی۔ یوں تو یہ مسئلہ بہت ہی صاف تھا کہ خدا کیا ہے اور اس کی صفات کیسی ہونی چاہئے۔ مگر چونکہ اب عیسائی صاحبوں کو یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا اور معقولی ومنقولی بحثوں نے اس ملک ہندوستان میں کچھ ایسا ان کو فائدہ نہیں بخشا اس لئے ضرور ہو کہ اب طرز بحث بدل لی جائے سو میری دانست میں اس سے انسب طریق اور کوئی نہیں کہ ایک روحانی مقابلہ مباہلہ کے طور پر کیا جائے اور وہ یہ کہ اول سے اسی طرح ہر چھ دن تک مباحثہ ہو جس مباحثہ کو میرے دوست قبول کر چکے ہیں اور پھر ساتویں دن مباہلہ اور فریقین مباہلہ میں یہ دعا کریں مثلاً فریق عیسائی یہ کہے کہ وہ عیسیٰ مسیح ناصری جس پر میں ایمان لاتا ہوں وہی خدا ہے اور قرآن انسان کا افترا ہے خداتعالیٰ کی کتاب نہیں اور اگر میں اس بات میں سچا نہیں تو میرے پر ایک سال کے اندر کوئی ایسا عذاب نازل ہو جس سے میری رسوائی ظاہر ہو جائے اور ایسا ہی یہ عاجز دعا کرے گا کہ اے کامل اور بزرگ خدا میں جانتا ہوں کہ درحقیقت عیسیٰ مسیح ناصری تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے خدا ہرگز نہیں اور قرآن کریم تیری پاک کتاب اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تیرا پیارا اور برگزیدہ رسول ہے اور اگر میں اس بات میں سچا نہیں تو میرے پر ایک سال کے اندر کوئی ایسا عذاب نازل کر جس سے میری رسوائی ظاہر ہو جائے اور اے خدا میری رسوائی کے لئے یہ بات کافی ہوگی کہ ایک برس کے اندر تیری طرف سے میری تائید میں کوئی ایسا نشان ظاہر نہ ہو جس کے مقابلہ سے تمام مخالف عاجز رہیں اور واجب ہوگا کہ فریقین کے دستخط سے یہ تحریر چند اخبار میں شائع ہو جائے کہ جو شخص ایک سال کے اندر مورد غضب الٰہی ثابت ہو جائے اور یا یہ کہ ایک فریق کی تائید میں کچھ ایسے نشان آسمانی ظاہر ہوں کہ دوسرے فریق کی تائید میں ظاہر و ثابت نہ ہو سکیں تو ایسی صورت میں فریق مغلوب یا تو فریق غالب کا مذہب اختیار کرے اور یا اپنی کل جائیداد کا نصف حصہ اس مذہب کی تائید کے لئے فریق غالب کو دیدے جس کی سچائی ثابت ہو۔

خاکسار

مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

ٹائیٹل بار اوّل

رسالہ موسوم بہ

سچائی کا اظہار

جسمیں عبداللہ آتھم صاحب رئیس امرتسر مسیحی کا بشرط مغلوبیت

اسلام لانے کا اقرارنامہ ہے اور نیز بعض

فاضل اور مستند علماء عرب اور شام

کی اس عاجز کی نسبت

تصدیق

ہے

مطبع ریاض ہند امرتسر مین چھپا

تعداد جلد ۷۰۰

قیمت ۲ پائی

﴿۲﴾

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

پادری صاحبوں کو جو شیخ بٹالوی محمد حسین صاحب کے اشاعة السنة سے مذہبی امور میں ایک نمایاں مدد پہنچی اس کا ذکر

امریکن مشن پریس لدھیانہ میں ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک ایم ڈی میڈیکل مشنری امرتسر کی طرف سے ایک اشتہار اس عاجز کے مقابل پر ۱۲ مئی ۱۸۹۳ء کو چھپا ہے جس میں شیخ محمد حسین المعروف مولوی ساکن بٹالہ کا ایک پیرایہ میں شکریہ بیان کیا گیا ہے اور درحقیقت عیسائیوں کے لئے مقام شکر تھا کیونکہ ڈاکٹر صاحب اس عاجز کے مقابلہ پر اسلام اور عیسائی مذہب کی تنقید اور تحقیق اور حق و باطل کے پرکھنے کے لئے مباحثہ منظور تو کر بیٹھے مگر پیچھے سے غور کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب پر کچھ خوفناک سی حالت طاری ہوگئی۔ سچ ہے کہ انسان کو خدا بنانے کے وقت عند المقابلہ بدن کانپ جاتا ہے۔ خدا خدا ہی ہے اور انسان انسان۔ چہ نسبت خاک را با قادرِ پاک۔ غرض جب یہ دھڑکا حضرات پادری صاحبوں کو دامن گیر ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ اسلام کی صراط مستقیم کے مقابل پر عیسائی منصوبہ کی ساری قلعی کھل جائے تو یہ کوشش کی گئی کہ یہ بحث کسی طرح ملتوی رہے تو اچھا ہے اور یہ پیالہ کسی طرح ٹل جائے تو بہتر ہو۔ اس غم و ہم کے وقت میں شیخ جی سے ان کو خوب مدد ملی۔ غالباً گمان گذرتا ہے کہ خود شیخ صاحب امداد کی غرض سے پوشیدہ طور پر حضرات پادری صاحبوں کی خدمت میں گئے ہوں گے کیونکہ جو ڈاکٹر صاحب نے مجھ کو خط لکھا ہے اور اشاعة السنة کے بعض مضامین درج فرمائے ہیں وہ عبارت شیخ جی کی عبارت سے بہت ہی مشابہ ہے اگر شیخ جی کو قسم دے کر پوچھا جائے تو غالباً انکار بھی نہیں کریں گے اور پھر جب وہ ضمیمہ نور افشاں جو ۱۲ مئی ۱۸۹۳ء میں چھپا ہے اور اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے اس کو غور سے

﴿۳﴾

دیکھتے ہیں تو وہ یہی گواہی دے رہا ہے چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے۔ آپ (اے باشندگان جنڈیالہ) ایک ایسے بزرگ کو (یعنی اس عاجز کو) بحث کے لئے پیش کرتے ہو جن کو اولاً ایک محمدی شخص بھی تصور کرنا مشکل ہے۔ آپ کن خیالوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ کیا آپ نے وہ فتوے جو کہ علماء اسلام پنجاب و ہندوستان نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے حق میں شائع کئے ہیں نہیں دیکھے۔ وہ فتاویٰ مذکورہ میں یوں لکھتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے سوال سائل کے جواب میں کہا اور قادیانی کے حق میں فتویٰ دیا ہے وہ صحیح ہے کتاب وسنت واقوال علماء امت اس کی صحت پر شاہد ہیں سب مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے دجال کذاب سے احتراز اختیار کریں اور اس سے وہ دینی معاملات نہ کریں جو کہ اہل اسلام میں باہم ہونے چاہئیں نہ اس کی صحبت اختیار کریں اور نہ اس کو ابتداءً سلام کریں اور نہ اس کو دعوت مسنون میں بلاویں اور نہ اس کی دعوت قبول کریں اور نہ اس کے پیچھے اقتدا کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ یہ دین کے چور ہیں بیماری بڑھاتے ہیں۔ دجّال۔ کذاب۔ ملعون۔ ملحد۔ دائرہ اسلام سے خارج کافر بلکہ اکفر پلید۔ کھچری ابلیس کا گمراہ کیا ہوا اوراوروں کا گمراہ کرنے والا۔ سنت وجماعت سے خارج بڑا بھاری دجال بلکہ عم دجّال اور دین کے ذریعہ سے دنیا کمانے والا۔ اور اگر مفصل دیکھنا ہو تو کتاب **اشاعة السنة النبویه** مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب سے منگوا کر دیکھ سکتے ہیں قیمت ۸؎ ہے لاہور سے مل سکتی ہے۔ آپ عجب غفلت میں پڑے ہیں کہ اب تک اس کتاب کو نہیں دیکھا۔ آفرین آپ پر اور جنڈیالہ کے اہل اسلام کی ہمت پر جس کا جنازہ بھی جائز نہیں اسی کو آپ نے پیشوا مقرر کیا۔ واہ صاحب واہ آپ کی یہ خوش فہمی۔ ﴿۴﴾

اب غور سے دیکھنا چاہئے کہ پادری صاحب نے میاں بٹالوی اوران کی **اشاعت سنة** سے کیا کچھ فائدہ اٹھایا ہے اور ہمارے حضرات مکفّرین نے کیا کچھ مخالفوں کو موقعہ دیدیا۔ مگر یہ مقام خوشی کا ہے کہ اس پُرفتنہ خط کو دیکھ کر جو **اشاعة السنة** کے حوالہ سے لکھا گیا تھا جنڈیالہ کے قوی الایمان لوگوں نے ایک ذرہ جنبش نہیں کھائی اور میاں محمد بخش نے جنڈیالہ سے نہایت دندان شکن جواب حضرات پادری صاحبوں کو دیا اور لکھا کہ کوئی مذہب اختلاف سے خالی نہیں

اور عیسائی بھی اس سے باہر نہیں اور ہم ایسے مولویوں کو خود مفسد سمجھتے ہیں جو ایک مسلمان مؤید اسلام کو کافر ٹھہراتے ہیں۔

﴿۵﴾

اطلاعِ عام

شیخ بٹالوی صاحب اشاعۃ السنۃ نے دو مرتبہ یہ پختہ عہد کیا تھا کہ میں اس خط کا جواب جو عربی تفسیر اور قصیدہ بالمقابل کے بارہ میں اس طرف سے بطور اتمام حجت کے لکھا گیا تھا فلاں فلاں تاریخ کو ضرور بھیج دوں گا تخلّف نہیں ہوگا۔ اب ان دونوں تاریخوں پر سولہ دن اور گذر گئے اور خدا جانے ابھی کس قدر گذرتے جائیں گے۔ شیخ صاحب کا بار بار وعدہ کرنا اور پھر توڑنا صاف دلالت کر رہا ہے کہ وہ اب کسی مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں اور تین روز کا ذکر ہے کہ ایک مجمل پیغام مجھ کو امرتسر سے پہنچا کہ بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس مباحثہ میں اگر مسیح کی وفات حیات کے بارہ میں بحث ہوتی تو ہم اس وقت ضرور ڈاکٹر کلارک صاحب کے ساتھ شامل ہو جاتے۔ لہذا عام طور پر شیخ جی اور ان کے دوسرے رفیقوں کو اطلاع دی جاتی ہے بلکہ قسم دی جاتی ہے کہ یہ بخار بھی نکال لو۔ حیات وفات مسیح کے بارے میں ڈاکٹر کلارک صاحب کے ساتھ ضرور بحث ہوگی بیشک اس کی مدد کرو۔ واعلموا انّ اللّٰہ یُخزِی الکَاذِبِین وَاٰخِرُ دَعْوَانا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

﴿۶﴾

ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب کے ایک وہم کا ازالہ

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اشتہار ۱۲ مئی ۱۸۹۳ء میں جو بطور ضمیمہ نور افشاں لدہانہ کے شائع ہوا ہے۔ شیخ بٹالوی صاحب کی کتاب اشاعۃ السنۃ سے یہ دھوکا کھایا ہے یا لوگوں کو دھوکا دینا چاہا ہے کہ گویا مستند علماء اسلام کے اس عاجز کو کافر قرار دیتے ہیں اس لئے عام و خاص کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ تمام مستند علماء اسلام جن کو خدا تعالیٰ نے علم و عمل بخشا ہے اور نور فراست ایمانیہ عطا کیا ہے وہ میرے ساتھ ہیں اور اس وقت چالیس کے قریب ہیں اور فریق ثانی کے ساتھ اکثر ایسے لوگ ہیں جو صرف نام کے مولوی اور علمی اور عملی کمالات سے تہیدست ہیں اگر اس عاجز

کا یہ بیان ڈاکٹر صاحب کی نظر میں محمول بر مبالغہ نہ ہو تو ڈاکٹر صاحب کسی ایسے جلسہ مباحثہ میں جو علماء مخالفین اور اس عاجز کے گروہ کے فاضل علماء میں واقعہ ہو خود شامل ہو کر دیکھ لیں بلکہ عنقریب ایک ایسا جلسہ مباحثہ ۱۵ جون ۱۸۹۳ء تک ہونے والا ہے جس میں فریق مخالف مولوی غلام دستگیر اور ان کے ہم مشرب تمام علماء لاہور کے ہوں گے اور اس طرف سے کوئی ایک یا دو فاضل مقابلہ کے لئے تجویز کئے جائیں گے پھر پادری صاحب بچشم خود دیکھ سکتے ہیں کہ علماء ربّانی اور مستند فاضل کس طرف ہیں اور نام کے مولوی اور ژولیدہ زبان کس طرف۔ نقل مشہور ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ ایک دشمن بخیل کی قلم سے جو نکلے وہ یکطرفہ بیان عقلمند کی نظر میں ہرگز وقعت اور عزت نہیں رکھتا بلکہ ہر یک حقیقت عندالامتحان کھلتی ہے۔ ﴿۷﴾

ماسوا اس کے ڈاکٹر صاحب یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام کے مستند علماء کا تخت گاہ حرمین شریفین ہے زادھما اللّٰہ مَجدًا و شرفًا و برکۃً اور اسلام میں یہی بلاد عرب خاص کر کے مکہ و مدینہ دین کا گھر سمجھے جاتے ہیں سو ان متبرک مقامات کے جگر گوشہ اور فاضل مستند بھی اس عاجز کے ساتھ شامل ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ بطور نمونہ تین بزرگوں کی تحریرات ذیل میں لکھتا ہوں۔

(ایک فاضل عرب کی اس عاجز کی کتاب آئینہ کمالات اسلام اور تبلیغ کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت پر گواہی جو ایک بلدہ عظیمہ میں تعلیم ادب وغیرہ کے مدرس ہیں)

اخی مکرم مولوی حافظ محمد یعقوب صاحب سلمہ ڈیرہ دون سے لکھتے ہیں کہ میں ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ آپ امام زمانہ ہیں مؤید من اللہ ہیں علماء کو اللہ تعالیٰ نے ضرور آپ کا شکار بنایا ہے یا غلام، آپ کا مخالف کبھی کامیاب نہ ہوگا مجھے اللہ تعالیٰ آپ کے خادموں میں زندہ رکھے اور اسی میں مارے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر ایک عرب عالم اس وقت میرے پاس بیٹھے ہیں شامی ہیں۔ سید ہیں۔ بڑے ادیب ہیں ہزاروں اشعار عرب عاربہ کے حفظ ہیں ان سے آپ کے بارے میں گفتگو ہوئی وہ عالم متبحر اور میں عامی محض مگر توفی کے معنے میں کچھ بن نہ پڑا۔ آپ کی ﴿۸﴾ عبارت آئینہ کمالات اسلام جو عربی ہے ان کو دکھائی گئی۔ کہا واللہ ایسی عبارت

عرب نہیں لکھ سکتا ہندوستانی کو تو کیا طاقت ہے۔ قصیدہ نعتیہ دکھایا پڑھ کر رو دیا اور کہا خدا کی قسم میں نے اس زمانہ کے عربوں کے اشعار کو کبھی پسند نہیں کیا اور ہندیوں کا تو کیا ذکر ہے مگر ان اشعار کو حفظ کروں گا۔ اور کہا واللہ جو شخص اس سے بہتر عبارت کا دعویٰ کرے چاہے عرب ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ملعون مسیلمہ کذّاب ہے۔ تمّ کلامه میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ کلام ربّانی اور تائید سبحانی کا اعجاز ہے آدمی کا کام نہیں۔ میں نے حضرت کو اپنی جان اور اپنی اہل اور اولاد میں مالک کر دیا۔

محبت نامہ فاضل عربی اس عاجز کی طرف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یا من انشد نسیم الاشتیاق عن وسیم وصفه واستنشق عباهر الازاهر من شمیم عطره وعبیر عرفه احیط حضرتک العالیة باسرار الا سرار واعیذ سعادتک السامیة من نوائب الا قد ار لا زالت سفن نجاتک تجری فی بحار العلوم والو یة سیادتک معقود ة لحل اشکالات المنطوق والمفهوم ولا برحت الجباه لعلو حضرتک ساجدة والافواه بالثناء علی محاسن ذ اتک شاهدة لا احصی ثنائی علیک ولا دعائی وشوقی الیک السلام علیکم ورحمة اللّٰه و برکاته تحیة عنّ وِدٍّ اکیدٍ و قلب لم یکدره تنکید اما بعد فان راقم الاحرف قدهبت به نسیم الامال و زعزعته لواعج الانتقال حتی قذفته سهام الا قدار فی بلدة هذه الدیار فجمعته طرق الا تفاق بتقدیر الملک الخلاق بالاخ الرفیق والمولی الشفیق الحافظ المولوی محمد یعقوب وقاه الله من ورطات العیوب و وهدات الذنوب فی بلدة دهره دون لازال رحبها بالمواهب الالٰهیة مشحون فاخذنا نجنی ثمار الاخبار و ندیر اقداح التذکار عما مضٰی و تقدم من الازمان والاثار حتی افضی بنا الحدیث الی هذا الزمان فذکرت حضرتکم العلیة فسئلتهٗ عن بیانها بوجه التفصیل والایضاح فاخبرنی بالجناب ومناقبه بما کان اهلا له حتی

﴿۹﴾

ثنی عنان فکری و استمال عطف خاطری الی مشاهدة الذات لما سمعت من بدیع الصفات اذا الکلام صفة لقائله ولا یخفی مافی المشاهدة من عمیم الفائدة ولذلک طلبها الکلیم علیه السلام ولم یمنعنی من تلک الامشقة الطریق و توقد الرمضاء واصفرار الید وخرق الجیب وعدم الراحلة (شعر)

ولو انّی اطیر لطِرت شوقا الیک ولم اکن عن ذالک ناحی

ولکن اجنحی قصت وَ صیرت وکیف یطیر مقصوص الجناح ﴿۱۰﴾

وعلی کل حال فان عدم ذلک بالاقدام فممکن ان یکون بالاقلام لاسیما وقدقیل القلم احد اللسانین والمراسلة نصف المواصلة ولکن لیس الخبر کالعیان اذهو عین الیقین الاانا اذا فقدنا الماء صرنا الی بدیله. والسلام

فاضل عربی کے محبت نامہ کا جواب اس عاجز کی طرف سے

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته. امابعد فاعلم یا محبی ومخلصی قد وصلنی کتابکم العزیز واذا فتحته ونظرت الیه قرأته وفهمت مافیه فاذا هومن حب حفی وتقی وفهیم وذکی ناقد بصیر ذی رأی صائب وعقل عزیز الی فقیر. عرضة تکفیرٍ. مهجور صغیرٍ و کبیرٍ. فحمدت اللّٰہ علی انه وهب لی کمثلک محبًا مسلیًا من العرب العرباء وبشرنی به نسیم محبة تلک الشرفاء وکنت قد نمقت کتابًا لارسله الی دیار العرب والشام لعلی انصر من تلک الکرام فوجدت مکتوبک فی اسعد الایام وحسبته باکورة جنی العرب وتفألتُ به لاصلاح الشرق والغرب. وتاقت نفسی ان اوطنی[1] اللّٰہ ثراک لافوز بمراک. یااخی ان علماء هذه الدیار قد اکفرونی ﴿۱۱﴾

[1] اوطئنی۔ شمس

وكذبونى ورمونى بالبهتانات. وتمايلوا علىّ باللعن والطعن والهذيانات. فبرئت من تلك العلماء وعلمهم. ولحقت بمن يشك فى سلمهم وانى ارى خواطرهم تشابه خواطر اليهود. فى ظن السوء والتجاسر امام الرب المعبود. اصروا على اكفارى وجاهدوا لاضرارى. وكفروا مؤمنا موحدا فى التحرير والتقرير. وما ندموا على بادرة التكفير وظنّوا ان الوقت ليس وقت ظهور مجدد يجدّد الدّين. ويرجم الشياطين. اما رأوا ان الغاسق قد وقب و مهجّة الخير قد انتقب. والعدوصال على حصن الاسلام ونقب. واخذ الظلام موضع النور وعقب. وظهر قوم على الارض يعبد الصّليب ويتخذ الهًا العبد الضعيف الغريب. و يضل البعيد والقريب. مافى يديهم الا المكر والزور. اوالمال الموفور. فتهوى اليهم العُمى والعُور. ودخل فى شركهم الزمر والجمهور. وعسى ان يدرک هذا لعطب اكثر المسلمين. ويفنون من ايدى المغتالين. فنظر الله الى الامة المرحومة ووجدهم المستضعفين. فارسل عبدًا من عباده ليجدّد الدّين ويقيم البراهين. ياأخى ان هذه الايام ليل دامس. وطريق طامس. فرئ الله تعالى مفاسد هذاالزمان ﴿۱۲﴾ وتطاير فتن الدوران. وظلام الكفر والطغيان وقيام الخلق على شفاء النيران. فاعطى بفضله مصباحاً يؤمنهم العثار وينير السّنن والآثار وانى قصّصت عليكم بعض هذه الآلام لتُدركوا رقة على غربة الاسلام . فانى اراک فتًى صالحًا ومن المخلصين المحبّين وقد اسررتنى بكلمات محبتک وسلّيت باقوال مودتک غريبا مهجور القوم و مورد الطعن واللوم فجزاک اللّٰه ورحمک وهو ارحم الراحمين. آمين

الراقم العبد الضعيف مهجور القوم **غلام احمد** عفى عنه

ایک عالم عرب مکّی کا خط

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصّلوۃ والسلام علی اشرف الخلق اجمعین الی حضرۃ الجناب المحترم المکرم العزیز الاکرم مولانا ومرشدنا وھادینا ومسیح زماننا غلام احمد حفظہ اللہ تعالٰی آمین ثُم آمین یارب العٰلمین. امابعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ قد وصلنا کتابکم العزیز و قرئنا وفھمنا مافیہ وحمدنا اللہ الذی انتم بخیر وعافیۃ ویا سیدی اطلب من اللہ ثم من جنابکم العفو والسماح فیما قداخطئت ویا سیدی انا ولدک وخادمک ومحسوب علی اللہ ثم الی جنابکم وان شاء اللہ تعالی انا تبت وعزمت علی ان لا اعود ابدًا ولا اتکلم بمثل الکلام الذی ذکر قط جمّل اللہ حالکم و شکر اللہ فضلکم والسلام ﴿۱۳﴾

الراقم احقر العباد محمد ابن احمد مکّی

قد عجبنی الکلام الذی ذکرتم فی الکتاب. الحمد للہ الذی وعدنی بملاقات جنابکم لا شک ولاریب انک انت من عند اللہ اٰمنا وصدقنا واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین. راقم محمد ابن احمد مکّی

خلاصہ خط ایک عالم عربی سیّد علی ولد شریف مصطفٰے عرب

سید صاحب عرب نے اپنے ایک لمبے خط میں بہت سے اشعار قصیدہ نعتیہ کے طور پر اور ایک لمبی عبارت نثر میں بطور مدح وثنا لکھی ہے چنانچہ اس کی طولانی عبارتوں میں سے یہ عبارت بھی ہے:۔

الی جناب الاجل الناقد البصیر طود العقل الغزیر وکوکب الشرق المنیر ذی الحزم والھام اللہ الکبیر صاحب الالھام رکن الدولۃ الابدیۃ سلطان الرعیۃ

الاسلامية ميرزا غلام احمد. فضائله تلوح كالكوكب فى الأفاق للجاهل والعاقل

﴿۱۴﴾ بحر الندى الذى لا يرىٰ له الساحل ومنبع العلوم و العطايا التى هى صافية المناهل.

امید کہ کسی دوسرے موقعہ پر اس فاضل عرب کا قصیدہ اور مفصل خط بھی چھاپ دیا جائے گا۔ بالفعل بطور شہادت اسی قدر کافی ہے۔

مسٹر عبداللہ آتھم صاحب وکیل ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب و دیگر عیسائیان کا بصورت مغلوب ہوجانے کے مسلمان ہوجانے کا وعدہ

ہم اس وقت مسٹر عبداللہ آتھم صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ حال پنشنر رئیس امرتسر کا وہ وعدہ ذیل میں لکھتے ہیں جو انہوں نے بحیثیت وکالت ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب وعیسائیان جنڈیالہ مسلمان ہونے کے لئے بحالت مغلوبیت کیا ہے۔ صاحب موصوف نے اپنے ﴿۱۵﴾ اقرار نامہ میں صاف صاف اقرار فرما دیا ہے کہ اگر وہ معقولی بحث کی رو سے یا کسی نشان کے دیکھنے سے مغلوب رہ جائیں تو دین اسلام اختیار کر لیں اور وہ یہ ہے:۔

نقل خط مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۹ رمئی ۱۸۹۳ء

من مقام امرت سر

جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان۔ بجواب جناب کے حجۃ الاسلام متعلق بندہ کے عرض ہے کہ اگر جناب یا اور کوئی صاحب کسی صورت سے بھی یعنی بہ تحدی معجزہ یا دلیل قاطع عقلی تعلیمات قرآنی کو ممکن اور ﴿۱۶﴾ موافق صفات اقدس ربانی کے ثابت کر سکیں تو میں اقرار کرتا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں گا۔ جناب یہ سند میری اپنے ہاتھ میں رکھیں باقی منظوری سے مجھے معاف رکھیئے کہ اخباروں میں اشتہار دوں۔

دستخط۔ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب

﴿۱۷﴾

اعلان مباہلہ بجواب اشتہار عبدالحق غزنوی

مورخہ ۲۶؍شوال ۱۳۱۰ھ

ایک اشتہار مباہلہ مؤرخہ ۲۶ شوال ۱۳۱۰ ہجری شائع کردہ عبدالحق غزنوی میری نظر سے گذرا۔ سو اس لئے یہ اشتہار شائع کیا جاتا ہے کہ مجھ کو اس شخص اور ایسا ہی ہر ایک مکفر سے جو عالم یا مولوی کہلاتا ہے مباہلہ منظور ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ القدیر میں تیسری یا چوتھی ذیقعد ۱۳۱۰ھ تک امرتسر میں پہنچ جاؤں گا اور تاریخ مباہلہ دہم ذیقعد اور یا بصورت بارش وغیرہ کسی ضروری وجہ سے گیارہویں ذیقعدہ ۱۳۱۰ قرار پائی ہے جس سے کسی صورت میں تخلف لازم نہیں ہوگا۔ اور مقام مباہلہ عید گاہ جو قریب مسجد خان بہادر محمد شاہ مرحوم ہے قرار پایا ہے اور چونکہ دن کے پہلے حصہ میں قریباً بارہ بجے تک عیسائیوں سے دربارہ حقیت اسلام اس عاجز کا مباحثہ ہوگا اور یہ مباحثہ برابر بارہ۱۲ دن تک ہوتا رہے گا اس لئے مکفّرین جو مجھ کو کافر ٹھہرا کر مجھ سے مباہلہ کرنا چاہتے ہیں دو بجے سے شام تک مجھ کو فرصت ہوگی۔ اس وقت میں بتاریخ دہم ذیقعد یا بصورت کسی عذر کے گیاراں ذی قعد ۱۳۱۰ کو مجھ سے مباہلہ کرلیں اور دہم ذیقعد اس مصلحت سے تاریخ قرار پائی ہے کہ تا دوسرے علماء بھی جو اس عاجز کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر ٹھہراتے ہیں شریک مباہلہ ہوسکیں جن سے محی الدین لکھو والے اور مولوی عبدالجبار صاحب اور شیخ محمد حسین بٹالوی اور منشی سعد اللہ مدرس ہائی سکول لدہانہ اور عبدالعزیز واعظ لدہانہ اور منشی محمد عمر سابق ملازم ساکن لدہانہ اور مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدہانہ اور میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اور پیر حیدر شاہ صاحب اور حافظ عبدالمنان وزیر آبادی ﴿۱۸﴾ اور میاں عبداللہ ٹونکی اور مولوی غلام دستگیر قصوری اور مولوی شاہ دین صاحب اور مولوی مشتاق احمد صاحب مدرس ہائی سکول لدہانوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی محمد علی واعظ ساکن بوپران ضلع گوجرانوالہ اور مولوی محمد اسحٰق اور سلیمان ساکنان ریاست پٹیالہ اور ظہور الحسن سجادہ نشین بٹالہ اور مولوی محمد ملازم مطبع کرم بخش لاہور وغیرہ اور اگر یہ لوگ باوجود

پہنچنے ہمارے رجسٹری شدہ اشتہارات کے حاضر میدان مباہلہ نہ ہوئے تو یہی ایک پختہ دلیل اس بات پر ہوگی کہ وہ درحقیقت اپنے عقیدہ تکفیر میں اپنے تئیں کاذب اور ظالم اور ناحق پر سمجھتے ہیں بالخصوص سب سے پہلے شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب اشاعۃ السنۃ کا فرض ہے کہ میدان میں مباہلہ کیلئے تاریخ مقررہ پر امرتسر میں آجاوے کیونکہ اس نے مباہلہ کے لئے خود درخواست بھی کردی ہے اور یاد رہے کہ ہم بار بار مباہلہ کرنا نہیں چاہتے کہ مباہلہ کوئی ہنسی کھیل نہیں ابھی تمام مکفّرین کا فیصلہ ہوجانا چاہئے پس جو شخص اب ہمارے اشتہار کے شائع ہونے کے بعد گریز کرے گا اور تاریخ مقررہ پر حاضر نہیں ہوگا آئندہ اس کا کوئی حق نہیں رہے گا کہ پھر کبھی مباہلہ کی درخواست کرے اور پھر ترک حیا میں داخل ہوگا کہ غائبانہ کافر کہتا رہے اتمام حجت کے لئے رجسٹری کرا کر یہ اشتہار بھیجے جاتے ہیں تا اس کے بعد مکفّرین کو کوئی عذر باقی نہ رہے اگر بعد اس کے مکفّرین نے مباہلہ نہ کیا اور نہ تکفیر سے باز آئے تو ہماری طرف سے ان پر حجت پوری ہوگئی۔ بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ مباہلہ سے پہلے ہمارا حق ہوگا کہ ہم مکفّرین کے سامنے جلسہ عام میں اپنے اسلام کے وجوہات پیش کریں۔
والسلام علی من اتبع الھُدیٰ.

المشتہر خاکسار **میرزا غلام احمد۔ ۳۰ شوال ۱۳۱۰ھ**

اتمام حجت

﴿۱۹﴾

اگر شیخ محمد حسین بٹالوی دہم ذیقعد ۱۳۱۰ کو مباہلہ کے لئے حاضر نہ ہوا تو اسی روز سے سمجھا جائے گا کہ وہ پیشگوئی جو اس کے حق میں چھپوائی گئی تھی کہ وہ کافر کہنے سے توبہ کرے گا پوری ہوگئی بالآخر میں دعا کرتا ہوں کہ اے خداوند قدیر اس ظالم اور سرکش اور فتّان پر لعنت کر اور ذلّت کی مار اس پر ڈال جواب اس دعوت مباہلہ اور تقرّری شہر اور مقام اور وقت کے بعد مباہلہ کے لئے میرے مقابل پر میدان میں نہ آوے اور نہ کافر کافر کہنے اور سب اور شتم سے باز آوے۔ آمین ثم آمین۔

یاایھاالمکفّرون تعالوا الی امرھو سنۃ اللّٰہ و نبیہ لافحام المکفّرین المکذّبین. فان تولیتم فاعلموا ان لعنۃ اللّٰہ علی المکفّرین الذین استبان تخلفھم وشھد تخوفھم انھم کانوا کاذبین. المشتھر مرزا غلام احمد قادیانی

اس میں تمام علماء مکفّرین کو بہ تقرری تاریخ دہم ذی قعد ۱۳۱۰ بمقام امرتسر مباہلہ کیلئے بلایا گیا ہے۔

ٹائیٹل بار دوم

جنگ مقدّس

یعنے

تحقیق حق کیواسطے اہل اسلام اور عیسائیان امرت سر میں بمقام امرت سر

مباحثہ

۲۲- مئی ۱۸۹۳ء سے شروع ہو کر ۵- جون ۱۸۹۳ء کو

ختم ہوا

اہل اسلام کی طرف سے حضرت **مرزا غلام احمدؐ** صاحب قادیانی بحث کے لیئے قادیاں سے امرت سر تشریف لائے اور عیسائی صاحبان کیطرف سے ڈپٹی **عبداللہ آتھم** صاحب پنشنر انتخاب ہو کر جلسہ مباحثہ میں پیش ہوئے۔ راقم کو **مصدقہ** تحریریں چھاپکر مشتہر کرنے کی جلسہ بحث میں ہر دو جانب سے **اجازت** دی گئی۔

جو

حرف بحرف مطابق روزانہ مصدقہ بحث ہر دو جانب چھپکر شائع ہوا کی اور وہ سب کاپیاں فروخت ہو گئیں۔ اب بار دوم اُسی حیثیت سے شائقین کے لئے چھاپی گئی ہیں

راقم

شیخ **نور احمدؐ** مالک و مہتمم ریاض ہند پریس امرت سر (پنجاب)

مطبوعہ مطبع ریاضِ ہند پریس امرتسر

﴿۲﴾

روئیداد
جلسہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء

۲۲ رمئی ۱۸۹۳ء کو سوموار کے روز ڈاکٹر **ہنری مارٹن کلارک** صاحب کی کوٹھی میں جلسہ مباحثہ منعقد ہوا۔ سوا چھ بجے کارروائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے **منشی غلام قادر** صاحب **فصیح** وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی سیالکوٹ میر مجلس قرار پائے اور عیسائیوں کی طرف سے **ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک** صاحب میر مجلس قرار پائے۔

مرزا صاحب کے معاون مولوی **نور الدین** صاحب حکیم۔ **سید محمد احسن** صاحب اور **شیخ الہ دیا** صاحب قرار پائے اور ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کے معاون پادری جے ایل **ٹھاکرداس** صاحب اور پادری **عبداللہ** صاحب اور پادری **ٹامس ہاول** صاحب قرار پائے۔ چونکہ پادری جے ایل ٹھاکرداس صاحب آج تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لئے آج کے دن ان کی بجائے پادری **احسان اللہ** صاحب معاون مقرر کئے گئے۔ سوا چھ بجے مرزا صاحب نے سوال لکھانا شروع کیا اور سوا سات بجے ختم کیا۔ اور بلند آواز سے جلسہ کو سنایا گیا۔ پھر ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے اپنا اعتراض پیش کرنے میں صرف پانچ منٹ خرچ کئے پھر مرزا صاحب نے جواب الجواب لکھایا۔ مگر اس پر یہ اعتراض پیش ہوا کہ مرزا صاحب نے جو سوال لکھایا ہے وہ شرائط کی ترتیب کے موافق نہیں یعنی پہلا سوال **الوہیت مسیح** کے متعلق ہونا چاہئے اس پر شرائط کی طرف توجہ کی گئی انگریزی اصلی شرائط اور ترجمہ کا مقابلہ کیا گیا اور معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے پاس جو ترجمہ ہے اس میں غلطی ہے بنا براں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ الوہیت مسیح پر سوال شروع کیا جائے اور جو کچھ اس سے پہلے لکھایا گیا ہے اپنے موقع پر پیش ہو۔

۸ بجے ۲۶ منٹ پر مرزا صاحب نے **الوہیت مسیح** پر سوال لکھانا شروع کیا۔ ۹ بجے ۱۵ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے نو بجے ۳۰ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ان کا جواب ختم نہ ہوا تھا کہ ان کا وقت گزر گیا۔ اس پر مرزا صاحب اور میر مجلس اہل اسلام کی طرف سے اجازت دی گئی کہ مسٹر موصوف اپنا جواب ختم کر لیں اور پانچ منٹ کے زائد عرصہ میں جواب ختم کیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر پریزیڈنٹوں کے دستخط ہوئے اور مصدقہ تحریریں ایک دوسرے فریق کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان۔

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام۔

﴿۳﴾

تقریر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحَمْدُ للّٰہِ رَبِّ العٰلمِین والصلوۃ والسّلام علٰی رسُولہ مُحمّدٍ وَّآلہ واَصحابہٖ اجمعین

امّابَعْد واضح ہو کہ آج کا روز جو ۲۲؍مئی ۱۸۹۳ء ہے اس مباحثہ اور مناظرہ کا دن ہے جو مجھ میں اور ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب میں قرار پایا ہے۔ اور اس مباحثہ سے مدعا اور غرض یہ ہے کہ حق کے طالبوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اسلام اور عیسائی مذہب میں سے کونسا مذہب سچا اور زندہ اور کامل اور منجانب اللہ ہے اور نیز حقیقی نجات کس مذہب کے ذریعہ سے مل سکتی ہے۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے بطور کلام کلّی کے اسی امر میں جو مناظرہ کی علت غائی ہے انجیل شریف اور قرآن کریم کا مقابلہ اور موازنہ کیا جاوے لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس مقابلہ اور موازنہ میں کسی فریق کا ہرگز یہ اختیار نہیں ہوگا کہ اپنی کتاب سے باہر جاوے یا اپنی طرف سے کوئی بات منہ پر لاوے بلکہ لازم اور ضروری ہوگا کہ جو دعویٰ کریں وہ دعویٰ اس الہامی کتاب کے حوالہ سے کیا جاوے جو الہامی قرار دی گئی ہے اور جو دلیل پیش کریں وہ دلیل بھی اسی کتاب کے حوالہ سے ہو کیونکہ یہ بات بالکل سچی اور کامل کتاب کی شان سے بعید ہے کہ اس کی وکالت اپنے تمام ساختہ پرداختہ سے کوئی دوسرا شخص کرے اور وہ کتاب بکلی خاموش اور ساکت ہو۔

اب واضح ہو کہ قرآن کریم نے اسلام کی نسبت جس کو وہ پیش کرتا ہے یہ فرمایا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ [1] (س۳ر۱۰) وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۚ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ [2] (سیپارہ ۳ رکوع ۱۷) ترجمہ یعنی دین سچا اور کامل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے اور جو کوئی بجز اسلام کے کسی اور دین کو چاہے گا تو ہرگز قبول نہیں کیا جاوے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔

[1] اٰل عمران:۲۰ [2] اٰل عمران:۸۶

﴿۴﴾

پھر فرماتا ہے۔ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا[1] (سیپارہ ۶ رکوع ۵) یعنی آج میں نے تمہارے لئے دین تمہارا کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو پسندیدہ کر لیا۔ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا[2] (سیپارہ ۲۶ رکوع ۱۲) وہ خدا جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے۔

پھر اللہ جلّ شانہٗ چند آیتیں قرآن کریم کی تعریف میں جو دین اسلام کو پیش کرتا ہے فرماتا ہے چونکہ قرآن کریم کی تعریف درحقیقت دین اسلام کی تعریف ہے اس لئے وہ آیتیں بھی ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا[3] (سیپارہ ۱۵ رکوع ۱۰) اور البتہ طرح طرح بیان کیا ہم نے واسطے لوگوں کے قرآن میں ہر ایک مثال سے پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر کفر کرنا۔ یعنی ہم نے ہر ایک طور سے دلیل اور حجت کے ساتھ قرآن کو پورا کیا۔ مگر پھر بھی لوگ انکار سے باز نہ آئے۔ (س ۳/۲۵)

قُلِ اللّٰہُ یَھۡدِیۡ لِلۡحَقِّ[4] (سیپارہ ۱۱ رکوع ۹) اَللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَالۡمِیۡزَانَ[5] یعنی خدا وہ ہے جس نے کتاب یعنی قرآن شریف کو حق اور میزان کے ساتھ اتارا یعنی وہ ایسی کتاب ہے جو حق اور باطل کے پرکھنے کے لئے بطور میزان کے ہے۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِیَۃٌۢ بِقَدَرِھَا[6] (سیپارہ ۱۳ رکوع ۸) ترجمہ آسمان سے پانی اتارا پس ہر ایک وادی اپنے اپنے قدر میں بہ نکلا۔ اِنَّ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَھۡدِیۡ لِلَّتِیۡ ھِیَ اَقۡوَمُ[7] (سیپارہ ۱۵ رکوع ۱) یہ قرآن اس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو بہت سیدھی اور بہت کامل ہے۔

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِہٖ وَلَوۡ کَانَ بَعۡضُھُمۡ لِبَعۡضٍ ظَھِیۡرًا[8] کہ اگر جن اور انس سب اس بات پر اتفاق کریں کہ اگر اور کتاب جو کمالات قرآنی کا مقابلہ کر سکے پیش کر سکیں تو نہیں پیش کر سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔

پھر ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ[9] (سیپارہ ۷۔ رکوع ۱۰) یعنی تعلیمات ضروریہ میں سے کوئی چیز قرآن سے باہر نہیں رہی اور قرآن ایک مکمل کتاب ہے جو کسی دوسری مکمل کا منتظر نہیں بناتا۔ اِنَّہٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ[10] (سیپارہ ۳۰ رکوع ۱۱) حِکۡمَۃٌۢ بَالِغَۃٌ[11] (س ۸/۲۷) قرآن قول فصل ہے

[1] المائدۃ: ۴ [2] الفتح: ۲۹ [3] بنی اسرائیل: ۹۰ [4] یونس: ۳۶ [5] الشوریٰ: ۱۸ [6] الرعد: ۱۸
[7] بنی اسرائیل: ۱۰ [8] بنی اسرائیل: ۸۹ [9] الانعام: ۳۹ [10] الطارق: ۱۴ [11] القمر: ۶

﴿۵﴾

جو ہر ایک امر میں سچا فیصلہ دیتا ہے۔ اور انتہائی درجہ کی حکمت ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ. وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ[1] (سیپارہ ۲۷ رکوع ۱۶) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ. فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ. لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[2] یعنی میں قسم کھاتا ہوں مطالع اور مناظر نجوم کی اور یہ قسم ایک بڑی قسم ہے۔ اگر تمہیں حقیقت پر اطلاع ہو کہ یہ قرآن ایک بزرگ اور عظیم الشان کتاب ہے اور اس کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک باطن ہیں۔ اور اس قسم کی مناسبت اس مقام میں یہ ہے کہ قرآن کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ کریم ہے یعنے روحانی بزرگیوں پر مشتمل ہے اور بباعث نہایت بلند اور رفیع دقائق حقائق کے بعض کوتاہ بینوں کی نظروں میں اسی وجہ سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے جس وجہ سے ستارے چھوٹے اور نقطوں سے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بات نہیں کہ درحقیقت وہ نقطوں کی مانند ہیں بلکہ چونکہ مقام ان کا نہایت اعلیٰ وارفع ہے اس لئے جو نظریں قاصر ہیں ان کی اصل ضخامت کو معلوم نہیں کر سکتیں۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ[3] (سیپارہ ۲۵۔ ر۱۴) ہم نے قرآن کو ایک ایسی بابرکت رات میں اتارا ہے جس میں ہر ایک امر پُر حکمت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس سے مطلب یہ ہے کہ جیسے ایک رات بڑی ظلمت کے ساتھ نمودار ہوئی تھی۔ اسی کے مقابل پر اس کتاب میں انوار عظیمہ رکھے گئے ہیں جو ہر ایک قسم کے شک اور شبہ کی ظلمت کو ہٹاتے ہیں اور ہر ایک بات کا فیصلہ کرتے ہیں اور ہر ایک قسم کی حکمت کی تعلیم کرتے ہیں اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[4] (سیپارہ ۳ رکوع ۲) اللہ دوستدار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے اور ان کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔ وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ[5] (س۲۹ ر۵) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ[6] (سیپارہ ۲۷ رکوع ۱۶) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ[7] (س۳۰ ر۶) یعنی قرآن متقیوں کو وہ سارے امور یاد دلاتا ہے جو ان کی فطرت میں مخفی اور مستور تھے اور یہ حق محض ہے جو انسان کو یقین تک پہنچاتا ہے اور یہ غیب کے عطا کرنے میں بخیل نہیں ہے یعنی بخیلوں کی طرح اس کا یہ کام نہیں کہ صرف آپ ہی غیب بیان کرے اور دوسرے کو غیبی قوت نہ دے سکے بلکہ آپ بھی غیب پر مشتمل ہے۔ اور پیروی کرنے والے پر بھی فیضان غیب کرتا ہے۔ یہ قرآن کا دعویٰ ہے جس کو وہ اپنی

[1] الواقعة:۷۶، ۷۷ [2] الواقعة:۷۸ تا ۸۰ [3] الدخان:۴، ۵ [4] البقرة:۲۵۸ [5] الحاقة:۴۹ [6] الواقعة:۹۶

[7] التکویر: ۲۵

تعلیم کی نسبت آپ بیان فرماتا ہے اور پھر آگے چل کر اس کا ثبوت بھی آپ ہی دے گا۔ لیکن چونکہ اب وقت تھوڑا ہے اس لئے وہ ثبوت جواب الجواب میں لکھا یا جاوے گا۔ بالفعل ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ بپابندی ان امور کے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ انجیل شریف کا دعویٰ بھی اسی طرز اور اسی شان کا پیش کریں کیونکہ ہر ایک منصف جانتا ہے کہ ایسا تو ہرگز ہو نہیں سکتا کہ مدعی سست اور گواہ چست۔ خاص کر اللہ جلّ شانہٗ جو قوی اور قادر اور نہایت درجہ کے علوم وسیع رکھتا ہے جس کتاب کو ہم اس کی طرف منسوب کریں وہ کتاب اپنی ذات کی آپ قیّوم چاہئے۔ انسانی کمزوریوں سے بالکل مبرّا اور منزّہ چاہئے۔ کیونکہ اگر وہ کسی دوسرے کے سہارا کی اپنے دعویٰ میں اور اثبات دعویٰ میں محتاج ہے تو وہ خدا کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور یہ مکرر یاد رہے کہ اس وقت صرف مدعا یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے اپنی تعلیم کی جامعیت اور کاملیت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہی دعویٰ انجیل کا وہ حصہ بھی کرتا ہو۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور کم سے کم اس قدر تو ہو کہ حضرت مسیحؑ اپنی تعلیم کو مختتم قرار دیتے ہوں اور کسی آئندہ وقت پر انتظار میں نہ چھوڑتے ہوں۔ ﴿۶﴾

نوٹ

یہ سوال اس قدر لکھا گیا تھا تو اس کے بعد فریق ثانی نے اس بات پر اصرار کیا کہ سوال نمبر ۲ بحث کے کسی دوسرے موقعہ میں پیش ہو۔ بالفعل الوہیت مسیح کے بارے میں سوال ہونا چاہئے چنانچہ ان کے اصرار کی وجہ سے یہ سوال جو ابھی غیر مختتم ہے اسی جگہ چھوڑا گیا بعد میں بقیہ اس کا شائع کیا جائے گا۔

﴿۷﴾

سوال الوہیت مسیحؑ پر

۲۲؍مئی ۱۸۹۳ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

امّا بعد واضح ہو کہ بموجب شرائط قراردادہ پرچہ علیحدہ مورخہ ۲۴؍اپریل ۱۸۹۳ء پہلا سوال ہماری طرف سے یہ تجویز ہوا تھا کہ ہم **الوہیت** حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں مسٹر عبداللہ آتھم صاحب سے سوال کریں گے۔ چنانچہ مطابق اسی شرط کے ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اس بحث میں یہ نہایت ضروری ہوگا کہ جو ہماری طرف سے کوئی سوال ہو۔ یا ڈپٹی عبداللہ آتھم کی طرف سے کوئی جواب ہو وہ اپنی طرف سے نہ ہو بلکہ اپنی اپنی الہامی[1] کتاب کے حوالہ سے ہو جس کو فریق ثانی حجت سمجھتا ہو۔ اور ایسا ہی ہر ایک دلیل[2] اور ہر ایک دعویٰ[3] جو پیش کیا جاوے وہ بھی اسی التزام سے ہو غرض کوئی فریق اپنی اس کتاب کے بیان سے باہر نہ جائے جس کا بیان بطور حجت ہو سکتا ہے۔

بعد اس کے واضح ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کے بارہ میں قرآن کریم میں بغرض رد کرنے خیالات ان صاحبوں کے جو حضرت موصوف کی نسبت **خدا یا ابن اللہ** کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ آیات موجود ہیں۔

مَا الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّہٗ صِدِّیۡقَۃٌ ؕ کَانَا یَاۡکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُبَیِّنُ لَہُمُ الۡاٰیٰتِ ثُمَّ انۡظُرۡ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ[1]۔ سیپارہ ۶ ر ۱۴۔ یعنی حضرت مسیح ابن مریم میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ وہ صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہیں اور یہ کلمہ کہ اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہیں۔ یہ قیاس استقرائی کے طور پر ایک استدلال لطیف ہے کیونکہ قیاسات کے جمیع اقسام میں سے استقراء کا مرتبہ وہ اعلیٰ شان کا

[1] المائدۃ: ۷۶

مرتبہ ہے کہ اگر یقینی اور قطعی مرتبہ سے اس کو نظر انداز کر دیا جائے تو دین و دنیا کا تمام سلسلہ بگڑ جاتا ہے۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ حصہ کثیرہ دنیا کا اور ازمنہ گذشتہ کے واقعات کا ثبوت اسی استقراء کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ مثلاً ہم جو اس وقت کہتے ہیں کہ انسان منہ سے کھاتا اور آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سنتا اور ناک سے سونگھتا اور زبان سے بولتا ہے اگر کوئی شخص کوئی مقدس کتاب پیش کرے اور اس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ یہ واقعات زمانہ گذشتہ کے متعلق نہیں ہیں۔ ﴿۸﴾ بلکہ پہلے زمانہ میں انسان آنکھوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا اور کانوں کے ذریعہ سے بولتا تھا۔ اور ناک کے ذریعہ سے دیکھتا تھا ایسا ہی اور باتوں کو بھی بدل دے۔ یا مثلاً یہ کہے کہ کسی زمانہ میں انسان کی آنکھیں دو نہیں ہوتی تھیں بلکہ بیس ہوتی تھیں۔ دس تو سامنے چہرہ میں اور دس پشت پر لگی ہوئی تھیں تو اب ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ گو فرض کے طور پر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ ان عجیب تحریروں کا لکھنے والا کوئی مقدس اور راستباز آدمی تھا۔ مگر ہم اس یقینی نتیجہ سے کہاں اور کدھر گریز کر سکتے ہیں جو قیاس استقرائی سے پیدا ہوا ہے۔ میری رائے میں ایسا بزرگ اگر نہ صرف ایک بلکہ کروڑ سے بھی زیادہ اور قیاس استقرائی سے نتائج قطعیہ یقینیہ کو توڑنا چاہیں تو ہرگز ٹوٹ نہیں سکیں گے بلکہ اگر ہم منصف ہوں اور حق پسندی ہمارا شیوہ ہو تو اس حالت میں کہ اس بزرگ کو ہم درحقیقت ایک بزرگ سمجھتے ہیں اور اس کے الفاظ میں ایسے ایسے کلمات خلاف حقائق مشہودہ محسوسہ کے پاتے ہیں تو ہم اُس کی بزرگی کی خاطر سے صَرف عَنِ الظاھر کریں گے اور ایسی تاویل کریں گے جس سے اس بزرگ کی عزت قائم رہ جاوے۔ ورنہ یہ تو ہرگز نہ ہوگا کہ جو حقائق استقراء کے یقینی اور قطعی ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہیں وہ ایک روایت دیکھ کر ٹال دیئے جاویں۔ اگر ایسا کسی کا خیال ہو تو یہ بار ثبوت اس کی گردن پر ہے کہ وہ استقراء مثبتہ موجودہ قطعیہ یقینیہ کے برخلاف اس روایت کی تائید اور تصدیق میں کوئی امر پیش کر دیوے۔ مثلاً جو شخص اس بات پر بحث کرتا اور لڑتا جھگڑتا ہے کہ صاحب ضرور پہلے زمانہ میں لوگ زبان کے ساتھ دیکھتے اور ناک کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے تو اس کا ثبوت پیش کرے۔ اور جب تک ایسا ثبوت پیش نہ کرے تب تک ایک مہذّب عقلمند کی شان سے بہت بعید ہے کہ

ان تحریرات پر بھروسہ کر کے کہ جن کے بصورت صحت بھی بیس بیس معنے ہو سکتے ہیں وہ معنی اختیار کرے جو حقائق ثابت شدہ سے بالکل مغائر اور منافی پڑے ہوئے ہیں مثلاً اگر ایک ڈاکٹر ہی سے اس بات کا تذکرہ ہو کہ سم الفار اور وہ زہر جو تلخ بادام سے تیار کیا جاتا ہے اور بیش یہ تمام زہریں نہیں ہیں۔ اور اگر ان کو دو دو سیر کے قدر بھی انسان کے بچوں کو کھلایا جاوے تو کچھ ہرج نہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ دیوے کہ فلاں مقدس کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے اور راوی معتبر ہے تو کیا وہ ڈاکٹر صاحب اس مقدس کتاب کا لحاظ کر کے ایک ایسے امر کو چھوڑ دیں گے جو قیاس استقرائی سے ثابت ہو چکا ہے۔ غرض جب کہ قیاس استقرائی دنیا کے حقائق ثابت کرنے کے لئے اول درجہ کا مرتبہ رکھتا ہے تو اسی جہت سے اللہ جلّ شانہٗ نے سب سے پہلے قیاس استقرائی کو ہی پیش کیا۔ اور فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ[1] یعنی حضرت مسیح علیہ السلام بیشک نبی تھے اور اللہ جلّ شانہٗ کے پیارے رسول تھے مگر وہ انسان تھے۔ تم نظر اٹھا کر دیکھو کہ جب سے یہ سلسلہ تبلیغ اور کلام الٰہی کے نازل کرنے کا شروع ہوا ہے ہمیشہ اور قدیم سے انسان ہی رسالت کا مرتبہ پا کر دنیا میں آتے رہے ہیں یا کبھی اللہ تعالیٰ کا بیٹا بھی آیا ہے اور خَلَتْ کا لفظ اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ جہاں تک تمہاری نظر تاریخی سلسلہ کو دیکھنے کے لئے وفا کر سکتی ہے اور گذشتہ لوگوں کا حال معلوم کر سکتے ہو خوب سوچو اور سمجھو کہ کبھی یہ سلسلہ ٹوٹا بھی ہے۔ کیا تم کوئی ایسی نظیر پیش کر سکتے ہو جس سے ثابت ہو سکے کہ یہ امر ممکنات میں سے ہے۔ پہلے بھی کبھی کبھی ہوتا ہی آیا ہے۔ سو عقلمند آدمی اس جگہ ذرہ ٹھہر کر اور اللہ جلّ شانہٗ کا خوف کر کے دل میں سوچے کہ حادثات کا سلسلہ اس بات کو چاہتا ہے کہ اس کی نظیر بھی کبھی کسی زمانہ میں پائی جاوے۔ ﴿۹﴾

ہاں اگر بائبل کے وہ تمام انبیاء اور صلحاء جن کی نسبت بائبل میں بھی الفاظ موجود ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے یا خدا تھے حقیقی معنوں پر حمل کر لئے جاویں تو بیشک اس صورت میں ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ خدائے تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ بیٹے بھی بھیجا کرتا ہے بلکہ بیٹے کیا کبھی کبھی بیٹیاں بھی۔ اور بظاہر یہ دلیل تو عمدہ معلوم ہوتی ہے اگر حضرات عیسائی صاحبان اس کو پسند فرماویں اور کوئی اس کو توڑ بھی نہیں سکتا کیونکہ حقیقی غیر حقیقی کا تو وہاں کوئی ذکر ہی نہیں بلکہ بعض کو تو پہلوٹا ہی لکھ دیا۔

[1] المآئدة: ۷۶

ہاں اس صورت میں بیٹوں کی میزان بہت بڑھ جائے گی۔ غرض کہ اللہ جلّ شانہٗ نے سب سے پہلے ابطال الوہیت کے لئے یہی دلیل استقرائی پیش کی ہے۔ پھر بعد اس کے ایک اور دلیل پیش کرتا ہے وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ[1] یعنی والدہ حضرت مسیحؑ کی راستباز تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ کو اللہ جلّ شانہٗ کا حقیقی بیٹا فرض کر لیا جاوے تو پھر یہ ضروری امر ہے کہ وہ دوسروں کی طرح ایسی والدہ کے اپنے تولد میں محتاج نہ ہوں جو باتفاق فریقین انسان تھی کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر اور کھلی کھلی ہے کہ قانون قدرت اللہ جلّ شانہٗ کا اسی طرح پر واقع ہے کہ ہر ایک جاندار کی اولاد اس کی نوع کے موافق ہوا کرتی ہے مثلاً دیکھو کہ جس قدر جانور ہیں مثلاً انسان اور گھوڑا اور گدھا اور ہر ایک پرندہ وہ اپنی اپنی نوع کے لحاظ سے وجود پذیر ہوتے ہیں یہ تو نہیں ہوتا کہ انسان کسی پرندہ سے پیدا ہو جاوے یا پرند کسی انسان کے پیٹ سے نکلے۔ پھر ایک تیسری دلیل یہ پیش کی ہے۔ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ[2] یعنی وہ دونوں حضرت مسیحؑ اور آپ کی والدہ صدیقہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اب آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کیوں کھانا کھاتا ہے اور کیوں کھانا کھانے کا محتاج ہے۔ اس میں اصل بھید یہ ہے کہ ہمیشہ انسان کے بدن میں سلسلہ تحلیل کا جاری ہے یہاں تک کہ تحقیقات قدیمہ اور جدیدہ سے ثابت ہے کہ چند سال میں پہلا جسم تحلیل پا کر معدوم ہو جاتا ہے اور دوسرا بدن بدل ما یتحلل ہو جاتا ہے اور ہر ایک قسم کی جو غذا کھائی جاتی ہے اس کا بھی روح پر اثر ہوتا ہے کیونکہ یہ امر بھی ثابت شدہ ہے کہ کبھی روح جسم پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور کبھی جسم روح پر اپنا اثر ڈالتا ہے جیسے اگر روح کو یکدفعہ کوئی خوشی پہنچتی ہے تو اس خوشی کے آثار یعنی بشاشت اور چمک چہرہ پر بھی نمودار ہوتی ہے اور کبھی جسم کے آثار ہنسنے رونے کے روح پر پڑتے ہیں اب جب کہ یہ حال ہے تو کس قدر مرتبہ خدائی سے یہ بعید ہوگا کہ اپنے اللہ کا جسم بھی ہمیشہ اُڑتا رہے اور تین چار برس کے بعد اور جسم آوے ماسوا اس کے کھانے کا محتاج ہونا بالکل اس مفہوم کے مخالف ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی ذات میں مسلّم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ ان حاجتمندیوں سے بری نہیں تھے جو تمام انسان کو لگی ہوئی ہیں۔ پھر یہ ایک عمدہ دلیل اس بات کی ہے کہ وہ باوجود ان دردوں اور

﴿۱۰﴾

[1]، [2] المآئدة: ۷۶

دکھوں کے خدا ہی تھے یا ابن اللہ تھے اور درد ہم نے اس لئے کہا کہ بھوک بھی ایک قسم درد کی ہے اور اگر زیادہ ہو جائے تو موت تک نوبت پہنچاتی ہے۔

دستخط بحروف انگریزی دستخط بحروف انگریزی

غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

جواب از طرف مسٹر عبداللہ آتھم صاحب مسیحی

اگر یہ جناب کا قول صحیح ہے کہ ہر امر کی حقیقت تجربہ ہی پر مدار رکھتی ہے یعنی جو تجربہ کے برخلاف ہے وہ باطل ہے۔ تب تو ہم کو صفت خالقہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ہمارے تجربہ میں کوئی چیز خلق نہیں ہوتی اور آدم کا بغیر والدین پیدا ہونے کا بھی انکار کرنا پڑے گا اور ہم یہ نہیں جانتے کہ ایسا ہم کیوں کریں کیونکہ ناممکن مطلق ہم اس کو کہتے ہیں جو کوئی امر کسی صفت ربّانی کے مخالف ہو اور یہ چیزیں جو ہمارے تجربہ کے باہر ہیں مثلاً خلقت کا ہونا یعنی بلا سامان کے عدم سے وجود میں آنا اور آدم کا بخلاف سلسلہ موجودہ کے پیدا ہونا ہم کسی صفت مقدسہ خدائے تعالیٰ کے مخالف نہیں دیکھتے۔ ﴿۱۱﴾

دوم۔ بجواب آپ کے دوسرے مقدمہ کے آپ کو یقین ہونا چاہئے کہ ہم اس شے مرئی کو جو کھانے پینے وغیرہ حاجتوں کے ساتھ ہے اللہ نہیں مانتے بلکہ مظہر اللہ کہتے ہیں اور یہ ایک ایسا مقدمہ ہے جیسا قرآن میں بابت اس آگ کے جو جھاڑی میں نظر آتی تھی لکھا ہے کہ اے موسیٰ اپنے نعلین دور کر کیونکہ یہ وادی طویٰ ہے اور کہ میں تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا خدا ہوں موسیٰ نے اس کو تسلیم کیا۔ اب فرمایئے شے مرئی تو خدا نہیں ہوسکتی اور رویت مرئی تھی پس ہم اس کو مظہر اللہ کہتے ہیں۔ اللہ نہیں کہتے۔ ویسے ہی یسوع مخلوق کو ہم اللہ نہیں کہتے بلکہ مظہر اللہ کہتے ہیں۔ کیا یہ ستون جو خشت و خاک کا سامنے نظر کے ہے اس میں سے اگر خدا آواز دے کر کہنا چاہے کہ میں تمہارا خدا ہوں اور میری فلاں بات سنو۔ تو گو تجربہ کے برخلاف یہ امر ہے۔ تو کیا

امکان کے برخلاف ہے کہ خدا ایسا نہیں کرسکتا۔ (ہمارے نزدیک تو امکان کے برخلاف نہیں)۔

سوم۔ ہم نے ابن اللہ کو جسم نہیں مانا۔ ہم تو اللہ کو روح جانتے ہیں جسم نہیں۔

چہارم۔ امر کے بارہ میں ہماری التماس یہ ہے کہ بیشک تاویل طلب امر کو تاویل کرنا چاہئے لیکن حقیقت کو چاہئے کہ تاویل کو نہ بگاڑے۔ اگر کوئی حقیقت برخلاف امر واقعی کے ہے تو بالمرہ حکم بطلان کا اس پر دینا چاہئے نہ کہ بطلان کو مروڑ کے حق بنانا۔

پنجم۔ امر کے بارہ میں جناب کی خدمت میں واضح ہو کہ لفظ بیٹے اور پہلوٹھے کا بائیبل میں دو طرح پر بیان ہوا ہے یعنی ایک تو یہ کہ وہ یک تن ساتھ خدا کے ہو، دوم یہ کہ یک من ساتھ رضاءِ الٰہی کے ہو۔ (یک تن وہ ہے جو ماہیت میں واحد ہو۔ اور یک من وہ ہے جو ماہیت کا شریک نہیں بلکہ رضا کا شریک ہو)۔ کس نبی یا بزرگ کے بارہ میں بائیبل میں یہ لکھا ہے کہ اے تلوار میرے چرواہے اور ہمتا پر اٹھ (زکریا ۱۳-۷) اور پھر کس کے بارہ میں ایسا لکھا ہے کہ تخت داؤدی پر یہوداصدقنو آوے گا (یرمیا) اور کس نے یہ کہا کہ میں الفا اور میگا و قادر مطلق خداوند ہوں اور کس کے بارہ میں یہ لکھا گیا کہ میں جو حکمت ہوں قدیم سے خدا کے ساتھ رہتی تھی اور میرے وسیلہ سے یہ ساری خلقت ہوئی اور یہ کہ جو کچھ خلقت کا ظہور ہے اسی کے وسیلہ سے ہے خدا باپ کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن اکلوتے (خدا) نے اسے ظاہر کردیا (یوحنا ۱-۱۸) ﴿۱۲﴾

اب اس پر انصاف کیجیئے کہ یہ الفاظ متعلق یک تن کے ہیں یا یک من کے نیز یہ بھی ایک بات یاد رکھنے کے لائق ہے۔ یسعیاہ ۹-۶ میں کہ وہ جو بیٹا ہم کو بخشا جاتا ہے اور فرزند تولد ہوتا ہے وہ ان خطابوں سے مزیّن ہے یعنی خدائے قادر۔ اب ابدیت۔ شاہ سلامت۔ مشیر۔ عجوبہ۔ تخت داؤدی پر آنے والا جس کی سلطنت کا زوال کبھی نہ ہوگا۔

ششم جو آپ نے قرآن سے استدلال کیا ہے مجھے افسوس ہے کہ میں اب تک اس کے الہامی ہونے کا قائل نہیں جب آپ اس کو الہامی ثابت کر کے قائل کردیں گے تو اس کی سندات آپ ہی مانی جائیں گی۔

ہفتم۔ جناب من فطرت یا خلقت فعل الٰہی ہے اور الہام قول الٰہی فعل اور قول میں تناقص نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی کلام مبہم معلوم ہووے یا بادی النظر میں مشکل معلوم ہووے تو اس کی تاویل ہم معقولات ہی سے کریں گے ورنہ کہاں جائیں گے؟ چنانچہ جناب نے خود ہی فرمایا کہ امور تاویل طلب کی تاویل واجب ہے۔ اور جناب اس سے بھی بڑھ کر فرماتے ہیں کہ تجربہ کے برخلاف ہم کچھ نہ لیویں گے تو گویا یہ بھی رجوع کرنا طرف فطرت کے ہے جس کے ہم کلیۃً متفق نہیں ہیں۔

ہشتم۔ بجواب آٹھویں کے اتنی ہی عرض ہے کہ جہاں بیٹے حقیقی اور غیر حقیقی کی امتیاز بائبل میں نہ ہو تو ہماری عقل کو روک نہیں کہ ہم اس میں امتیاز نہ کریں اور دوسروں کے ساتھ بھی اگر یہی صفات ملحقہ ہوں جیسے مسیح کے ساتھ ہیں تو ہم ان کو بھی مسیح جیسا مان لیں گے۔

دستخط بحروف انگریزی ‏ ‏ ‏ ‏ دستخط بحروف انگریزی

ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان ‏ ‏ ‏ ‏ غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

﴿۱۳﴾

دوسرا پرچہ

مباحثہ ۲۳۔ مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ اور آج پادری جے ایل ٹھاکرداس صاحب بھی جلسہ میں تشریف لائے یہ تحریک پیش ہوئی اور باتفاق رائے منظور ہوئی کہ کوئی تحریر جو مباحثہ میں کوئی شخص اپنے طور پر قلمبند کرے قابل اعتبار نہ سمجھی جائے جب تک کہ اس پر ہر دو میر مجلس صاحبان کے دستخط نہ ہوں۔

اس کے بعد ۶ بجے ۳۰ منٹ اوپر مرزا صاحب نے اپنا سوال لکھانا شروع کیا اور ان کا جواب ختم نہ ہوا تھا کہ ان کا وقت گزر گیا۔ اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب اور میر مجلس عیسائی صاحبان کی طرف سے اجازت دی گئی کہ مرز صاحب اپنا جواب ختم کرلیں اور ۱۶ منٹ کے زائد عرصہ میں جواب ختم کیا بعدازاں یہ قرار پایا کہ مقررہ وقت سے زیادہ کسی کو نہ دیا جائے۔ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے آٹھ بجے ۱۱ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا۔ درمیان میں فہرست آیات کے پڑھے جانے کے متعلق تنازعہ میں صرف ہوا یعنی ۵ منٹ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کے وقت میں ایزاد کئے گئے۔ اور ۹ بجے ۱۶ منٹ پر جواب ختم ہوا۔

مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۷ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۱۰ بجے ۲۷ منٹ پر ختم ہوگیا۔ اور بعدازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کئے گئے اور تحریریں فریقین کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ھنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
ازجانب عیسائی صاحبان	ازجانب اہل اسلام

﴿۱۴﴾

بیان حضرت مرزا صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کل ۲۲۔ مئی ۱۸۹۳ء کو جو میں نے حضرت مسیحؑ کی الوہیت کے بارہ میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب سے سوال کیا تھا۔ اس میں قابل جواب نو[9] امر تھے سب سے پہلے میں نے یہ لکھا تھا کہ فریقین پر لازم و واجب ہوگا کہ اپنی اپنی الہامی کتاب کے حوالہ سے سوال و جواب تحریر کریں۔ پھر ساتھ ہی اس کے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ ہر ایک دلیل یعنی دلیل عقلی اور دعویٰ جس کی تائید میں وہ دلیل پیش کی جائے اپنی اپنی کتاب کے حوالہ اور بیان سے دیا جائے۔ میرا اس میں یہ مدعا تھا کہ ہر ایک کتاب کی اس طور سے آزمائش ہو جائے کہ ان میں یہ قوت اعجازی پائی جاتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں جو مثلاً قرآن کریم پر قریب تیرہ سو برس کے گذر گئے۔ جب وہ نازل ہوا تھا۔ ایسا ہی انجیل پر قریب انیس سو برس کے گذرتے ہیں۔ جب انجیل حواریوں کی تحریر کے مطابق شائع ہوئی۔ تو اس صورت میں صرف ان منقولات پر مدار رکھنا جو ان کتابوں میں لکھی گئی ہیں اس شخص کے لئے مفید ہوگا جو ان پر ایمان لاتا ہے اور ان کو صحیح سمجھتا ہے اور جو معنے ان کے کئے جاتے ہیں۔ ان معنوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں رکھتا۔ لیکن اگر معقولی سلسلہ اس کے ساتھ شامل ہو جاوے تو اس سلسلہ کے ذریعہ سے بہت جلد سمجھ آ جائے گا کہ خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور کامل اور زندہ کلام کون سا ہے سو میرا یہ مطلب تھا کہ جس کتاب کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فی حدّ ذاتہٖ کامل ہے اور تمام مراتب ثبوت کے وہ آپ پیش کرتی ہے تو پھر اسی کتاب کا یہ فرض ہوگا کہ اپنے اثبات دعاوی کے لئے دلائل معقولی بھی آپ ہی پیش کرے نہ یہ کہ کتاب پیش کرنے سے بالکل عاجز اور ساکت ہو اور کوئی دوسرا شخص کھڑا ہو کر اس کی حمایت کرے اور ہر ایک منصف بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس طریق کا التزام فریقین اختیار کر لیں تو احقاق حق اور ابطال باطل بہت سہولیت سے ہو سکتا ہے۔ میں امید

رکھتا تھا کہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب جو پہلے سے یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ انجیل درحقیقت ایک کامل کتاب ہے وہ اس دعوے کے ساتھ ضرور اس بات کو مانتے ہوں گے کہ انجیل اپنی دعاوی کو معقولی طور پر آپ پیش کرتی ہے۔ لیکن صاحب موصوف کے کل کے جواب سے مجھے بہت تعجب اور افسوس بھی ہوا کہ صاحب موصوف نے اس طرف ذرا توجہ نہیں فرمائی بلکہ اپنے جواب کی دفعہ ششم میں مجھ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ ''آپ نے قرآن سے جو استدلال کیا ہے مجھے افسوس ہے کہ میں اب تک اس کے الہامی ہونے کا قائل نہیں جب آپ اس کو الہامی ثابت کر کے قائل کر دیں گے تو اس کی سندات آپ ہی مانی جائیں گی''۔ اب ہر ایک سوچنے والا غور کر سکتا ہے کہ میرا یہ منشاء کب تھا کہ وہ ہر ایک بات قرآن شریف کی بے تحقیق مان لیں۔ میں نے تو یہ لکھا تھا یعنی میرا یہ منشاء تھا کہ دلائل عقلیہ جو فریقین کی طرف سے پیش ہوں وہ اپنے ہی خیالات کے منصوبوں سے پیش نہیں ہونی چاہئیں بلکہ چاہئے کہ جس کتاب نے اپنے کامل ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ دعویٰ بھی بہ تصریح ثابت کر دیا جاوے اور پھر وہی کتاب اس دعویٰ کے ثابت کرنے کے لئے معقولی دلیل پیش کرے اور اس طور کے التزام سے جو کتاب اخیر پر غالب ثابت ہو گی اس کا یہ اعجاز ثابت ہوگا۔ کیونکہ قرآن شریف صاف فرماتا ہے کہ میں کامل کتاب ہوں جیسا کہ فرماتا ہے اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ [1] (سیپارہ ۶ رکوع ۵) اور جیسا کہ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے اِنَّ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَھۡدِیۡ لِلَّتِیۡ ھِیَ اَقۡوَمُ [2] (سیپارہ ۱۵ رکوع ۱) دونوں آیتوں کا ترجمہ یہ ہے کہ آج میں نے دین تمہارا تمہارے لئے کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا۔ اور یہ قرآن ایک سیدھے اور کامل راہ کی طرف رہبری کرتا ہے یعنی رہبری میں کامل ہے اور رہبری میں جو لوازم ہونے چاہئیں دلائل عقلیہ اور برکات سماویہ میں سے وہ سب اس میں موجود ہیں اور حضرات عیسائی صاحبوں کا یہ خیال ہے کہ انجیل کامل کتاب ہے اور رہبری کے تمام لوازم انجیل میں موجود ہیں پھر جب کہ یہ بات ہے تو اب دیکھنا ضرور ہوا کہ اپنے دعویٰ میں صادق کون ہے۔ اسی بنا پر الوہیت حضرت مسیحؑ کے دلائل بھی جو معقولی طور پر ہوں انجیل سے پیش کرنے چاہئیں تھے جیسا کہ قرآن کریم نے ابطال الوہیت کے دلائل معقولی طور پر بھی علاوہ اور دلائل کے

﴿۱۵﴾

[1] المائدۃ : ۴ [2] بنی اسرائیل : ۱۰

جو برکات وغیرہ انوار سے اپنے اندر رکھتا ہے پیش کئے۔ سو اب امید کہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ہمارے سوال کا منشاء سمجھ گئے ہوں گے تو چاہئے کہ اس منشاء کے مطابق انجیل کی طاقت اور قوت سے ایسے دلائل پیش کئے جائیں نہ اپنی طرف سے اور جو شخص ہم فریقین میں سے اپنی طرف سے کوئی معقولی دلیل یا کوئی دعویٰ پیش کرے گا تو ایسا پیش کرنا اس کا اس بات پر نشان ہوگا کہ اس کی وہ کتاب کمزور ہے اور وہ طاقت اور قوت اپنے اندر نہیں رکھتی جو کامل کتاب میں ہونی چاہئے۔ لیکن یہ جائز ہوگا کہ اگر کوئی کتاب کسی معقولی دلیل کو اجمالی طور پر پیش کرے مگر ایسے طور سے کہ اس کا پیش کرنا کوئی امر مشتبہ نہ ہو اور اسی کے سیاق سباق اور اسی کے اور دوسرے مقامات سے پتہ مل سکتا ہو کہ اس کا یہی منشاء ہے کہ ایسی دلیل پیش کرے کہ گو وہ دلیل اجمالی ہو مگر ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ عوام کے سمجھانے کے لئے کچھ بسط کے ساتھ اس دلیل کے مقدمات بیان کر دیوے لیکن یہ ہرگز جائز نہیں ہوگا کہ اپنی طرف سے کوئی دلیل تراش خراش کر کے الہامی کتاب کی ایسے طور سے مدد دی جائے کہ جیسے ایک کمزور اور بے طاقت انسان کو یا ایک میت کو اپنے بازو اور اپنے ہاتھ کے سہارے چلایا جائے۔ پھر بعد اس کے استقراء کے بارے میں جو مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جرح کیا ہے وہ جرح بھی قلت تدبر کی وجہ سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ قول یعنی دلیل استقراء صحیح سمجھی جائے جو قرآن کریم پیش کرتا ہے تو پھر آدم کا بغیر والدین پیدا ہونا قابل تسلیم نہیں ہوگا اور صفت خالقہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ افسوس کہ صاحب موصوف اس بات کے سمجھنے سے غافل رہے کہ دلائل استقرائیہ میں یہی قاعدہ مسلم الثبوت ہے کہ جب تک اس حقیقت ثابت شدہ کے مقابل پر جو بذریعہ دلیل استقرائی کے ثابت ہو چکی ہے کوئی امر اس کا مخالف اور مبائن پیش نہ کیا جائے جس کا ظاہر ہونا بھی بہ پایہ ثبوت پہنچ چکا ہے تب تک دلیل استقرائی ثابت اور برقرار رہے گی مثلاً انسان کا ایک سر ہوتا ہے اور دو آنکھ۔ تو اس کے مقابل پر صرف اس قدر کہنا کافی نہیں ہوگا کہ ممکن ہے کہ دنیا میں ایسے آدمی بھی موجود ہوں جن کے دس سر اور بیس آنکھ ہوں بلکہ ایسا انسان کہیں سے پکڑ کر دکھلا بھی دینا چاہئے۔ اس بات میں فریقین میں سے

﴿۱۶﴾

کس کو انکار ہے کہ حضرت آدمؑ بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے اور ان کی نسبت سنت اللہ اسی طرح پر ثابت ہو چکی ہے۔ لیکن امر متنازعہ فیہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو فریقین کے نزدیک مسلّم اور ثابت شدہ قرار پائی ہو بلکہ فریق مخالف حضرات عیسائیوں کے جو کتاب ہے یعنی **قرآن کریم** وہ آپ سے یہ بات پیش کرتا ہے کہ دلیل استقرائی سے یہ امر باطل ہے۔ اب اگر یہ دلیل تام اور کامل نہیں ہے تو چاہئے کہ انجیل میں سے یعنی حضرت مسیحؑ کے کلام میں سے اس کے مخالف کوئی دلیل پیش کی جائے جس سے ثابت ہو کہ یہ دلیل پیش کردہ قرآن کی یہ ضعف رکھتی ہے اور خود ظاہر ہے کہ اگر دلائل استقرائیہ کو بغیر پیش کرنے نظیر مخالف کے یونہی رد کر دیا جائے تو تمام علوم وفنون ضائع ہو جائیں گے اور طریق تحقیق بند ہو جائے گا۔ مثلاً میں مسٹر عبداللہ آتھم صاحب سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ کسی اپنے ملازم کو ایک ہزار روپیہ بطور امانت کے رکھنے کو دیں اور وہ روپیہ صندوق میں بند ہو اور تالی اس کی اس ملازم کے پاس ہو اور کوئی صورت اور کوئی شبہ چوری (ہو) جانے مال کا نہ ہو اور وہ آپ کے پاس یہ عذر پیش کرے کہ حضرت وہ روپیہ پانی ہو کر بہہ گیا ہے یا ہوا ہو کر نکل گیا ہے تو کیا آپ یہ اس کا عذر قبول کر لیں گے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی امر صفات الٰہیہ کے مخالف نہ پڑے تب تک ہم اس کو جائز اور ممکن کی ہی مد میں رکھیں گے۔ مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ ایک مدت تک عہدہ اکسٹرا اسسٹنٹی پر مامور رہ کر مقدمات دیوانی وفوجداری وغیرہ کرتے رہے ہیں۔ کیا اس عجیب طرز کا بھی کوئی مقدمہ آپ نے کیا ہے کہ ایسے بے ہودہ عذر کو قابلِ اطمینان عدالت قرار دے کر فریق عذر کنندہ کے حق میں ڈگری کر دی ہو۔ حضرات آپ پھر ذرا توجہ سے غور کریں کہ یہ بات ہرگز درست نہیں ہے کہ جو شخص دلائل استقرائیہ کے برخلاف کوئی امر جدید اور خلاف دلائل استقراء پیش کرے تو اس امر کو بدوں اس کے کہ وہ نظائر سے ثابت کر دیا جائے قبول کر لیں اور یہ نظیر جو آپ نے پیش کی ہے کہ اس صورت میں ہم کو صفت خالقہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ میں حیران ہوں کہ یہ دلیل کیوں پیش کی ہے اور اس محل سے اس دلیل کو تعلق ہی کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں اور مسلمانوں اور عیسائیوں کا اس

﴿۱۷﴾

بات پر اتفاق ہے کہ صفات الٰہیہ جو اس کے افعال سے متعلق ہیں یعنی خلق وغیرہ سے وہ اپنے مفہوم میں قوت عموم کی رکھتی ہے یعنی ان کی نسبت یہ مان لیا گیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ ابدی ازلی طور پر ان صفات سے کام لے سکتا ہے۔ مثلاً حضرت آدمؑ کو جو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا ہے تو کیا ہم فریقین میں کوئی اپنی کتاب کی رو سے ثبوت دے سکتا ہے کہ اس طرز کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت جو استقراء سے ثابت ہے اس حد تک ختم ہو چکی ہے۔ بلکہ فریقین کی کتابیں اس بات کو ظاہر کر رہی ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے جو کچھ پیدا کیا ہے ایسا ہی وہ پھر بھی پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ ؕ؃ بَلٰی ٭ وَہُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ۔ اِنَّمَاۤ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۔ فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ [1] (س۲۳ ر۴) کیا وہ جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ ان تمام چیزوں کی مانند اور چیزیں بھی پیدا کرے بیشک قادر ہے اور وہ خلاق علیم ہے یعنی خالقیت میں وہ کامل ہے اور ہر ایک طور سے پیدا کرنا جانتا ہے۔ حکم اس کا اس سے زیادہ نہیں کہ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہو پس ساتھ ہی وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔ پھر ایک دوسرے مقام میں فرماتا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۔[2] یعنی تمام محامد اللہ کے لئے ثابت ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے یعنی اس کی ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے۔ پھر ایک اور مقام میں فرماتا ہے وَہُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُ [3] یعنی وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے اور ڈپٹی عبداللہ صاحب نے جو چند پیشگوئیاں اپنے تائید دعویٰ میں پیش کی ہیں وہ ہماری شرط سے بالکل مخالف ہیں۔ ہماری شرط میں یہ بات داخل ہے کہ ہر ایک دعویٰ اور دلیل اس کی الہامی کتاب آپ پیش کرے۔ ماسوا اس کے ڈپٹی صاحب کو اس بات کی خوب خبر ہے کہ یہ پیشگوئیاں صرف زبردستی کی راہ سے حضرت مسیحؑ پر جمائی جاتی ہیں اور ایسے طور کی یہ پیشگوئیاں نہیں ہیں کہ اول حضرت مسیحؑ نے آپ پوری پیشگوئی نقل کر کے ان کا مصداق

﴿۱۸﴾

[1] یٰسٓ:۸۲ تا ۸۴ [2] الفاتحۃ:۲ تا ۴ [3] یٰسٓ:۸۰

اپنے تئیں ٹھہرایا ہو اور مفسرین کا اس پر اتفاق بھی ہو اور اصل عبری زبان سے اسی طور سے ثابت ہوتی ہوں سو یہ بار ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ جب تک آپ اس التزام کے ساتھ اس کو ثابت نہ کر دیں تب تک یہ بیان آپ کا ایک دعوے کے رنگ میں ہے جو خود دلیل کا محتاج ہے۔ چونکہ ہمیں ان پیشگوئیوں کی صحت اور پھر صحت تاویل اور پھر صحت ادعاء مسیحؑ میں آپ کے ساتھ اتفاق نہیں ہے اور آپ مدعی صحت ہیں تو یہ آپ پر لازم ہوگا کہ آپ ان مراتب کو مصفّا اور منقح کر کے ایسے طور سے دکھلاویں کہ جس سے ثابت ہو جائے کہ ان پیشگوئیوں کی تاویل میں یہودی جو اصل وارث توریت کے کہلاتے ہیں وہ بھی آپ کے ساتھ ہیں اور کل مفسر بھی آپ کے ساتھ ہیں اور حضرت مسیحؑ نے بھی تمام پیشگوئیاں جو آپ ذکر کرتے ہیں بحوالہ کتاب و باب و آیت پورے طور پر بیان کر کے اپنی طرف منسوب کی ہیں اور آپ کی رائے کے مخالف آج تک کسی وارث توریت نے اختلاف بیان نہیں کیا اور صاف طور پر حضرت مسیحؑ ابن مریم کے بارہ میں جن کو آپ خدائی کے رتبہ پر قرار دیتے ہیں قبول کر لیا ہے ﴿۱۹﴾ اور ان کے خدا ہونے کے لئے یہ ثبوت کافی سمجھ لیا ہے تو پھر ہم اس کو قبول کر لیں گے اور بڑے شوق سے آپ کے اس ثبوت کو سنیں گے۔ لیکن اس نازک مسئلہ کی زیادہ تصریح کے لئے پھر یاد دلاتا ہوں کہ آپ جب تک ان تمام مراتب کو جو میں نے لکھے ہیں بغیر کسی اختلاف کے ثابت کر کے نہ دکھلاویں اور ساتھ ہی یہود کے علماء کی شہادت ان پیشگوئیوں کی بناء پر حضرت ابن مریم کے خدا ہونے کے لئے پیش نہ کریں۔ تب تک یہ قیاسی ڈھکوسلے آپ کے کسی کام نہیں آ سکتے۔ دوسرا حصہ اس کا جواب الجواب میں بیان کیا جائے گا۔ اب وقت تھوڑا ہے۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

جواب از طرف مسٹر عبداللہ آتھم صاحب مسیحی

اوّل۔ بجواب آپ کے اے مرزا صاحب میرے مکرّم! میں لفظ **استقراء** کی شرح کا آپ سے طلب گار ہوں۔ کیا اس کی مراد تجربہ یا معمول سے نہیں جو اس کے سوا ہو وہ فرما دیجئے۔

دوم۔ آپ کے دوسرے مقدمہ میں جو آپ فرماتے ہیں کہ الہام شرح اپنی آپ ہی کرے اور اس کو محتاج معقولات کا نہ کیا جائے۔ بہت سا حصہ صحیح ہے مگر سمجھنے کے واسطے الہام اور عقل کی وہی تشبیہ ہے جو آنکھ اور روشنی کی ہے۔ روشنی ہو اور آنکھ نہ ہو تو فائدہ نہیں ہے۔ آنکھ گو ہو اور روشنی نہ ہو تب بھی فائدہ نہیں۔ سمجھنے کے واسطے عقل درکار ہے اور جس امر کو سمجھیں وہ چاہئے کہ الہامی ہو۔ مراد میری یہ ہے کہ وہ امر جو مد نہیں پاتا الہام سے اور صرف انسانی خیال کی گھڑت ہو وہ البتہ الہام میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ مگر جو الہام میں ہے اور شمع الہامی نیچے رکھی ہوئی ہے تو اس کے واسطے عقل انسانی شمعدان ہو سکتی ہے؟

امر سوم۔ جناب یہودیوں کا اتفاق ہم سے کیوں طلب کرتے ہیں جب کہ لفظ موجود ہیں اور لغت موجود ہے اور قواعد موجود ہیں خود معنی کر لیں جو معنی بن سکیں وہ ٹھیک ہیں۔ لفظ بلفظ کا میں ذمّہ نہیں اٹھا سکتا۔ مگر بالا جمال ساری نبوّتوں کو اس مقدمہ میں مسیح نے اپنے اوپر لیا ہے۔ چنانچہ یوحنا کے ۵ باب ۳۹ آیت میں اور لوقا کے ۲۴ باب ۲۷ آیت میں یہ امر مشرّح ہے۔ یوحنا۔ تم نوشتوں میں ڈھونڈھتے ہو کیونکہ تم گمان کرتے ہو کہ ان میں تمہارے لئے ہمیشہ کی زندگی ہے اور یہ وے ہی ہیں جو مجھ پر گواہی دیتے ہیں اور موسیٰ اور سب نبیوں سے شروع کر کے وہ باتیں جو سب کتابوں میں اس کے حق میں ہیں ان کے لئے تفسیر کیں۔ ﴿۲۰﴾

ماسوا اس کے بعض خاص نبوتیں بھی مسیح پر نوشتوں میں لگائی گئی ہیں۔ چنانچہ متی کے ۲۶ باب ۳۱ آیت میں اس پیش خبری کا جو بابت ہمتا کے ہے حوالہ دیا گیا۔ **علیٰ ھٰذا القیاس** بہت سی اور بھی مثالیں ہیں جن کی فہرست ذیل میں دے دیتا ہوں:۔

یسعیا ۶ باب ۱ سے ۱۲ بمقابلہ یوحنّا ۱۲ باب ۴۰، ۴۱۔ اعمال ۲۸ باب ۲۶۔ پھر یسعیا ۴۰ باب ۳ ملاکی ۳ باب ۱ بمقابلہ متی ۳ باب ۳۔ زکریا ۱۲ باب ۱۰ بمقابلہ یوحنّا ۱۹ باب ۳۷۔ یرمیا ۳۱ باب ۳۱۔ ۳۴ بمقابلہ عبرانی ۸ باب ۶ سے ۱۲۔ عبرانی ۱۰ باب ۱۲ سے ۱۹۔ خروج ۱۷ باب ۲ گنتی ۲۰ باب ۳ و ۴ گنتی ۲۱ باب ۴ و ۵۔ استثنا ۶ باب ۱۶۔ یہ چاروں مقام بمقابلہ پہلا قرنتی ۱۰ باب ۹ سے ۱۱۔ یسعیا ۴۱ باب ۴ و ۴۴ باب ۶ بمقابلہ مکاشفات ۱/۸۔۱۱۔۱۷ و ۲/۸ و ۲۱/۶ و ۲۲/۱۳ و یوئیل ۲/۳۲ بمقابلہ رومی ۱۰/۹سے۱۴ و یسعیا ۷/۱۴ و ۸/۱۰ بمقابلہ متی ۱/۲۳

زبان عبرانی سے جس امر کی آپ گرفت کریں موجود ہے ابھی پیش کیا جائے گا۔

چوتھا۔ لفظ کمال کی جو جناب گرفت فرماتے ہیں کہ انجیل درخود کامل ہونی چاہئے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کس امر میں کامل۔ کیا سنار کے کام میں لوہار کے کام میں؟ یہ تو دعویٰ ہی ان کتابوں کا نہیں۔ مگر راہ نجات کے دکھلانے کے کام میں یہ دعویٰ ان کا ہے۔ انجیل نے جو اس باب میں اپنا کمال دکھلایا وہ ہم پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ’’آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا جس سے ہم نجات پا سکیں سوائے مسیح کے‘‘۔

اور رومیوں کے خط میں لکھا ہے اگر نجات فضل سے ہے تو عمل نہیں و اگر نجات عمل سے ہے تو فضل فضل نہیں۔ اس سے پھر وہی امر ثابت ہوا کہ مسیح نے خود کہا کہ ’’راہ حق اور زندگی مَیں ہی ہوں‘‘ (یوحنا ۱۴ باب ۶)۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ کلام الٰہی میں اکثر خداوند یہ فرمایا کرتا ہے کہ مَیں ہی ہوں۔ مَیں ہوں۔ اور اس کا ایماء اس نام پر ہے جو موسیٰ سے خدا نے کہا کہ میرا نام میں ہوں۔ سو ہوں اور اس نام سے میں پہلے معروف نہ تھا۔ یہ تجھ کو جتایا جاتا ہے۔ (خروج ۳ باب ۱۴ آیت) ﴿۲۱﴾

(قلت وقت کے سبب جواب ناتمام رہا)

(دستخط بحروف انگریزی) ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

(دستخط بحروف انگریزی) غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بقیہ بیانِ جواب حضرت مرزا صاحب

میرا جواب جو نا تمام رہ گیا تھا اب بقیہ حصہ اس کا لکھواتا ہوں۔ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب فرماتے ہیں ’’جو ہم جسمانی چیز کو جو مظہر اللہ تھی اللہ نہیں مانتے اور ہم نے ابن اللہ کو جسم نہیں مانا۔ ہم تو اللہ کو روح جانتے ہیں‘‘۔ صاحب موصوف کا یہ بیان بہت پیچیدہ اور دھوکہ دینے والا ہے۔ صاحب موصوف کو صاف لفظوں میں کہنا چاہئے تھا کہ ہم حضرت عیسٰیؑ کو خدا جانتے ہیں اور ابن اللہ مانتے ہیں کیونکہ یہ بات تو ہر ایک شخص سمجھتا اور جانتا ہے کہ جسم کو ارواح کے ساتھ ایسا ضروری تلازم نہیں ہے کہ تا جسم کو حصہ دار کسی شخص کا ٹھہرایا جائے مثلاً انسان کو جو ہم انسان جانتے ہیں تو کیا بوجہ اس کے ایک خاص جسم کے جو اس کو حاصل ہے انسان سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ خیال تو ببداہت باطل ہے کیونکہ جسم ہمیشہ معرض تحلل میں پڑا ہوا ہے چند برس کے بعد گویا پہلا جسم دور ہو کر ایک نیا جسم آجاتا ہے اس صورت میں حضرت مسیحؑ کی کیا خصوصیت ہے۔ کوئی انسان بھی باعتبار جسم کے انسان نہیں ہے بلکہ باعتبار روح کے انسان کہلاتا ہے۔ اگر جسم کی شرط ضروری ہوتی تو چاہئے تھا کہ مثلاً زید جو ایک انسان ہے ساٹھ برس کی عمر پانے کے بعد زید نہ رہتا بلکہ کچھ اور بن جاتا کیونکہ ساٹھ برس کے عرصہ میں اس نے کئی جسم بدلے۔ یہی حال حضرت مسیحؑ کا ہے جو جسم مبارک ان کو پہلے ملا تھا جس کے ساتھ انہوں نے تولد پایا تھا وہ تو نہ کفارہ ہو سکا اور نہ کسی کام آیا۔ بلکہ قریباً تیس برس کے ہو کر انہوں نے ایک اور جسم پایا اور اسی جسم کی نسبت خیال کیا گیا کہ گویا وہ صلیب پر چڑھایا گیا اور پھر ہمیشہ کے لئے خدا تعالیٰ کے داہنے ہاتھ روح کے ساتھ شامل ہو کر بیٹھا ہے۔ اب جب کہ صاف اور صریح طور پر ثابت ہے کہ جسم کو روح کی صفات اور القاب سے کچھ تعلق نہیں اور انسان ہو یا حیوان ہو وہ باعتبار اپنی روح کے انسان یا حیوان کہلاتا ہے اور جسم ہر وقت معرض تحلل میں ہے تو اس صورت میں اگر حضرات عیسائی صاحبان کا یہی عقیدہ ہے کہ مسیح درحقیقت خدا تعالیٰ ہے۔ تو مظہر اللہ کہنے

﴿۲۲﴾

کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہم انسان کو مظہر انسان کہا کرتے ہیں۔ ایسا ہی اگر حضرت مسیحؑ کی روح انسانی روح کی سی نہیں ہے اور انہوں نے مریم صدیقہ کے رحم میں اس طریق اور قانون قدرت سے روح حاصل نہیں کی جس طرح انسان حاصل کرتے ہیں۔ اور جو طریق طبابت اور ڈاکٹری کے ذریعہ سے مشاہدہ میں آچکا ہے۔ تو اول تو یہ ثبوت دینا چاہئے کہ ان کے جنین کا نشوونما پانا کسی نرالے طریق سے تھا اور پھر بعد اس کے اس عقیدہ کو چھپ چھپ کر خوفزدہ لوگوں کی طرح اور پیراؤں اور رنگوں میں کیوں ظاہر کریں۔ بلکہ صاف کہہ دینا چاہئے کہ ہمارا خدا مسیح ہے اور کوئی دوسرا خدا نہیں ہے جس حالت میں خدا اپنی صفات کاملہ میں تقسیم نہیں ہوسکتا اور اگر اس کی صفات تامہ اور کاملہ میں سے ایک صفت بھی باقی رہ جائے تب تک خدا کا لفظ اس پر اطلاق نہیں کرسکتے۔

تو اس صورت میں میری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ **تین** کیونکر ہوگئے۔ جب آپ صاحبوں نے اس بات کو خود مان لیا اور تسلیم کرلیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے ضروری ہے کہ وہ **مستجمع** جمیع صفات کاملہ ہو تو اب یہ تقسیم جو کی گئی ہے کہ ابن اللہ کامل خدا۔ اور باپ کامل خدا۔ اور روح القدس کامل خدا اس کے کیا معنے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ یہ تین نام رکھے جاتے ہیں۔ کیونکہ تفریق ناموں کی اس بات کو چاہتی ہے کہ کسی صفت کی کمی وبیشی ہو۔

مگر جب کہ آپ مان چکے کہ کسی صفت کی کمی وبیشی نہیں تو پھر وہ تینوں اقنوم میں ما بہ الامتیاز کون ہے جو ابھی تک آپ لوگوں نے ظاہر نہیں فرمایا۔ جس امر کو آپ ما بہ الامتیاز قرار دیں گے وہ بھی منجملہ صفات کاملہ کے ایک صفت ہوگی جو اس ذات میں پائی جانی چاہئے جو خدا کہلاتا ہے۔ اب جب کہ اس ذات میں پائی گئی جو خدا قرار دیا گیا تو پھر اس کے مقابل پر کوئی اور نام تجویز کرنا یعنی ابن اللہ کہنا یا روح القدس کہنا بالکل لغو اور بے ہودہ ہو جائے گا۔

آپ صاحب اس میرے بیان کو خوب سوچ لیں کیونکہ یہ دقیق مسئلہ ہے ایسا نہ ہو کہ جواب لکھنے کے وقت یہ امور نظر انداز ہو جائیں۔ خدا وہ ذات ہے جو مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے اور غیر کا محتاج نہیں اور اپنے کمال میں دوسرے کا محتاج نہیں اور جو مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے

﴿۲۳﴾

دفعہ ۲ میں موسیٰ کی جھاڑی کی تمثیل پیش کی ہے۔ یہ محل متنازعہ فیہ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی۔ صاحب موصوف مہربانی فرما کر قرآن کریم سے ثابت کر کے دکھلاویں کہ کہاں لکھا ہے کہ وہ آگ ہی خدا تھی یا آگ ہی میں سے آواز آئی تھی۔ بلکہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں صاف فرماتا ہے۔ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [1] (سورۂ نمل س۱۹۔ ر۱۶) یعنی جب موسیٰ آیا تو پکارا گیا کہ برکت دیا گیا ہے جو آگ میں ہے اور جو آگ کے گرد ہے اور اللہ تعالیٰ پاک ہے تجسم اور تحیز سے اور وہ رب ہے تمام عالموں کا۔ اب دیکھئے اس آیت میں صاف فرمادیا کہ جو آگ میں ہے اور جو اس کے گرد میں ہے اس کو برکت دی گئی۔ اور خدا تعالیٰ نے پکار کر اس کو برکت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ میں وہ چیز تھی جس نے برکت پائی نہ کہ برکت دینے والا۔ وہ تو نــــودی کے لفظ میں آپ اشارہ فرما رہا ہے کہ اس نے آگ کے اندر اور گرد کو برکت دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آگ میں خدا نہیں تھا اور نہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے بلکہ اللہ جلّ شانہٗ اس وہم کا خود دوسری آیت میں ازالہ فرماتا ہے وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی خدا تعالیٰ اس حلول اور نزول سے پاک ہے وہ ہر ایک چیز کا ربّ ہے۔

اور اسی طرح خروج ۳ باب آیت ۲ میں لکھا ہے کہ اس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلے میں سے اس پر ظاہر ہوا۔ اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب جو تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن میں اس موقعہ پر یہ بھی لکھا ہے۔ ''میں تیرے باپ اسحاقؑ اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کا خدا ہوں''۔ یہ بیان سراسر خلاف واقع ہے۔ قرآن میں ایسا کہیں نہیں لکھا۔ اگر صاحب موصوف کے حوالجات کا ایسا ہی حال ہے کہ ایک خلاف واقعہ امر جرأت کے ساتھ تحریر فرمادیتے ہیں تو پھر وہ حوالجات جو توریت اور انجیل کے تحریر فرمائے ہیں وہ بھی کتابیں پیش کر کے ملاحظہ کے لائق ہوں گی۔

اور پھر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ توریت میں مسیح کو یک تن اور انبیاء کو یک من کر کے لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ توریت میں نہ تو کہیں یک تن کا لفظ ہے اور نہ یک من کا۔ صاحب موصوف کی بڑی مہربانی ہوگی کہ بتشریح توریت کے رو سے ثابت کریں کہ توریت نے جب دوسرے انبیاء کا

[1] النمل: ۹

نام ابناء اللہ رکھا تو اس سے مراد یک من ہونا تھا۔ اور جب مسیح علیہ السلام کا نام ابن اللہ کہا۔ تو اس کا لقب یک تن رکھ دیا۔ میری دانست میں تو اور انبیاء حضرت مسیح علیہ السلام سے اس القاب یابی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیحؑ خود اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے ابن اللہ کہنے میں تم کیوں رنجیدہ ہو گئے یہ کونسی بات تھی زبور میں تو لکھا ہے کہ تم سب الٰہ ہو۔ ﴿۲۴﴾

حضرت مسیحؑ کے اپنے الفاظ جو یوحنا ۱۰ باب ۳۵ میں لکھے ہیں یہ ہیں کہ میں نے کہا تم خدا ہو جبکہ اس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اب منصف لوگ اللہ تعالیٰ سے خوف کر کے ان آیات پر غور کریں کہ کیا ایسے موقعہ پر کہ حضرت مسیحؑ کی ابنیت کے لئے سوال کیا گیا تھا حضرت مسیحؑ پر یہ بات فرض نہ تھی کہ اگر وہ حقیقت میں ابن اللہ تھے تو انہیں یہ کہنا چاہئے تھا کہ دراصل خدا تعالیٰ کا بیٹا ہوں اور تم آدمی ہو۔ مگر انہوں نے تو ایسے طور سے الزام دیا جسے انہوں نے مہر لگا دی کہ میرے خطاب میں تم اعلیٰ درجہ کے شریک ہو مجھے تو بیٹا کہا گیا اور تمہیں خدا کہا گیا۔

پھر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ توریت میں اگرچہ دوسروں کو بھی بیٹا کہا گیا ہے مگر مسیحؑ کی بہت بڑھ کر تعریفیں کی گئی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعریفیں مسیح کے حق میں اس وقت قابل اعتبار سمجھی جائیں گی جس وقت ہماری شرائط پیش کردہ کے موافق اس کو ثابت کر دو گے۔ اور دوسری یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام یوحنا ۱۰ باب میں آپ کی تاویل کے مخالف اور ہمارے بیان کے موافق ہیں۔ اور یہ خیالات آپ کے حضرت مسیح علیہ السّلام نے خود ردّ فرما دیئے ہیں۔

بقیہ کا جواب آپ کے جواب کے بعد لکھا جائے گا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر۔ فصیح	**ہنری مارٹن کلارک**
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

﴿۲۵﴾

تیسرا پرچہ

مباحثہ ۲۴۔ مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

آج سولہ منٹ اوپر چھ بجے مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے اپنا جواب لکھانا شروع کیا اور سولہ منٹ اوپر سات بجے ختم ہوا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ مرزا صاحب نے سات بجے پچاس منٹ اوپر جواب لکھانا شروع کیا اور آٹھ بجے چھیالیس منٹ پر ختم کیا اور پھر بلند آواز سے سنا دیا گیا۔

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے نو بجے پچیس منٹ پر شروع کیا اور دس بجے پچیس منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کئے گئے اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دی گئیں۔ بعد ازاں چند ایک تجاویز صورت مباحثہ کے تبدیل کرنے کے متعلق پیش ہوئیں مگر سابقہ صورت ہی بحال رہی۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

مورخہ ۲۴۔ مئی ۱۸۹۳ء از جانب
ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

اول میں خوش ہوا یہ سن کر کہ پیدائش آدم وحوّا میں دلیل استقراء نہیں لگ سکتی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قاعدہ عامہ میں استثنا جائز ہے۔

﴿۲۶﴾

اوّل ۔ جناب جوفرماتے ہیں کہ مسیح کا جسم زوال پذیر تھا۔اس واسطے نہ وہ کفارہ ہوسکا اور نہ کسی کام آیا اس کے جواب میں عرض ہے کہ ہم انسانی جسم مسیح کو مسیح قرار نہیں دیتے مگر سارا وجود انسانی جو گناہ سے پاک تھا اور سوائے گناہ کے اور سب باتوں میں ہمارے مساوی اور مخلوق تھا اور ماسوائے انسانیت کے وہ مظہر اللہ بھی تھا یعنی جائے ظہور اللہ کا جس پاک انسانیت میں بار گناہاں سب کا اپنے اوپر اٹھالیا اور اقنوم ثانی اللہ نے وہ بار اٹھوا دیا۔اور یوں معاوضہ گناہاں کا ہوکر کفارہ پورا ہوگیا پھر وجود ثانی کے قائم ودائم رہنے کی کیا ضرورت تھی۔

دوم۔آپ کا دوسرا اعتراض مسیح خدا تعالیٰ ہے تو مظہر اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کیا انسان کو مظہر انسان کہا کرتے ہیں۔ جواب۔ مسیح انسان کو اس کی الوہیت متعلقہ کے مشابہ کیوں کرتے ہیں انسان میں تو جسم علیحدہ چیز ہے اور روح علیحدہ چیز ہے اور جان ایک علیحدہ شے ہے۔چنانچہ روح وہ شے ہے جس کے متعلق صفات علم اور ارادہ کے ہیں۔جسم وہ شے ہے جس میں نہ علم ہے نہ ارادہ ہے۔ جان وہ قانون ہے جو نباتات میں بھی غذا کو بذریعہ رگ وریشہ کے پہنچاتی ہے لیکن خدا یا مظہر اللہ ان ساری علل سے علیحدہ ہے اور وہ قائم فی نفسہ ہے۔

سوم۔ جناب میرزا صاحب کے خیال میں مسیح کی روح قانون قدرت کے موافق مریم سے حاصل ہوئی تھی اسی لئے وہ خدا نہیں ہوسکتے۔بجواب اس کے عرض ہے کہ مسیح کی انسانی روح اگرچہ قانون قدرت کے موافق نہیں پیدا ہوئی تاہم خلقیت میں مساوی ہے اور اشتقاق روح کا دوسری روح سے نہیں ہوتا جو مریم سے شق ہو کے وہ روح آئی ہو کیونکہ روح جو ہر فرد ہے اور کسی قانون اور آئین کا نام نہیں بلکہ شے جمع صفات وتعریف شخص کی ہے تو پھر آپ یوں کیوں فرماتے ہیں کہ مسیح کی روح مریم سے حاصل ہوئی تھی۔ کیوں نہ اس کو کہیں کہ نئی مخلوق ہوئی تھی۔ اور ماسوا اس کے الوہیت سے اس بات کا کیا علاقہ ہے۔ہم تو بار بار کہہ چکے کہ مظہر اللہ ماسوا اس کے انسانیت کی ہے۔

چہارم۔ جناب کا سوال ہے کہ خدا منقسم نہیں ہوسکتا پھر تین خدا کیونکر ہوئے اور اس تقسیم کی امتیاز کی بناء کیا ہے۔بجواب اس کے عرض ہے کہ ہم یوں کہتے ہیں کہ تثلیث کا سِر صورت واحدہ

میں تو ایک ہے اور صورت ثانی میں تین ہیں اس کو ہم مشرح آئندہ تمہید میں کریں گے۔

صفت بے نظیری کی صفت بے حدی سے نکلی ہے کیونکہ بے نظیر مطلق وہ شے ہو سکتی ہے جو امکان تک نظیر کا مٹا ڈالے اور یہ امکان تب مٹ سکتا ہے کہ جب مکان گنجائش نظیر کا مٹ سکے یعنی وہ شے بے حد بھی ہو جس کے بارہ میں کہا جا سکتا ہے کہ قدامت اور ماہیت بے حدی اور بے نظیری کی واحد ہے۔ کیونکہ نہیں کہہ سکتے کہ بے نظیری بے حدی سے کب نکلی اور کہاں رہتی ہے۔ کیونکہ وہ بے حدی سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ پس اس نظیر سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک شے بمثل بے حدی کے قائم فی نفس ہے اور دوسری شے بمثل بے نظیری کے لازم اور ملزوم ساتھ اس بیحدی کے ہے اور خوب غور سے دیکھ لینا چاہیئے کہ ان دونوں صفتوں میں ایک تمہید ایسی واقع ہے جس کو بداہت کہا جاوے تو یہ ہر دو ایک صورت میں تو ایک سی ہیں اور دوسری صورت میں متفرق جیسے مثال ہم نے دو صفات سے دی ہے تو یہ صفات بجائے اجزاء شے ہونے کے حاوی بر کُل شئ ہیں۔ ایسا ہی جس کو ہم کہتے ہیں خدائے اب اور وہ بمثل بے حدی کے قائم فی نفسہٖ ہے اور جن کو ہم کہتے ہیں۔ ابن و روح القدس وہ لازم و ملزوم ساتھ خدائے اب کے ہیں۔

اب ہم نے ان کی یہ تمیز دکھلا دی ہے۔ ہم نہیں کہتے کہ ماہیت ان کی منقسمہ ہے۔ پس ہم مشرک بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم وحدہ لاشریک کے قائل ہیں۔ ہم تین خدا نہیں بناتے بلکہ ہم تینوں اقانیم یا شخص مساوی یک دیگر کو صفات الٰہیہ سے کلام میں مزیّن پاتے ہیں اور یہ ماہیت میں ایک ہیں اور فی نفسہ لازم ملزوم ہونے کے باعث تین ہیں۔

پنجم۔ جناب استفسار فرماتے ہیں کہ قرآن سے ثابت کر دکھلاؤ کہ وہ آگ ہی خدا تھی یا آگ میں سے آواز آئی تھی اور یہ آواز جو آئی تھی کہ میں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا خدا ہوں۔ بجواب اس کے عرض یہ ہے کہ آواز غیب سے جو آئی اور جو مخاطب ساتھ موسیٰ کے ہوئی اس کا ذکر ابھی ہم نہیں کرتے لیکن وہ آواز یہ تھی کہ تحقیق میں تیرا رب ہوں (س طٰـہٰ ر۱) اگر جناب یہ کہیں کہ آگ میں سے یہ آواز نہ تھی تو قرینہ الفاظ تو یہ نہیں ظاہر کرتا کہ سوائے آگ کے اور جگہ سے ہووے۔

﴿۲۷﴾

اور سورہ قصص میں یوں لکھا ہے کہ اسی آواز کے بارے میں جو آگ یا جھاڑی میں سے آئی کہ تحقیق میں ہوں رب عالموں کا۔ اور تیسری آیہ ماسوائے ان دو آیات کے جو جناب نے پیش کی ہے یہ جملہ کہ میں ابراہیم و اسحاق و یعقوب کا خدا ہوں یہ فی الواقع توریت میں ہے کہ جس موقعہ کا قرآن میں یہ غلط اقتباس ہوا ہے اتنی میری غلطی مان لیں کہ میں نے توریت کے الفاظ قرآن میں بیان کر دیئے مگر دراصل کچھ فرق نہیں کہ میں تیرا رب ہوں اور رب العالمین ہوں اور اسے جو توریت میں لکھا ہے کہ میں تیرے باپ ابراہیم و اسحاق و یعقوب کا خدا ہوں نہ کم ہیں نہ زیادہ۔ دلیل مظہر اللہ کی اس سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ شے مرئی خدا نہیں ہوسکتا۔ ﴿۲۸﴾

ششم۔ یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ یک تن اور یک من یہ ہر دو الفاظ توریت میں پائے نہیں جاتے۔ بجواب اس کے ہماری عرض ہے کہ ہم نے یہ استنباط کیا تھا یعنی خلاصہ نکالا تھا۔ اگر ایسا ہی آپ گرفت فرمائیں گے تو یہ وہ نقل ہو جائے گی کہ ایک شخص محمد بخش نامی کو کسی نے کہا تھا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھا کرتا تو اس نے کہا کہ کہاں لکھا ہے محمد بخش نماز پڑھا کرے۔ اب یہ کوئی دلیل نہیں مگر لطیفہ ہے۔

ہفتم۔ آپ ان الفاظ سے جو مسیح خداوند نے کہے کہ تم اس کو کفر نہیں کہتے ہو جو تمہاری قضات اور بزرگوں کو الوہیم کہا تب تو مجھ کو ابن اللہ کہنے سے کیوں الزام دیتے ہو۔ یہودی لوگوں سے خداوند مسیح اپنے آپ کو کہتے تھے کہ میں بیٹا خدا کا ہوں تو سنگسار کرنے کو تیار ہوئے کہ تو اپنے آپ کو بیٹا خدا کا کہہ کے مساوی خدا کا بناتا ہے اور یہ کفر ہے اس لئے ہم تجھ کو سنگسار کرتے ہیں۔ ہمارے خداوند نے ان کے زعم کو اس طرح پر ہٹایا کہ مساوی خدا خدا ہوا۔ اگر میں نے اپنے آپ کو خدا کہا تو تمہارے بزرگوں کو خدایان کہا گیا وہاں تم نے ان کے کفر کا الزام کیوں نہ دیا۔ پس ان کی یہ دہان بندی خداوند نے کر دی نہ کہ اپنی الوہیت کا اس نے انکار کر دیا اور نہ اس کا کچھ ثبوت پیش کیا۔ گویا اس کی یہ علیحدہ بات رہی اور اس میں نہ کمی کا اقرار ہے اور نہ زیادتی کا۔

ہشتم۔ یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ مسیح کی تعریفیں توریت میں اور انبیاء سے بڑھ کر بیان

نہیں کی گئیں۔ بجواب اس کے عرض ہے کہ ان سب نے مدار نجات کا المسیح پر رکھا ہے پھر آپ ہی یہ کیونکر فرماتے ہیں کہ مسیح کی صفات اور نبیوں سے بڑھ کر نہیں کی گئیں۔ کس نبی کے بارہ میں بجز مسیح یہ کہا گیا کہ وہ ہمتائے خدا ہے۔ ذکریا باب ۱۳-۷- وہ یہوا صدقنو جو تخت داؤدی پر آنے والا ہے یرمیاہ باب ۲۳- ۵و۶و۷- وہ خدائے قادر- اب ابدیت- شاہ سلامت ہے مشیر- مصلح جو تخت داؤدی پر ابد تک سلطنت کرے گا- یسعیا ۹-۶و۷

تتمتاً

بقایا دیروزہ جس میں جناب نے فضیلت کلام انجیل کی پوچھی ہے ملاحظہ فرمایئے یوحنا کے باب ۱۲- ۴۸ سے ۵۰ تک- انجیل وہ کلام ہے کہ جس کے موافق عدالت سب لوگوں کی ہوگی یعنی کل عالم کی۔ (باقی آئندہ) «۲۹»

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

جواب حضرت مرزا صاحب

۲۴؍ مئی ۹۳ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کسی قدر کل کے سوالات کا بقیہ رہ گیا تھا۔ اب پہلے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ **استقراء** کیا چیز ہے اور استقراء کی کیا تعریف ہے؟ اس کے جواب میں واضح ہو کہ استقراء اس کو کہتے ہیں کہ جزئیات مشہودہ کا جہاں تک ممکن ہے تتبع کر کے باقی جزئیات کا انہیں پر قیاس کر دیا جائے۔ یعنی جس قدر جزئیات ہماری نظر کے سامنے ہوں یا تاریخی سلسلہ میں ان کا ثبوت مل سکتا ہو تو جو ایک شان خاص اور ایک حالت خاص قدرتی طور پر وہ رکھتے ہیں اسی پر تمام جزئیات کا اس وقت تک قیاس کر لیں جب تک کہ ان کے مخالف کوئی اور جزئی ثابت ہو کر

پیش نہ ہو۔ مثلاً جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ نوع انسان کی تمام جزئیات کا تتبع جہاں تک حد امکان میں ہیں ہو کر یہ امر مسلّم الثبوت قرار پا چکا ہے کہ انسان کی دو آنکھیں ہوتی ہیں تو اب یہ دو آنکھیں ہونے کا مسئلہ اس وقت تک قائم اور برقرار سمجھا جائے گا جب تک اس کے مقابل پر مثلاً چار یا زیادہ آنکھوں کا ہونا ثابت نہ کر دیا جائے۔ اسی بنا پر میں نے کہا تھا کہ اللہ جلّ شانہٗ کی یہ دلیل معقولی کہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ[1] جو بطور استقراء کے بیان کی گئی ہے یہ ایک قطعی اور یقینی دلیل استقرائی ہے۔ جب تک کہ اس دلیل کو توڑ کر نہ دکھلایا جائے اور یہ ثابت نہ کیا جائے کہ خدا تعالیٰ کی رسالتوں کو لے کر خدا تعالیٰ کے بیٹے بھی آیا کرتے ہیں اس وقت تک حضرت مسیحؑ کا خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا ہونا ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ اس دلیل میں صاف توجہ دلاتا ہے کہ تم مسیح سے لے کر انبیاء کے انتہائی سلسلہ تک دیکھ لو جہاں سے سلسلہ نبوت کا شروع ہوا ہے کہ بجز نوع انسان کے کبھی خدا یا خدا کا بیٹا بھی دنیا میں آیا ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ آگے تو نہیں آیا مگر اب تو آ گیا تو فن مناظرہ میں اس کا نام مصادر علی المطلوب ہے یعنی جو امر متنازعہ فیہ ہے اسی کو بطور دلیل پیش کر دیا جائے مطلب یہ ہے کہ زیر بحث تو یہی امر ہے کہ حضرت مسیحؑ اس سلسلہ میں متصلہ مرفوعہ کو توڑ کر کیونکر بحیثیت ابن اللہ ہونے کے دنیا میں آ گئے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت آدمؑ نے بھی اپنی طرز جدید پیدائش میں اس سلسلہ معمولی پیدائش کو توڑا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تو خود اس بات کے قائل ہیں کہ اگر دلائل معقولی سے یا تاریخی سے سلسلہ استقراء کے مخالف کوئی امر خاص پیش کیا جائے اور اس کو ادلہ عقلیہ سے یا ادلہ تاریخیہ سے ثابت کر کے دکھلا دیا جائے تو ہم اس کو مان لیں گے یہ تو ظاہر ہے کہ فریقین نے حضرت آدمؑ کی اس پیدائش خاص کو مان لیا ہے گویا وہ بھی ایک سنّت اللہ طرز پیدائش میں ثابت ہو چکی ہے۔ جیسا کہ نطفہ کے ذریعہ سے انسان کو پیدا کرنا ایک سنّت اللہ ہے اگر حضرت مسیحؑ کو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مشابہ کرنا ہے اور اس نظیر سے فائدہ اٹھانا مدنظر ہے تو چاہیئے کہ جس طرح پر اور جن دلائل عقلیہ سے انتہائی سلسلہ نوع انسان کا حضرت آدمؑ کی پیدائش خاص تسلیم کی گئی ہے اسی طرح پر حضرت مسیحؑ کا ابن اللہ ہونا یا خدا ہونا اور سلسلہ سابقہ مشہودہ مثبتہ کو

﴿۳۰﴾

[1] المآئدۃ:۷۶

توڑ کر بحیثیت خدائی وابنیت خدا تعالیٰ دنیا میں آنا ثابت کر دکھلاویں پھر کوئی وجہ انکار کی نہ ہوگی کیونکہ سلسلہ استقراء کے مخالف جب کوئی امر ثابت ہو جائے تو وہ امر بھی قانون قدرت اور سنت اللہ میں داخل ہو جاتا ہے سو ثابت کرنا چاہیئے ۔مگر دلائل عقلیہ سے پھر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب فرماتے ہیں کہ الہام چاہیئے کہ اپنی شرح آپ کرے سو واضح ہو کہ اس میں ہمارا اتفاق رائے ہے ۔ بیشک الہام صحیح اور سچے کے لئے یہی شرط لازمی ہے کہ اس کے مقامات مجملہ کی تفصیل بھی اسی الہام کے ذریعہ سے کی جائے جیسا کہ قرآن کریم میں یعنی سورہ فاتحہ میں یہ آیت ہے۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ [1] اب اس آیت میں جو اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کا لفظ ہے یہ ایک مجمل لفظ تھا اور تشریح طلب تھا تو خدا تعالیٰ نے دوسرے مقام میں خود اس کی تشریح کر دی اور فرمایا کہ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ [2] (سیپارہ ۵ ر ۶)

اور پھر ڈپٹی صاحب موصوف اپنی عبارت میں جس کا خلاصہ لکھتا ہوں یہ فرماتے ہیں کہ الہام الٰہی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے دعاوی کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرے بلکہ اس کے لئے صرف بیان کر دینا کافی ہوگا اور پھر اس کتاب کے پڑھنے والے دلائل آپ پیدا کر لیں گے۔ یہ بیان ڈپٹی صاحب کا اس روک اور حفاظت خود اختیاری کیلئے ہے کہ میں نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ خدا تعالیٰ کی سچی کتاب کی یہ ضروری علامت اور شرط ہے کہ وہ دعویٰ بھی آپ کرے اور اس دعویٰ کی دلیل بھی آپ بیان فرماوے تا کہ ہر ایک پڑھنے والا اس کا دلائل شافیہ پا کر اس کے دعاوی کو بخوبی سمجھ لیوے اور دعویٰ بلا دلیل نہ رہے کیونکہ یہ ہر ایک متکلّم کا ایک نقص سمجھا جاتا ہے کہ دعاوی کرتا چلا جائے اور ان پر کوئی دلیل نہ لکھے۔ اب ڈپٹی صاحب موصوف کو یہ شرط سن کر یہ فکر پڑی کہ ہماری انجیل اس مرتبہ عالیہ سے خالی ہے اور وہ کسی صورت میں قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بہتر ہے کہ کسی طرح سے اس کو ٹال ہی دیا جائے سو میری دانست میں ڈپٹی صاحب موصوف کا انجیل شریف پر یہ ایک احسان ہے جو آپ اس کی پردہ پوشی کی حمایت میں لگے ہوئے ہیں۔ افسوس کہ آپ نے ان کلمات کے لکھتے وقت اس بات کی طرف توجہ نہیں فرمائی کہ آپ ایک زمانہ دراز تک اکسٹرا اسسٹنٹ رہ چکے

﴿۳۱﴾

[1] الفاتحۃ:۶، ۷ [2] النسآء:۷۰

ہیں اور آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیونکر ایک حاکم بحیثیت اپنی حکومت کے متخاصمین میں فیصلہ کیا کرتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی ایسا بھی کیا ہے کہ صرف ڈگری یا ڈسمس کا حکم سنا کر روبکار اخیر کا لکھنا جس میں مدلل وجوہات سے صادق کو صادق اور کاذب کو کاذب ٹھہرایا جاوے فضول سمجھا ہو اور یہ تو دنیا کا کام ہے اس کے نقصان میں بھی چنداں ہرج نہیں ہے۔ لیکن اس خدا تعالیٰ کا کلام جو غلط فہمی پر جہنم ابدی کے وعید سناتا ہے کیا وہ ایسا ہونا چاہیئے کہ صرف دعویٰ سنا کر ایک عالم کو مصیبت میں ڈال دے اور اس دعویٰ کی براہین اور دلائل جن کا بیان کرنا خود اس کا ذمہ تھا بیان نہ فرماوے۔ کیا اس کی رحیمیت کا یہی تقاضا ہونا چاہئے۔ ماسوا اس کے آپ جانتے ہیں کہ انبیاء اس وقت میں آیا کرتے ہیں کہ جب دنیا تاریکی میں پڑی ہوتی ہے اور عقلیں ضعیف ہوتی ہیں اور فکر ناتمام ہوتے ہیں اور جذبات نفسانیہ کے دخان غلبہ اور جوش میں ہوتے ہیں۔ اب آپ انصاف کریں کہ کیا اس صورت میں خدا تعالیٰ کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنے کلام کو ظلمت کے اٹھا ڈالنے کے لئے مدلل طور پر پیش کرے اور ظلمت سے نکالے نہ یہ کہ گول مول اور پیچیدہ بیانات پیش کر کے اور بھی ظلمت اور حیرت میں ڈال دیوے۔ ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ سے پہلے یہود لوگ بنی اسرائیل سیدھے سادے طور پر خدا تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس ماننے میں وہ بڑے مطمئن تھے اور ہر ایک دل بول رہا تھا کہ خدا حق ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور مصنوعات کا صانع حقیقی ہے اور واحد لاشریک ہے اور کسی قسم کا دغدغہ خدا شناسی میں کسی کو نہ تھا۔ پھر جب حضرت مسیحؑ تشریف لائے تو وہ آنحضرت علیہ السلام کے بیانات سن کر گھبرا گئے کہ یہ شخص کس خدا کو پیش کر رہا ہے۔ توریت میں تو ایسے خدا کا کوئی پتہ نہیں لگتا۔ تب حضرت مسیحؑ نے کہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اس کے پیارے اور برگزیدہ تھے۔ اس وہم باطل کو دور کرنے کے لئے کہ یہودیوں نے بباعث کوتہ اندیشی اپنی کے اپنے دلوں میں جما لیا تھا۔ وہ اپنے کلمات مبارکہ پیش کئے جو یوحنا ۱۰ باب ۲۹۔ ۳۰ آیت میں موجود ہیں چنانچہ وہ عبارت بجنسہٖ ذیل میں لکھ دی جاتی ہے چاہئے کہ تمام حاضرین حضرت مسیحؑ کی اس عبارت کو غور سے اور توجہ سے سنیں کہ ہم میں اور حضرات عیسائی صاحبوں میں پورا پورا فیصلہ دیتی ہے اور وہ یہ ہے۔

﴿۳۲﴾

میرا باپ جس نے انہیں مجھے دیا ہے سب سے بڑا ہے اور کوئی انہیں میرے باپ کے ہاتھ سے چھین نہیں لے سکتا میں اور باپ ایک ہیں۔ تب یہودیوں نے پھر پتھر اٹھائے کہ اس پر پتھراؤ کریں۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں ان میں سے کس کام کے لئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو۔ یہودیوں نے اسے جواب دیا اور کہا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لئے نہیں بلکہ اس لئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر بکتا ہے اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو جب کہ اس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں۔

اب ہر ایک منصف اور ہر ایک متدیّن سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ انہوں نے باپ کا لفظ سن کر اور یہ کہ میں اور باپ ایک ہیں یہ خیال کر لیا کہ یہ اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا حقیقی طور پر بیٹا قرار دیتا ہے تو اس کے جواب میں حضرت مسیحؑ نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ مجھ میں کوئی زیادہ بات نہیں۔ دیکھو تمہارے حق میں تو خدا کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ درحقیقت اپنے تئیں ابن اللہ جانتے اور حقیقی طور سے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا بیٹا تصوّر کرتے تو اس بحث اور پرخاش کے وقت میں جب یہودیوں نے ان پر الزام لگایا تھا مرد میدان ہو کر صاف اور کھلے کھلے طور پر کہہ دیتے کہ میں درحقیقت ابن اللہ ہوں اور حقیقی طور پر خدا تعالیٰ کا بیٹا ہوں۔ بھلا یہ کیا جواب تھا کہ اگر میں اپنے تئیں بیٹا قرار دیتا ہوں تو تمہیں بھی تو خدا کہا گیا ہے بلکہ اس موقعہ پر تو خوب تقویت اپنے اثبات دعویٰ کی ان کو ملی تھی کہ وہ بقول ڈپٹی صاحب وہ تمام پیشین گوئیاں پیش کر دیتے جو ڈپٹی صاحب موصوف نے اپنے کل کے جواب میں لکھائی ہیں۔ بلکہ ایک فہرست بھی ساتھ دے دی ہے اور انہیں اس وقت کہنا چاہیئے تھا کہ تم تو اسی قدر بات پر ناراض ہو گئے کہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اور میں تو بموجب بیان تمہاری کتابوں کے اور بموجب فلاں فلاں پیشگوئی کے خدا بھی ہوں۔ قادر مطلق بھی ہوں خدا کا ہمتا بھی ہوں۔ کونسا مرتبہ خدائی کا ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ غرض کہ یہ مقام

﴿۳۳﴾

انجیل شریف کے تمام مقامات اور بائبل کی تمام پیشگوئیوں کو حل کرنے والا اور بطور ان کی تفسیر کے ہے۔ مگر اس کے لئے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

پھر ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ''یہودیوں کا اتفاق کیوں مانگا جائے''۔ سو واضح ہو کہ یہودیوں کا اتفاق اس لئے مانگا جاتا ہے کہ وہ نبیوں کی اولاد اور نبیوں سے مسلسل طور پر تعلیم پاتے آئے اور انجیل شریف بھی مقام شہادت دے رہا ہے کہ ہر ایک تعلیم نبیوں کی معرفت ان کو سمجھائی بلکہ حضرت عیسیٰؑ خود شہادت دیتے ہیں کہ ''فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں جو کچھ وہ تمہیں ماننے کو کہیں وہ عمل میں لاؤ۔ لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں پر کرتے نہیں''۔ (متی ۲۳ باب ا)

اب حضرت مسیحؑ کے اس فرمودہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے متبعین اور شاگردوں کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ یہودیوں کی رائے عہد عتیق کے بارہ میں ماننے کے لائق ہے تم ضرور اس کو مانا کرو کہ وہ حضرت موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی شہادت کو رد کرنا ایک قسم کی نافرمانی حضرت مسیحؑ کے حکم کی ہے۔ اور یہودی یہ تو اپنی تفسیروں میں کہیں نہیں لکھتے کہ کوئی حقیقی خدا یا خدا کا بیٹا آئے گا۔ ہاں ایک سچے مسیح کے منتظر ہیں اور اس مسیح کو خدا نہیں سمجھتے۔ اگر سمجھتے ہیں تو ان کی کتابوں میں سے اس کا ثبوت دیں۔ (باقی آئندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ) از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) از جانب عیسائی صاحبان

﴿۳۴﴾

بیان ڈپٹی صاحب مسٹر عبداللہ آتھم

۲۴؍مئی ۱۸۹۳ء

بقیہ جواب۔ خدا کے کلام کی فضیلت وکمالیت

پہلے۔ انجیل اس بات کی مدعی ہے کہ وہ لازوال کلام ہے حتیٰ کہ لوگوں کی عدالت اسی کے موافق ہوگی۔ (یوحنا ۱۲ باب ۴۸ سے ۵۰ تک)

دوم۔ انجیل اپنے تئیں نجات کے ازلی بھید کا کاشف کہتی ہے۔ (رومی ۱۶ باب ۲۵و۲۶) (پطرس کا پہلا خط ا۔ باب ۲۰)۔

سوم۔ انجیل اپنے تئیں خدا کی قدرت کہتی ہے۔ (رومی ایک باب ۱۶)۔

چہارم۔ انجیل اپنے تئیں زندگی اور بقا کی روشنی کرنے والی کہتی ہے (طمطاؤس کا دوسرا خط ا باب ۱۶)

پنجم۔ انجیل انسانی حکمت کا نہیں لیکن اپنے تئیں خدا کی روح کا فرمایا ہوا کلام فرماتی ہے۔ (قرنتیوں کے نام کا پہلا خط ۲ باب ۱۲و۱۳ و پطرس کا دوسرا خط پہلا باب ۱۹)

ششم۔ اس انجیل کے مقابل میں ہر ایک انجیل ہیچ ہے (گلاتی کے نام کا خط ا باب ۸)

پس یہ وہ امور ہیں کہ جو کلام اللہ کی فضیلت و کاملیت و خوبی و فیض رسانی پر دال ہیں نہ وہ امور جو معاشرت کے متعلق ہیں کہ جن کی نسبت حکیم و ڈاکٹر بھی انسان کو واجبی شرح بتا سکتے ہیں۔

جناب نے جو فرمایا قرآن میں لکھا ہے **اکملت لکم دینکم** غالباً بروئے متن کلام قرآن متعلق معاشرت کے ہے کہ جس میں حلّ و حُرمت کا ذکر ہے۔

بجواب اعتراضات ۲۴۔ مئی ۱۸۹۳ء

اوّل۔ استقراء کے معنے ہم سمجھ چکے ہیں کہ معمول اور گذشتہ پیوستہ میں جو تجربہ قانون بتاتا ہے اس کو استقراء کہتے ہیں۔ اس کے بارہ میں جناب مرزا صاحب کا فرمانا درست ہے کہ اگر کچھ استثناء اس کا ہو تو امکان محض اس کا ثابت کرنا کافی نہیں ہے مگر واقعی اس کا ثابت کرنا ضروری ہے۔ سو اس کے بارہ میں عرض اتنی ہے کہ مقدمہ مسیح کا بالکل استثنائی ہے جس کی واسطے ہم نے آیات کلام الٰہی پیش کی ہیں۔ مزید برآں ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ **کثرت فی الوحدت** عہد عتیق میں موجود ہے اگر وہ موجود نہ ہوتی تو یہودی صادق ٹھہر سکتے تھے اور چونکہ یہ امر وہاں موجود ہے تو ان کو کچھ عذر نہ ہونا چاہیئے۔ پس میں بطور مثال دو نظیریں پیش کرتا ہوں۔ اول یہ کہ پیدائش ا باب ۲۶ میں لکھا ہے **و یومر الوھیم نعشا آدام سلمنو قد میتونو** یعنی کہا الوہیم خدا نے ہم بناویں آدم کو اوپر صورتوں اپنیوں کے اور اوپر شکلوں اپنیوں کے۔ دوم پیدائش ۳/۲۲ میں ہے یہوا الوہیم نے کہا دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی

«۳۵»

مانند ہوگیا۔ اس آیت میں جس جملہ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا (عبرانی میں **کاحد ممنو** ہے) اس جملے متکلم مع الغیر کو دیکھ کر یہودیوں نے یہ معنے کئے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس موقعہ پر فرشتگان کو اپنی معیت میں لیتا ہے اور سرسید احمد خاں بہادر نے یہ لکھا ہے کہ غیر اس جملہ میں وہ آدم ہا طبقہ ماقبل آدم معروفہ کے ہیں جو گناہ کر کے تباہ ہو گئے۔ اور کلمہ **لو ممنو** میں متکلم مع الغیر نہیں بلکہ جمع غائب ہے۔ مراد ان دونوں صاحبوں کا یہ ہے کہ کثرت فی الوحدت کی تعلیم ثابت نہ ہونے پائے۔

دوم۔ اب ہم ان صاحبوں سے سوال ذیل رکھتے ہیں۔ **اول** یہودیوں سے یہ کہ آپ کے فرشتوں کا مرجوع متن کلام میں کہاں ہے۔ کیا صیغہ ہم کا اسم ضمیر نہیں؟ اور کیا اسم ضمیر کے لئے مرجوع کا ہونا اس کے قرب میں ضرور نہیں؟ اور اگر کوئی کلام بغیر مرجوع کی نشاندہی کے درخود نہ ہو تو کیا اس کو مبہم اور مخبط نہیں کہتے؟ جیسا کہ اگر میں کسی سے کہوں کہ وہ بات یوں تھی اور قبل اور مابعد میں اس کا ذکر نہ ہو کہ کونسی بات۔ تو کیا یہ خبط کلامی نہیں؟ پس جب فرشتگان کا ذکر معیت میں کرتے ہیں تو ان کو متن ہی میں ان فرشتوں کو دکھانا چاہیئے۔ دوم اگر فرشتے ہی اس کے مصداق ہوویں تو ضرور ہے کہ بدی کا علم ان کا ذاتی ہو یا کسبی۔ اگر ذاتی ہو تو وہ مخلوق نہیں ہو سکتے کیونکہ علم ذاتی قائم بالذات کا ہوتا ہے اور اگر کسبی ہو تو یہ کسب ان کو ناپاک کر دیتا ہے تو پس وہ صحبت اقدس خالق کے لائق کیونکر ہوئی جو معیت میں اس کے لئے جاویں۔ سرسید صاحب سے اول سوال ہمارا وہی ہے کہ متن میں مرجوع ان آدم ہا کا جو ماقبل آدم معروف کے متصور ہیں کہاں ہیں۔ فی متن تو درکنار جناب کے جیالوجی میں بھی کہاں ہے کہ جس کا فخر جناب کرتے ہوں ماسوا اس کے اگر جیالوجی سے گذر کر کسی اور سائینس میں ہووے تو اس کا پتہ دیویں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ ہرگز ایسا پتہ نہ دے سکیں گے اور نہ اس عہدہ برائی سے یہودی باہر آ سکتے ہیں۔ مگر مسیحیوں کا منہ بند کرنے کے لئے خیالات باطلہ پیش کرتے ہیں اور اس سے صاف تو فقرہ کیا ہو سکتا ہے اور کیا تاویل ایسے فقرہ کی ہو سکتی ہے کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا۔ لغت و اصطلاح منطق و معانی صرف ونحو اِن سارے معیاروں کے آگے ہم اس فقرہ کو رکھتے ہیں۔ سرسید احمد خاں بہادر نے جو الوہیم میں جمع تعظیمی بیان کی۔ حضرت ہم کو کہیں سے دکھلا دیویں کہ نیچر میں یا واقعات میں اسماء خاص میں

﴿۳۶﴾

بھی کہیں تعظیم وتذلیل ہوسکتی ہے۔ کیا سرسید کا نام سرسید احمدان بھی ہوسکتا ہے؟ یہ ڈھکوسلہ بازی نہیں تو اور کیا ہے؟

سرسید صاحب نے فرمایا ہے کہ بعلیم اوراسترافیم میں یہ ی میم تعظیمیہ ہے وہ بھی باطل بلکہ ابطل ہے اس لئے یہ فرضی دیوتا تھے واقعی اشخاص نہ تھے اور بروئے مورتہائے ان کی کے متفرق جگہوں میں پوجے جاتے تھے اور کثرت مورتوں کے لحاظ سے کثرت ناموں میں رکھی گئی جیسے کہ جسمیر سے کرشن یا رام چندر کی مورتیں آتی ہیں جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ ہمارا بیوپار کرشنوں اور رام چندروں کا ہے۔ غرض ہماری یہ ہے کہ نام خاص میں تعظیم اور تذلیل کچھ نہیں۔

سوم۔ ایک امر جو ادراک سے باہر ہو اس کا امکان تو عقل ہے ہم پیش کریں گے اور واقعہ ہونا کلام سے۔ سو الہامی کتابوں سے ہم نے الوہیت مسیح اور مسئلہ تثلیث فی التوحید کو بخوبی پیش کر دیا ہے اور امکان بھی عقل سے دکھلا دیا ہے۔ پس اب ہمارے ذمّہ بارِ ثبوت کچھ باقی نہیں۔

چہارم۔ الہام کا مشرح الہام ہی ہونا چاہئے۔ اس بارہ میں آپ کا فرمانا بہت سا درست ہے اور افضل ہے کیونکہ اگر الہام کسی جگہ مجمل اور مبہم معلوم ہو تو دوسرے موقعہ الہام سے اس کی شرح اچھی طرح ہوسکتی ہے لیکن اگر کسی الہام میں کوئی تعلیم ایک ہی موقع پر ہو اور وہ بھی مشرح نہ ہو تو تاویل عقلی کو اس میں گنجائش ہے۔ ہم اس کو ردیات میں نہیں پھینک سکتے ہیں بلکہ وہاں اس کی تاویل عقلی کریں گے۔

پنجم۔ وہ جو خداوند مسیح نے کہا کہ تم میرے ابن اللہ کہنے پر کفر کا الزام کیوں لگاتے ہو کیا تمہارے قضات اور بزرگوں کو الوہیم نہیں کہا گیا۔ ان پر کفر کا الزام نہیں ہے تو مجھ پر کیوں؟ اس سے اس نے اپنی الوہیت کا انکار کچھ نہیں کیا۔ مگر ان کے غصہ کو بیجا ٹھہرایا اور تھام دیا۔ علاوہ براں متی کے ۱۶ باب ۱۳ تا ۱۶ میں اس خطاب کو خداوند نے حواریوں سے منظور بھی فرمایا کہ وہ زندہ خدا کا بیٹا ہے۔ پھر متی ۲۶۔ ۶۳ میں مرقوم ہے تب سردار کاہن نے اسے کہا میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں۔ اگر تو مسیح خدا کا بیٹا ہے تو ہم سے کہہ۔ یسوع نے اسے کہا۔ ہاں۔ وہ جو تو کہتا ہے۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی دستخط بحروف انگریزی

غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

﴿۴۷﴾

چوتھا پرچہ

مباحثہ ۲۵۔ مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

آج چھ بجے ۸ منٹ پر میرزا صاحب نے اپنا جواب لکھانا شروع کیا اور سات بجے ۸ منٹ پر ختم کیا۔ اس موقعہ پر یہ تحریک پیش ہوئی اور باتفاق رائے پیش ہوئی کہ چونکہ مضمون سنائے جانے کے وقت کاتب تحریروں کا مقابلہ بھی کرتے ہیں اس لئے ان کی روک ٹوک کی وجہ سے مضمون بے لطف ہو جاتا ہے اور سامعین کو مزہ نہیں آتا۔ بنا براں ایسا ہونا چاہیئے کہ کاتب پیشتر مضمون سنائے جانے کے باہم تحریروں کا مقابلہ کرلیا کریں۔ پھر ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۵۴ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور آٹھ بجے ۵۴ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا۔ پھر مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۴ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ½ ۲۴ منٹ پر ختم ہوا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعدازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہوئے اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

---

۲۵ رمئی ۱۸۹۳ء وقت ٦ بجے ۸ منٹ

بیان حضرت مرزا صاحب

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے میرے پہلے بیان پر جو میں نے کتاب آسمانی کے لئے بطور ضروری اعجازی علامت کے یہ لکھا تھا کہ دونوں کتابیں انجیل اور قرآن شریف کا ان کے کمالات ذاتیہ میں مقابلہ

کیا جائے تو ڈپٹی صاحب **کمال** کے لفظ پر گرفت فرماتے ہیں کہ کمال کیا چیز ہے کیا سنار اور لوہار کا کمال بلکہ راہ نجات دکھلانے کا کمال ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں لکھا جاتا ہے کہ راہ نجات دکھلانے کا دعویٰ اس صورت میں اور اس حالت میں کمال متصور ہوگا کہ جب اس کو ثابت کر کے دکھلا دیا جاوے اور پہلے اس سے اس بات کا ذکر کرنا بھی میرے نزدیک بے محل ہے۔ ﴿۳۸﴾
اب واضح ہو کہ اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن کریم میں اپنی کمال تعلیم کا آپ دعویٰ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ[1] الخ کہ آج میں نے تمہارے لئے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت یعنی تعلیم قرآنی کو تم پر پورا کیا۔ اور ایک دوسرے محل میں اس اکمال کی تشریح کے لئے کہ اکمال کس کو کہتے ہیں فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْۤ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّھَا وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ وَمَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیْثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃِ ۣاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَھَا مِنْ قَرَارٍ. یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ[2] (س۱۳۔ ر۱۶) کیا تو نے نہیں دیکھا کیونکر بیان کی اللہ نے مثال یعنی مثال دین کامل کی کہ بات پاکیزہ درخت پاکیزہ کی مانند ہے جس کی جڑ ثابت ہو اور شاخیں اس کی آسمان میں ہوں اور وہ ہر ایک وقت اپنا پھل اپنی پروردگار کے حکم سے دیتا ہو اور یہ مثالیں اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تا لوگ ان کو یاد کر لیں اور نصیحت پکڑ لیں۔ اور ناپاک کلمہ کی مثال اس ناپاک درخت کی ہے جو زمین پر سے اُکھڑا ہوا ہے اور اس کو قرار و ثبات نہیں۔ سو اللہ تعالیٰ مومنوں کو قول ثابت کے ساتھ یعنی جو قول ثابت شدہ اور مدلّل ہے اس دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم کرتا ہے اور جو لوگ ظلم اختیار کرتے ہیں ان کو گمراہ کرتا ہے یعنی ظالم خدا تعالیٰ سے ہدایت کی مدد نہیں پاتا جب تک ہدایت کا طالب نہ ہو۔
اب دیکھئے کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے آیت اَکْمَلْتُ لَکُمْ کی تشریح میں صرف اتنا فرمایا تھا کہ یہ غالباً امور معاشرت کے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ڈپٹی صاحب موصوف اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ کسی آیت کے وہ معنے کرنے چاہئے کہ الہامی کتاب آپ کرے اور الہامی کتاب کی شرح

[1] المآئدۃ: ۴ [2] ابراھیم: ۲۵ تا ۲۸

دوسری شرحوں پر مقدم ہے۔اب اللہ تعالیٰ ان آیات میں کلام پاک اور مقدس کا کمال تین باتوں پر موقوف قرار دیتا ہے۔اول یہ کہ **اصلھا ثابت** یعنی اصول ایمانیہ اس کے ثابت اور محقق ہوں اور فی حدِّ ذاتہٖ یقین کامل کے درجہ پر پہنچے ہوئے ہوں اور فطرت انسانی اس کو قبول کرے کیونکہ **ارض** کے لفظ سے اس جگہ فطرت انسانی مراد ہے جیسا کہ **من فوق الارض** کا لفظ صاف بیان کر رہا ہے اور ڈپٹی صاحب اس سے انکار نہیں کریں گے۔خلاصہ یہ کہ اصول ایمانیہ ایسے چاہئیں کہ ثابت شدہ اور انسانی فطرت کے موافق ہوں۔پھر **دوسری نشانی** کمال کی یہ فرماتا ہے کہ **فرعھا فی السماء** یعنی اس کی شاخیں آسمان پر ہوں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں یعنی صحیفۂ قدرت کو غور کی نگاہ سے مطالعہ کریں تو اس کی صداقت ان پر کھل جائے۔اور دوسری یہ کہ وہ تعلیم یعنی فروعات اس تعلیم کے جیسے اعمال کا بیان۔احکام کا بیان۔اخلاق کا بیان یہ کمال درجہ پر پہنچے ہوئے ہوں جس پر کوئی زیادہ متصور نہ ہو۔جیسا کہ ایک چیز جب زمین سے شروع ہو کر آسمان تک پہنچ جائے تو اس پر کوئی زیادہ متصور نہیں۔ ﴿۳۹﴾

پھر تیسری نشانی کمال کی یہ فرمائی کہ **تؤتی اکلھا کل حین** ہر ایک وقت اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنا پھل دیتا رہے ایسا نہ ہو کہ کسی وقت خشک درخت کی طرح ہو جاوے جو پھل پھول سے بالکل خالی ہے۔اب صاحبو دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمودہ **الیوم اکملت** کی تشریح آپ ہی فرما دی کہ اس میں تین نشانیوں کا ہونا از بس ضروری ہے۔سو جیسا کہ اس نے یہ تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں اسی طرح پر اس نے ان کو ثابت کر کے بھی دکھلا دیا ہے اور اصول ایمانیہ جو پہلی نشانی ہے جس سے مراد کلمہ **لا الہ الا اللّٰہ** ہے اس کو اس قدر بسط سے قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اگر میں تمام دلائل لکھوں تو پھر چند جزو میں بھی ختم نہ ہوں گے مگر تھوڑا سا ان میں سے بطور نمونہ کے ذیل میں لکھتا ہوں جیسا کہ ایک جگہ یعنی سیپارہ دوسرے سورۃ البقر میں فرماتا ہے۔ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ [1] یعنی تحقیق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف اور ان کشتیوں کے چلنے میں جو دریا میں لوگوں کے نفع کے لئے چلتی ہیں اور جو کچھ خدا نے آسمان سے پانی اتارا اور اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا۔ اور زمین میں ہر ایک قسم کے جانور بکھیر دیئے اور ہواؤں کو پھیرا اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں مسخر کیا۔ یہ سب خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید اور اس کے الہام اور اس کے مدبّر بالا رادہ ہونے پر نشانات ہیں۔ اب دیکھئے اس آیت میں اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے اس اصول ایمانی پر کیسا استدلال اپنے اس قانون قدرت سے کیا یعنی اپنی ان مصنوعات سے جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں جن کے دیکھنے سے مطابق منشاء اس آیت کریمہ کے صاف صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بیشک اس عالم کا ایک صانع قدیم اور کامل اور وحدہٗ لاشریک اور مدبر بالا رادہ اور اپنے رسولوں کو دنیا میں بھیجنے والا ہے وجہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی تمام یہ مصنوعات اور یہ سلسلہ نظام عالم کا جو ہماری نظر کے سامنے موجود ہے۔ یہ صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ یہ عالم خود بخود نہیں بلکہ اس کا ایک موجد اور صانع ہے جس کے لئے یہ ضروری صفات ہیں کہ وہ رحمان بھی ہو اور رحیم بھی ہو اور قادر مطلق بھی ہو اور واحد لاشریک بھی ہو اور ازلی ابدی بھی ہو اور مدبّر بالا رادہ بھی ہو اور مستجمع جمیع صفات کاملہ بھی ہو اور وحی کو نازل کرنے والا بھی ہو۔ ﴿۴۰﴾

دوسری نشانی یعنی فرعها فی السماء جس کے معنے یہ ہیں کہ آسمان تک اس کی شاخیں پہنچی ہوئی ہیں اور آسمان پر نظر ڈالنے والے یعنی قانون قدرت کے مشاہدہ کرنے والے اس کو دیکھ سکیں اور نیز وہ انتہائی درجہ کی تعلیم ثابت ہو۔ اس کے ثبوت کا ایک حصہ تو اسی آیت موصوفہ بالا سے پیدا ہوتا ہے کس لئے کہ جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مثلاً قرآن کریم میں یہ تعلیم بیان فرمائی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ [2] جس کے یہ معنے ہیں کہ اللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ تمام عالموں کا رب ہے یعنی علۃ العلل ہر ایک ربوبیت کا وہی ہے۔ دوسری یہ کہ وہ رحمان بھی ہے یعنی بغیر ضرورت کسی عمل کے اپنی طرف سے طرح طرح کے آلاء اور نعماء شامل حال اپنی مخلوق کے رکھتا ہے اور رحیم بھی ہے کہ اعمال صالحہ کے بجالانے والوں کا مددگار ہوتا ہے اور ان کے مقاصد

[1] البقرۃ: ۱۶۵ [2] الفاتحۃ: ۲ تا ۴

کو کمال تک پہنچاتا ہے اور مالک یوم الدین بھی ہے کہ ہر ایک جزا سزا اس کے ہاتھ میں ہے جس طرح پر چاہے اپنے بندہ سے معاملہ کرے۔ چاہے تو اس کو ایک عمل بد کے عوض میں وہ سزا دیوے جو اس عمل بد کے مناسب حال ہے اور چاہے تو اس کے لئے مغفرت کے سامان میسّر کرے اور یہ تمام امور اللہ جلّ شانہٗ کے اس نظام کو دیکھ کر صاف ثابت ہوتے ہیں۔

پھر تیسری نشانی جو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی تؤتی اکلھا کل حین یعنی کامل کتاب کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ جس پھل کا وہ وعدہ کرتی ہے وہ صرف وعدہ ہی وعدہ نہ ہو بلکہ وہ پھل ہمیشہ اور ہر وقت میں دیتی رہے۔ اور پھل سے مراد اللہ جلّ شانہٗ نے اپنا لقا مع اس کے تمام لوازم کے جو برکات سماوی اور مکالمات الٰہیہ اور ہر ایک قسم کی قبولیتیں اور خوارق ہیں رکھی ہیں جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ [۱] (س۲۴ ر۱۸) وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر انہوں نے استقامت اختیار کی یعنی اپنی بات سے نہ پھرے اور طرح طرح کے زلازل ان پر آئے مگر انہوں نے ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ دیا۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کچھ خوف نہ کرو اور نہ کچھ حزن اور اس بہشت سے خوش ہو جس کا تم وعدہ دیئے گئے تھے یعنی اب وہ بہشت تمہیں مل گیا اور بہشتی زندگی اب شروع ہو گئی۔ کس طرح شروع ہو گئی نحن اولیاء کم الخ اس طرح کہ ہم تمہارے متولّی و متکفل ہو گئے اس دنیا میں اور آخرت میں اور تمہارے لئے اس بہشتی زندگی میں جو کچھ تم مانگو وہی موجود ہے یہ غفور رحیم کی طرف سے مہمانی ہے۔ مہمانی کے لفظ سے اس پھل کی طرف اشارہ کیا ہے جو آیت تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَہَا کُلَّ حِیۡنٍ [۲] میں فرمایا گیا تھا۔ اور آیت فَرۡعُہَا فِی السَّمَآءِ [۳] کے متعلق ایک بات ذکر کرنے سے رہ گئی کہ کمال اس تعلیم کا باعتبار اس کے انتہائی درجہ ترقی کے کیونکر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن شریف سے پہلے جس قدر تعلیمیں آئیں درحقیقت وہ ایک قانون مختص القوم یا مختلف الزمان کی طرح تھیں اور عام افادہ کی قوت ان میں نہیں پائی جاتی تھی۔ لیکن قرآن کریم تمام

﴿۴۱﴾

۱؎ حٰم السجدۃ:۳۱ تا ۳۳ ۲؎ ابراھیم:۲۶ ۳؎ ابراھیم:۲۵

قوموں اور تمام زمانوں کی تعلیم اور تکمیل کے لئے آیا ہے مثلاً نظیر کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی تعلیم بڑا زور سزا دہی اور انتقام میں پایا جاتا ہے جیسا کہ دانت کے عوض دانت اور آنکھ کے عوض آنکھ کے فقروں سے معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرت مسیحؑ کی تعلیم میں بڑا زور عفو اور درگذر پر پایا جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں تعلیمیں ناقص ہیں نہ ہمیشہ انتقام سے کام چلتا ہے اور نہ ہمیشہ عفو سے بلکہ اپنے اپنے موقعہ پر نرمی اور درشتی کی ضرورت ہوا کرتی ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ[1] (س ۵ ر ۵) یعنی اصل بات تو یہ ہے کہ بدی کا عوض تو اسی قدر بدی ہے جو پہنچ گئی ہے لیکن جو شخص عفو کرے اور عفو کا نتیجہ کوئی اصلاح ہو نہ کہ کوئی فساد۔ یعنی عفو اپنے محل پر ہو نہ غیر محل پر۔ پس اجر اس کا اللہ پر ہے یعنی یہ نہایت احسن طریق ہے۔

﴿۴۲﴾ اب دیکھئے اس سے بہتر اور کونسی تعلیم ہوگی کہ عفو کو عفو کی جگہ اور انتقام کو انتقام کی جگہ رکھا۔ اور پھر فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی[2] (س ۱۴۔ ر ۱۹) یعنی اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ تم عدل کرو اور عدل سے بڑھ کر یہ ہے کہ باوجود رعایت عدل کے احسان کرو اور احسان سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ایسے طور سے لوگوں سے مروت کرو کہ جیسے کہ گویا وہ تمہارے پیارے اور ذوالقربیٰ ہیں۔ اب سوچنا چاہیے کہ مراتب تین ہی ہیں۔ اول انسان عدل کرتا ہے یعنی حق کے مقابل حق کی درخواست کرتا ہے۔ پھر اگر اس سے بڑھے تو مرتبہ احسان ہے۔ اور اگر اس سے بڑھے تو احسان کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے اور ایسی محبت سے لوگوں کی ہمدردی کرتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ کی ہمدردی کرتی ہے یعنی ایک طبعی جوش سے نہ کہ احسان کے ارادہ سے۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح۔ پریذیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک۔ پریذیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

[1] الشوریٰ: ۴۱ [2] النّحل: ۹۱

بیان مسٹر عبداللہ آتھم صاحب

بقیہ دیروزہ ۲۵۔ مئی ۱۸۹۳ء

جناب مرزا صاحب مکرم میرے جو فرماتے ہیں کہ جو امور تعلیمیہ کسی کتاب الہامی سے ہوں ان کا ثبوت بھی اسی کتاب کے بیان سے ہو یعنی اس قسم کی کھچڑی نہ ہو جائے کہ کچھ تو کتاب کی تعلیم سے پیدا ہو جائے اور کچھ ذہن اس شخص کے سے جو تائید کرنے کے واسطے اس تعلیم کے کھڑا ہے۔ جس کے جواب میں میری التماس یہ ہے کہ میں نے مختصر ایک فہرست بنا دی ہے کہ جس کو پادری ٹامس ہاول صاحب لکھوا دیویں کہ میں کمزور آدمی ہوں۔ وھو ھٰذا۔

اوّل کثرت فی الوحدت

یرمیا ۲۳ باب ۶۔ اس کے دنوں میں یہود انجات پاوے گا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کرے گا اور اس کا یہ نام رکھا جائے گا خداوند ہماری صداقت۔ اصل میں ہے یھوصدقنو۔ یسعیا ۷ باب ۱۴، ۸ باب ۱۰ ادیکھو کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام ایمانوائیل رکھیں گے تم منصوبہ باندھو پر وہ باطل ہوگا۔ حکم سناؤ پر وہ نہ ٹھہرے گا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اس جگہ لفظ ایمانوایل ہے۔ یسعیا ۴۰ باب ۳۔ ملاکی ۳ باب ۱ بمقابلہ متی ۳ باب ۳ زکریا ۱۲ باب ۱۰ بمقابلہ یوحنا ۱۹ باب ۳۷۔ یسعیا ۶ باب ۵ بمقابلہ یوحنّا ۱۲ باب ۳۷ و ۴۰ و ۴۱۔ ﴿۴۳﴾

دوم الوہیت کی لازمی صفات المسیح میں

اوّل ازلیّت یوحنّا ۱ باب ۱ سے ۳ تک۔ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی۔ یوحنّا ۸ باب ۵۸۔ یسوع نے انہیں کہا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں پیشتر اس سے کہ ابراہام ہو میں ہوں۔ مکاشفات ۱ باب ۸۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میں الفا اومیگا اول اور آخر جو ہے اور تھا اور آنے والا ہے قادر مطلق ہوں۔ یوحنّا ۱۷ باب ۵۔ یسعیا ۴۴ باب ۶

بمقابلہ مکاشفات ۲ باب ۸ و میکہ ۵ باب ۲۰۔
دوم۔ خالقیت یوحنا ۱/۱۰و۳ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی وہ جہان میں تھا اور جہان اسی سے موجود ہوا۔ اور جہان نے اسے نہ جانا۔ عبرانی ۱/۲و۳ ان آخری دنوں میں ہم سے بیٹے کے وسیلہ سے بولا جس نے اس کو ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جس کے وسیلے اس نے عالم بنائے وہ اس کے جلال کی رونق اور اس کی ماہیت کا نقش ہو کے سب کچھ اپنی ہی قدرت کے کلام سے سنبھال لیتا ہے۔ قلسی ۱/۱۵و۱۶و۱۷ افسی ۳/۹ مکاشفات ۴/۱۱ ان سب کا مقابلہ امثال ۸ باب سے۔

تیسرا محافظ کل ہستی

قلسی ۱/۱۷ وہ سب سے آگے ہے اور اس سے ساری چیزیں بحال رہتی ہیں بمقابلہ یسعیا ۴۴/۲۴ عبرانی ۱/۲و۳و۱۰

چوتھا لاتبدیل عبرانی ۱۳/۸ یسوع مسیح کل اور آج اور ابد تک ایک سال ہے۔ مزمور ۱۰۲/۲۵و۲۶و۲۷ مقابلہ عبرانی ۱/۸و۱۰و۱۱و۱۲

پانچواں ہمہ دانی پہلا سلاطین ۸/۳۹ تو اپنے مسکن آسمان پر سے سن اور بخش دے اور عمل کر اور ہر ایک آدمی کو جس کے دل کو تو جانتا ہے اس کی سب روش کے مطابق بدلہ دے اس لئے کہ تو ہاں تو ہی اکیلا سارے بنی آدم کے دلوں کو جانتا ہے۔ (یہ خدا تعالیٰ کی تعریف ہے)۔ بمقابلہ مکاشفات ۲/۲۳ اور سارے کلیساؤں کو معلوم ہوگا کہ میں وہی ہوں یعنی یسوع مسیح جو دلوں اور گردوں کا جانچنے والا ہوں اور میں تم میں سے ہر ایک کو اس کے کاموں کے موافق بدلا دوں گا۔ متی ۱۱/۲۷ و ۹/۴ و ۱۲/۲۵ لوقا ۶/۸۔ ۹/۴۷
یوحنا ۱/۴۸۔ ۱۶/۳۰۔ ۲۱/۱۷ قلسی ۲/۳۔

ششم حاضر و ناظر (مکانی) متی ۱۸/۲۰ کیونکہ جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں۔

﴿۴۴﴾

وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں۔ یوحنا ۳/۱۳ اور کوئی آسمان پرنہیں گیا سوا اس شخص کے جو آسمان پر سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان پر ہے۔(زمانی) متی ۲۸/۲۰ یوحنا ۱/۴۸

ساتواں قادر مطلق یوحنا ۵/۲۱ جس طرح باپ مردوں کو اٹھاتا ہے اور جلاتا ہے بیٹا بھی جنہیں چاہتا ہے جلاتا ہے۔ مکاشفات ۱/۸ میں الفا اور امیگا اول اور آخر جو ہے اور تھا اور آنے والا ہے قادر مطلق ہوں۔ متی ۲۸/۱۸ مرقس ۱/۲۷ یوحنا ۳/۳۱-۳۵، ۱۶/۱۵ فلپی ۳/۲۱ عبرانی ۷/۲۵ اول پطرس ۳/۲۲

آٹھواں ہمیشہ کی زندگی : یوحنا ۱۱/۲۵ یسوع نے اسے کہا کہ قیامت اور زندگی میں ہی ہوں۔ پہلا یوحنا ۵/۲۰

سوم۔ **المسیح مالک کل ہے** : رومی ۱۴ باب ۹ کہ مسیح اس لئے موا اور اٹھا اور جیا کہ مردوں اور زندوں کا بھی خداوند ہو پہلا تمطاؤس ۶/۱۵ جسے وہ بروقت ظاہر کرے گا جو مبارک اور اکیلا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے اعمال ۱۰/۳۶ افسی ۱/۲۲و۲۳ کاشفات ۱۹/۱٦

چہارم۔ **کل عالم کا اختیار رکھتا ہے** : ۲۸/۱۸ اور یسوع نے پاس آکر اسے کہا کہ آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے۔ متی ۱۷/۱ عبرانی ۱/۳

پنجم۔المسیح کی پرستش : ان آیات میں جس لفظ کا ترجمہ سجدہ ہوا ہے۔ اصل زبان میں پراس اخوماِئی ہے جس کے خاص معنی پرستش الٰہی کے ہیں۔ متی ۲/۱۱ و ۸/۲ و ۹/۱۸ و ۱۴/۳۳ و ۱۵/۲۵ و ۲۰/۲۰ و ۲۸/۹ ۔ مرقس ۵/٦ پہلا تسبیلقون ۳/۱۱ عبرانی ۱/٦ فلپی ۲/۱۰و۱۱ نبی اور بزرگ اور فرشتے ایسی پرستش اپنی سے سخت انکار کرتے رہے مگر مسیح نے انکار نہیں کیا۔ مکاشفات ۱۹/۱۰ یوحنا نے انکار کیا اعمال ۱۰/۲٦ پطرس نے انکار کیا ۱۴/۱۴ پولوس نے انکار کیا۔

﴿۴۵﴾

ششم۔ **المسیح سے دعا مانگی جاتی ہے** : اعمال ۷/۵۹ استفنس پر پتھراؤ کیا جو یہ کہے دعا مانگتا تھا کہ اے خداوند یسوع میری روح کو قبول کر مرقس ۹/۲۴ لوقا ۲۳/۴۲ یوحنا ۹/۳۸ دوسری قرنتی ۱۲/۸و۹ مکاشفات ۵/۸-۱۲-۱۳

ہفتم۔ المسیح دنیا کی عدالت کرے گا متی ۱۶/۲۷ کیونکہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آوے گا۔ تب ہر ایک کو اس کے اعمال کے موافق بدلہ دے گا۔ دوسری قرنتی ۵/۱۰ کیونکہ ہم سب کو ضرور ہے کہ مسیح کی مسند عدالت کے آگے حاضر ہوویں تاکہ ہر ایک جو کچھ اس نے بدن میں ہو کے کیا بھلا یا برا مطابق اس کے پاوے۔ متی ۱۳/۴۱و۴۲و۴۳ ۲۵/۳۱ سے ۴۶ یوحنّا ۵/۲۲و۲۳ اعمال ۱۰/۴۲

ہشتم۔ المسیح گناہ بخشتا ہے متی ۹/۶ لیکن تاکہ تم جانو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔ لوقا ۵/۲۰ سے ۲۶ ۔ ۷/۴۸

نہم۔ المسیح اپنے فرشتوں کو بھیجتا ہے۔ متی ۱۳/۴۱ ابن آدم اپنے فرشتوں کو بھیجے گا۔ مکاشفات ۱/۱، ۶/۲۲

نوٹ۔ اگر مسیح محض انسان ہی ہوتا تو صفات مذکورہ بالا جو فقط ذات باری تعالیٰ پر عائد ہو سکتی ہیں اس پر کس طرح عائد ہوتیں۔ علاوہ اس کے واضح ہو کہ انسان کی نجات و سزا وغیرہ کے متعلق المسیح کو وہ کام منسوب کئے گئے ہیں جو سوائے خالق کے مخلوق نہیں کر سکتا اور نہ بائیبل میں کسی اور کو منسوب کئے گئے۔

اب جناب کے ان امور کا جواب جو پہلے پورا نہ ہوا تھا سو یہ ہے کہ جناب نے مسیح کی الوہیت کے مخالف اس کا وہ بیان لیا ہے جو تمہاری کتب میں لکھا ہے تم سب خدا ہو تب تم میرے خدا ہونے کو کیوں رد کرتے ہو۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ مناسب تو یہ تھا کہ اس جگہ مسیح اپنے دعویٰ الوہیت کو مفصل پیش اور ثابت کرتا۔

جواب۔ میری التماس یہ ہے کہ ایک شخص کا کچھ بیان کرنا منجملہ اس کی وجوہات مضمنہ کے منافی اس کے **مابقی مضمنہ** کا نہیں یعنی الوہیت کا انکار اس میں نہیں۔ اس میں مراد المسیح کی صرف ان کے غصہ کو فرو کرنا تھا۔ کیونکہ وہ اس امر پر اس کو پتھراؤ کرنا چاہتے تھے کہ اس نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اور انہوں نے یہ معنے کئے اور صحیح کئے کہ تو اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ٹھہرا کر خدا کا مساوی بنتا ہے۔ پس یہ تیرا کفر ہے ہم اس لئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں اس نے کہا کہ لفظ اللہ کہنے سے میرے پر کفر کس طرح عائد کرتے ہو کیا تمہارے ہاں کتب انبیاء میں نہیں

﴿۴۶﴾

لکھا کہ قضات اور بزرگ **الوہیم** کہلائے۔ اگر وہ **الوہیم** کہلائے اور کفران پر عائد نہ ہوا اور مجھ کو جسے خدا نے مخصوص کیا ہے کفر کا الزام لگاتے ہو۔ یہاں سے صاف نظر آتا ہے کہ ان کی دیوانگی کے شعلہ کو فرو کیا ہے اور اپنی الوہیت کا (ان لفظوں میں) نہ انکار کیا نہ اقرار۔ فقط (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی — دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) — غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان — از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

۲۵۔ مئی ۱۸۹۳ء

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے **کمال** کے لفظ پر گرفت کی تھی اس کا کسی قدر جواب برعایت اختصار دے چکا ہوں مگر ڈپٹی صاحب موصوف نے ساتھ اس کے یہ فقرہ بھی ملا دیا ہے کہ نجات دینے میں کمال ہونا چاہئے۔ اور منجی حضرت مسیحؑ ہیں اور اس کی تائید میں ڈپٹی صاحب نے بہت سی پیشگوئیاں بائیبل اور نیز خطوط عبرانیوں وغیرہ سے لکھ کر پیش کی ہیں مگر میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ یہ دردسر بے فائدہ اٹھائی گئی۔ میری طرف سے یہ شرط ہو چکی تھی کہ فریقین میں سے جو صاحب اپنی الہامی کتاب کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہیں اس میں یہ قاعدہ ہونا چاہیئے کہ اگر وہ بیان از قسم دعویٰ ہو تو وہ دعویٰ بھی الہامی کتاب آپ پیش کرے اور اگر وہ بیان از قسم دلائل عقلیہ ہو تو چاہئے کہ الہامی کتاب دلائل عقلیہ آپ پیش کرے نہ یہ کہ الہامی کتاب پیش کرنے سے عاجز ہو اور اس کی حالت پر رحم کر کے اس کی مدد کی جائے ڈپٹی صاحب توجہ فرماویں کہ میں نے ابطال الوہیت کی جب دلیل پیش کی تو وہ اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ وہ عقلی دلیل پیش کی جو قرآن کریم نے آپ فرمائی تھی۔ مگر میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے مطابق شرائط قرار یافتہ کے عقلی دلائل میں سے کیا پیش کیا۔ اگر

﴿۴۷﴾

ڈپٹی صاحب یہ فرماویں کہ ہم نے ایک ذخیرہ کثیرہ پیشگوئیوں کا جو پیش کر دیا تو اس سے زیادہ کیا پیش کیا جاتا تو اس کے جواب میں افسوس سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ پیشگوئیاں دلائل عقلیہ میں سے نہیں ہیں وہ تو ہنوز دعاوی کے رنگ میں ہیں جو اپنے ثبوت کے بھی محتاج ہیں چہ جائیکہ دوسری چیز کی مثبت ہوسکیں اور میں شرط کر چکا ہوں کہ دلائل عقلیہ پیش کرنی چاہئیں۔ ماسوا اسکے جس قدر پیش کیا گیا ہے حضرت مسیحؑ اس کی تصدیق سے انکار کر رہے ہیں۔ اگرچہ میں اپنے کل کے بیان میں کسی قدر اس کا ثبوت دے چکا ہوں مگر ناظرین کی زیادت معرفت کی غرض سے پھر کسی قدر لکھتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ یوحنّا باب ۱۰/۳۴ میں ۳۷ تک صاف طور پر فرما رہے ہیں کہ مجھ میں اور دوسرے مقرّبوں اور مقدسوں میں ان الفاظ کی اطلاق میں جو بائیبل میں اکثر انبیاء وغیرہ کی نسبت بولے گئے ہیں جو ابن اللہ ہیں یا خدا ہیں کوئی امتیاز اور خصوصیت نہیں۔ ذرا سوچ کر دیکھنا چاہئے کہ حضرت مسیحؑ پر یہودیوں نے یہ بات سن کر کہ وہ اپنے تئیں ابن اللہ کہتے ہیں یہ الزام لگایا تھا کہ تو کفر کہتا ہے یعنی کافر ہے اور پھر انہوں نے اس الزام کے لحاظ سے ان کو پتھراؤ کرنا چاہا اور بڑے افروختہ ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسے موقعہ پر کہ جب حضرت مسیحؑ یہودیوں کی نظر میں اپنے ابن اللہ کہلانے کی وجہ سے کافر معلوم ہوتے تھے اور انہوں نے اسکو سنگسار کرنا چاہا۔ تو ایسے موقعہ پر کہ اپنی بریت یا اثبات دعویٰ کا موقعہ تھا مسیحؑ کا فرض کیا تھا؟ ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس موقعہ پر کہ کافر بنایا گیا حملہ کیا گیا سنگسار کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرنا مسیح کا کام تھا۔ اول یہ کہ اگر حقیقت میں حضرت مسیحؑ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہی تھے تو یوں جواب دیتے کہ یہ میرا دعویٰ حقیقت میں سچا ہے اور میں واقعی طور پر خدا تعالیٰ کا بیٹا ہوں اور اس دعویٰ کے ثابت کرنے کیلئے میرے پاس دو ثبوت ہیں ایک یہ کہ تمہاری کتابوں میں میری نسبت لکھا ہے کہ مسیح درحقیقت خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے بلکہ خود خدا ہے۔ قادر مطلع[1] ہے۔ عالم الغیب ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اگر تم کو شبہ ہے تو لاؤ کتابیں پیش کرو میں ان کتابوں سے اپنی خدائی کا ثبوت تمہیں دکھلا دوں گا۔ یہ تمہاری غلط فہمی اور کم توجّہی

[1] ایڈیشن اول میں سہو کتابت سے ''قادر مطلع'' لکھا ہے۔ درست ''قادر مطلق'' ہے (ناشر)

﴿۴۸﴾ اپنی کتابوں کی نسبت ہے کہ تم مجھے کافر ٹھہراتے ہو تمہاری کتابیں ہی تو مجھے خدا بنا رہی ہیں اور قادر مطلق بتلا رہی ہیں پھر میں کافر کیونکر ہوا بلکہ تمہیں تو چاہیئے کہ اب میری پرستش اور پوجا شروع کر دو کہ میں خدا ہوں۔

پھر دوسرا ثبوت یہ دینا چاہیئے تھا کہ آؤ خدائی کی علامتیں مجھ میں دیکھ لو جیسے خدا تعالیٰ نے آفتاب ماہتاب۔ سیّارے۔ زمین وغیرہ پیدا کیا ہے۔ ایک قطعہ زمین کا یا کوئی ستارہ یا کوئی اور چیز میں نے بھی پیدا کی ہے اور اب بھی پیدا کر کے دکھلا سکتا ہوں اور نبیوں کے معمولی معجزات سے بڑھ کر مجھ میں قوت اور قدرت حاصل ہے۔ اور مناسب تھا کہ اپنے خدائی کے کاموں کی ایک مفصل فہرست ان کو دیتے کہ دیکھو آج تک یہ یہ کام میں نے خدائی کے کئے ہیں۔ کیا حضرت موسیٰ سے لے کر تمہارے کسی آخری نبی تک ایسے کام کسی اور نے بھی کئے ہیں اگر ایسا ثبوت دیتے تو یہودیوں کا منہ بند ہو جاتا اور اسی وقت تمام فقیہ اور فریسی آپ کے سامنے سجدہ میں گرتے کہ ہاں حضرت! ضرور آپ خدا ہی ہیں ہم بھولے ہوئے تھے۔ آپ نے اس آفتاب کے مقابل پر جو ابتداء سے چمکتا ہوا چلا آتا ہے اور دن کو روشن کرتا ہے اور اس ماہتاب کے مقابل پر جو ایک خوبصورت روشنی کے ساتھ رات کو طلوع کرتا ہے اور رات کو منوّر کر دیتا ہے آپ نے ایک آفتاب اور ایک ماہتاب اپنی طرف سے بنا کر ہم کو دکھلا دیا ہے اور کتابیں کھول کر اپنی خدائی کا ثبوت ہماری مقبولہ مسلّمہ کتابوں سے پیش کر دیا ہے۔ اب ہماری کیا مجال ہے کہ بھلا آپ کو خدا نہ کہیں جہاں خدا نے اپنی قدرتوں کے ساتھ تجلّی کی وہاں عاجز بندہ کیا کر سکتا ہے۔ لیکن حضرت مسیحؑ نے ان دونوں ثبوتوں میں سے کسی ثبوت کو بھی پیش نہ کیا۔ اور پیش کیا تو ان عبارتوں کو پیش کیا سن لیجئے۔

تب یہودیوں نے پھر پتھر اٹھائے کہ اس پر پتھراؤ کریں۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں ان میں سے کس کام کے لئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو۔ یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لئے نہیں بلکہ اس لئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر کہتا ہے اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ کیا تمہاری

شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو جب کہ اس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ ﴿۴۹﴾

اب منصفین سوچ لیں کہ کیا الزام کفر کا دور کرنے کے لئے اور اپنے آپ کو حقیقی طور پر بیٹا اللہ تعالیٰ کا ثابت کرنے کے لئے یہی جواب تھا کہ اگر میں نے بیٹا کہلایا تو کیا ہرج ہو گیا تمہارے بزرگ بھی خدا کہلاتے رہے ہیں۔

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب اس جگہ فرماتے ہیں کہ گویا حضرت مسیحؑ ان کے بلوے سے خوفناک ہو کر ڈر گئے اور اصلی جواب کو چھپا لیا اور تقیہ اختیار کیا مگر میں کہتا ہوں کہ کیا یہ ان نبیوں کا کام ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی راہ میں ہر وقت جان دینے کو تیار رہتے ہیں قرآن کریم میں اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اَلَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَ یَخۡشَوۡنَہٗ وَ لَا یَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ [1] یعنی اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر جو اسکے پیغام پہنچاتے ہیں وہ پیغام رسانی میں کسی سے نہیں ڈرتے پس حضرت مسیح قادر مطلق کہلا کر کمزور یہودیوں سے کیوں کر ڈر گئے۔

اب اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حقیقی طور پر ابن اللہ ہونے کا یا خدا ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا اور اس دعویٰ میں اپنے تئیں ان تمام لوگوں کا ہمرنگ قرار دیا اور اس بات کا اقرار کیا کہ انہیں کے موافق یہ دعویٰ بھی ہے تو پھر اس صورت میں وہ پیشگوئیاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب پیش فرماتے ہیں وہ کیونکر بموجب شرط کے صحیح سمجھی جائیں گی۔ ایسا تو نہیں کرنا چاہئے کہ مدعی سست گواہ چست۔ حضرت مسیح تو کفر کے الزام سے بچنے کیلئے صرف یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ میری نسبت اسی طرح بیٹا ہونے کا لفظ بولا گیا ہے جس طرح تمہارے بزرگوں کی نسبت بولا گیا ہے گویا یہ فرماتے ہیں کہ میں تو اس وقت قصوروار اور مستوجب کفر ہوتا کہ خاص طور پر بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتا۔ بیٹا کہلانے اور خدا کہلانے سے تمہاری کتابیں بھری پڑی ہیں دیکھ لو۔ پھر حضرت مسیحؑ نے صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ آپ نے کئی مقامات انجیل میں اپنی انسانی کمزوریوں

[1] الاحزاب: ۴۰

کا اقرار کیا جیسا کہ جب قیامت کا پتہ ان سے پوچھا گیا تو آپ نے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی اور کہا کہ بجز اللہ تعالیٰ کے قیامت کے وقت کو کوئی نہیں جانتا۔

اب صاف ظاہر ہے کہ علم روح کی صفات میں سے ہے نہ جسم کی صفات میں سے۔ اگر ان میں اللہ تعالیٰ کی روح تھی اور یہ خود اللہ تعالیٰ ہی تھے تو لاعلمی کے اقرار کی کیا وجہ۔ کیا خدا تعالیٰ بعد علم کے نادان بھی ہو جایا کرتا ہے۔ پھر متی ۱۹ باب ۱۶ میں لکھا ہے۔ ’’دیکھو ایک نے آکے اسے (یعنی مسیح سے) کہا اے نیک استاد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اس نے اسے کہا تو کیوں نیک مجھے کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ پھر متی ۲۰/۲۰ میں لکھا ہے کہ زبدی کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے حضرت مسیح کے دائیں بائیں بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا اس میں میرا اختیار نہیں۔ اب فرمایئے قادر مطلق ہونا کہاں گیا۔ قادر مطلق بھی کبھی بے اختیار ہو جایا کرتا ہے اور جب کہ اس قدر تعارض صفات میں واقع ہو گیا کہ حضرات حواری تو آپ کو قادر مطلق خیال کرتے ہیں اور آپ قادر مطلق ہونے سے انکار کر رہے ہیں۔ تو ان پیش کردہ پیشگوئیوں کی کیا عزت اور کیا وقعت باقی رہی جس کے لئے یہ پیش کی جاتی ہیں وہی انکار کرتا ہے کہ میں قادر مطلق نہیں یہ خوب بات ہے۔ پھر متی ۲۶/۳۸ میں لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ’’مسیح نے تمام رات اپنے بچنے کے لئے دعا کی اور نہایت غمگین اور دلگیر ہو کر اور رو رو کر اللہ جلّ شانہٗ سے التماس کی کہ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گذر جائے اور نہ صرف آپ بلکہ اپنے حواریوں سے بھی اپنے لئے دعا کرائی جیسے عام انسانوں میں جب کسی پر کوئی مصیبت پڑتی ہے اکثر مسجدوں وغیرہ میں اپنے لئے دعا کرایا کرتے ہیں لیکن تعجب یہ کہ باوجود اس کے کہ خواہ نخواہ قادر مطلق کی صفت ان پر تھوپی جاتی ہے اور ان کے کاموں کو اقتداری سمجھا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ دعا منظور نہ ہوئی اور جو تقدیر میں لکھا تھا وہ ہو ہی گیا۔ اب دیکھو اگر وہ قادر مطلق ہوتے تو چاہیئے تھا کہ یہ اقتدار اور یہ قدرت کاملہ پہلے ان کو اپنے نفس کے لئے کام آتا۔ جب اپنے نفس کے لئے کام نہ آیا تو غیروں کو ان سے توقع رکھنا ایک طمع خام ہے۔

اب ہمارے اس بیان سے وہ تمام پیشگوئیاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے پیش کی ہیں رد

﴿۵۰﴾

ہوگئیں اور صاف ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیحؑ اپنے اقوال کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ سے اپنے تئیں عاجز ہی ٹھہراتے ہیں اور خدائی کی کوئی بھی صفت ان میں نہیں ایک عاجز انسان ہیں۔ ہاں نبی اللہ بے شک ہیں۔ خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ[1] یعنی کیا تم نے دیکھا کہ جن لوگوں کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ٹھہرا رہے ہو انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا اور یا ان کو آسمان کی پیدائش میں کوئی شراکت ہے۔ اگر اس کا ثبوت تمہارے پاس ہے اور کوئی ایسی کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ فلاں فلاں چیز تمہارے معبود نے پیدا کی ہے تو لاؤ وہ کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یونہی کوئی شخص قادر مطلق کا نام رکھا لے اور قدرت کا کوئی نمونہ پیش نہ کرے اور خالق کہلائے اور خالقیت کا کوئی نمونہ ظاہر نہ کرے۔

﴿۵۱﴾

اور پھر فرماتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ تر گمراہ کون شخص ہے کہ ایسے شخص کو خدا کر کے پکارتا ہے جو اس کو قیامت تک جواب نہیں دے سکتا۔ بلکہ اس کے پکارنے سے بھی غافل ہے چہ جائیکہ اس کو جواب دے سکے۔

اب اس مقام پر ایک سچی گواہی میں دینا چاہتا ہوں جو میرے پر فرض ہے اور وہ یہ ہے جو میں اس اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں کہ جو بگفتن قادر مطلق نہیں۔ بلکہ حقیقی اور واقعی طور پر قادر مطلق ہے اور مجھے اس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے خاص مکالمہ سے شرف بخشا ہے اور مجھے اطلاع دیدی ہے کہ میں جو سچا اور کامل خدا ہوں میں ہر ایک مقابلہ میں جو روحانی برکات اور

[1] الاحقاف: ۵،۶

سماوی تائیدات میں کیا جائے تیرے ساتھ ہوں اور تجھ کو غلبہ ہوگا۔

اب میں اس مجلس میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کی خدمت میں اور دوسرے تمام حضرات عیسائی صاحبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اس بات کو اب طول دینے کی کیا حاجت ہے کہ آپ ایسی پیشگوئیاں پیش کریں جو حضرت مسیحؑ کے اپنے کاموں و فعل کے مخالف پڑی ہوئی ہیں۔ ایک سیدھا اور آسان فیصلہ ہے جو میں زندہ اور کامل خدا سے کسی نشان کے لئے دعا کرتا ہوں اور آپ حضرت مسیح سے دعا کریں۔ آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ قادر مطلق ہے۔ پھر اگر وہ قادر مطلق ہے تو ضرور آپ کامیاب ہو جاویں گے۔ اور میں اس وقت اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کے کہتا ہوں کہ اگر میں بالمقابل نشان بتانے میں قاصر رہا تو ہر ایک سزا اپنے پر اٹھالوں گا۔ اور اگر آپ نے مقابل پر کچھ دکھلایا تب بھی سزا اٹھالوں گا۔ چاہیئے کہ آپ خلق اللہ پر رحم کریں۔ میں بھی اب پیرانہ سالی تک پہنچا ہوا ہوں اور آپ بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ہمارا آخری ٹھکانا اب قبر ہے۔ آؤ اس طرح پر فیصلہ کرلیں۔ سچا اور کامل خدا بیشک سچے کی مدد کرے گا۔ اب اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔ (باقی آئندہ)

﴿۵۲﴾

دستخط	دستخط
(بحروف انگریزی)	(بحروف انگریزی)
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

﴿۵۳﴾

پانچواں پرچہ

مباحثہ ۲۶؍ مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

آج چھ بجے گیارہ منٹ پر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب لکھنا شروع کیا ۷ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۷ بجے ۲۲ منٹ پر شروع کیا اور آٹھ بجے ۲۲ منٹ پر ختم ہوا مرزا صاحب کا مضمون سنائے جانے کے بعد یہ سوال پیش ہوا کہ مرزا صاحب نے جو اپنے مضمون کے اخیر میں عیسائی جماعت کو عام طور پر مخاطب کیا ہے اس کے متعلق بعض عیسائی صاحبان کو جو خواہش رکھتے ہیں جواب دینے کی اجازت ہو جاوے سب سے پہلے پادری ٹامس ہاول صاحب نے اجازت طلب کی اور مرزا صاحب نے اپنی طرف سے اجازت دے دی۔ اس کے بعد پادری احسان اللہ صاحب نے کہا کہ شرائط کے بموجب عیسائی صاحبان کی طرف سے کسی اور شخص کو بولنے کی اجازت نہیں اور اس سوال میں عیسائی صاحبان کو عام طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ سوال ناواجب ہی سمجھا جانا چاہیئے۔ اس پر میر مجلس اہل اسلام نے بیان کیا کہ جس ترتیب کے ساتھ سوال ہوا ہے اسی ترتیب کے ساتھ جواب دیا جانا چاہیئے۔ یعنی سوال بھی مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کے ذریعہ عام طور پر عیسائی صاحبان سے کیا گیا ہے اور جواب بھی انہیں کے ذریعہ اسی ترتیب کے ساتھ دیا جائے یعنی اس سوال کے جواب کے موقعہ پر کسی عیسائی صاحب کو جو اجازت طلب کرتے ہیں پیش کر دیں۔ اس پر میر مجلس عیسائی صاحبان نے بیان کیا کہ اس طریق سے مباحثہ کے انتظام میں نقص آئے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اس سوال کو ہی نکال دیا جائے۔ اس پر مرزا صاحب نے بیان فرمایا کہ اس میں اتنی ترمیم کی جاسکتی ہے کہ اس سوال کو صرف مسٹر عبداللہ آتھم تک ہی محدود کیا جائے۔ اور یہ ترمیم باتفاق رائے منظور ہوئی۔ بعد ازاں پادری جی ایل ٹھاکر داس صاحب نے اجازت لے کر بیان کیا کہ مرزا صاحب کو یہ سوال عیسائی صاحبان پر کرنے کا حق ہے مگر چونکہ اس سے پہلے اس امر کا تصفیہ ہو چکا تھا اس لئے

وہی بحال رہا۔ پھر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب ۸ بجے ۵۱ منٹ پر شروع کیا اور ۹ بجے ۲۲ منٹ پر ختم کیا۔ پھر مرزا صاحب نے ۹ بجے ۳۰ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۱۰ بجے ۳۰ منٹ پر ختم کیا۔ بعدازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کئے گئے اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

﴿۵۴﴾

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

ہمارا بیان یہ ہے کہ مسیح کامل انسان اور کامل مظہر اللہ ہے بروئے کلام الٰہی ان دو امروں کا انکار ہونا محال ہے لیکن بالیقین یہودی اس کو مظہر اللہ نہیں جانتے تھے پھر جب کبھی اس کے منہ سے اس کے مظہر اللہ ہونے کا کوئی لفظ نکل آتا تھا تو یہودی اس پر الزام کفر کا لگا کر سنگسار کرنے پر آمادہ ہوتے تھے۔ چنانچہ موقع متنازعہ کی بھی یہی صورت ہے اور اس موقعہ پر مسیح نے فرمایا کہ اگر میں اپنی انسانیت سے بھی اپنے آپ کو ابن اللہ کہوں تو اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسے تمہارے نبی بھی خدا کہلائے تو میرا کہنا ان سے زیادہ بڑھ کر بہ نسبت اس کے انسانیت کے بھی نہیں ہے۔ پس یہاں اس نے اپنے مظہر اللہ ہونے کا انکار کیونکر کیا۔ مظہر اللہ ہونے کی آیات تو ہماری محولہ فہرست دیروزہ میں بھی موجود ہیں۔ اس کو کس خوش فہمی سے مرزا صاحب رد کرتے ہیں۔ کونسا امر ان میں اس کے بطلان کا پکڑا۔ کیا جو امر خاص متعلق مسیح کی انسانیت کے ہے وہ منافی اس کی الوہیت یا مظہر اللہ ہونے کا بھی ہوسکتا ہے۔ ہرگز کسی قانون سے نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ وہ اپنی انسانیت میں بھی مخصوص اور مرسلہ شخص تھا۔ وہ لفظ جس کا ترجمہ مخصوص ہے یونانی میں

’’ہے گی ایڈزو‘‘ ہے جس کے معنی مقدس اور بھیجا گیا۔ جو لفظ ہے اس کا ایما اس پر ہے کہ وہ فرمایا کرتا تھا کہ میں آسمان پر سے ہوں تم زمینی ہو یعنی میں آسمان سے زمین پر بھیجا گیا ہوں اور ہمارے شارح اکثر اس کے معنے الوہیت کے کرتے ہیں۔ پھر کیا مرزا صاحب نے اسے باب ۱۰ یوحنّا میں یہ نہ دیکھا کہ جیسے مسیح نے اولاً یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں اور باپ ایک ہیں جس پر یہودیوں نے پتھر اٹھائے تھے اس زعم سے کہ وہ انسان مخلوق ہو کر دعویٰ اللہ ہونے کا کرتا ہے پھر جب اس نے اپنی انسانیت کو بھی اس الزام سے بچا لیا تو پھر وہی دعویٰ پیش کر دیا کہ میں اور باپ ایک ہیں۔ پس جناب یہ کیونکر فرماتے ہیں کہ وہ ڈر گیا۔ بجائے ڈرنے کے اور بھی اس نے کھلا کھلی دعویٰ الوہیت کو پیش کیا تو یہ صحیح ہے کہ ایک موقع پر خداوند مسیح نے فرمایا کہ میں اس گھڑی سے آگاہ نہیں اور دوسرے موقع پر فرمایا کہ میرے دائیں اور بائیں بٹھلانا میرا اختیاری نہیں لیکن یہ کلمات نسبت اس کی انسانیت سے رکھتے ہیں کیونکہ الوہیت کے کلمات اور ہیں چنانچہ یہ کہ زمین و آسمان کا اختیار مجھ کو حاصل ہے اور پھر یہ بھی صحیح ہے کہ ایک موقع پر خداوند نے فرمایا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے جب کہ نیک سوائے خدا کے کوئی نہیں مگر یہ فرمانا اس کا اس شخص سے تھا جو اس کو منجی اور مالک ہر شے کا نہیں مانتا تھا چنانچہ جب اس نے اخیر میں اس سے کہا کہ اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے تو سارا اپنا مال غرباء کو دے ڈال اور میرے پیچھے ہولے مگر وہ اس سے دلگیر ہو کر چلا گیا اور اگر وہ اس کو خدا اور مالک جانتا اور یہ کہ وہ اس سے ہزار چند بخش سکتا ہے تو کبھی بھی دلگیر ہو کر نہ جاتا اس سے ظاہر کہ وہ قائل اس کی الوہیت کا نہ تھا۔ اسی واسطے خداوند نے فرمایا کہ تب تو مجھے نیک بھی کیوں کہتا ہے یعنی مکار کیوں بنتا ہے کیونکہ تو جانتا ہے کہ نیک سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔

(۲) جناب مرزا صاحب نے کمال ہونے راہ نجات پر قرآن سے کچھ نہیں فرمایا پھر ہماری اور کوئی چیز کس مصرف کی ہے بقول مسیح کہ اگر ہم جہان کو حاصل کریں اور جان کو کھو دیں تو فائدہ کیا ہوا۔ پس سب سے اول لازم اور واجب ہے کہ نجات کی بابت قرآن میں کمال دکھلایا جاوے۔ بیت

﴿۵۵﴾

وہ ہو تو یہ ہوتی ہو یا نہ ہو۔ وہ نا ہو تو سب کا سب فنا ہو۔ توحید کا علم تو بائبل میں بھی موجود تھا۔ اِلّا اس کلمہ توحید سے نجات کا کیا علاقہ ہے۔ کیا یعقوب حواری کے خط کے دوسرے باب ۱۹ میں یہ بہت ٹھیک اور واجباً نہیں فرمایا گیا کہ تو کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ شیطان بھی کہتا ہے بلکہ ٹھہراتا بھی ہے۔ توریت کے مضمون کے چار حصہ میں ماسواء امور اثباتیہ کے یعنی شریعت اخلاقی۔ شریعت رسمیاتی۔ شریعت قضاتی اور قصص۔ اب یہ سارے امور ٹے پالوجی کے ہیں یعنی نشانات تصویری کے سے۔ چنانچہ اخلاقی میں احتیاج دکھلایا گیا ہے اور رسمیاتی میں مایحتاج دکھلایا گیا ہے اور قضاتی میں (تھی او کرسے) دکھلائی گئی۔ یعنی وہ سلطنت جو خدائے تعالیٰ بلا واسطہ غیر کے خود کرتا ہے اور قصص جن میں تصویر کے نشانات بھرے ہیں۔ ان مقامات کو اب اس جگہ اگر ہم لکھیں تو بہت طول ہو جاتا ہے ہم اس کے واسطے اپنی کتاب اندرونہ بائبل کو پیش کرتے ہیں کہ جس سے یہ سب حال ظاہر ہو جائے گا۔ انجیل میں انہیں نشانات کا صاحب نشان دکھلایا ہے پس یہ متفرق شریعتیں کیونکر ہوئیں۔ البتہ قرآن کی شریعت ان کے سوا ہے جو مخصوص ساتھ قرآن کے ہے اس کا بار ہم پر کچھ نہیں لیکن آپ پر ہے۔

(۴) **صداقت** محتاج دلیل کی کیونکر ہے کیا وہ خود ہی اپنی مراد پر دال نہیں اس کے واسطے اور تصفیہ آپ کیا چاہتے ہیں کیا وہ آیات جو ہم نے اس فہرست میں پیش کی ہیں ان میں کوئی ناصاف بھی ہے۔

(۵) ہم سے جو استفسار یہ ہے کہ مسیح نے کیا بنایا تھا۔ خدا نے تو زمین و آسمان اور سب چیزیں بنائیں۔ بجواب اس کے عرض ہے کہ بہ حیثیت انسانیت کے تو اس نے کچھ نہیں بنایا۔ لیکن بحیثیت مظہر اقنوم ثانی کے باب ۸۔ امثال و ایک باب یوحنّا میں یوں لکھا ہے جو کچھ بنا ہے اسی کے وسیلہ بنا ہے اور کہ باپ کو کسی نے دیکھا تک نہیں مگر بیٹے نے خلق کرنے کے وسیلہ سے اسے جتلا دیا۔

(۷) ہم نے خداوند مسیح کا ڈرنا نہیں کہا بلکہ ان کا بے جا غصہ فرو کرنا کہا ہے۔

(۸) مسیح نے تعلیم سلف کو پیچیدہ نہیں کیا بلکہ پیچیدہ کو صاف کیا ہے۔

چنانچہ اس نے مظہر اللہ ہو کر وہ صفات ظاہر کیں جو اور طرح سے ظاہر نہ ہو سکتی تھیں۔ جیسا کہ متی ۶۔ ۹ خدا کا باپ ہونا۔ یوحنّا ۳۔ ۱۶ خدا محبت ہے۔ یوحنّا ۲۴/۴ خدا روح ہے۔ کثرت فی الوحدت توریت میں

صاف لکھی تھی جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ تاہم یہودیوں کی آنکھ میں غفلت کا پردہ تھا اور خداوند نے اس پردہ کو اٹھایا۔ ﴿۵۶﴾

(۹) کلام الٰہی کی شرح کرنا یہودیوں کا خاص ورثہ نہیں ہے گو وہ انبیاؤں کی اولاد ہیں اور کلام کے امانت دار اور تواتر سے سننے والے۔ کیونکہ ان میں بغض اور تعصب بہت بھر گیا تھا اور جب خداوند یسوع نے یہ فرمایا کہ جو وہ کہتے ہیں سو کرو اور جو کرتے ہیں سو نہ کرو۔ اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ کہنا ان کا الفاظ توریت سے ہے اور کرنا ان کا برخلاف اس کے۔

(۱۰) بدن مسیح کا زوال پذیر ہو یا نہ ہو۔ مگر اس سے کفارہ کا کیا علاقہ ہے فی الحال اور کچھ نہ کہوں گا۔ (باقی آئندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

میرے کل کے بیان میں نجات کے بارہ میں کچھ لکھنا رہ گیا تھا کہ نجات کی حقیقت کیا ہے اور سچے حقیقی طور پر کب اور کس وقت کسی کو کہہ سکتے ہیں کہ نجات پا گیا۔ اب جاننا چاہیئے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے نجات کے بارہ میں قرآن کریم میں یہ فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[1] اور کہا انہوں نے کہ ہرگز بہشت میں داخل نہیں ہو گا یعنی نجات نہیں پائے گا مگر وہی شخص جو یہودی ہو گا یا نصرانی ہو گا یہ ان کی بے حقیقت آرزوئیں ہیں کہو لاؤ برہان اپنی اگر تم سچے ہو یعنی تم دکھلاؤ کہ تمہیں کیا نجات حاصل ہو گئی ہے بلکہ نجات اس کو ملتی ہے جس نے اپنا سارا وجود اللہ کی

[1] البقرۃ: ۱۱۲، ۱۱۳

﴿۵۷﴾

راہ میں سونپ دیا۔ یعنی اپنی زندگی کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیا اور اس کی راہ میں لگا دیا۔ اور وہ بعد وقف کرنے اپنی زندگی کے نیک کاموں میں مشغول ہو گیا اور ہر ایک قسم کے اعمال حسنہ بجالانے لگا پس وہی شخص ہے جس کو اس کا اجر اس کے رب کے پاس سے ملے گا اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ ڈر ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے یعنی وہ پورے اور کامل طور پر نجات پا جائیں گے۔ اس مقام میں اللہ جلّ شانہٗ نے عیسائیوں اور یہودیوں کی نسبت فرمادیا کہ جو وہ اپنی اپنی نجات یابی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں اور ان آرزوؤں کی حقیقت جو زندگی کی روح ہے ان میں ہرگز پائی نہیں جاتی بلکہ اصلی اور حقیقی نجات وہ ہے جو اسی دنیا میں اس کی حقیقت نجات یا بندہ کو محسوس ہو جائے اور وہ اس طرح پر ہے کہ نجات یا بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ توفیق عطا ہو جائے کہ وہ اپنا تمام وجود خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دے۔ اس طرح پر کہ اس کا مرنا اور جینا اور اس کے تمام اعمال خدا تعالیٰ کے لئے ہو جائیں اور اپنے نفس سے وہ بالکل کھویا جائے اور اس کی مرضی خدا تعالیٰ کی مرضی ہو جائے اور پھر نہ صرف دل کے عزم تک یہ بات محدود رہے بلکہ اس کی تمام جوارح اور اس کے تمام قویٰ اور اس کی عقل اور اس کا فکر اور اس کی تمام طاقتیں اسی راہ میں لگ جائیں تب اس کو کہا جائے گا کہ وہ محسن ہے یعنی خدمت گاری کا اور فرمانبرداری کا حق بجالایا جہاں تک اس کی بشریت سے ہو سکتا تھا سو ایسا شخص نجات یاب ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام میں اللہ فرماتا ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ[1] (س ۸ سورہ انعام رکوع ۷) کہہ نماز میری اور عبادتیں میری اور زندگی میری اور موت میری تمام اس اللہ کے واسطے ہیں جو رب ہے عالموں کا جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی درجہ کے حاصل کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اول مسلمانوں کا ہوں۔

پھر بعد اس کے اللہ جلّ شانہٗ اس نجات کی علامات اپنی کتاب کریم میں لکھتا ہے کیونکہ گو جو کچھ فرمایا گیا وہ بھی ایک حقیقی ناجی کے لئے مابہ الامتیاز ہے لیکن چونکہ دنیا کی آنکھیں اس باطنی نجات اور وصول الی اللہ کو دیکھ نہیں سکتیں اور دنیا پر واصل اور غیر واصل کا امر مشتبہ ہو جاتا ہے اسلئے

[1] الانعام: ۱۶۳، ۱۶۴

اس کی نشانیاں بھی بتلا دیں کیونکہ یوں تو دنیا میں کوئی بھی فرقہ نہیں کہ اپنے تئیں غیر ناجی اور جہنمی قرار دیتا ہے کسی سے پوچھ کر دیکھ لیں بلکہ ہر ایک قوم کا آدمی جس کو پوچھو اپنی قوم کو اور اپنے مذہب کے لوگوں کو اول درجہ کا نجات یافتہ قرار دے گا۔ اس صورت میں فیصلہ کیونکر ہو تو اس فیصلہ کے لئے ﴿۵۸﴾ خدا تعالیٰ نے حقیقی اور کامل ایمانداروں اور حقیقی اور کامل نجات یافتہ لوگوں کے لئے علامتیں مقرر کر دی ہیں اور نشانیاں قرار دے دی ہیں تا دنیا شبہات میں مبتلا نہ رہے چنانچہ منجملہ ان نشانیوں کے بعض نشانیوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔ اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ۔ لَھُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ [1] (س ۱۱ ر ۱۲ سورۂ یونس) یعنی خبردار ہو تحقیق وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے دوست ہیں ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے یعنی اللہ رسول کے تابع ہو گئے اور پھر پرہیزگاری اختیار کی ان کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا کی زندگی اور نیز آخرت میں بشریٰ ہے یعنی خدا تعالیٰ خواب اور الہام کے ذریعہ سے اور نیز مکاشفات سے ان کو بشارتیں دیتا رہے گا خدا تعالیٰ کے وعدوں میں تخلف نہیں اور یہ بڑی کامیابی ہے جو ان کے لئے مقرر ہو گئی یعنی اس کامیابی کے ذریعہ سے ان میں اور غیروں میں فرق ہو جائے گا۔ اور جو سچے نجات یافتہ نہیں ان کے مقابل میں دم نہیں مار سکیں گے پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡھِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۔ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمۡ فِیۡھَا مَا تَشۡتَھِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡھَا مَا تَدَّعُوۡنَ۔ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ [2] (س ۲۴ ر ۱۸) یعنی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر استقامت اختیار کی ان کی یہ نشانی ہے کہ ان پر فرشتے اترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم مت ڈرو اور کچھ غم نہ کرو اور خوشخبری سنو اس بہشت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا ہم تمہارے دوست اور متولی اس دنیا کی زندگی میں ہیں اور نیز آخرت میں اور تمہارے لئے اس بہشت

[1] یونس: ۶۳ تا ۶۵ [2] حٰم السجدۃ: ۳۱، ۳۲

میں وہ سب کچھ دیا گیا جو تم مانگو یہ مہمانی ہے غفور رحیم سے۔

اب دیکھئے اس آیت میں مکالمہ الٰہیہ اور قبولیت اور خدا تعالیٰ کا متولّی اور متکفل ہونا اور اسی دنیا میں بہشتی زندگی کی بناڈالنا اور ان کا حامی اور ناصر ہونا بطور نشان کے بیان فرمایا گیا۔

اور پھر اس آیت میں جس کا کل ہم ذکر کر چکے ہیں یعنی یہ کہ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ [۱] اسی نشانی کی طرف اشارہ ہے کہ سچی نجات کا پانے والا ہمیشہ اچھے پھل لاتا ہے اور آسمانی برکات کے پھل اس کو ہمیشہ ملتے رہتے ہیں اور پھر ایک اور مقام میں فرماتا ہے وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ [۲] (س۲ ر ۷) اور جب میرے بندے میرے بارہ میں سوال کریں تو ان کو کہہ دے کہ میں نزدیک ہوں یعنی جب وہ لوگ جو اللہ رسول پر ایمان لائے ہیں یہ پتہ پوچھنا چاہیں کہ خدا تعالیٰ ہم سے کیا عنایات رکھتا ہے جو ہم سے مخصوص ہوں اور غیروں میں نہ پائی جاویں۔ تو ان کو کہہ دے کہ میں نزدیک ہوں یعنی تم میں اور تمہارے غیروں میں یہ فرق ہے کہ تم میرے مخصوص اور قریب ہو اور دوسرے مہجور اور دور ہیں جب کوئی دعا کرنے والوں میں سے جو تم میں سے دعا کرے دعا کرتے ہیں تو میں اس کا جواب دیتا ہوں یعنی میں اس کا ہمکلام ہو جاتا ہوں اور اس سے باتیں کرتا ہوں اور اس کی دعا کو پایۂ قبولیت میں جگہ دیتا ہوں پس چاہیئے کہ قبول کریں حکم میرے کو اور ایمان لاویں تاکہ بھلائی پاویں ایسا ہی اور کئی مقامات میں اللہ جلّ شانہٗ نجات یافتہ لوگوں کے نشان بیان فرماتا ہے اگر وہ تمام لکھے جاویں تو طول ہو جائے گا جیسا کہ ان میں سے ایک یہ بھی آیت ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا [۳] (س۹ ر ۱۸ سورۃ الانفال) کہ اے ایمان والو اگر تم خدا تعالیٰ سے ڈرو تو خدا تم میں اور تمہارے غیروں میں مابہ الامتیاز رکھ دے گا۔

﴿۵۹﴾

اب میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب سے بادب دریافت کرتا ہوں کہ اگر عیسائی مذہب میں طریق نجات کا کوئی لکھا ہے اور وہ طریق آپ کی نظر میں صحیح اور درست ہے اور اس طریق پر چلنے

[۱] ابراھیم:۲۶ [۲] البقرۃ:۱۸۷ [۳] الانفال:۳۰

والے نجات پا جاتے ہیں تو ضرور اس نجات یابی کی علامات بھی اس کتاب میں لکھی ہوں گی اور سچے ایماندار جو نجات پا کر اس دنیا کی ظلمت سے مخلصی پا جاتے ہیں ان کی نشانیاں ضرور انجیل میں کچھ لکھی ہوں گی۔ آپ براہ مہربانی مجھ کو مختصر جواب دیں کہ کیا وہ نشانیاں آپ صاحبوں کے گروہ میں یا بعض ایسے صاحبوں میں جو بڑے بڑے مقدس اور اس گروہ کے سردار اور پیشوا اور اول درجہ پر ہیں پائی جاتی ہیں اگر پائی جاتی ہیں تو ان کا ثبوت عنایت ہو اور اگر نہیں پائی جاتیں تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس چیز کی صحت اور درستی کی نشانی نہ پائی جائے تو کیا وہ چیز اپنے اصل پر محفوظ اور قائم سمجھی جائے گی مثلاً اگر تُربد یا سقمونیا یا سنا میں خاصہ اسہال کا نہ پایا جائے کہ وہ دست آور ثابت نہ ہو تو کیا اس تربد کو تربد موصوف یا سقمونیا خالص کہہ سکتے ہیں اور ماسوا اس کے جو آپ صاحبوں نے طریق نجات شمار کیا ہے جس وقت ہم اس طریق کو اس دوسرے طریق کے ساتھ جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے مقابل کر کے دیکھتے ہیں تو صاف طور پر آپ کے طریق کا تصنع اور غیر طبعی ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بات بہ پایۂ ثبوت پہنچتی ہے کہ آپ کے طریق میں کوئی صحیح راہ نجات کا قائم نہیں کیا گیا مثلاً دیکھئے کہ اللہ جلّ شانہٗ قرآن کریم میں جو طریق پیش کرتا ہے وہ تو یہ ہے کہ انسان جب اپنے تمام وجود کو اور اپنی تمام زندگی کو خدا تعالیٰ کے راہ میں وقف کر دیتا ہے تو اس صورت میں ایک سچی اور پاک قربانی اپنے نفس کے قربان کرنے سے وہ ادا کر چکتا ہے۔ اور اس لائق ہو جاتا ہے کہ موت کے عوض میں حیات پاوے کیونکہ یہ آپ کی کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دیتا ہے وہ حیات کا وارث ہو جاتا ہے۔ پھر جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی تمام زندگی کو وقف کر دیا اور اپنے تمام جوارح اور اعضاء کو اس کی راہ میں لگا دیا تو کیا اب تک اس نے کوئی سچی قربانی ادا نہیں کی۔ کیا جان دینے کے بعد کوئی اور بھی چیز ہے جو اس نے باقی رکھ چھوڑی ہے لیکن آپ کے مذہب کا عدل تو مجھے سمجھ نہیں آتا کہ زید گناہ کرے اور بکر کو اس کے عوض میں سولی دیا جائے آپ اگر غور اور توجہ سے دیکھیں تو بے شک ایسا طریق قابل شرم آپ پر ثابت ہوگا خدا تعالیٰ نے جب سے انسان کو پیدا کیا انسان کی

﴿۶۰﴾

مغفرت کے لئے بھی قانون قدرت رکھا ہے جو ابھی میں نے بیان کیا ہے اور در حقیقت اس قانون قدرت میں جو طبعی اور ابتدا سے چلا آتا ہے ایسی خوبی اور عمدگی ہے جو ایک ہی انسان کی سرشت میں خدا تعالیٰ نے دونوں چیزیں رکھ دی ہیں جیسے اس کی سرشت میں گناہ رکھا ہے ویسا ہی اس گناہ کا علاج بھی رکھا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسے طور سے زندگی وقف کر دی جائے کہ جس کو سچی **قربانی** کہہ سکتے ہیں اب **مختصر** بیان یہ ہے کہ آپ کے نزدیک یہ طریق نجات کا جو **قرآن شریف** نے پیش کیا ہے صحیح نہیں ہے تو اول آپ کو چاہیئے کہ اس طریق کے مقابل پر جو حضرت **مسیح** کی زبان سے ثابت ہوتا ہے اس کو ایسا ہی مدلل اور معقول طور پر ان کی تقریر کے حوالہ سے پیش کریں پھر بعد اس کے انہیں کے قول مبارک سے اس کی نشانیاں بھی پیش کریں تا کہ تمام حاضرین جو اس وقت موجود ہیں ابھی فیصلہ کر لیں۔ ڈپٹی صاحب! کوئی حقیقت بغیر نشانوں کے ثابت نہیں ہو سکتی دنیا میں بھی ایک **معیار** حقائق شناسی کا ہے کہ ان کو ان کی نشانیوں سے پرکھا جائے سو ہم نے تو وہ **نشانیاں** پیش کر دیں اور ان کا دعویٰ بھی اپنی نسبت پیش کر دیا اب یہ **قرضہ** ہمارا آپ کے ذمہ ہے اگر آپ پیش نہیں کریں گے اور ثابت کر کے نہیں دکھلائیں گے کہ یہ طریق نجات جو حضرت **مسیح** کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کس وجہ سے سچا اور صحیح اور کامل ہے تو اس وقت تک آپ کا یہ دعویٰ ہرگز صحیح نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ **قرآن کریم** نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح اور سچا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے صرف بیان ہی نہیں کیا بلکہ کر کے بھی دکھا دیا اور اس کا ثبوت میں پیش کر چکا ہوں آپ براہ مہربانی اب اس نجات کے قصہ کو بے دلیل اور بے وجہ صرف دعویٰ کے طور پر پیش نہ کریں۔ کوئی صاحب آپ میں سے کھڑے ہو کر اس وقت بولیں کہ میں بموجب فرمودہ حضرت **مسیح** کے نجات پا گیا ہوں اور وہ نشانیاں نجات کی اور کامل ایمانداری کی جو حضرت **مسیح** نے مقرر کی تھیں وہ مجھ میں موجود ہیں پس ہمیں کیا انکار ہے۔ ہم تو نجات ہی چاہتے ہیں لیکن زبان کی لسانی کو کوئی قبول نہیں کر سکتا۔ میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ **قرآن**

﴿۶۱﴾

کا نجات دینا میں نے بچشم خود دیکھ لیا ہے۔ اور میں پھر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بالمقابل اس بات کو دکھلانے کو حاضر ہوں لیکن اول آپ دو حرفی مجھے جواب دیں کہ آپ کے مذہب میں سچی نجات معہ اس کی علامت کے پائی جاتی ہے یا نہیں اگر پائی جاتی ہے تو دکھلاؤ۔ پھر اس کا مقابلہ کرو۔ اگر نہیں پائی جاتی تو آپ صرف اتنا کہہ دو کہ ہمارے مذہب میں نجات نہیں پائی جاتی۔ پھر میں یک طرفہ ثبوت دینے کے لئے مستعد ہوں۔

دستخط بحروف انگریزی — دستخط بحروف انگریزی

غلام قادر فصیح — ہنری مارٹن کلارک

پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام — پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی مسٹر عبداللہ آتھم صاحب

بقیہ جواب: جو مرزا صاحب نے فرمایا کہ مسیح نے اسی وقت ایسا یا ویسا ثبوت کیوں نہ دیا جب اس پر الزام کفر کا لگا کر پتھراؤ کرنا چاہتے تھے تا کہ ظاہر ہو جاتا کہ فی الواقع اللہ ہی ہے۔ مجھے اس پر ایک قصہ یاد آیا کہ ایک شخص نے مجھ سے کلام کرتے ہوئے یہ کہا کہ خدا تعالیٰ نے یہ کیا کوتاہ بینی کی کہ دو آنکھیں پیشانی کے نیچے ہی لگا دی ہیں ایک سر میں کیوں نہ لگا دی کہ وہ اوپر کی بلیّات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا اور ایک پیٹھ میں کیوں نہ لگا دی کہ پیچھے سے دیکھ سکتا اب اس میں حیرانی ہے کہ کیا ایک بے چون و چرا پر اس قسم کی چون و چرا جائز ہے یہ کہنا معقول نہیں ہے کہ ایسا اور ویسا کیوں نہ کیا مگر یہ معقول ہے کہ جو کیا گیا ہے اس کو بمعرض اعتراض لایا جائے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہودیوں کا ﴿۶۲﴾ الزام یہی نہ تھا کہ تو انسان ہو کر خدا بنتا ہے یہ کفر ہے۔ اور جواب اس کا یہ ہوا کہ میں انسان ہو کر بھی اپنے آپ کو ابن اللہ کہہ سکتا ہوں اور کفر نہیں ہوتا جیسے نبی اللہ بھی تو انسان تھے اور ان کو اللہ کہا گیا تو پس اس میں سوال اس کی الوہیت کے متعلق کونسا تھا۔

دوسرا[۲] امر جناب مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ مسیح نے اپنے لئے حواریوں سے دعا چاہی یہ تو سچ نہیں موقعہ کو دیکھ لیں اس میں یہ تو لکھا ہے کہ مسیح نے ان کو کہا کہ تم اپنے لئے دعا مانگو تا کہ تم امتحان میں نہ پڑو۔

تیسرا[۳] جناب کے کل کے مباہلہ کا جواب یہ ہے کہ ہم مسیحی تو پرانی تعلیمات کے لئے نئے معجزات کی کچھ ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ ہم اس کی استطاعت اپنے اندر دیکھتے ہیں بجز اس کے کہ ہم کو وعدہ یہ ہوا ہے کہ جو درخواست بمطابق رضاء الٰہی کے تم کرو گے وہ تمہارے واسطے حاصل ہو جائے گی اور نشانات کا وعدہ ہم سے نہیں لیکن جناب کو اس کا بہت سا ناز ہے ہم بھی دیکھنے معجزہ سے انکار نہیں کرتے۔ اگر اسی میں مہربانی خلق اللہ کے اوپر ہے کہ نشان دکھلا کر فیصلہ کیا جائے تو ہم نے تو اپنا عجز بیان کیا جناب ہی کوئی معجزہ دکھلا دیں اور اس وقت آپ نے اپنے آخری مضمون دیروزہ میں کہا تھا اور کچھ آج بھی اس پر ایما ہے اب زیادہ گفتگو کی اس میں کیا ضرورت ہے ہم دونوں عمر رسیدہ ہیں آخر قبر ہمارا ٹھکانا ہے خلق اللہ پر رحم کرنا چاہیئے کہ آؤ کسی نشان آسمانی سے فیصلہ کر لیں۔ اور یہ بھی آپ نے کہا کہ مجھے خاص الہام ہوا ہے کہ اس میدان میں تجھے فتح ہے۔ اور ضرور خدائے راست ان کے ساتھ ہوگا جو راستی پر ہیں ضرور ضرور ہی ہوگا۔ آپ کی تحریر کے خلاصہ کا یہ جواب ہے جیسا کہ ہم آگے بھی لکھ چکے ہیں کہ ہم آپ کو کوئی پیغمبر یا رسول یا شخص ملہم جان کر آپ سے مباحثہ نہیں کرتے آپ کے ذاتی خیالات اور وجوہات اور الہامات سے ہمارا کچھ سروکار نہیں ہم فقط آپ کو ایک محمدی شخص فرض کر کے دین **عیسوی** اور **محمدیت** کے بارہ میں بموجب ان قواعد و اسناد کے جو ان ہر دو میں عام مانی جاتی ہیں آپ سے گفتگو کر رہے ہیں خیر تاہم چونکہ آپ کو ایک خاص قدرت الٰہی دیکھانے پر آمادہ ہو کے ہم کو برائے مقابلہ بلاتے ہیں تو ہمیں دیکھنے سے گریز بھی نہیں یعنی معجزہ یا نشانی۔ پس ہم یہ تین شخص پیش کرتے ہیں جن میں ایک اندھا۔ ایک ٹانگ کٹا اور ایک گونگا ہے۔ ان میں سے جس کسی کو صحیح سالم کر سکو کر دو اور جو اس معجزہ سے ہم پر فرض و واجب ہوگا ہم ادا کریں گے آپ بقول خود ایسے خدا کے قائل ہیں جو گفتہ قادر نہیں لیکن درحقیقت

قادر ہے تو وہ ان کو تندرست بھی کر سکے گا پھر اس میں تامل کی کیا ضرورت ہے اور ضرور بقول آپ کے راستباز کے ساتھ ہوگا ضرور ہوگا۔ آپ خلق اللہ پر رحم فرمائیے جلد فرمائیے اور آپ کو خبر ہوگی کہ آج یہ معاملہ پڑنا ہے جس خدا نے الہام سے آپ کو خبر دے دی کہ اس جنگ و میدان میں تجھے فتح ہے اس نے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ اندھے و دیگر مصیبت زدوں نے بھی پیش ہونا ہے۔ سو سب عیسائی صاحبان و محمدی صاحبان کے روبرو اسی وقت اپنا چیلنج پورا کیجئے۔ ﴿۶۳﴾

چہارم۔ نجات کے بارہ میں جو جناب نے قرآن سے فرمایا ہے اس کا خلاصہ افعال معینہ ہے اور اس امر کی پڑتال ہم ہفتہ آئندہ میں کریں گے کیونکہ موقع وہی ہے جب ہمارے حملہ شروع ہوں گے۔ اور آپ کے حملہ ختم ہولیں گے اور جو آپ نے اعمال متقین کا فدیہ پیش کیا ہے اس کو ہم جانچیں گے کہ کیا کامل ہے یا ناقص۔ عَلٰی ھٰذا القیاس مسیح کا طریقہ نجات بھی ہم اسی روز جانچیں گے۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

حضرت مسیح کے بارہ میں جو آپ نے عذر پیش کیا ہے کہ حضرت مسیح نے صرف یہودیوں کا غصّہ فرو کرنے کے لئے یہ کہہ دیا تھا کہ تمہاری شریعت میں بھی تمہارے نبیوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ خدا ہیں اور نیز اس جگہ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسیح نے اپنی انسانیت کے لحاظ سے ایسا جواب دیا یہ بیان آپ کا منصفین کی توجہ اور غور کے لائق ہے صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کا کلمہ کہ میں خدا تعالیٰ کا بیٹا ہوں ایک کفر کا کلمہ قرار دے کر اور نعوذ باللہ ان کو کافر سمجھ کر یہ سوال کیا تھا اور اس سوال کے جواب میں بے شک حضرت مسیح کا یہ فرض تھا کہ اگر وہ حقیقت میں انسانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ خدائی کی وجہ سے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا بیٹا سمجھتے تھے

تو اپنے مدعا کا پورا پورا اظہار کرتے اور اپنے ابن اللہ ہونے کا ان کو ثبوت دیتے کیونکہ اس وقت وہ ثبوت ہی مانگتے تھے لیکن حضرت مسیح نے تو اس طرف رخ نہ کیا اور اپنے دوسرے انبیاء کی طرح قرار دیکر عذر پیش کر دیا اور اس فرض سے سبکدوش نہ ہوئے جو ایک سچا مبلغ اور معلم سبکدوش ہونا چاہتا ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ مخصوص مقدس کو کہتے ہیں حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت ثابت نہیں کر سکتا کیونکہ آپ کی بائبل میں مخصوص کا لفظ اور نبیوں وغیرہ کی نسبت بھی استعمال پا گیا ہے دیکھو یسعیا نبی ۱۳ باب ۳۔ اور جو آپ نے بھیجے ہوئے کے معنی الوہیت نکالے ہیں یہ بھی ایک عجیب معنی ہیں آپ دیکھیں کہ پہلے سموئیل کے ۱۲ باب ۸ آیت میں لکھا ہے کہ موسیٰ اور ہارون کو بھیجا اور پھر پیدائش ۴۵۔ ۷ میں لکھا ہے۔ خدا نے مجھے یہاں بھیجا ہے پھر یرمیا ۳۵ باب ۱۳، ۴۴ باب ۴ میں یہی آیت موجود ہے اب کیا اس جگہ بھی ان الفاظ کے معنی الوہیت کرنا چاہئے افسوس کہ آپ ایک سیدھے اور سادے حضرت مسیح کے بیان کو توڑ مروڑ کر اپنے منشاء کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور حضرت مسیح نے جو اپنی بریت کا ثبوت پیش کیا اس کو نکما اور مہمل کرنا آپ کا ارادہ ہے کیا حضرت مسیح یہودیوں کی نظر میں صرف اس قدر کہنے سے بری ہو سکتے تھے کہ میں اپنے خدا ہونے کی وجہ سے تو بے شک ابن اللہ ہی ہوں لیکن میں انسانیت کی وجہ سے دوسرے نبیوں کے مساوی ہوں اور جو انکے حق میں کہا گیا وہ ہی میرے حق میں کہا گیا۔ اور کیا یہودیوں کا الزام اس طور کے رکیک عذر سے حضرت مسیح کے سر پر سے دور ہو سکتا تھا اور کیا انہوں نے یہ تسلیم کیا ہوا تھا کہ حضرت مسیح اپنی خدائی کی وجہ سے تو بے شک ابن اللہ ہی ہیں اس میں ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہاں انسان ہونے کی وجہ میں کیوں اپنے تئیں ابن اللہ کہلاتے ہیں بلکہ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہودیوں کے دل میں صرف اتنا ہی ہوتا کہ حضرت مسیح محض انسان ہونے کی وجہ سے دوسرے مقدس اور مخصوص انسانوں کی طرح اپنے تئیں ابن اللہ قرار دیتے ہیں تو وہ کافر ہی کیوں ٹھہراتے کیا وہ حضرت اسرائیل کو اور حضرت آدم اور دوسرے نبیوں کو جن کے حق میں ابن اللہ کے

﴿۶۴﴾

لفظ آئے ہیں کافر خیال کرتے تھے نہیں بلکہ سوال ان کا تو یہی تھا کہ ان کو بھی دھوکا لگا تھا کہ حضرت مسیح حقیقت میں اپنے تئیں اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں اور چونکہ جواب مطابق سوال چاہیئے اس لیے حضرت مسیح کا فرض تھا کہ وہ اُنکے جواب میں وُہی طریق اختیار کرتے جس طریق کیلئے اُنکا استفسار تھا اگر حقیقت میں خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے تو وُہ پیشگوئیاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب بعد از وقت اس مجلس میں پیش کر رہے ہیں کے سامنے پیش کرتے اور چند نمونہ خدا ہونے کے دکھلا دیتے تو فیصلہ ہو جاتا یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ یہودیوں کا سوال حقیقی ابن اللہ کے دلائل دریافت کرنے کیلئے نہیں تھا۔ اس مقام میں زیادہ لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں اَب بعد اسکے واضح ہو کہ مَیں نے **ڈپٹی عبداللہ آتھم** صاحب کی خدمت میں یہ تحریر کیا تھا کہ جیسے کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ نجات صرف مسیحی مذہب میں ہے ایسا ہی **قرآن** میں لکھا ہے کہ نجات صرف اسلام میں ہے اور آپکا تو صرف اپنے لفظوں کے ساتھ دعویٰ اور میں نے وہ آیات بھی پیش کردی ہیں۔لیکن ظاہر ہے کہ دعویٰ بغیر ثبوت کے کچھ عزّت اور وقعت نہیں رکھتا۔سو اس بناء پر دریافت کیا گیا تھا کہ **قرآن** کریم میں تو نجات یا بندہ کی نشانیاں لکھی ہیں جن نشانوں کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ اس مقدس کتاب کی پیروی کرنے والے نجات کو اسی زندگی میں پالیتے ہیں مگر آپ کے مذہب میں حضرت عیسیٰؑ نے جو نشانیاں نجات یا بندوں یعنی حقیقی **ایمانداروں** کی لکھی ہیں وہ آپ میں کہاں موجود ہیں۔مثلاً جیسے کہ مرقس ۱۶۔۱۷ میں لکھا ہے۔اور وے جو **ایمان** لائیں گے اُن کے ساتھ یہ علامتیں ہونگی کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالینگے اور نئی زبانیں بولینگے سانپوں کو اُٹھالینگے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پیئیں گے اُنہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائینگے۔ تو اَب میں بادب التماس کرتا ہوں اور اگر ان الفاظ میں کچھ درشتی یا مرارت ہو تو اُسکی معافی چاہتا ہوں کہ یہ **تین** بیمار جو آپ نے پیش کئے ہیں یہ علامت تو بالخصوصیّت مسیحیوں کیلئے حضرت عیسیٰؑ قرار دے چکے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے

﴿۶۵﴾

ایماندار ہو تو تمہاری یہی علامت ہے کہ بیمار پر ہاتھ رکھو گے تو وہ چنگا ہو جائیگا اب گستاخی معاف اگر آپ سچے **ایماندار** ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو اِسوقت تین بیمار آپ ہی کے پیش کردہ موجود ہیں آپ اُن پر ہاتھ رکھدیں اگر وہ چنگے ہو گئے تو ہم قبول کرلیں گے کہ بیشک آپ سچّے **ایماندار** اور نجات یافتہ ہیں ورنہ کوئی قبول کرنے کی راہ نہیں کیونکہ حضرت مسیح تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ برابر بھی **ایمان** ہوتا تو اگر تم پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے چلا جا تو وہ چلا جاتا مگر خیر مَیں اس وقت پہاڑ کی نقل مکانی تو آپ سے نہیں چاہتا کیونکہ وہ ہماری اِس جگہ سے دور ہیں لیکن یہ تو بہت اچھی تقریب ہوگئی کہ بیمار تو آپ نے ہی پیش کر دیئے اِب آپ ان پر ہاتھ رکھو اور چنگا کر کے دکھلاؤ ورنہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی **ایمان** ہاتھ سے جاتا رہے گا مگر آپ پر یہ واضح رہے کہ یہ الزام ہم پر عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ نے **قرآن کریم** میں ہماری یہ نشانی نہیں رکھی کہ بالخصوصیّت تمہاری یہی نشانی ہے کہ جب تم بیماروں پر ہاتھ رکھو گے تو اچھے ہو جائیں گے ہاں یہ فرمایا ہے کہ میں اپنی رضا اور مرضی کے موافق تمہاری دُعائیں قبول کرونگا اور کم سے کم یہ کہ اگر ایک دُعا قبول کرنے کے لائق نہ ہو اور مصلحتِ الٰہی کے مخالف ہو تو اس میں اطلاع دیجائیگی یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم کو یہ اقتدار دیا جائیگا کہ تم اقتداری طور پر جو چاہو وہی کر گذرو گے۔ مگر حضرت مسیح کا تو یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیماروں وغیرہ کے چنگا کرنے میں اپنے تابعین کو اختیار بخشتے ہیں جیسا کہ متی ۱۰ باب ۱ میں لکھا ہے پھر اُس نے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کے انہیں **قدرت** بخشی کہ ناپاک رُوحوں کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور دُکھ درد کو دُور کریں ۔ اب یہ آپکا فرض اور آپکی **ایمانداری** کا ضرور نشان ہو گیا کہ آپ ان بیماروں کو چنگا کر کے دکھلا دیں یا یہ **اقرار** کریں کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ہم میں **ایمان** نہیں اور آپکو یاد رہے کہ ہر ایک شخص اپنی کتاب کے موافق مؤاخذہ کیا جاتا ہے ۔ ہمارے **قرآن** کریم میں کہیں نہیں لکھا کہ تمہیں اقتدار

﴿۶۶﴾

دیا جائیگا بلکہ صاف فرما دیا کہ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَاللّٰہِ[1] یعنی انکو کہہ دو کہ نشان اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جس نشان کو چاہتا ہے اُسی نشان کو ظاہر کرتا ہے بندہ کا اُسپر زور نہیں ہے کہ جبر کے ساتھ اُس سے ایک نشان لیوے یہ جبر اور اقتدار تو آپ ہی کی کتابوں میں پایا جاتا ہے بقول آپ کے مسیح اقتداری معجزات دکھلاتا تھا اور اُس نے شاگردوں کو بھی اقتدار بخشا۔ اور آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ اب بھی حضرت مسیح زندہ حیّ قیّوم قادر مطلق عالم الغیب دن رات آپ کے ساتھ ہے جو چاہو وہی دے سکتا ہے پس آپ حضرت مسیح سے درخواست کریں کہ ان تینوں بیماروں کو آپ کے ہاتھ رکھنے سے اچھا کر دیویں تا نشانی ایمانداری کی آپ میں باقی رہ جاوے ورنہ یہ تو مناسب نہیں کہ ایک طرف اہل حق کے ساتھ بحیثیت سچے عیسائی ہونے کے مباحثہ کریں اور جب سچے عیسائی کے نشان مانگے جائیں تب کہیں کہ ہم میں استطاعت نہیں اس بیان سے تو آپ اپنے پر ایک اقبالی ڈگری کراتے ہیں کہ آپ کا مذہب اسوقت زندہ مذہب نہیں ہے لیکن ہم جس طرح پر خدا تعالیٰ نے ہمارے سچے ایماندار ہونے کے نشان ٹھہرائے ہیں اس التزام سے نشان دکھلانے کو تیار ہیں اگر نشان نہ دکھلاسکیں تو جو سزا چاہیں دے دیں اور جس طرح کی چُھری چاہیں ہمارے گلے میں پھیر دیں اور وہ طریق نشان نمائی کا جسکے لئے ہم مامور ہیں وہ یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے جو ہمارا سچا اور قادر خدا ہے اس مقابلہ کے وقت جو ایک سچے اور کامل نبی کا انکار کیا جاتا ہے تضرع سے کوئی نشان مانگیں تو وُہ اپنی مرضی سے نہ ہمارا محکوم اور تابع ہو کر جس طرح سے چاہے گا نشان دکھلائے گا آپ خوب سوچیں کہ حضرت مسیح بھی باوجود آپ کے اس قدر غلو کے اقتداری نشانات کے دکھلانے سے عاجز رہے دیکھئے مرقس ب ۸۔ ۱۱، ۱۲۔ آیت میں یہ لکھا ہے۔ تب فریسی نکلے اور اس سے حجت کر کے یعنی جس طرح اب اسوقت مجھ سے حجت کی گئی۔ اس کے امتحان کیلئے آسمان سے کوئی نشان چاہا اُس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کے کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائیگا اب دیکھئے کہ یہودیوں نے اسی طرز سے نشان مانگا تھا حضرت مسیح نے آہ کھینچ کر نشان دکھلانے

[1] الانعام: ۱۱۰

﴿۶۷﴾

سے انکار کر دیا پھر اس سے بھی عجب طرح کا ایک اور مقام دیکھئے کہ جب مسیح صلیب پر کھینچے گئے تو تب یہودیوں نے کہا کہ اُس نے اوروں کو بچایا پر آپ کو نہیں بچا سکتا اگر اسرائیل کا بادشاہ ہے تو اب **صلیب** سے اُتر آوے تو ہم اس پر ایمان لاویں گے اب ذرا نظر غور سے اس آیت کو سوچیں کہ یہودیوں نے صاف عہد اور اقرار کر لیا تھا کہ اب صلیب سے اُتر آوے تو وہ ایمان لاوینگے لیکن حضرت مسیح اُتر نہیں سکے ان تمام مقامات سے صاف ظاہر ہے کہ نشان دکھلانا اقتداری طور پر انسان کا کام نہیں ہے بلکہ **خدا تعالیٰ** کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ ایک اور مقام میں حضرت مسیح فرماتے ہیں یعنی متی ب ۱۲۔ آیت ۳۸ کہ اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں پر یونس **نبی** کے نشان کے سوا کوئی نشان دکھلایا نہ جائیگا اب دیکھئے کہ اِس جگہ حضرت مسیح نے اُنکی درخواست کو منظور نہیں کیا بلکہ وہ بات پیش کی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُنکو معلوم تھی اِسی طرح مَیں بھی وہ بات پیش کرتا ہوں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو معلوم ہے میرا دعویٰ نہ خدائی کا اور نہ اقتدار کا اور میں ایک **مسلمان** آدمی ہوں جو قرآن شریف کی پَیروی کرتا ہوں اور قرآن شریف کی تعلیم کے رُو سے اس موجودہ نجات کا مدعی ہوں ۔ میرا نبّوت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جائے میں تو محمدؐی اور کامل طور پر اللہ و رسول کا متبع ہوں اور ان نشانوں کا نام معجزہ رکھنا نہیں چاہتا بلکہ ہمارے **مذہب** کی رُو سے ان نشانوں کا نام **کرامات** ہے جو اللہ رسولؐ کی پیروی سے دیئے جاتے ہیں تو پھر مَیں دعوتِ **حق** کی غرض سے دوبارہ اتمام حُجّت کرتا ہوں کہ یہ حقیقی نجات اور حقیقی نجات کے برکات اور ثمرات صرف اُنھیں لوگوں میں موجود ہیں جو حضرت **محمد مصطفٰے** صلی اللہ علیہ وسلم کی پَیروی کرنے والے اور قرآنِ کریم کے احکام کے سچے تابعدار ہیں اور میرا دعویٰ قرآن کریم کے مطابق صرف اِتنا ہے کہ اگر کوئی حضرت عیسائی صاحب اس نجات حقیقی کے مُنکر ہوں جو قرآن کریم

کے وسیلہ سے مل سکتی ہے تو انھیں اختیار ہے کہ وہ میرے مقابل پر نجات حقیقی کی آسمانی نشانیاں اپنے **مسیح** سے مانگ کر پیش کریں مگر اب بالخصوص رعایت شرائط بحث کے لحاظ سے میرے مخاطب اِس بارہ میں **ڈپٹی عبداللہ آتھم** صاحب ہیں۔ صاحب **موصوف** کو چاہیئے کہ **انجیل** شریف کی علامات قرارداده کے موافق سچا ایماندار ہونے کی نشانیاں اپنے وجود میں ثابت کریں اور اِس طرف میرے پر لازم ہوگا کہ مَیں سچا ایماندار ہونے کی نشانیاں **قرآن کریم** کے رُو سے اپنے وجود میں ثابت کروں مگر اِس جگہ یاد رہے کہ قرآن کریم ہمیں اقتدار نہیں بخشتا بلکہ ایسے **کلمہ** سے ہمارے بدن پر لرزہ آتا ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ کِس قسم کا نشان دکھلائے گا وہی **خدا** ہے سوا اُسکے اور کوئی خدا نہیں ہاں یہ ہماری طرف سے اِس بات کا عہد پختہ ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے میرے پر ظاہر کر دیا ہے کہ ضرور مقابلہ کے وقت میں فتح پاؤں گا۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کس طور سے نشان دکھلائے گا **اصل مدعا** تو یہ ہے کہ نشان ایسا ہو کہ **انسانی طاقتوں** سے بڑھ کر ہو یہ کیا ضرور ہے کہ ایک بندہ کو خدا ٹھہرا کر اقتدار کے طور پر اُس سے نشان مانگا جائے ہمارا یہ مذہب نہیں اور نہ ہمارا یہ عقیدہ ہے اللہ جلّ شانہٗ ہمیں صرف عموم اور کلّی طور پر نشان دکھلانے کا وعدہ دیتا ہے اگر اِس میں مَیں جُھوٹا نِکلوں تو جو سزا تجویز کریں خواہ سزائے مَوت ہی کیوں نہ ہو مجھے منظور ہے لیکن اگر آپ حدِ اعتدال وانصاف کو چھوڑ کر مجھ سے ایسے نشان چاہیں گے جس طرز سے حضور **مسیح** بھی دِکھلا نہیں سکتے بلکہ سوال کرنے والوں کو ایک دو گالیاں سُناویں تو ایسے نشان دکھلانے کا دم مارنا بھی میرے نزدیک کفر ہے۔ ﴿۶۸﴾

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی غلام قادر فصیح	بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

﴿۶۹﴾

چھٹا پرچہ

مباحثہ ۲۷؍ مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ پادری جی ایل ٹھاکرداس صاحب بوجہ ضروری کام کے گوجرانوالہ میں تشریف لے گئے ہیں۔ اس لئے اُنکی بجائے ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ناصر مقرر کئے جائیں۔ تجویز منظور ہوئی۔

پھر بہ تحریک ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ناصر اور بتائید میر حامد شاہ صاحب اور باتفاق رائے حاضرین یہ تجویز منظور ہوئی کہ شرائط مباحثہ میں قرار دیا گیا تھا کہ ہر ایک تقریر پر تقریر کنندوں اور میر مجلس صاحبان کے دستخط ہونے چاہئیں۔ بعوض اِسکے مَیں پیش کرتا ہوں کہ صاحب میر مجلس صاحبان کے دستخط ہی کافی متصوّر رہیں۔

مباحثہ کے متعلق یہ قرار پایا کہ اہل اسلام کی طرف سے منشی غلام قادر صاحب فصیح اور مرزا خدا بخش صاحب اور عیسائی صاحبان کی طرف سے بابو فخر الدین اور شیخ وارث الدین صاحب ایک جگہ بیٹھ کر فیصلہ کریں اور رپورٹ کریں کہ مباحثہ کی کس قدر قیمت مناسب مقرر کی جاسکتی ہے۔ اِسکے بعد عیسائی صاحبان کیطرف سے بتایا جائیگا کہ وہ کس قدر کاپیاں خرید سکیں گے اور یہ مباحثہ جسے عیسائی صاحبان خریدیں گے اس طرح چھپا ہوا ہوگا کہ روئداد اور مصدقہ مضامین فریقین کے لفظ بلفظ اُس میں مندرج ہونگے۔ کسی فریق کی طرف سے اُس میں کمی بیشی وغیرہ نہیں کی جائیگی۔

۶ بجے ۳۰ منٹ پر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب لکھنا شروع کیا اور ۷ بجے ۳۰ منٹ پر ختم ہوا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۸ بجے ۵ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۹ بجے ۵ منٹ پر ختم ہوا۔ اور اِسکے بعد ایک امر پر تنازعہ ہوتا رہا جس کا اُسی وقت فیصلہ کرکے

﴿۷۰﴾

ہر دو میر مجلسوں کے اُسپر دستخط کئے گئے جو اِس کارروائی کے ساتھ ملحق ہے۔ فقط

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی۔ ہنری مارٹن کلارک	بحروف انگریزی۔ غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب بیمار تھے اور انہوں نے اپنے آخری جواب میں ایک پہلے سے لکھی ہوئی تحریر پیش کر کے کہا کہ کوئی اور صاحب انکی طرف سے سُنا دیں۔ اِسلئے میر مجلس اہل اسلام نے اِسپر اعتراض کیا کہ ایسی تحریر پہلے سے لکھّی ہُوئی پیش کی جانی خلاف شرائط ہے چنانچہ اس پر ایک عرصہ تک تنازعہ ہوتا رہا۔ آخرکار یہ قرار پایا کہ سوموار کا ایک دن اِس زمانہ مباحثہ میں ایزاد کیا جاوے اور ایسا ہی دُوسرے زمانہ میں بھی ایک دن اور بڑھا دیا جاوے۔ علاوہ بریں یہ بھی مرزا صاحب کی رضامندی سے قرار پایا کہ اُس سوموار کے روز مسٹر عبداللہ آتھم صاحب خدانخواستہ صحت یاب نہ ہوں تو اُنکی جگہ کوئی اور صاحب مقرر کئے جاویں اور اِس امر کا اختیار ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کو ہوگا۔ یہ بھی قرار پایا کہ ۲۹ تاریخ کو آخری جواب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کا ہو اور دُوسرے زمانہ میں آخری جواب مرزا صاحب کا ہوگا۔ وقت کا لحاظ نہ ہوگا اور گیارہ بجے کے اندر اندر کارروائی ختم ہوگی۔ یعنی آخری زمانہ مجیب کا حق ہوگا کہ جواب دے اور اُسکے جواب کے بعد اگر وقت بچے تو سائل کو وقت نہیں دیا جاویگا اور جلسہ برخاست کیا جاویگا۔ چونکہ مذکورہ بالا اوّل الذکر امر فیصلہ طلب تھا اِس لئے اتفاق رائے سے اِسکا یُوں فیصلہ ہوا کہ آئندہ کوئی مضمون تحریری پہلے کا لکھا ہوا لفظ بہ لفظ نقل نہیں کرایا جاسکتا اور یہ فیصلہ بہ تراضی فریقین ہوا اور فریقین پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲۷ مئی ۱۸۹۳ء

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

﴿۷۱﴾

بیانؔ ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۲۷؍مئی ۱۸۹۳ء

اوّل۔ دربارہ راہ نجات ونشانات نجات یافتگان جو جناب مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں ہم نے پہلے اِس سے بیان کر دیا ہے کہ ہفتہ آئندہ کے شروع میں اسکی بحث پوری شروع ہوگی اِس جگہ بھی ہم اِس قدر اشارہ کر دیتے ہیں کہ آپ کے لفظ نجات کی تعریف بہت ہی نامکمل ہے اور آپ کو ضرور نہ تھا کہ طریقہ نجات مسیحان کو مصنوعی اور غیر طبعی اور باطل فرماتے۔ بہرکیف جو آپ نے فرمایا ہے وہ آگے دیکھا جائیگا جب ہماری باری اعتراضات کی ہوگی۔

دوم۔ انجیل یوحنّا کی باب ۱۰ پیش کردہ آیات کا ہم کافی ووافی جواب دے چکے ہیں آپ نے بجائے اِسکے کہ اُس جواب کا کچھ نقص دکھلاتے محض باربار تکرار ہی اسکا کیا ہے گویا کہ تکرار ہی کافی ہے اور طول کلامی ہی گویا صداقت ہے۔ یوحنّا کے باب ۱۰۔۳۶ میں جہاں لفظ مخصوص اور بھیجا ہوا ترجمہ ہوا ہے ہماری اس شرح پر کہ لفظ مخصوص کا اصل زبان میں بمعنے تقدیس کیا گیا ہے۔ اور بھیجا ہوا اسی پر ایماء کرتا ہے جو اُس نے فرمایا کہ مَیں آسمانی ہوں اور تم زمینی ہو۔ یہ لفظ جتنے حوالہ آپ نے دیئے ہیں اور کسی بزرگ کے بارہ میں پائے نہیں جاتے۔ یسعیا ۱۳/۳ سطروں کے ترجمہ میں لفظ ارخومائی ہے جس کے معنے بھیجا ہوا ہے۔ پہلے سمویل ۱۲/۸ میں لفظ اپسنن ای لو معنے وہی ہیں۔ پَیدایش ۴۵/۷ میں بھی اور یرمیا ۳۵/۱۴ میں لفظ بادی زی جس کے معنے جاکے ہیں اور یہ الفاظ مقام متنازعہ کے لفظ ھی گی آسے سے بہت ہی متفرق ہیں اور ان الفاظ کا تعلق مقام متنازعہ سے کچھ نہیں ہے اور جو ہم نے کہا وہ درست ہے، کہ جس کو خدا نے مخصوص کیا اور بھیجا یعنی آسمان سے بھیجا۔

سوم۔ کیا یہودی لوگ اسرائیل وغیرہ کو اسی لقب کے باعث کافر سمجھتے تھے۔ یہ جناب کا سوال ہے۔ جواب اِس کا ہم بار بار دے چکے مگر افسوس کہ جناب کسی باعث سے

﴿۷۲﴾

اِسؔ کو نہ سمجھے۔ گزشتہ بحث پر جناب نظر غور پھر فرما کر دیکھ لیں اور یہ خصوصیت اور کسی بزرگ کے ساتھ نہ تھی جو مسیح کے ساتھ تھی۔

چہارم۔ اس کا بھی لوگ انصاف کر لیں گے جو مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے صرف لفظ کے ساتھ نجات کا دعویٰ کیا ہے اور صرف لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ کیوں صاحب ہماری آیات محولہ کتب مقدسہ سے کس لئے بے توجگی رہی۔ کیوں نہ ان کا کچھ نقص دکھلایا گیا پیشتر اس سے کہ بے توجگی رکھی جاتی۔

پنجم۔ مرقس کے باب ۱۶ کے بموجب جو مرزا صاحب ہم سے نشان طلب کرتے ہیں بجواب اُس کے واضح ہو کہ وعدہ کی عمومیت پر ہمارا کچھ عذر نہیں کہ جو ایمان لائے اُس کے ساتھ یہ علامتیں ہوں۔ اِلّا سوال یہ ہے کہ اُس وعدہ کی عمومیت کے ساتھ کیا معرفت بھی عام ہے؟ کیا حواری اس ضعفِ ایمانی کے واسطے کہ اُنہوں نے معتبر گواہوں کی گواہی اور خداوند کے وعدہ کی باتیں اور انبیاء سلف کی پیش خبریاں نہ مانی تھیں؟ جھڑکی نہ کھائی تھی کہ اور کیا ہمارے خداوند کا یہ دستور نہ تھا کہ جس کو وہ تنبیہ فرماتا تھا اُسی کو تقویت بھی بخشتا تھا۔

اور جب اُس نے ایسا فرمایا کہ تم جاؤ دنیا میں کہ جب کوئی ایمان لاوے گا۔ اُسکے ساتھ یہ نشان ہونگے تو اِس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ معجزہ کی بابت تم ضعیف الایمان ہوئے۔ اب آئندہ کو معجزات تمہارے ہاتھ سے بہ نکلیں گے۔ کیا یہ جھڑکی ہمارے اس زمانہ کے پادریوں نے بھی کھائی تھی۔ یہ تو ہم نے تسلیم کیا کہ وعدہ عام ہے لیکن اس کو دکھلاؤ کہ معرفت بھی عام ہے جسکے وسیلہ سے یہ امر پورا ہونیوالا ہے۔ ہم نے باب ۱۶ مرقس سارا آپ کو سُنا دیا ہے جو ہم نے بیان کیا۔ یہی صُورت وہاں موجود ہے یا نہیں۔ پس جب معرفت خاص تھی تو حواریوں کے زمانہ کے بعد اس وعدہ کی کشش بے جا ہے کہ نہیں۔

تکمیل اس وعدہ کے بارہ میں اعمال $\frac{۸}{۱۴}$ دیکھو کہ کیا یہ لکھا ہے یا نہیں کہ یوحنّا اور

پطرس رسول جب سامریا میں گئے اور بہت سے لوگوں کو مسیحی پایا تو اُن سے سوال کیا کہ تم نے رُوح القدس بھی پائی ہے یا نہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ رُوح القدس کی بابت ہم نے سُنا تک نہیں تب اُنہوں نے پُوچھا کہ تم نے کس کے ہاتھ سے بپتسما پایا اُنہوں نے کہا کہ یوحنّا اصطباغی کے ہاتھ سے۔ تب اُنہوں نے ہاتھ اُن کے سر پر رکھے اور اُنکو رُوح القدس ملی۔ اِس نظیر سے کیا ثابت نہ ہوا کہ ہماری شرح صحیح اور سچّی ہے اور کیا جناب کی کشش وعدہ عام معجزات کی تا ابد غلط ہے۔ ﴿۷۳﴾

پہلے قرنتیوں کے ۱۲ باب میں ۴ آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ پر رُوح ایک ہی ہے اور خدمتیں بھی طرح طرح کی ہیں اور خداوند ایک ہی ہے اور تاثیریں طرح طرح کی ہیں پر خدا ایک ہی ہے جو سبھوں میں سب کچھ کرتا ہے ۲۸۔ اور خُدا نے کلب میں کتنوں کو مقرب کیا اور پہلے رسولوں کو دوسرے نبیوں کو تیسرے اُستادوں کو بعد اس کے کرامتیں تب چنگا کرنے کی قدرتیں وغیرہ۔ ۳ آیت مددگاریاں پیشوایاں طرح طرح کی زبانیں کیا سب رسول ہیں؟ کیا سب نبی ہیں کیا سب اُستاد ہیں۔ کیا سب کرامتیں دکھاتے ہیں؟ کیا سب کو چنگا کرنے کی قدرت ہے ؟ کیا طرح طرح کی زبانیں سب بولتے ہیں؟ کیا سب ترجمہ کرتے ہیں۔ اِن امور سے صاف ظاہر ہے کہ اُس زمانہ میں کہ جب حواری موجود تھے ہر ایک مومن کسی بخشش کو عطیّہ الٰہی سے پیش کرتا تھا کہ کسی کو یہ امر آتا تھا اور کسی کو وہ اور کوئی بغیر معجزہ کے نہ تھا لیکن کلام الٰہی نے پہلے قرنتیوں ۱۳ ۲و۸ میں یہ فرمایا اور اگر میں نبوّت کروں اور اگر مَیں غیب کی سب باتیں اور سارے علم جانوں اور میرا ایمان کامل ہو یہاں تک کہ مَیں پہاڑوں کو چلاؤں پر محبّت نہ رکھوں تو میں کچھ نہیں ہوں محبت کبھی جاتی نہیں رہتی اگر نبوتیں ہیں تو موقوف ہونگی اگر زبانیں ہیں تو بند ہو جائیں گی اگر علم ہے تو لا حاصل ہو جائے گا۔ اور آخری آیت میں لکھا ہے۔ اب تو ایمان اُمید اور محبت یہ تینوں موجود رہتی ہیں پر اِن میں جو بڑھ کر ہے

محبت ہے۔ کیونکہ ایمان جب دوبدو ہوگیا تو ایمان رہا امید جب حاصل ہوگئی تو اتمام پاگئی مگر محبت کبھی اتمام نہیں پاتی اور یہ بھی یاد رہے محبت خاص نام خدا کا ہے کہ خدا محبت ہے۔ ان سب امور سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ معجزات جیسے کہ ہمیشہ کے واسطے موعود نہیں ہوئے ویسے ہی نجات کے بارہ میں سب سے اُوپر ان کا درجہ نہیں۔ لیکن ایک وقت کے واسطے جب نئی تعلیم دی گئی اِس کی تصدیق اور قائمی کے واسطے معجزے بخشے گئے اور اگر ہمیشہ معجزے ہوا کریں تو تاثیر معجزہ ہونے کی کچھ نہ رہے خلاصہ جس آیت سے جناب نے وعدہ عام کی کشش کی ہے ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ اسکے متعلق معرفت بھی ہے اور وہ معرفت محض خاص ہے۔ اور متن کلام باب ۱۶ مرقس کو دیکھ کر جناب اِس بیان کو کسی طرح سے غلط نہ ٹھہرا سکیں گے۔ ﴿۷۴﴾

ششم۔ جناب فرماتے ہیں کہ مسیح نے بھی اقتداری معجزے دکھلانے سے انکار کیا۔ لیکن یہ جناب کی زیادتی ہے کہاں انکار کیا؟ کیا جب لوگ نشان آسمانی کو دیکھ کر واسطے ٹھٹھ کرنے کے اور نشان آسمانی مانگتے تھے تو ارشاد ہوا کہ اس بد اور حرامکار گروہ کو کوئی نشان نہ دکھلایا جاوے گا۔ اب انصاف فرمایئے کہ کیا نشان کے نہ دکھانے کے معنے یہ ہیں کہ نشان نہیں دکھلایا جاسکتا۔ کیا کوئی قادر شخص اگر یہ کہے کہ میں فلاں امر نہ کروں گا۔ تو اسکے معنے یہ ہیں کہ وہ نہیں کرسکتا؟

متی ۹ اور یوحنّا ۱۱ اور لوقا ۷ وغیرہ ابواب میں نظائر معجزات صاف صاف دیکھ لو۔ مجھے تو جناب کے فہم وذکا سے اِس سے زیادہ اُمّید تھی کہ آپ ایسے معنے نہ کریں۔

ہفتم۔ آپ جو فرماتے ہیں کہ مسیح نے دو گالیاں دیں۔ کیا بد کو بد کہنا گالی ہے اور یا حرامزادہ کو حرامزادہ کہنا گالی ہے۔ اگر جناب اسلام کے داب کلام کے موافق بھی کچھ کرتے تو ایک نبی اُولوالعزم اور معصوم کے اُوپر ایسی بے مہذبانہ کلام نہ کرتے۔

اس کے واسطے ہم افسوس کرتے ہیں کہ نبیوں کی بابت یہ کہا جائے کہ گالیاں دیتے تھے۔(باقی آئندہ)

دستخط (بحروف انگریزی) دستخط

ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)

از جانب عیسائی صاحبان از جانب اہل اسلام

﴿۷۵﴾

بیان حضرت مرزا صاحب

ڈپٹی صاحب سے میرا یہ سوال تھا کہ آپ جو حضرت عیسٰیؑ کو خدا ٹھہراتے ہیں تو آپ کے پاس حضرت موصوف کی الوہیت پر کیا دلیل ہے کیونکہ جبکہ دُنیا میں بہت سے فرقے اور قومیں ایسی پائی جاتی ہیں کہ اُنہوں نے اپنے اپنے پیشواؤں اور رہبروں کو خُدا ٹھہرا رکھا ہے جیسے ہندوؤں کا فرقہ اور بُدھ مذہب کے لوگ اور وہ لوگ بھی اپنے اپنے پُرانوں اور شاستروں کے رُو سے اُنکی خدائی پر منقولی دلائل پیش کیا کرتے ہیں بلکہ اُنکے معجزات اور بہت سے خوارق بھی ایسی شدّ ومد سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاس اُنکی نظیر نہیں جیسے کہ راجہ رامچند رصاحب اور راجہ کرشن صاحب اور برہما اور بشن اور مہا دیو کی کرامات جو وہ بیان کرتے ہیں آپ صاحبوں پر پوشیدہ نہیں تو پھر ایسی صورت میں ان متفرق خداؤں میں سے ایک سچا خدا ٹھہرانے کے لئے ضرور نہیں کہ بڑے بڑے معقولی دلائل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دعوے میں اور منقولی ثبوتوں کے پیش کرنے میں تو وہ سب صاحب آپکے شریک ہیں بلکہ منقولات کے بیان کرنے میں شریک غالب معلوم ہوتے ہیں اور مَیں نے ڈپٹی صاحب موصوف کو صرف اسی قدر بات کی طرف توجّہ نہیں دلائی بلکہ قرآن کریم سے عقلی دلائل نکال کر ابطال الوہیت مسیح پر پیش کئے کہ انسان جو اور تمام انسانوں کے

لوازم اپنے اندر رکھتا ہے کسی طرح خدا نہیں ٹھہر سکتا۔ اور نہ کبھی یہ ثابت ہوا کہ دُنیا میں خدا یا خدا کا بیٹا بھی نبیوں کی طرح وعظ اور اصلاح خلق کیلئے آیا ہو مگر افسوس کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے اس کا کوئی جواب شافی نہ دیا۔ میری طرف سے یہ پہلے شرط ہو چکی تھی کہ ہم فریقین دعویٰ بھی اپنی کتاب الہامی کا پیش کریں گے اور دلائل معقولی بھی اسی کتاب الہامی کی سُنائی جائیں گی۔ مگر ڈپٹی صاحب موصوف نے بجائے اِسکے کہ کوئی معقولی دلیل حضرت عیسٰیؑ کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے پر پیش کرتے دعوے پر دعوے کرتے گئے اور بڑا ناز اِن کو اِن چند پیشگوئیوں پر ہے جو اُنہوں نے عبرانیوں کے خطوط اور بعض مقامات بائیبل سے نکال کر پیش کئے ہیں مگر افسوس کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسی پیشگوئیاں جب تک ثابت نہ کی جاویں کہ درحقیقت وہ صحیح ہیں اور ان کا مصداق حضرت مسیحؑ نے اپنے تئیں ٹھہرالیا ہے اور اس پر دلائل عقلی دی ہیں تب تک وہ کسی طور سے دلائل کے طور پر پیش نہیں ہوسکتیں بلکہ وہ بھی ڈپٹی صاحب کے دعاوی ہیں جو محتاج ثبوت ہیں۔ ان دعاوی کے سوائے ڈپٹی صاحب نے اب تک حضرت مسیح کی الوہیّت ثابت کرنے کے لئے کچھ بھی پیش نہیں کیا اور مَیں بیان کر چکا ہوں کہ حضرت مسیحؑ یوحنّا ۱۰ باب میں صاف طور سے اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہلانے میں دُوسروں کا ہمرنگ سمجھتے ہیں اور کوئی خصوصیّت اپنے نفس کے لئے قائم نہیں کرتے حالانکہ وہ یہودی جنہوں نے حضرت مسیح کو کافر ٹھہرایا تھا اُن کا سوال یہی تھا۔ اور یہی وجہ کافر ٹھہرانے کی بھی تھی کہ اگر آپ درحقیقت خدا کے بیٹے ہیں تو اپنی خدائی کا ثبوت دیجئے لیکن انہوں نے کچھ بھی ثبوت نہ دیا افسوس کہ ڈپٹی صاحب اِس بات کو کیوں سمجھتے نہیں کہ کیا ایسا ہونا ممکن تھا کہ سوال دیگر و جواب دیگر۔ اگر حضرت مسیحؑ درحقیقت اپنے تئیں ابن اللہ ٹھہراتے تو ضرور یہی پیشن گوئیاں وہ پیش کرتے جو اَب ڈپٹی صاحب پیش کر رہے ہیں اور جبکہ اُنہوں نے وہ پیش نہیں کیں تو معلوم ہوا کہ اُن کا وہ دعویٰ نہیں تھا اگر اُنہوں نے کسی اور مقام میں

﴾۷۶﴿

پیش کر دی ہیں اور کسی دوسرے مقام میں یہودیوں کے اس بار بار کے اعتراض کو اس طرح پر اٹھا دیا ہے کہ میں درحقیقت خدا اور خدا کا بیٹا ہوں اور یہ پیشگوئیاں میرے حق میں وارد ہیں اور خدائی کا ثبوت بھی اپنے افعال سے دکھلا دیا ہے تا اس متنازعہ فیہ پیشگوئی سے ان کو مخلصی حاصل ہو جاتی تو برائے مہربانی وہ مقام پیش کریں۔ اب کسی طور سے آپ اس مقام کو چھپا نہیں سکتے۔ اور آپ کی دوسری تاویلات تمام رکیک ہیں۔ سچ یہی بات ہے کہ مخصوص کا لفظ اور بھیجا گیا کا لفظ عہد عتیق میں اور نیز جدید میں عام طور پر استعمال پایا ہے۔ آپ پر یہ ایک ہمارا قرضہ ہے جو مجھے ادا ہوتا نظر نہیں آتا جو آپ نے حضرت مسیحؑ کی خدائی کا تو ذکر کیا لیکن ان کی خدائی کا معقولی طور پر کچھ بھی ثبوت نہ دے سکے اور دوسرے خداؤں کی نسبت اس میں کچھ مابہ الامتیاز عقلی طور پر قائم نہ کر سکے بھلا آپ فرماویں کہ عقلی طور پر اس بات پر کیا دلیل ہے کہ راجہ رام چندر اور راجہ کرشن اور بدھ یہ خدا نہ ہوں اور حضرت مسیحؑ خدا ہوں۔ اور مناسب ہے کہ اب بعد اس کے آپ بار بار ان پیشگوئیوں کا نام نہ لیں جو خود حضرت مسیحؑ کے طرز بیان سے رد ہو چکی ہیں اور حضرت مسیحؑ ضرورت کے وقت ان کو اپنے کام میں نہیں لائے بیشک ہر ایک دانا اس بات کو سمجھتا ہے کہ جب وہ کافر ٹھہرائے گئے اور ان پر حملہ کیا گیا اور ان پر پتھراؤ شروع ہوا تو ان کو اس وقت اپنی خدائی کے ثابت کرنے کے لئے ان پیشگوئیوں کی اگر وہ درحقیقت حضرت مسیحؑ کے حق میں تھیں اور ان کی خدائی پر گواہی دیتی تھیں سخت ضرورت پڑی تھی۔ کیونکہ اس وقت جان جانے کا اندیشہ تھا اور کافر تو قرار پا چکے تھے تو پھر ایسی ضروری اور کارآمد پیشگوئیاں کس دن کے لئے رکھی گئی تھیں کیوں نہیں پیش کیں۔ کیا آپ نے اس کا کوئی کبھی جواب دیا۔ پھر ہم ان پیشگوئیوں کو کیا کریں اور کس عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور کیونکر حضرت مسیحؑ کو دنیا کے دوسرے مصنوعی خداؤں سے الگ کر لیں۔ اللہ جلّ شانہٗ قرآن کریم میں فرماتا ہے

﴿۷۷﴾

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ [1] (س ۱۰ ر ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کہا بعض یہود نے کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں جن کا کوئی بھی ثبوت نہیں ریس کرنے لگے ان لوگوں کی جو پہلے اس سے کافر ہو چکے یعنی جو انسانوں کو خدا اور خدا کے بیٹے قرار دے چکے یہ ہلاک کئے جائیں کیسے یہ تعلیم سے پھر گئے ۔انہوں نے اپنے عالموں کو اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا پروردگار ٹھہرالیا۔ اور ایسا ہی مسیح ابن مریم کو حالانکہ ہم نے یہ حکم کیا تھا کہ تم کسی کی بندگی نہ کرو مگر ایک کی جو خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں کی پھونکوں سے حق کو بجھاویں اور اللہ تعالیٰ باز نہیں رہے گا جب تک اپنے نور کو پورا نہ کرے اگرچہ کافر ناخوش ہوں وہ وہی خدا ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا وہ دین سب دینوں پر غالب ہو جائے ۔ اگرچہ مشرک ناخوش ہوں''۔ اب دیکھئے کہ ان آیات کریمہ میں اللہ جلّ شانہٗ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ عیسائیوں سے پہلے یہودی یعنی بعض یہودی بھی عزیر کو ابن اللہ قرار دے چکے اور نہ صرف وہی بلکہ مقدم زمانہ کے کافر بھی اپنے پیشواؤں اور اپنے اماموں کو یہی منصب دے چکے پھر ان کے پاس اس بات پر کیا دلیل ہے کہ وہ لوگ اپنے اماموں کو خدا ٹھہرانے میں جھوٹے تھے اور یہ سچے ہیں۔ اور پھر اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ یہی خرابیاں دنیا میں پڑ گئی تھیں جن کی اصلاح کے لئے اس رسول کو بھیجا گیا تا کامل تعلیم کے ساتھ ان خرابیوں کو دور کرے کیونکہ اگر یہودیوں کے ہاتھ میں کوئی کامل تعلیم ہوتی۔ تو وہ برخلاف توریت کے اپنے عالموں اور درویشوں کو ہرگز خدا نہ ٹھہراتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ کامل تعلیم کے محتاج تھے۔ جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے بھی اس بات کا اقرار کیا کہ ابھی بہت سی باتیں تعلیم کی باقی ہیں کہ

﴿۷۸﴾

[1] التوبة : ۳۰ تا ۳۳

تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے یعنی جب وہ یعنی روح حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتادے گی اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن وہ جو کچھ سنے گی وہ کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی۔ حضرات عیسائی صاحبان اس جگہ روح حق سے روح القدس مراد لیتے ہیں اور اس طرف توجہ نہیں فرماتے کہ روح القدس تو ان کے اصول کے موافق خدا ہے تو پھر وہ کس سے سنے گا۔ حالانکہ لفظ پیشگوئی کے یہ ہیں کہ جو کچھ وہ سنے گی وہ کہے گی۔ اب پھر ہم اس پہلے مضمون کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے تو حضرت مسیح کے خدا ہونے پر کوئی معقولی دلیل انجیل سے پیش نہ کی۔ لیکن ہم ایک اور دلیل قرآن کریم سے پیش کر دیتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ہَلۡ مِنۡ شُرَکَآئِکُمۡ مَّنۡ یَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِکُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ [1] (پارہ ۲۱ رکوع ۷) یعنی اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے معبودوں میں سے جو انسانوں میں سے ہیں کوئی ایسا کر سکتا ہے۔ پاک ہے خدا ان بہتانوں سے جو مشرک لوگ اس پر لگا رہے ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوۡا کَخَلۡقِہٖ فَتَشَابَہَ الۡخَلۡقُ عَلَیۡہِمۡ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّہُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ [2] کیا انہوں نے خدا تعالیٰ کے شریک ایسی صفات کے ٹھہرا رکھے ہیں کہ جیسے خدا تعالیٰ خالق ہے وہ بھی خالق ہیں تا اس دلیل سے انہوں نے ان کو خدا مان لیا۔ ان کو کہہ دے کہ ثابت شدہ یہی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہر ایک چیز کا ہے اور وہی اکیلا ہر ایک چیز پر غالب اور قاہر ہے۔ اس قرآنی دلیل کے موافق ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب سے میں نے دریافت کیا تھا کہ اگر آپ صاحبوں کی نظر میں درحقیقت حضرت مسیحؑ خدا ہیں تو ان کی خالقیت وغیرہ صفات الوہیت کا ثبوت دیجئے۔ کیونکہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ خدا اپنی صفات کو آسمان پر چھوڑ کر نرا مجرد اور برہنہ ہو کر دنیا میں آجائے اس کی صفات اس کی ذات سے لازم غیر منفک ہیں اور کبھی تعطل جائز نہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ خدا ہو کر پھر خدائی کی صفات کاملہ ظاہر کرنے

﴿۷۹﴾

[1] الروم: ۴۱ [2] الرعد: ۱۷

سے عاجز ہو اس کا جواب ڈپٹی صاحب موصوف مجھے یہ دیتے ہیں کہ جو کچھ زمین آسمان میں آفتاب و ماہتاب وغیرہ چیزیں مخلوق پائی جاتی ہیں یہ مسیح کی بنائی ہوئی ہیں۔ اب ناظرین اس جواب کی خوبی اور عمدگی کا آپ ہی اندازہ کرلیں کہ یہ ایک دلیل پیش کی گئی ہے یا دوسرا ایک دعویٰ پیش کیا گیا ہے۔ کیا ایسا ہی ہندو صاحبان نہیں کہتے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں مخلوق پائی جاتی ہے وہ راجہ رام چندر صاحب نے ہی بنائی ہوئی ہے۔ پھر اس کا فیصلہ کون کرے۔ پھر بعد اس کے ڈپٹی صاحب موصوف ایمانی نشانیوں کو کسی خاص وقت تک محدود قرار دیتے ہیں حالانکہ حضرت مسیحؑ صاف لفظوں سے فرما رہے ہیں کہ اگر تم میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو تو تم سے ایسی ایسی کرامات ظاہر ہوں۔ پھر ایک مقام یوحنّا ۱۴ باب ۱۲ میں آپ فرماتے ہیں۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے جو میں کام کرتا ہوں وہ بھی کرے گا اور ان سے بھی بڑے بڑے کام کرے گا۔ اب دیکھئے کہ وہ تاویلات آپ کی کہاں گئیں۔ اس آیت میں تو حضرت مسیحؑ نے صاف صاف فیصلہ ہی کر دیا اور فرما دیا کہ مجھ پر ایمان لانے والا میرا ہمرنگ ہو جائے گا اور میرے جیسے کام بلکہ مجھ سے بڑھ کر کرے گا اور یہ فرمودہ حضرت مسیح کا نہایت صحیح اور سچا ہے کیونکہ انبیا اسی لئے آیا کرتے ہیں کہ ان کی پیروی کرنے سے انسان انہیں کے رنگ سے رنگین ہو جائے اور ان کے درخت کی ایک ڈالی بن کر وہی پھل اور وہی پھول لاوے جو وہ لاتے ہیں۔ ماسوا اس کے یہ بات ظاہر ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے اطمینان قلب کا محتاج ہوتا ہے اور ہر ایک زمانہ کو تاریکی کے پھیلنے کے وقت نشانوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکے کہ حضرت مسیحؑ کے مذہب قائم رکھنے کے لئے اور اس خلاف تحقیقات عقیدہ حضرت مسیحؑ کے ابن اللہ ٹھہرانے کے لئے کسی نشان کی کچھ بھی ضرورت نہ ہو اور دوسری قوم جن کو باطل پر خیال کیا جاتا ہے اور وہ نبی کریم صلعم جو قرآن کریم کو لایا اس کو خلاف حق سمجھا جاتا ہے اس کی پیروی کرنے والے تو قرآن کریم کے منشاء کے موافق خدا کی توفیق اور فضل سے نشان دکھلاویں مگر مسیحیوں کے نشان آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہوں۔ اگر مسیحیوں میں نشان نمائی کی توفیق اب موجود نہیں ہے تو پھر خود سوچ لیں کہ ان کا مذہب کیا شے ہے۔ میں پھر سہ بارہ عرض کرتا ہوں کہ جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ کے سچے مذہب کی تین نشانیاں ٹھہرائی ہیں وہ اب بھی نمایاں طور پر اسلام میں

موجود ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ آپ کا مذہب بے نشان ہوگیا اور کوئی سچائی کے نشان اس میں باقی نہیں رہے پھر آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے جو نشانی دکھلانے سے ایک جگہ انکار کیا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے دکھلا چکے تھے میں کہتا ہوں کہ یہ آپ کا بیان صحیح نہیں ہے اگر وہ دکھلا چکتے تو اس کا حوالہ دیتے اور نیز میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میں بھی تو آپ لوگوں کو دکھلا چکا ہوں۔

کیا آپ کو پرچہ نور افشاں ۱۰۔ مئی ۱۸۸۸ء یاد نہیں ہے جس میں بڑے دعوے کے ساتھ صاحب نور افشاں نے میری پیشگوئی کا انکار کر کے اس پرچہ میں مخالفانہ مضمون چھپوایا تھا اور وہ پیشگوئی بھی نقل کر دی تھی تو پھر وہ پیشگوئی اپنی میعاد میں پوری ہوگئی۔

اور آپ اقرار کر چکے ہیں کہ پیشگوئی بھی خوارق میں داخل ہے تو ہم نے تو ایک نشان ایسے طور پر آپ کو ثابت کر دیا کہ نور افشاں میں درج ہے۔ پھر اس کے بعد اگر آپ کی طرف سے کوئی حجت ہو تو وہ اسی حجت کے ہم رنگ ہوگی جو یہودیوں نے کی تھی جس کی تفصیل حضرت مسیح کی زبان سے آپ سن چکے ہیں مجھے کہنے کی حاجت نہیں۔ مگر میں آپ کے اقرار کے موافق کہ آپ نے مسلمان ہونے کا اقرار کیا تھا اس بات کے سننے کے لئے بہت مشتاق ہوں کہ اس پیشگوئی کو دیکھ کر آپ نے کس قدر حصہ اسلام کا قبول کر لیا ہے اور میں تو آئندہ بھی تیار ہوں۔ صرف درخواست اور تحریر شرائط کی دیر ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ گویا حضرت مسیحؑ کے حق میں مَیں نے گالی کا لفظ استعمال کر کے ایک گونہ بے ادبی کی ہے۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں حضرت مسیح کو ایک سچا نبی اور برگزیدہ اور خدا تعالیٰ کا ایک پیارا بندہ سمجھتا ہوں وہ تو ایک الزامی جواب آپ ہی کے مشرب کے موافق تھا اور آپ ہی پر وہ الزام عائد ہوتا ہے نہ کہ مجھ پر۔

(باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

﴿۸۱﴾

ساتواں پرچہ
مباحثہ ۲۹ مئی ۱۸۹۳ء
روئداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے تجویز پیش کی کہ چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب بیماری کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے اس لئے ان کی جگہ میں پیش ہوتا ہوں ۔اور میری جگہ پادری احسان اللہ صاحب میر مجلس عیسائی صاحبان مقرر کئے جاویں مرزا صاحب اور میر مجلس اہل اسلام کی اجازت سے تجویز منظور ہوئی۔

ڈاکٹر کلارک صاحب نے ۶ بجے ۱۶ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۱۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۷ بجے ۵۵ منٹ پر شروع کیا اور ۸ بجے ۵۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے ۹ بجے ۴۰ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۱۰ بجے ۳۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر پریزیڈنٹوں کے دستخط کئے گئے اور مباحثہ کے پہلے حصہ کا خاتمہ ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
احسان اللہ قائم مقام ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	اہل اسلام

بیان ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب
قائم مقام ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب ۲۹ مئی ۹۳ء

جناب مرزا صاحب کی کئی ایک باتیں سن کر میں بہت حیران ہوا ہوں لیکن سب سے زیادہ حیرت ان کے اس فرمانے سے ہوئی کہ آپ عقلاً کہہ سکتے ہیں کہ رام چندر اور کرشن بھی کیوں خدا تصوّر نہ کئے جائیں اور

﴿۸۲﴾ اہلِ ہنود کی جو کتابیں ہیں ان کا ثبوت بھی قابل اعتبار نہ گنا جائے۔ مرزا صاحب یہ کیا آپ فرماتے ہیں انہوں نے کون سے کارِالٰہی کئے اور ان کا کونسا دعویٰ پایہ ثبوت تک پہنچا ہوا ہے اور ایک اہل کتاب کی جو مجلس ہے اس میں ان کی نظیروں کی ضرورت کیا ہے۔ آیا عقلاً آپ المسیح اور رامچندر اور کرشن میں کوئی تمیز نہیں کرتے اور جلالی انجیل کو مقابل اہل ہنود کی کتابوں کے جانتے ہیں۔ میرے خیال میں ایک نبی اللہ برحق کو اور اہل کتاب کے مسئلوں کو بُت پرستوں اور بت پرستوں کی کتابوں سے تشبیہ دینا ہی گناہ ہے اور اگر آپ ایسی تشبیہ دیویں تو اس کا جواب بھی آپ اللہ تعالیٰ کو دیویں۔ اہل ہنود کی جن کتابوں کا آپ نے ذکر کیا وہ تو تواریخی طور پر بھی درست نہیں ہیں۔ اب ہم کس بات کو مدنظر رکھ کر زیادہ تر امتیاز کریں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ چونکہ بہت شخصوں نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم خدا ہیں اور ان کے یہ دعوے الوہیت کے باطل نکلے۔ لہٰذا مسیح نے بھی یہ دعویٰ کیا ہے لہٰذا وہ بھی باطل ہے۔ جناب من یہ کیا فرماتے ہیں۔ چونکہ دس روپیہ میں نو کھوٹے ہوں آیا دسواں بھی ضرور کھوٹا ہوگا؟ اس طرح کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا موقعہ دیکھ کر اور خصوصیتیں جو ہیں سمجھ کر فتویٰ دینا چاہیئے۔ چونکہ جھوٹے دعوے ہیں آپ پر روشن ہوگا کہ سچا بھی کوئی ہوگا اگر سچے روپے نہ ہوتے تو نقلی بھی نہ ہوتے سوم ہم نے کئی پیشین گوئیاں مرزا صاحب کی خدمت میں عرض کردی ہیں اور ان پر آپکا یہ اعتراض ہے کہ آپ دعوے کے ثبوت میں دعوے ہی پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ پیشین گوئیاں جس کا حوالہ دیتے ہو خود دعوے ہیں اور دعویٰ کا دعویٰ سے کیونکر ثبوت ہوسکتا ہے۔ جناب من یہ آپ کی عجب غلط فہمی ہے۔ پیشگوئیاں اللہ تعالیٰ کی کسی صورت میں دعویٰ نہیں گنی جاسکتیں بلکہ صداقتیں ہیں اور ہم ان کو دعوے کے طور نہیں تسلیم کرتے لیکن اپنے مالک کے فرمان کے طور قبول کرتے ہیں۔ کسی فرد بشر کی جرأت ہے کہ اپنے پیدا کنندہ اور پرورش کرنے والے کے فرمان کو دعوے کہے اور ان کو پرکھنا بھی ہمارا حق نہیں کیونکہ اگر ایک پیشگوئی ہے تو وہ علاقہ رکھتی ہے زمانہ استقبال سے نہ کہ زمانہ حال سے اب جس منزل تک ہم پہنچتے ہی نہیں ہیں وہاں کی باتوں کا ہم فیصلہ ہی کیا کریں۔ ہمارا حق ہے کہ نبی کو پرکھیں اور تسلی اپنی کرالیں کہ یہ بالضرور نبی اللہ ہے

اور جب ہم نے معلوم کرلیا پیغام جو وہ ہمیں پہنچاتا ہے نہ اس کا جاں کے پر اس کے مالک اور اپنے مالک کا جان کے شکر اور ادب سے تسلیم کرنا چاہیئے۔ پیشگوئی جب نازل ہوتی ہے تو تسلیم کی جاتی ہے اور جب پوری ہو تو درجہ تکمیل تک پہنچتی ہے۔ جو باتیں حال وارد نہیں ہوئیں ان میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کون تمیز کرسکتا ہے۔ اب جناب من دیکھئے گا۔ عہد عتیق میں کئی نبی اللہ تعالیٰ کی اطلاع دیتے ہیں از جانب اللہ کے کہ یہ یہ باتیں ہوں گی۔ عہد جدید جو وہ بھی کلام برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے کئی اور تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ہدایت خدا کی کہ وہ جو میرے فلانے فلانے بندے فلانے فلانے موقعہ پر کہہ گئے تھے آج اور اس موقعہ پر پورا ہوتا ہے۔ صاحب من ناگزیر ہے کہ ہم مانیں۔ گریز خلاف فطرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت اور فرمان سب شہادتوں سے بڑھ کر ہے۔ جناب کی خدمت میں تین فہرست پیش کی گئی تھیں جن میں پرانے عہد نامہ کی پیشگوئیاں معہ حوالہ جات نئے عہد نامہ کے جہاں وہ پوری ہوتی ہیں لکھی گئی تھیں چھ سو سات سو آٹھ سو برس پیشتر جو اللہ کے نبی کہہ گئے نقطہ نقطہ پورے ہوتے دیکھے۔ مرزائے من اگر اب بھی دعویٰ مانیں تو سوائے ضد اور تعصب کے کچھ نہیں۔ آپ نے یہ بھی استفسار کیا تھا کہ آیا المسیح نے خود کبھی اپنی ہی زبان مبارک سے ان پیشگوئیوں میں سے اپنے حق میں تسلیم کیا ہے یا نہیں۔ جناب من نہ ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ کئی دفعہ اور نہ ایک کو اور نہ دو کو بلکہ سب کو۔ دیکھئے متی کا ۲۲ باب آیت اکتالیس سے ۴۶ تک۔ یوحنا کے $\frac{۵}{۳۹}$ متی باب ۱۱۔ ۱۰ بالمقابل ملاکی نبی ۳ باب ۱۔ لوقا باب ۲۴۔ ۲۷ متی باب ۶۔ ۱۷ چہارم۔ یوحنا باب ۱۰۔ ۳۵ کے بارہ میں جناب نے استفسار فرمایا۔ بارہا خدمت میں عرض کی گئی۔ نہ معلوم کیا ماجرا ہے کہ خیال شریف میں بات نہیں آئی۔ آخری التماس میں یہ کرتا ہوں۔ اس آیت کو آپ اس لئے گرفت کرتے ہیں کہ اس میں الوہیت کا انکار ہے برعکس اس کے المسیح اس موقعہ پر اپنی الوہیت کا بہت ہی پختہ دعویٰ کرتا ہے۔ گو یہودیوں کو آپ یہ فرماتا ہے۔ ابتدا میں کلام تھا کلام خدا کے ساتھ تھا کلام خدا تھا۔ کلام مجسم ہوا وہ لوگ جن کے پاس کلام اللہ پہنچا اس کلام کی برکت سے الٰہی ہونے کے قابل ٹھہرائے گئے گویا کلام کی پیروی کی جا کر کے یہ برکت ان کو مل گئی۔

﴿۸۳﴾

جن کے پاس کلام پہنچا اور ان کا اتنا درجہ ہو گیا تو تم کلام مجسم کو کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے حیف تمہاری عقلوں پر۔ وہ خاص لفظیں جو غور کے لائق ہیں دو ہیں مخصوص کیا اور بھیجا۔ آپ نے تو چند عبارات لکھائی تھیں کہ ان میں بھی یہ ہیں۔

لیکن تلاش کرنے سے پتہ ندارد آپ کے حوالہ غلط نکلے یونانی بھی جیسے آپ کی خدمت میں عرض کر دی۔ آپ نے فرمایا بہت اور حوالہ ہیں اطلاع نہ بخشی کسی کی۔ اس پر غور کریئے۔ بھیجا مسیح کا بھیجا جانا اور ہی طرح کا تھا۔ یوحنا باب $\frac{16}{28}$ باپ میں سے نکلا اور دنیا میں آیا ہوں۔ اگر اس میں الوہیت کا انکار ہے تو آپ فرمائیے کہ کسی بندہ نے کہا کہ ''میں باپ میں سے نکلا اور پھر باپ پاس جاتا ہوں''۔ ﴿۸۴﴾

جناب کا یہ فرمانا کہ المسیح کو بھیجا ہے بجا نہیں۔ ہمارا حق نہیں کہنا کہ یوں ہو یا یوں۔ جو باتیں ہو چکی ہیں ان کے موجب فیصلہ کرنا ہے ورنہ ہم صاف کہہ دیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور ان کے بزرگ نبیوں سے دانا ہیں ہم ہوتے تو یوں کہتے۔ یہ دانائی نہیں یہ افترا ہے سکندر اعظم کے ایک جرنیل تھے بنام پارمینو۔ جب ایران کو سکندر اعظم نے فتح کر لیا پارمینو کہنے لگے میں اگر سکندر اعظم ہوتا تو دارا کی بیٹی کو اپنی شادی میں لے کے اس ملک سے باہر نہ جاتا۔ سکندر اعظم نے فرمایا کہ اگر میں پارمینیو ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا اور چونکہ میں سکندر اعظم ہوں نہ پارمینیو میں کچھ اور کروں گا۔ لہٰذا چونکہ اس وقت المسیح تھے نہ کہ مرزا صاحب۔ اور یاد رکھئے کہ فقط یہ ہی ایک گفتگو یہودیوں کی نہیں ہوئی کہ سب کچھ اسی وقت ہو جاوے تین برس تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

پنجم۵۔ اگر مسیح خالق تھے تو انہوں نے کیا بنایا۔ موجب فتویٰ الٰہی کے یوحنا باب اول جواب اس کا ہے سب کچھ۔ اگر اس فتوے سے مرزا صاحب گریز کرتے ہیں تو انجیل کو ہی رد کر دیویں تو اس کو ایک کتاب انسانی ونفسانی وجھوٹوں کی بھری ٹھہرا دیویں۔

ششم۶۔ جب آپ انسان بنے تو صفات اللہ کہاں گئی۔ یہ مرزا صاحب کا سوال ہے جواب بہت مختصر اور چھوٹا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تا ابد مبارک تھے اور ہیں۔ انہوں نے

اپنے آپ کوفرو کیا۔موجب فلپیوں کی ۲ باب ۶ آیت۔

ساتواں۔ رائی کے دانہ پر آپ کے پیر پھر پھسلے اور پہاڑوں پر جا ٹھہرے اور کیسی عجب جوتی آپ نے پشمینہ میں لپیٹ کر ہمارے سر پر چلائی کہ جا گو اٹھو ورنہ رائی بھر ایمان نہیں رہتا۔ آپ نہ گھبرائیے ایمان کہیں نہیں جاتا ہے خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہ فرمانا صرف رسولوں کے لئے ہے نہ ہمارے لئے۔ بلکہ صاف پہلے قرنطیوں کے ۱۳۔ ۲ میں یہ آ گیا کہ ایمان تو تم میں اتنا ہو کہ پہاڑ بھی ہل جاویں اور محبت نہ ہو تو عبث ہے اور معجزات کے حق میں جو آپ نے مرقس کے ۱۶ باب کو بنیاد جان کر عمارت عالی شان تیار کی تھی سو ہیچ ہے اس لئے کہ بنیاد خام ہے۔ صاف آپ پر ظاہر کیا گیا کہ رسول مسیح کے بے ایمانی کی حالت میں بھی ایمان لاتے ہیں ان کو فرمایا جاتا ہے کہ اب تمہارے ساتھ یہ نشانیاں ہوں گی۔ لفظ یونانی ہے۔ پس ٹی آئی اس کے معنے ہیں جو ایمان لائے ہیں حال میں اور صیغہ یہ ہرگز نہیں جو ایمان لاویں گے بلکہ رسولوں کے زمانہ میں اختیار ہر ایک کو نہ تھا بدن ایک عضو مختلف۔ حواری پوچھتا ہے کیا سب آنکھ ہیں سب کان ہیں اور فرماتا ہے کیا سب معجزہ دکھاتے ہیں اور کرامات کرتے ہیں اور بیماروں کو چنگا کرتے ہیں علیٰ ھٰذا القیاس جیسے عرض کر چکا۔ اور پھر صاف لکھا ہے بہر حالت کہ یہ جو خاص عنایات ہیں بند ہو جائیں گی اور تا ابد جو رہے گی سو محبت ہے خداوند نے صاف صاف فرما دیا کہ دائمی نشان جس سے دنیا جانے گی کہ تم میرے ہو نہ کرامات و معجزہ پر محبت ہے دیکھو یوحنا کا ۱۳ باب ۳۴ و ۳۵۔ اس سے سب جانیں گے کہ تم میرے شاگرد ہو۔ آپ نے پھر پوچھا کہ یوحنا باب ۱۲/۱۴ کے موجب آپ پر فرض ہے کہ جو کام مسیح نے کئے سو آپ کریں بلکہ اس سے بڑھ کر کریں۔

﴿۸۵﴾

جناب من! آپ متن پر تو غور کریئے یہاں تو اپنے حواریوں سے مخاطب ہیں نہ مجھ سے نہ آپ سے۔ جو کام میں کرتا رہا۔ تم پھر کرتے رہو گے۔ آپ نے فرمایا۔ اور بلاشبہ انہوں نے کئی دیو نکالے۔ سانپ پکڑے۔ مردے جلائے۔

اور ان سے بڑھ کر تم کام کرو گے کیونکہ میں باپ پاس جاتا ہوں اور یہ حق ہے ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ المسیح کی منادی سے تھوڑے ہی ایمان لائے۔ پطرس کی ایک منادی سے یک لخت

تین ہزار ایمان لائے۔ اعمال کی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ فقط یہودیوں میں منادی کرتے رہے۔ شاگرد اُن کے تمام جہان میں گئے۔ تاہم یاد رکھئے کہ شاگرد اپنے استاد سے بڑھ کر نہیں۔
تم مجھ سے مانگو میں کر دوں گا آپ فرماتے ہیں تمہارا کام دعا کرنا ہے۔ لہٰذا صاف لکھا ہے یہ دعا مانگتے رہے اور خداوند یسوع انجام دیتا رہا اور دے رہا ہے۔
ہشتم۔ آپ کا استفسار ہے آیا ہر زمانہ میں نشانیاں ضرور نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ابتدا میں چاہئے لیکن ہمیشہ ابتدا نہیں ہے۔ نشانیاں ومعجزہ تعلیم ودین کو کامل کرتے ہیں۔
اور جو شے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کامل کی گئی اسے ایسی نامکمل نہ بھیجتے کہ دوبارہ کامل کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ آخری نشان خداوند مسیح خود تھے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ جب کوئی نئی تعلیم وارد ہو تو خاص شخص چاہیئے کہ جو پیغام پہنچاوے اور خاص نشانیاں ہوں جس سے اللہ تعالیٰ ثابت کرے کہ یہ میرا مرسل ہے اور یہ تعلیم میری ہے۔ لیکن اب ہزار درجہ ہیں جس سے تحقیقات ہو سکتی ہے یعنی نقلی عقلی تواریخی وغیرہ۔ جہاں کوئی کام عام طور سے ہو سکے وہاں اللہ تعالیٰ خاص طور سے نہیں کرتا ہے۔ ﴿۸۶﴾
یہودیوں کو ان جنگلوں میں جہاں خوراک نہ تھی خوراک آسمانی ملتی رہی۔ جس دن ایسے ملک میں پہنچے جہاں سامان دیگر مہیا تھا من بھی دفع ہو گیا۔
معجزے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر ہیں کہ یہ بندہ میرا ہے اور یہ تعلیم میری ہے۔
پھر آگے کو نہ خاص بندہ ہوتا ہے نہ خاص مہر ہوتی ہے۔ پر وہ کارخانہ عام طور سے چلایا جاتا ہے چونکہ آپ کے عقیدہ کے موجب محمدؐ صاحب نبی اللہ تھے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ جبرئیل کی معرفت ان پر نازل کرتا رہا اور شروع میں حق ہے جو ایسا ہووے۔
لیکن اب محمدؐ صاحب کی امت اس تعلیم ودین کو پھیلاتی ہے نہ کہ محمدؐ صاحب خود۔ اور قرآن بذریعہ چھپائی کے شائع کئے جاتے ہیں نہ کہ بذریعہ فرشتگان کے۔
نہم۔ خداوند مسیح معجزہ دکھانے سے کیوں انکاری ہوئے اس کے حق میں تو آتھم صاحب خلاصۃً ذکر کر چکے۔ اس وقت بھی انکاری نہ تھے کہتے ہیں نشان تم کو ملے گا یونس نبی کا۔ آپ نے یہ پڑھ کر نہ سنایا

جیسا وہ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ابن آدم بھی تین دن زمین کے رحم میں رہے گا۔ اپنی موت اور دفنانے اور جی اٹھنے کی نشانی دی اور اس سے بڑھ کر معجزہ کبھی دنیا میں ہوا نہیں انہوں نے ایک معجزہ دکھایا۔ یوحنا ۲۱/۲۵

رسول کہتا ہے کئی اور کام اس نے کیئے اور اپنا کام کا واسطہ کیا دیتے ہیں۔ دیکھئے یوحنا باب ۱۴/۱۱

دسواں۔ آپ کا یہ سوال ہے کہ وہ صلیب سے کیوں نہ اتر آئے۔ کس طرح اترتے؟ اسی کام کے لئے تو جہاں میں آئے تھے کہ اپنے تئیں جہاں کا کفارہ کریں۔ ہاں اسی طرح تو شیطان نے کہا تھا کہ تو پتھروں کی روٹی بنا اور نہ انہوں نے وہ کیا نہ یہ کیا۔ کیونکہ ان ہر کاموں میں شیطان کی پرستش تھی آپ فرماتے ہیں کہ اگر اتر آتے تو یہودی فوراً ایمان لاتے یہ آپ کو کیونکر معلوم ہے کونسا دیگر معجزہ دیکھ کر ایمان لائے تھے اور ان کو جی اٹھا دیکھ کر کونسے ایماندار بنے۔ صاحبِ من تمیز کسی معجزہ سے ایمان نہیں پیدا ہوتا۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کو تھوڑے معجزہ دکھائے۔ تو بھی وہ سنگدل کافر ہی رہا۔ شرط نہیں کہ ساتھ معجزہ کے ایمان بھی ہوگا۔

یعنی دیکھنے والے میں ہو نہ ہو امر الٰہی ہے۔ فرعون کی میں نے نظیر دی ہے۔ ﴿۸۷﴾

لعزر نام ایک شخص کو المسیح نے مردوں میں سے زندہ کیا۔ یہودی ایسے قہر سے بھر گئے۔ تجویز کرنے لگے کہ ان دونوں کو ہلاک کر دیں۔ صاف انجیل جلالی میں آیا ہے اگر وہ موسیٰ اور نوشتوں پر ایمان نہ لائیں (تو) مردوں میں سے کوئی جائے گا تو وہ ایمان نہ لائیں گے۔

گیارھواں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ انسان کا بدن چار چار سال کے بعد تبدیل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کفارہ کیونکر ہوا۔ چار برس کے بعد نہیں سات برس کے بعد وقوع میں ہوتا ہے۔ خیر بدن کی تبدیلی ہو وجود نہیں بدلتا۔ جناب کی رائے میں اس باعث سے کفارہ محال تھا اب تو شائد یہ بھی مانیں گے کہ سات برس کے بعد چار برس کے بعد مرد اپنی بی بی کا خاوند نہ ٹھہرتا اور نہ اپنے بچوں کا

والد اور نہ اپنے مال کا مالک ہوسکتا ہے۔ جب وقت خاتمہ پر آیا کیا ہی پھر خوب ہو کہ دوبارہ نکاح از سر نو رجسٹریاں کراوے تا کہ اس کی عزت اور ملکیت بحال رہے۔

جناب! اس طرح کے سوال اعتراضات آپ کے روشن فہمی کے لائق ہیں۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
احسان اللہ قائم مقام ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح
پریذیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	پریذیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بیان جناب مرزا صاحب

۲۹ مئی ۱۸۹۳ء

آج ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ حضرت مسیح کی الوہیت کے ثبوت کے بارہ میں پیش کیا اس کے سننے سے مجھ کو کمال درجہ کا تعجب ہوا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے منہ سے ایسی باتیں نکلیں۔ جاننا چاہیئے کہ یہ دعویٰ الوہیت کا جو حضرت مسیح کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یہ کوئی چھوٹا سا دعویٰ نہیں ایک عظیم الشان دعویٰ ہے حضرت عیسائی صاحبان کے عقیدہ کے رو سے جو شخص حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا انکار کرے وہ ہمیشہ کے جہنم میں گرایا جاوے گا اور قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے جو شخص ایسا لفظ منہ پر لاوے کہ فلاں شخص درحقیقت خدا ہے یا درحقیقت میں ہی خدا ہوں وہ جہنم کے لائق ٹھہرے گا جیسا کہ ﴿۸۸﴾ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ [1] یعنی جو شخص یہ بات کہے کہ میں خدا ہوں بجز اس سچے خدا کے تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے پھر اس کے اوپر کی آیت یہ ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ [2] اور عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا پکڑا پاک ہے وہ بیٹوں سے بلکہ یہ بندے عزت دار ہیں سیپارہ ۱۷ رکوع ۲۔ اور پھر بعد اس کے جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمارے ہاتھ میں کیا ثبوت ہے تو ہمیں ایک

[1] الانبیاء:۳۰ [2] الانبیاء:۲۷

ذخیرہ کثیر ثبوتوں کا نظر آتا ہے ایک طرف عقل سلیم انسان کی اس اعتقاد کو دھکے دے رہی ہے اور ایک طرف قیاس استقرائی شہادت دے رہا ہے کہ اب تک اس کی نظیر بجز دعویٰ متنازعہ فیہ کے نہیں پائی گئی اور ایک طرف قرآن کریم جو بے شمار دلائل سے اپنی حقانیت ثابت کرتا ہے اس سے انکاری ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ[۱] (س۱۷ر۱۶) یعنی عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے ایسی چیز کی جس کی خدائی پر اللہ تعالیٰ نے کوئی نشان نہیں بھیجا یعنے نبوت پر تو نشان ہوتے ہی ہیں مگر وہ خدائی کے کام میں نہیں آسکتے اور پھر فرماتا ہے کہ اس عقیدہ کیلئے اُنکے پاس کوئی علم بھی نہیں یعنے کوئی ایسی معقولی دلائل بھی نہیں ہے جن سے کوئی عقیدہ پختہ ہو سکے اور پھر فرماتا ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۔ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا[۲] (س۱۶ر۹) اور کہتے ہیں کہ رحمان نے حضرت مسیح کو بیٹا بنالیا ہے یہ تم نے اے عیسائیو! ایک چیز بھاری کا دعویٰ کیا۔ نزدیک ہے، جو اِس سے آسمان وزمین پھٹ جاویں اور پہاڑ کانپنے لگیں کہ تم انسان کو خدا بناتے ہو پھر بعد اسکے جب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا اِس خدا بنانے میں یہودی لوگ جو اوّل وارث توریت کے تھے جنکے عہد عتیق کی پیشگوئیاں سراسر غلط فہمی کی وجہ سے پیش کیجاتی ہیں کیا کبھی اُنہوں نے جو اپنی کتابوں کو روز تلاوت کرنیوالے تھے اور اُن پر غور کرنیوالے تھے اور حضرت مسیح بھی اُن کی تصدیق کرتے تھے کہ یہ کتابوں کا مطلب خوب سمجھتے ہیں اُن کی باتوں کو مانو کیا کبھی اُنہوں نے ان بہت سی پیش کردہ پیشگوئیوں میں سے ایک کے ساتھ اتفاق کر کے اقرار کیا کہ ہاں یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود کو خدا بتاتی ہے۔ اور آنیوالا مسیح انسان نہیں بلکہ خدا ہوگا۔ تو اِس بات کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ ہر ایک دانا ﴿۸۹﴾ سوچ سکتا ہے کہ اگر حضرت مسیح سے انکو کچھ بخل اور بغض پیدا ہوتا تو اسوقت پیدا ہوتا جب حضرت مسیح تشریف لائے۔ پہلے تو وہ لوگ بڑی محبت سے اور بڑی غور سے انصاف و آزادی سے اِن پیشگوئیوں کو دیکھا کرتے تھے اور ہر روز ان کتابوں کی تلاوت کرتے تھے اور تفسیریں لکھتے تھے۔ پھر کیا غضب کی بات ہے کہ یہ مطلب ان سے بالکل پوشیدہ رہا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ

---

[۱] الحج: ۷۲ [۲] مریم: ۸۹تا۹۲

کُھلی کُھلی پیشگوئیاں حضرت مسیح کی خدائی کے لئے عہد عتیق میں موجود تھیں اب ہمیں تحیّر پر تحیّر ہوتا ہے اگر ایک پیشگوئی ہوتی اور یہودیوں کو سمجھ نہ آتی تو وہ معذور بھی ٹھہر سکتے تھے لیکن یہ کیا بات ہے کہ باوجود صدہا پیشگوئیوں کے پائے جانے کے پھر بھی ایک بھی پیشگوئی اُن کو سمجھ نہ آئی اور کبھی کسی اور زمانہ میں اُنکا یہ عقیدہ نہ ہوا کہ حضرت مسیح بحیثیت خدائی دُنیا میں آئیں گے اُن میں نبی بھی تھے اُن میں راہب بھی تھے اُن میں عابد بھی تھے مگر کسی نے اُن میں سے بطور شرح یہ نہ لکھا کہ ہاں ایک خدا بھی انسانی جامہ میں آنے والا ہے۔

آپ تو جانتے ہیں کہ یہ تو ایک امر غیر ممکن ہے کہ ایسی قوم کا غلط فہمی پر اتفاق ہو جائے جس نے نقطہ نقطہ اور شوشہ شوشہ توریت کا اپنے ضبط میں کیا ہوا تھا کیا وُہ سارے ہی نا سمجھ تھے کیا وُہ سارے ہی بیوقوف تھے کیا سب کے سب متعصب تھے اور پھر اگر وہ متعصب تھے تو اس تعصب کی محرک حضرت مسیح کے ظہور سے پہلے کونسی چیز تھی یہ تو ظاہر ہے کہ تعصّبات بالمقابل ہوا کرتے ہیں جبکہ ابھی تک کسی نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تھا پھر تعصّب کس کے ساتھ کیا جائے پس یہ اتفاق یہودیوں کا قبل از زمانہ مسیح کے کہ آنیوالا ایک انسان ہے خدا نہیں ہے ایک طالب حق کیلئے کافی دلیل ہے۔ اگر وہ اِسی بات کے شائق ہوتے کہ حق کو خواہ نخواہ چھپایا جاوے تو پھر نبی کے آنے کا کیوں اقرار کرتے۔ ماسوا اسکے توریت کے دُوسرے مقامات اور بھی اس امر کے مؤید اور مصدق ہیں۔ چنانچہ توریت میں صاف لکھا ہے کہ تم زمین کی کسی چیز کو اور یا آسمان کی کسی چیز کو جو دیکھو تو اسکو خدا مت بناؤ۔ جیسا کہ خروج ۲۰ باب ۳ میں یہ الفاظ ہیں کہ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صُورت جو آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ اور پھر لکھا ہے اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو اور تمہیں نشان یا کوئی معجزہ دِکھلا دے اور اس نشان یا معجزہ کے مطابق جو اُس نے تمہیں دکھایا ہے بات واقعہ ہو اور وہ تمہیں کہے کہ آؤ ہم غیر معبودوں کی جنہیں تم نے نہیں جانا پَیروی کریں تو ہرگز اس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھریو۔ اسی طرح اور بھی توریت میں بہت سے مقامات ہیں جن کے

﴿۹۰﴾

لکھنے کی حاجت نہیں مگر سب سے بڑھ کر حضرت مسیح کا اپنا اقرار ملاحظہ کے لائق ہے وہ فرماتے ہیں سب حکموں میں اوّل یہ ہے کہ اے اسرائیل سُن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خدا ہے پھر فرماتے ہیں حیات ابدی یہ ہے کہ وے تُجھ کو اکیلا سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تم نے بھیجا ہے جانیں۔ یوحنّا ۱۷/۳ ۔

اور بھیجا کا لفظ توریت کے کئی مقام میں انھیں معنوں پر بولا گیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی اپنے بندہ کو مامور کر کے اور اپنا نبی ٹھہرا کر بھیجتا ہے تو اُسوقت کہا جاتا ہے کہ یہ وہ بندہ بھیجا گیا ہے اگر ڈاکٹر صاحب یہ بھیجا گیا کا لفظ بجز اِس معنے کے جہاں نبی کی نسبت بولا جاتا ہے مقام متنازعہ فیہ کے ماسوا کسی اور جگہ دوسرے معنوں پر ثابت کر دیں تو شرط کے طور پر جو چاہیں ہم سے وصول کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب پر واضح رہے کہ بھیجا گیا کا لفظ اور ایسا ہی مخصوص کا لفظ انسان کے بارہ میں آیا ہے یہ سراسر تحکّم ہے کہ اب اسکے اور معنے کئے جاویں ماسوا اس کے حضرت مسیح کی الوہیت کے بارہ میں اگر حضرات عیسائی صاحبوں کا اصول ایمانیہ میں اتفاق ہوتا اور کوئی قوم اور فرقہ اُس اتفاق سے باہر نہ ہوتا تو تب بھی کسی قدر ناز کرنے کی جگہ تھی مگر اب تو اتنی بات بھی ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں نہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماویں کہ کیا آپ کے مختلف فرقوں میں سے یونی ٹیرین کا فرقہ حضرت مسیح کو خدا جانتا ہے کیا وہ فرقہ اسی انجیل سے تمسک نہیں کرتا جس سے آپ کر رہے ہیں۔ کیا وہ فرقہ ان پیشگوئیوں سے بے خبر ہے جنکی آپکو خبر ہے۔ پھر جس حالت میں ایک طرف تو حضرت مسیح اپنے کفر کی بریّت ثابت کرنے کے لئے۔ یوحنّا باب ۱۰ میں اپنے تئیں خدا اطلاق پانے میں دوسروں کا ہمرنگ قرار دیں اور اپنے تئیں لاعلم بھی قرار دیں کہ مجھے قیامت کی کچھ خبر نہیں کہ کب آئے گی اور یہ بھی روا نہ رکھیں کہ انکو کوئی نیک کہے اور جا بجا یہ فرماویں کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور حواریوں کو یہ نصیحت دیں کہ پیشگوئیاں وغیرہ اُمور کے وہی معنے کرو جو یہودی کیا کرتے ہیں اور اُنکی باتوں کو سنو اور مانو اور پھر ایک طرف مسیح کے معجزات بھی

﴿۹۱﴾

دوسرے نبیوں کے معجزات سے مشابہ ہوں بلکہ اُن سے کسی قدر کم ہوں بوجہ اُس تالاب کے قِصّہ کے جو ڈاکٹر صاحب کو خوب معلوم ہوگا جس میں غسل کرنیوالے اسی طرح، طرح طرح کی بیماریوں سے اچھے ہو جایا کرتے تھے جیسا حضرت مسیح کی نسبت بیان کیا جاتا ہے اور پھر ایک طرف گھر میں ہی پھُوٹ پڑی ہوئی ہو ایک صاحب حضرات عیسائیوں میں سے تو حضرت مسیح کو خدا ٹھہراتے ہیں۔ اور دُوسرا فرقہ انکی تکذیب کر رہا ہے ادھر یہودی بھی سخت مکذّب ہوں اور عقل بھی اِن نامعقول خیالات کے مخالف ہو اور پھر وہ آخری نبی جس نے صدہا دلائل اور نشانوں سے ثابت کر دیا ہو کہ میں سچا نبی ہوں تو پھر باوجود اسقدر مخالفانہ ثبوتوں کے ایک خاص فرقہ کا خیال اور وہ بھی بے ثبوت کہ ضرور حضرت مسیح خدا ہی تھے کس کام آ سکتا ہے اور کس عزّت دینے کے لائق ہے اِسی بنا پر میں نے کہا تھا کہ جس حالت میں اسقدر حملے بالاتفاق آپ کے اس عقیدہ پر ہو رہے ہیں تو اب حضرت مسیح کی خدائی ثابت کرنے کیلئے آپکو کوئی ایسا ثبوت دینا چاہیے جسکے اندر کوئی ظلمت اور تاریکی نہ ہو اور جس میں کوئی اختلاف نہ کر سکتا ہو مگر آپ نے اس طرف توجہ نہ کی اور آپ فرماتے ہیں جو پیشگوئیاں ہم پیش کرتے ہیں وہ دلائل ہیں دعاوی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب آپ انصافاً سوچیں کہ جس حالت میں اُن پیشگوئیوں کے سر پر اسقدر مکذّب اور مخالف کھڑے ہیں اور خود وہی لوگ ان کے معنے وہ نہیں مانتے جو آپ کرتے ہیں جو وارث عہد عتیق کے تھے اور آپکا خانگی اتفاق بھی نہیں پایا جاتا تو پھر وہ دعاوی ہوئے یا کچھ اور ہوئے یعنی جبکہ وہ آپ کے فرقوں میں خود متنازعہ فیہ امر ٹھہر گیا تو اوّل یہودیوں سے فیصلہ کیجئے پھر یونی ٹیرنوں سے فیصلہ کیجئے اور پھر جب سب اتفاق کر لیں کہ آنیوالا مسیح موعود خدا ہی ہے تو پھر مسلمانوں پر حجت کے طور پر پیش کیجئے اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ہمارے لئے نشانوں کی ضرورت نہیں نشان پہلے زمانوں سے خاص ہوتے ہیں جب ایک مدعا ثابت ہو گیا تو پھر نشانوں کی کیا حاجت۔

میں کہتا ہوں اگر یہ ثابت شدہ امر ہوتا تو اتنے جھگڑے ہی کیوں پڑتے کیوں آپ کے فرقہ میں سے ان پیشگوئیوں کے ان معنوں کی تکذیب کرنے کیلئے موجود ہوتے پھر جبکہ ان پیشگوئیوں کی نہ

صحت ثابت نہ ادعاء حضرت مسیح ثابت اور نہ ان کے خاص معنوں پر اتفاق ثابت تو پھر کیونکر آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دلائل ہیں اور یہ بھی آپ کو یاد رہے کہ آپکا یہ فرمانا کہ نشان اسی وقت تک ضروری تھے جو حواریوں کا زمانہ تھا اور حواری اس کے مخاطب تھے یہ اس دوسری دلیل سے بھی خلاف واقعہ ٹھہرتا ہے کہ اگر کسی امر میں حواریوں کو مخاطب کرنا اُس امر کو اُنھیں تک محدود کر دینا ہے تو پھر تو اِس صورت میں ساری انجیل ہاتھ سے جاتی ہے کیونکہ تمام اخلاقی تعلیم جو حضرت مسیح نے کی اس کے مخاطب حواری تھے اب آپ کو خوب موقعہ مل سکتا ہے کہ ہمیں کچھ ضرورت نہیں کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دُوسرا بھی پھیر دیں کیونکہ یہ تو حواریوں کے حق میں کہا گیا تھا اور آپکا یہ فرمانا کہ راجچندر اور کرشن سے حضرت مسیح کو کیا نسبت ہے اور کیا اگر دس آدمی ایک دعویٰ کریں تو ان میں سے ایک سچا نہیں ہوسکتا مجھے افسوس ہے کہ آپ نے یہ کیا لکھایا میرا تو مطلب صرف اتنا تھا کہ اگر صرف دعوے سے انسان سچا ہوسکتا ہے تو دعوے کرنے والے تو دُنیا میں اور بھی ہیں پس اگر ان میں سے کوئی سچا ہے تو چاہیئے کہ اپنی سچائی کے دلائل پیش کرے ورنہ ہمیں یا آپ کو دس دعویٰ کرنیوالوں میں سے ایک کو بغیر دلیل کے خاص کر لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا یہی تو میں بار بار کہتا ہوں اور لکھتا ہوں کہ حضرت مسیح کی الوہیت پر ابھی تک آپ نے کوئی معقولی دلائل پیش نہیں کئے اور منقولی پیشگوئیاں جو آپ بار بار پیش کر رہے ہیں وہ تو کچھ بھی چیز نہیں ہیں خود امور متنازعہ فیہا ہیں جن کے آپ کچھ معنے کرتے ہیں یونی ٹیرین کچھ کرتے ہیں یہودی کچھ کرتے ہیں اہل اسلام کچھ کرتے ہیں۔ پھر قطعیۃ الدلالت کیوں کر ٹھہر جاویں اور آپ جانتے ہیں دلیل اس کو کہتے ہیں جو قطعیۃ الدلالت اور فی نفسہ روشن اور بدیہی ہو اور کسی امر کی مثبت ہو نہ کہ خود محتاج ثبوت ہو کیونکہ اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا اور پھر میں اپنی پہلی بات کا اعادہ کر کے لکھتا ہوں کہ آپ جانتے ہیں کہ اس پُر آشوب دُنیا میں انسان ہمیشہ تسلی اور معرفت تامہ کا محتاج ہے اور ہر ایک شخص یہی چاہتا ہے کہ جن دلائل کو تسلیم کرانا چاہتا ہے وہ ایسی شافیہ اور کافیہ دلائل ہوں کہ کوئی جرح ان پر وارد نہ ہو سکے اور خود ایک طالب حق جب اپنی موت کو یاد کرتا ہے اور درحالت بے دین و گمراہ

﴿۹۲﴾

ہونے کے اُن سزاؤں کو تصور میں لاتا ہے جو بے دینوں کو ملیں گی تو خود اس کا بدن کانپ اُٹھتا ہے اور اپنے تئیں اس بات کا بھوکا اور پیاسا پاتا ہے کہ اگر کوئی نشان ہو تو اس سے تسلی پاوے اور اس کے سہارے کیلئے وہ اسکی دلیل ٹھہر جاوے تو پھر میں تعجب کرتا ہوں کہ یہ درخت عیسائی مذہب کا کیوں کر بغیر پھلوں کے قرار دیا جاتا ہے اور کیوں تسلی کی راہ اس شخص کے مقابل پر پیش نہیں کی جاتی جو پیش کر رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی عادت نشان دکھلانا نہیں ہے تو اِس دین اسلام کی تائید کیلئے کیوں نشان دکھلاتا ہے اس لئے کیا کبھی ممکن ہے کہ ظلمت نور پر غالب آ جاوے۔ آپ یہ سب باتیں جانے دیں میں خوب سمجھتا ہوں کہ آپکا دل ہرگز ہرگز آپ کے ان بیانات کے موافق نہ ہوگا بہتر تو یہ ہے کہ اس قصہ کے پاک کرنے کے لئے میرے ساتھ آپ کا ایک معاہدہ تحریری ہو جائے اگر میں اُن شرائط کے مطابق جو اس معاہدہ میں کہوں گا کوئی نشان اللہ جلّ شانہٗ کی مرضی کے موافق پیش نہ کرسکوں تو جس قسم کی سزا آپ چاہیں اس کے بھگتنے کیلئے تیار ہوں بلکہ سزائے موت کیلئے بھی تیار ہوں لیکن اگر یہ ثابت ہو جاوے تو آپ کا فرض ہوگا کہ اللہ جلّ شانہٗ سے ڈر کر دین اسلام کو اختیار کریں ڈاکٹر صاحب یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ عیسائی مذہب تو سچا ہو اور تائید دین اسلام کی ہو آپ بجائے خود حضرت مسیح سے دُعائیں کرتے رہیں کہ وہ اس شخص کو ذلیل اور لاجواب کرے اور میں اپنے خُدا سے دُعا کرونگا پھر جو سچا خدا ہے غالب آ جائے گا۔

﴿۹۳﴾

اس سے بہتر اور کونسی تصفیہ کی صورت ہوگی۔ آپ کے دعاوی بلا دلیل کو کون تسلیم کرسکتا ہے کیوں آپ ان کو بار بار پیش کرتے ہیں۔

کیا آپ کی قوم نے بالاتفاق اس کو قبول کرلیا ہے آپ براہ مہربانی سیدھے راہ پر آ کر وہ طریق اختیار کریں جس سے حق و باطل میں فیصلہ ہو جاوے۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی احسان اللہ
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	قائم مقام ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک

جناب مرزا صاحب نے اپنے جواب میں زیادہ طول اہل یہود پر دی ہے اور ان کو ہم نہیں جانتے کہ کس وجہ سے ہمارے اور اپنے درمیان منصف ٹھہرالیا ہے۔ جناب من آپ کونسی تاریکی کے فرزندوں کا حوالہ دیتے ہیں اگر اُن کے نہ ماننے پر بات موقوف ہے تو آپ کے حضرت صاحب کی شان میں بھی بڑا فرق آتا ہے۔ کیونکہ اُنکی مخالفت پر بھی ہمیشہ کمر باندھ کے منکر ہی رہے۔ جناب من دار مدار کسی انسانی فیصلہ پر نہیں ہے۔ کتابیں موجود ہیں زبان کوئی سمجھ سے باہر نہیں ہے۔ عقل فقط خدا تعالیٰ نے اہل یہود کو عنایت نہیں کی تھی۔ عبارت میں غلطی ہے بتا دیجئے گا۔ معنوں میں ہے تو معنے صحیح ہمیں عنایت کیجئے۔ اور یہودیوں کی کم بختی ہمارے سر پر کیوں تھوپتے ہیں آپ تو فرماتے ہیں کہ یہ قوم پارسا اور خدا پرست تھی توریت شریف اور انبیاء کے صحیفوں کو ملاحظہ کیجئے تو ان کا صحیح حال آپ پر روشن ہوگا۔ دیکھئے یسعیاہ نبی کی کتاب کے ۶۵/۳ میں خدا تعالیٰ کیا فرماتا ہے ایسے گروہ کی طرف جو سدا میرے مُنہ کھجا کر مجھے غصّہ دلاتی تھی اور نبیوں کو دیکھئے کہتے ہیں گردن کش سنگدل حد سے زیادہ نبیوں کے قاتل اپنے خدا سے مُنہ پھیرنے والے۔ یہ انکی صفات ہیں کلام اللہ میں جسے آپ پاک قوم سمجھ رہے ہیں بلکہ یہاں تک اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ گدھا اپنے مالک اور بیل اپنے چرنے کو جانتا ہے پر میری قوم مجھے نہیں جانتی جن کو اللہ تعالیٰ گدھے اور بیل سے بڑھ کر حماقت میں بناتا ہے۔ آپ ان سے عدالت چاہتے ہیں۔ مرزا صاحب یہ آپ سے ہرگز نہ ہوگا۔ جناب من انھیں کی سنگدلی کی سزا میں خدا تعالیٰ نے اُنکے دِلوں کو تاریک کر دیا کہ وہ نہ سمجھیں۔ یسعیاہ ۶/۱۰ اور یہ لعنت خداوند یسوع مسیح کے وقت اُنکے سر پر تھی اور تا حال ہے۔ متی ۱۳/۱۵ و اعمال ۲۸/۲۷ دوسرے قرنطیون کا ۳/۱۵،۱۶ ان آیات کے ملاحظہ سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ آپ نے منصفی کن پر ڈالی ہاں انکی بے ایمانی سے شہر اُن کا برباد اپنے ملک سے جلا وطن سارے جہان میں پراگندہ ضرب المثل اور انگشت نما ہو کے یہ آج تک پھرتے ہیں

﴿۹۴﴾

موجب پیشگوئی المسیح کے۔

دوئم۔ پھر آپ نے یونی ٹیرین کی بابت پیش کیا۔ جناب من یہ عیسائیوں کے کسی فرقہ میں سے کوئی فرقہ نہیں۔ سارے جہان کی حماقت اور کفر کا جواب آپ مجھ سے کیوں مانگتے ہیں اور رومن کیتھلک لوگ اپنے دل کے کفر سے مریم کو خدا کی ماں قرار دیتے ہیں اور ادہر یونی ٹیرین حماقت سے اور طرح پر پورا کرتے ہیں میرا ان میں کیا واسطہ ہے۔ کلام میرے ہاتھ میں ہے عبارت اسکی موجود ہے غلطی پر ہوں تو مجھے قائل کیجئے۔ ورنہ ان تاریک فہموں کی آپ کیا نظیر دیتے ہیں۔ ہمارا ایمان مسیح پر، فرقوں پر نہیں۔ اس طرح کے اگر میں الزامی جواب دینے چاہوں تو اسلام پر کتنے فتور اس وقت پیش کرسکتا ہوں۔ جناب من اپنے گھر کی حالت دیکھ کر تکلیف فرمائیے اور نہ کسی انسان کے ماننے اور نہ ماننے پر مدار رکھے لیکن کتاب اللہ پر۔

‹۹۵›

جناب نے ایسی دلیل طلب کی ہے جس میں کسی کا شک نہ ہو۔ صاف اقرار کرتا ہوں کہ میں نے کہ میں عاجز ہوں میں کیا بلکہ خدا بھی عاجز ہے۔ اسکے وجود پاک سے بڑھ کر کوئی بات دنیا میں روشن ہے تو بھی آپکو ہزار احمق نہ ملیں گے جو کہیں گے کہ خدا کوئی چیز نہیں۔ جب جناب باری کی ذات پاک میں آپ حرف لاتے ہیں اور اس معبود حق کی نسبت شک کرتے ہیں جس کے جلال سے سارا جہاں معمور ہے تو کونسی دلیل پیش کریں جسمیں اگلا حرف نہ لاوے۔ آگے جناب کا یہ فرمانا تھا کہ مسیحی دین اگر بے پھل ہے تو پھر یہ کیوں حق ہے۔ صاحب من یہ بے پھل نہیں اپنے موقعہ پر یعنی اسی ہفتہ میں آپ کی خدمت میں پھل پیش کئے جاویں گے۔ لیکن یہاں آپ کے ساتھ میرا سخت تنازعہ ہے آپ نے مجھے کیوں منافق بنایا۔ ریاکار ٹھہرایا کہ جو میں زبان سے کہتا ہوں وہ دل سے نہیں کہ آپ نے ایسا الزام مجھے لگا دیا۔ پیغمبری کے دعوے تو میں آپ کے سُنتا رہا لیکن یہ تو دعویٰ الٰہی ہے کہ آپ دلوں کے جانچنے والے ہیں۔ آخری عرض یہ ہے کہ مناسب ہے کہ خالق کی ذات شریف مخلوق کی سمجھ میں نہ آوے۔ خدا تعالیٰ جو ہے ذات ہی ذات ہے اور اگر اس کی ذات پاک کو ہم سمجھ لیں تو پرے کیا رہا۔ ہم اسکے مساوی نہ ہو گئے بے شک ہو گئے۔ اسی لئے میں محمدی وحدانیت کا قائل نہیں ہوسکتا تو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے اور

میری عقل تو گواہی دیتی ہے کہ ذات پاک کو اس سے بڑھ کر ہونا چاہیئے آپ کی وحدانیت میں کونسا مسئلہ سمجھ سے باہر ہے گویا محدود نے غیر محدود کو گھیر لیا ہے۔ لیکن کثرت فی الوحدت ایک ایسا مسئلہ ہے کہ نہ اِسکے سمجھنے والا پیدا ہوا نہ ہوگا۔ کیا صاحب جانا جاسکتا ہے کہ انسانی عقل اللہ تعالیٰ کو سمجھے۔ توبہ توبہ۔ ذات الٰہی ایک ایسی شے ہے کہ نہ عقل سے ثابت کی جاسکتی ہے اور نہ عقل سے اس کی تردید کی جاسکتی ہے۔ معاملہ انسان کی عقل سے لاکھ ہا درجہ بڑھ کر ہے اور اس کا فیصلہ صاف اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے۔ خدا کی بات خدا ہی جانے اور میرا اور آپ کا حق مرزا صاحب نہ دلائل عقلی کے دوڑانے پر ہے لیکن تسلیم کرنا ہے۔ اور صحیح تعلیم اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی یہی ہے تین اقنوم اور ایک خدا واحد تا ابد مبارک ہے۔ مسیح خداوند کے حق میں نبی گواہی دیتے رہے نمونوں سے اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا رہا۔ قربانیوں میں حلال وحرام میں ختنہ میں ہیکل میں اور پھر ظاہر کرتا رہا کہ مَیں حق تعالیٰ خود تمہارا نجات دہندہ ہوں۔ اور وقت پر کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور نام اس کا تم نے رکھنا عمانوئیل یعنی خدا ہمارے ساتھ وقت پر آپ آئے پَیدا ہوئے۔ ﴿۹۶﴾

آگے سلسلہ چلتا ہے فرشتوں کی گواہی کا۔ حواریوں کی گواہی کا۔ اپنے دعووں کا۔ اپنی کرامت ومعجزوں کا۔ ہاں خدا تعالےٰ کا خود یحیٰ بپٹسما دینے والے کے ہاتھ سے بپٹسما پاکر آپ پانی سے نکلتے ہیں اور رُوح القدس کبوتر کی طرح ان پر آتی ہے اور خدا تعالیٰ آسمان بلند آواز سے فرماتا ہے یہ میرا بیٹا ہے جس سے مَیں خوش ہوں دیکھئے باپ بیٹا روح القدس موجود کیونکہ یہ تینوں ایک ہیں۔

خیر میں زیادہ طول دینا نہیں چاہتا دشمنوں کی گواہی بھی موجود ہے شیطانوں کی گواہی موجود ہے جو چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ تو خدا کا قدوس ہے۔ رومیوں کی گواہی موجود ہے۔ پلاٹوس کی گواہی موجود ہے۔ جناب انجیل شریف میں آپ کے لئے سب گواہیاں موجود ہیں اور یہودی بھی سارے بے ایمان نہ تھے آپ کے فرمانے کے مطابق حواری بھی یہودی تھے ایک ہی وعظ سے تین ہزار عیسائی ہوئے یک لخت۔

اگرچہ قوم مردود ہے قوم کا ہر ایک فرد مردود نہیں اور اب بھی ہزار ہا لاکھ ہا یہودی مسیح خداوند

کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ اور جب آپ نے مسئلہ پیش کیا کہ جب مسیح نے پوچھا کہ مسیح کس کا بیٹا ہے اور داؤد کیوں اس کو خداوند کہتا ہے۔ تو چپ اور لاجواب ہوگئے۔ کوئی جواب نہ دے سکا۔ صاحب من عقل کو قائل کرنا تو کچھ مشکل نہیں لیکن دل کی ضد کو دفع کرنا اللہ کا کام ہے۔ پھر جناب کی تقریر تھی کہ کرامتیں اسلام کے ساتھ ہیں ہمیں دیکھنے سے کوئی گریز نہیں۔ ساتھ یہ بھی بتایئے بالفرض اگر کوئی یا کئی کرامت وارد بھی ہوں تو ہم کس طرح جانیں کہ یہ منجانب اللہ ہیں استثنا کے ۱۳/۱،۲ جناب نے ہی سنائے کہ بیشک تمہارے پرکھنے کے لئے جھوٹے نبی بھی آجائیں گے اور کرامت پوری کریں گے۔ نیز مرقس کا ۱۳/۲۲ سُنیے گا۔ گلتیوں ۱/۸ سو جناب من نہ فقط کرامت کی ضرورت ہے بلکہ اس بات کی کہ ان نشانوں کو کیوں کر منجانب اللہ جانیں اور نہایت ادب سے عرض ہے کہ آپ کی کرامت سے مَیں دل شکستہ ہوں آپ فرما چکے ہیں کہ کرامت اور معجزہ میں فرق ہے نہیں جانتا کہ کیا۔ پھر آپ نے یہ فرمایا کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کس قسم کا نشان دکھلائے گا۔ اور پھر معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کس طور کا نشان دکھلائے گا۔ جناب صاحب اس میں تحدی ماقبل معجزہ اور کرامات سے صاف گریز ہے۔ حالانکہ آپ اپنے رسالہ حجۃ الاسلام کے ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ صفحہ میں اس بات کو تسلیم کر چکے تھے۔ قصہ کوتاہ مرزا صاحب کیا ہی مبارک موقعہ پیش آیا تھا کہ آپ اپنے اس دعویٰ کو جس کی نسبت خم ٹھوک کر کئی روز سے دعویٰ کرتے ہیں پایہ ثبوت تک پہنچاتے۔ ہزار افسوس کہ آپ نے ایسے موقعہ کو ہاتھ سے جانے دیا اور اپنی لغو تاویلات کو لامعنی اور بات الزامی سے اس موقعہ کو ٹال دیا۔ آپ کی اس پہلو تہی سے اس عاجز کی عقل ناقص میں یہ آتا ہے کہ آپ کا یہ دعویٰ سامان ہیں جن سے آپ اپنے مقلدوں کو خوش کرتے ہوتے ہیں از راہ خاوندی کے عیسائیوں کے روبرو انکا ذکر پھر نہ کرنا۔ اور ناحق زک اٹھانی پڑتی ہے جناب من ہم تو آپ کے علم اور روشن ضمیری کا چرچا بہت ہی سنتے رہے ہیں اور ہم کو آپ سے بہت امید تھی۔ لیکن افسوس آپ نے وہی بحثیں اور وہی دلائل اور وہی باتیں پیش کیں۔ جو کہ قریب چالیس سال سے اِس ملک کے بازاروں میں چکر کھا رہی ہیں۔ مرزا صاحب

﴿۹۷﴾

افسوس ہے کہ ہم آپ پر کسی طرح خوش نہ ہوئے۔ عقلی دلیل آپ نے مانگی بندہ نے پیش کر دی۔ نقلی جناب نے فرمائی حاضر کی گئی الہام پر آمادہ ہوئے سوبھی منظور اس موقعہ پر مجھ کو انجیل شریف کی ایک بات یاد آتی ہے متی کے ۱۶۔۱۷۔۱۹ ~~۱۱~~ میں ہے آخر الامر آپ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اول خدا کے ابن وحید کا رسالت لے کر دنیا میں آنا دلیل استقرائی سے مستثنیٰ ہے جیسے کہ آدم وحوا کی پیدائش۔ جناب نے اس کا کیا جواب فرمایا ہیچ دوم الوہیت کے دعویٰ اورا ثبات بائیبل شریف سے معہ مفصل آیات کے پیش کئے گئے عقل سے امکان اور کلام الٰہی سے وقوع ثابت کیا گیا۔ جناب نے کیا جواب دیا ہیچ۔ یوحنا کے دسویں باب پر آپ نے بار ہا زور بے جا لگایا معقول دلیل دیکھیں تو پتہ ندارد پرانے عہد نامہ میں سے مسیح کے حق میں پیشگوئیاں اور نئے عہد نامہ میں ان کی تکمیل جناب کی خدمت میں پیش کی گئی جواب ہیچ پانچ پرانے عہد نامہ کے ایسے فقروں سے جیسا کہ ہم میں سے ایک کی مانند ہمتا۔ یہوا صدقنو وغیرہ وغیرہ الوہیت کا استدلال کیا گیا جناب کا جواب ہیچ۔ بڑی پختہ دلائل سے مسیح کا کامل انسان و کامل خدا ہونا و مظہر اللہ ہونا پیش کیا گیا۔ جواب ہیچ۔ ساتواں وہ جو آیات جناب نے پیش کی تھیں قیامت کے روز وغیرہ کے بارے میں انکے حق میں خوب گوش گذاری ہوئی جناب نے کوئی جواب نہ فرمایا۔

﴿۹۸﴾

آٹھواں۔ جناب قرآن سے کئی حوالجات دیتے ہیں اوران عاجزوں کے لئے وہ فضول ہیں کیونکہ ہم اس کو کتاب مستند نہیں سمجھتے۔

نہم۔ مرقس کی ۱۶ ا پر جناب نے بہت کچھ تقریر فرمائی اور معجزوں کے حق میں ہمیں قائل کرنا چاہا۔

لہٰذا اس کا بھی جواب ہوا اور خوب ہی ہوا۔ جناب نے کیا جواب دیا ہیچ۔

دس۔ نجات اور ذاتی الہام بے محل اور خلاف شرطوں کے تھا اس لئے ہم نے

اس کا بہت غور نہیں کیا۔

گیارہ۔ جناب کا صاحب کرامات ہونے کا دعویٰ نہایت ہی واضح طور پر غلط ثابت کیا گیا۔ جناب الزامی جواب دے کر پہلو تہی کر گئے۔ یہ ہفتہ گذشتہ کی کارروائیاں ہیں فرمایئے ہماری کونسی دلیل توڑی گئی۔ ہاں یک شوشہ یک نقطہ بھر اس میں فرق آیا؟۔ جناب تو اپنی تاویلوں میں لگے رہے اور ہماری باتوں پر آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ اب پھر اس مباحثہ کے پہلے حصہ کا آخری وقت ہے۔ میں خدا کا واسطہ دے کے عرض کرتا ہوں۔ بروئے کلام الٰہی خدا جو اگلے زمانوں میں نبیوں کے وسیلہ بولا بالآخر اپنے بیٹے کے وسیلہ سے دین آسمانی اور راہ نجات اور گناہوں کی بخشش ہمیں عنایت کر چکا ہے۔ اور ہر ایک کو چاہیئے کہ تعصب کو دور کر کے خدا کی رضا مندی کو اپنا شامل کرے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک المسیح ابن وحید اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور کلمہ مجسمہ اللہ کا ہے اور آخری دن کل آدمیوں کا انصاف کرنے والا بھی ہوگا۔ ﴿۹۹﴾

مباہلہ کے حق میں مختصر عرض ہے کہ لعنت دینا یا چاہنا ہمارے خدا کی تعلیم نہیں وہ اپنی کسی مخلوق سے عداوت نہیں رکھتا اور مینہہ اور روشنی اپنے راستوں اور ناراستوں کو برابر بخشتا ہے۔ جس مذہب میں لعنتیں جائز ہوں انکے پَیروؤں کو اختیار رہے مانیں اور مانگیں۔ لیکن ہم شاہ سلامتی کے فرزند ہیں اور جیسا ہم اپنے لئے دعائے خیر اور رحمت اور بخشش کے طالب ہیں ویسا ہی بعوض لعنت کے ہم آپ صاحبوں کیلئے بھی خواہاں برکت کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی بے حد رحمت سے صراط مستقیم آپ کو عطا کرے اپنے امن اور ایمان میں لاوے۔ تا کہ جب اس جہان فانی سے ملک جاودانی کو آپ گزر کریں تو عاقبت بخیر ہووے ایک آخری عرض ہے جناب مرزا صاحب آپ حد سے قدم بڑھا کر چڑھ آئے ہیں۔ گستاخی معاف مَیں دل کی صفائی سے کہتا ہوں اور بروئے الہام نہ معلوم از کجا یافتہ

آپ فرماتے ہیں کہ اس جنگ میں مجھے فتح ہے ضروری فتح ہے۔ جناب امتیاز کر سکتے ہیں کہ صورت مذکورہ بالا فتح کامل کی ہے یا معاملہ دیگر کی اور یہ جناب کی غلطی ہے فتح اور شکست کا لحاظ ہرگز نہیں چاہیئے برعکس اسکے یہ کہ ہاں شکست ہو تو ہو۔ لیکن یا اللہ تیری راستی ظاہر کی جائے افسوس جناب میں وہ مزاج دیکھی نہ گئی۔ صاحب من عیسوی دین انیس سو برس سے جہان میں ہے اور ایک ایسا سندان ہے کہ اس پر بہت ہی مارتول گھس چکے ہیں اور اخیر تک گھستے رہیں گے۔ کیا انیس سو برس کی بات یہاں اور انھیں دنوں میں پلٹنے والی تھی جو لوگ دین مسیح کے مخالف ہیں ان کو دیکھ کر مجھے ایک قصہ یونانی یاد آتا ہے ایک سانپ کسی لوہار کے گھر میں جا گھسا زمین پر ریتی پڑی تھی زہر بھرا ہوا سانپ اس کے کاٹنے لگا۔ ریتی نے کہا کاٹ لے جہاں تک تیری مرضی ہے تیرے ہی دانت گھستے ہیں۔

﴿۱۰۰﴾ صاحبِ من کوششیں تو آپ نے سب کیں پر دلیل عقلی کا مقابلہ نہ نقلی جواب بن پڑا اور جس الہام و کرامت پر آپ کو ناز تھا وہ بھی خام اور لاحاصل ٹھہرایا گیا۔ کوششیں بہت لیکن مباحثہ کے اس حصہ کا نتیجہ معلوم اور ہر ایک منصف مزاج پر ظاہر۔ مرزائے من آپ تو بلند آواز سے فتح پکارتے رہے لیکن یہ فتح کسی اور پر شگفتہ نہ ہوئی۔ جناب من اس جنگ میں اور ہر جنگ میں امروز تا ابد شان و شوکت حشمت و جلال قدرت اختیار اور فتح المسیح تا ابد خدائے مبارک کی ہے۔ آمین۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
احسان اللہ قائم مقام ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ	پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

﴿۱۰۱﴾

دوسرا حصہ
روئیداد جلسہ
۳۰۔ مئی ۱۸۹۳ء

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب آج اپنے اصلی عہدہ میر مجلسی پر واپس آ گئے۔ اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے مباحثہ شروع کیا۔ ۶ بجے ۹ منٹ پر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے سوال لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۲۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا مرزا صاحب نے ۶ بجے ۲۷ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۲۷ منٹ پر تمام کیا۔ مرزا صاحب کے جواب لکھانے کے عرصہ میں میر مجلس عیسائی صاحبان نے بدوں میر مجلس اہل اسلام کے ساتھ اتفاق کرنے کے انھیں روکنے کی کوشش کی اور اپنے کاتبوں کو حکم دیا کہ وہ مضمون لکھنا بند کر دیں مگر میر مجلس اہلِ اسلام کی اجازت سے مرزا صاحب برابر مضمون لکھاتے رہے اور انکے کاتب لکھتے رہے۔ میر مجلس عیسائی صاحبان کی یہ غرض تھی کہ مرزا صاحب مضمون کو بند کریں اور میر مجلس عیسائی صاحبان ایک تحریک پیش کریں کیونکہ ان کی رائے میں مرزا صاحب خلاف شرط مضمون لکھاتے رہے تھے لیکن جب ان کی رائے میں مرزا صاحب شرط کے موافق مضمون لکھانے لگے تو انہوں نے اپنے کاتبوں کو مضمون لکھنے کا حکم دے دیا میر مجلس صاحب اہل اسلام کی یہ رائے تھی کہ جب تک مرزا صاحب مضمون ختم نہ کر لیں کوئی امر انہیں روکنے کی غرض سے پیش نہ کیا جائے کیونکہ انکی رائے میں کوئی امر مرزا صاحب سے خلاف شرائط ظہور میں نہیں آ رہا تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب برابر مضمون لکھاتے رہے اور اپنے وقت کے پورے ہونے پر ختم کیا اور مقابلہ کے وقت عیسائی کاتبوں نے اس حصہ مضمون کو جو وہ اپنے میر مجلس کے حکم کے بموجب چھوڑ گئے تھے بموجب ارشاد اپنے میر مجلس کے پھر لکھ لیا۔ اَب یہ امر پیش ہوا کہ مرزا صاحب نے جو جواب لکھایا ہے اس کے متعلق میر مجلس عیسائی صاحبان اور عیسائی جماعت کی یہ رائے ہے کہ وہ خلاف شرائط ہے کیونکہ اوّلاً اِس

ہفتہ میں وقت ہے کہ مسیحی اہل اسلام سے دین محمدی کے حق میں سوال کریں اور نہ یہ کہ محمدی صاحب مسیحوں سے دین عیسوی کے حق میں جواب طلب کریں۔ ثانیاً فی الحال عبد اللہ آتھم صاحب کیطرف سے سوال مسئلہ رحم بلا مبادلہ درپیش ہے اور مرزا صاحب جواب طلب کرتے ہیں در بارہ الوہیت مسیح کے۔ میر مجلس صاحب اسلام کی یہ رائے تھی کہ خلاف شرائط ہرگز نہیں ہے بلکہ عین مطابق شرائط ہے اور ساتھ ہی مرزا صاحب نے بیان فرمایا کہ جواب ہرگز خلاف شرائط نہیں کیونکہ سوال رحم بلا مبادلہ کی بنا الوہیت مسیح ہے۔ اور ہم مسئلہ رحم بلا مبادلہ کا پورا رد اس حالت میں کر سکتے ہیں کہ جب پہلے اس بنا کا استیصال کیا جاوے۔ بنا کو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ بے تعلق ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ رحم بلا مبادلہ بنائے فاسد بر فاسد ہے۔ عیسائی جماعت تو مرزا صاحب کے مضمون کو خلاف شرائط قرار دینے پر زور دیتی رہی اور اسلامیہ جماعت اس مضمون کو مطابق شرائط قرار دیتی رہی پادری عماد الدین صاحب کی یہ رائے تھی اور انہوں نے کھڑے ہو کر صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میر مجلسوں کا منصب نہیں کہ مباحثین کو جواب دینے سے روکیں مگر میر مجلس عیسائی صاحبان کے سوال کرنے پر انہوں نے بھی یہی کہا کہ مضمون مرزا صاحب کا خلاف شرط ہے اور مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے بھی کہا کہ کسی قدر خلاف شرط تو ہے تاہم درگذر کرنا چاہیئے۔ میر مجلس اہل اسلام نے کہا یہ مضمون ہرگز خلاف شرط نہیں اس لئے ہم آپ کا درگذر نہیں چاہتے۔ ایک عرصہ تک اس امر پر تنازعہ ہوتا رہا۔ اسی عرصہ میں ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب نے کہا کہ اگر میرے چیئرمین صاحب مجھے مرزا صاحب کے لفظ لفظ کا جواب دینے دیں گے تو میں دوں گا ورنہ میں نہیں دیتا۔ مگر میر مجلس صاحب اہلِ اسلام نے ڈپٹی صاحب کو کہا کہ آپ کو جواب لکھنے کیلئے میر مجلسوں سے ہدایت لینے کی کچھ ضرورت نہیں۔ آپ کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں جواب دیں۔ لیکن میر مجلس عیسائی صاحبان نے ڈپٹی صاحب کو روکا اور کہا میں اجازت نہیں دیتا۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو میں میر مجلسی سے استعفا دے دوں گا کیونکہ یہ خلاف شرط ہے پھر تھوڑی دیر کے لئے تنازعہ ہوتا رہا اور آخر کار یہ قرار پایا کہ آئندہ کے لئے مباحثین میں سے کسی کو جواب دینے سے روکا نہ جائے انہیں اختیار ہے کہ جیسا چاہیں جواب دیں۔ بعد ازاں ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب

﴿۱۰۲﴾

نے ۸ بجے ۵۳ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۹ بجے ۵۰ منٹ پر ختم کیا اور مقابلہ کر کے بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کئے گئے اور چونکہ مرزا صاحب کے جواب کیلئے پورا وقت باقی نہ تھا۔ اس لئے جلسہ برخواست ہوا۔ فقط۔

(دستخط بحروف انگریزی) (دستخط بحروف انگریزی)

ہنری مارٹن کلارک پریذیڈنٹ غلام قادر فصیح پریذیڈنٹ

از جانب عیسائی صاحبان از جانب اہلِ اسلام

سوال ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳۰؍ مئی ۱۸۹۳ء

میرا پہلا سوال رحم بلا مبادلہ پر ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ رحم ہو اور تقاضا عدل کا لحاظ نہ ہو۔ اس کے لئے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا صفات عدل وصداقت کی غیر مقید الظہور بھی ہو سکتی ہیں یعنی ان پر یہ قید نہ رہی کہ وہ ظہور نہ کریں جیسا کہ عدل ہوا یا نہ ہوا۔ صداقت ہوئی یا نہ ہوئی۔ اعتراض اس میں یہ ہے کہ اگر ایسا ہووے تو محافظ قدوسی الٰہی کا کون ہو سکتا ہے اور رحم اور خوبی مقید الظہور بھی کیا ہو سکتے ہیں اور اس میں اعتراض یہ ہے کہ اگر ہو سکتے ہیں تو کیا وہ قرضہ دادنی کی صورت نہ پکڑیں گے۔ ﴿۱۰۳﴾

دوسرا سوال یہ ہے کہ ہر چہ گناہ جب تک باقی رہے تو صورت رہائی گناہ گار کی کون سی ہے اب جبکہ قرآن میں تین راہ نجات رکھے ہیں یعنی ایک یہ کہ گناہ کبائر سے اگر بچو گے تو صغائر رحم سے معاف ہو جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ اگر وزن افعال شنیعہ کا اعمال حسنہ پر نہ بڑھے گا تو رحم کے مستحق ہو جاؤ گے۔ تیسرے یہ کہ رحم کے مقابلہ میں عدل اپنے تقاضا سے دست بردار ہو جاتا ہے یعنی رحم غالب آتا ہے عدل کے اوپر۔ دو صورتیں اولین میں یہ اصول ڈالا گیا ہے کہ ادائے جز کا واسطے کل کے حاوی ہے تیسرے اصول میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ عدل مقید الظہور نہیں بلکہ رحم مقید الظہور رہے۔ ان دونوں اصولوں میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں بداہت کے برخلاف کچھ اس میں بیان ہے یا نہیں کیونکہ مبادلہ عدل کا کچھ نہ ہوا اور یہ رحم بلا مبادلہ ہے جس نے دو صفات الٰہی کو ناقص کر دیا یعنی عدالت اور صداقت کو۔

اس کے جواب کا انتظار ہم جناب کی طرف سے کرتے ہیں اور یہ جواب اس کا ہونا چاہیئے کہ یہ دونوں اصول صداقت بالبداہت ہیں یا نہیں و یا کہ صداقتیں ہیں یا نہیں لیکن ہر جہ ادا ہو جاتا ہے اور صفات وہ قائم رہتی ہیں اور میرا عرض کرنا اس بارہ میں اور کچھ ضرور نہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ جیسے میرے یہ مختصر سوال ہیں ویسا ہی مختصر جواب ہونا چاہیئے۔

دستخط بحروف انگریزی — دستخط بحروف انگریزی

ہنری مارٹن کلارک پریذیڈنٹ — غلام قادر فصیح پریذیڈنٹ

از جانب عیسائی صاحبان — از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

۳۰؍مئی ۱۸۹۳ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ڈپٹی صاحب نے رحم بلا مبادلہ کا جو سوال کیا ہے حقیقت میں اس کی بنیاد حضرت مسیح کی الوہیت ماننے پر رکھی گئی ہے اس لئے صفائی بیان کے لئے بہت ضروری ہے کہ پہلے برعایت اختصار اس کا کچھ ذکر کیا جائے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح کی الوہیت ثابت ہو جائے تو پھر اس لمبے جھگڑے کی کچھ ضرورت نہیں اور اگر دلائل قطعیہ سے صرف انسان ہونا ان کا ثابت ہو اور الوہیت کا بطلان ہو تو پھر جب تک ڈپٹی صاحب موصوف الوہیت کو ثابت نہ کریں تب تک داب مناظرہ سے بعید ہوگا کہ اور طرف رخ کر سکیں ڈپٹی صاحب موصوف اپنے بیانات سابقہ میں حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے کیلئے فرماتے ہیں کہ اور انسانوں کی تو ایک روح ہوتی ہے مگر حضرت مسیح کی دو روحیں تھیں ایک انسان کی اور ایک خدا تعالیٰ کی اور گویا حضرت مسیح کے جسم کی دو روحیں مدبر تھیں مگر یہ امر سمجھ میں نہیں آ سکتا ایک جسم کے متعلق دو روحیں کیونکر ہو سکتی ہیں اور اگر صرف خدا تعالیٰ کی روح تھی تو پھر حضرت مسیحؑ انسان بلکہ انسان کامل کن معنوں سے کہلا سکتے ہیں کیا صرف جسم کے لحاظ سے انسان کہلاتے ہیں۔ اور میں بیان کر چکا ہوں کہ جسم تو معرض تحلل میں ہے چند سال میں اور ہی جسم ہو جاتا ہے

﴿۱۰۴﴾

اور کوئی دانش مند جسم کے لحاظ سے کسی کو انسان نہیں کہہ سکتا جب تک روح انسانی اس میں داخل نہ ہو پھر اگر حضرت مسیح درحقیقت روح انسانی رکھتے تھے اور وہی روح مدبّر جسم تھی اور وہی روح مصلوب ہونے کے وقت بھی مصلوبی کے وقت نکلی اور ایلی ایلی کہہ کر حضرت مسیحؑ نے جان دی تو پھر روح خدائی کس حساب اور شمار میں آئی یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا اور نہ کوئی عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ اگر درحقیقت روح کے لحاظ سے بھی حضرت مسیح انسان تھے تو پھر خدا نہ ہوئے اور اگر روح کے لحاظ سے خدا تھے تو پھر انسان نہ ہوئے ماسوا اس کے حضرات عیسائی صاحبان کا یہ عقیدہ ہے کہ باپ بھی کامل اور بیٹا بھی کامل روح القدس بھی کامل۔ اب جب تینوں کامل ہوئے تو ان تینوں کے ملنے سے اکمل ہونا چاہیئے کیونکہ مثلاً جب تین چیزیں تین تین سیر فرض کی جائیں تو وہ سب مل کر نو سیر ہوں گی۔ اس اعتراض کا جواب ڈپٹی صاحب سے پہلے بھی مانگا گیا تھا مگر افسوس کہ اب تک نہیں ملا اور ظاہر ہے کہ یہ ایک سخت اعتراض ہے جس سے قطعی طور پر حضرت مسیح کی الوہیت کا بطلان ہوتا ہے۔ انہیں اعتراضات کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے اور اسی بناء پر میں نے یہ شرط کی تھی کہ حضرت مسیح کی الوہیت پر کوئی عقلی دلیل پیش ہونی چاہیئے مگر افسوس کہ اس شرط کا کچھ بھی لحاظ نہ ہوا اور یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ آپ نے جس قدر پیشگوئیاں حضرت مسیحؑ کی الوہیت ثابت کرنے کیلئے پیش کی ہیں وہ دعاوی ہیں دلائل نہیں ہیں اول تو ایک نامعقول امر جب تک معقول کر کے نہ دکھلایا جاوے منقولی حوالہ جات سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ مثلاً ایک گدھا جو ہماری نظر کے سامنے کھڑا ہے۔ اگر ہزار کتاب پیش کی جائے کہ انہوں نے اس کو انسان لکھ دیا ہے تو وہ کیونکر انسان بن جائے گا۔ ماسوا اس کے وہ منقولی حوالجات بھی نرے نکمے ہیں جن کی کتابوں سے لئے جاتے ہیں وہ ان کو مانتے نہیں اور گھر میں خود پھوٹ پڑی ہوئی ہے اور حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ یہودی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں ان کی باتوں کو مانو ۔

افسوس ہے کہ ان کے معنے قبول نہیں کئے جاتے اور عذر کیا جاتا ہے کہ یہودی فاسق بدکار ہیں حالانکہ انجیل حکم دیتی ہے کہ ان کی باتوں کو اور ان کے معنوں کو اول درجہ پر رکھو اور ہمیں تحکم کے طور پر

کہا جاتا ہے کہ کتابیں موجود ہیں کتابوں کو پڑھو۔ لیکن انصاف کرنے کا محل ہے کہ ہر ایک صداقت کو ہر ایک پہلو سے دیکھا جاتا ہے۔ ہم یہودیوں کے اقوال کو بھی دیکھیں گے۔ آپ کے اندرونی اختلافات پر بھی نظر ڈالیں گے۔ اور اگر آپ کا یہ شوق ہے کہ کتابیں دیکھی جاویں وہ بھی دیکھی جاویں گی۔ مگر اس صورت میں کہ یہودیوں کے معنے بھی جو وہ کرتے ہیں سنے جائیں اور آپ کے معنے بھی سنے جائیں اور ان کی لغات بھی دیکھی جائیں اور آپ کی لغات بھی دیکھی جائیں پھر جو اولیٰ و انسب ہے اس کو اختیار کیا جائے اور یہودیوں سے مراد وہی یہودی ہیں جو حضرت مسیح سے پہلے صدہا برس گذر چکے ہیں۔ غرض ہر ایک پہلو دیکھنا طالب حق کا منصب ہوتا ہے نہ کہ ایک پہلو کو۔ ماسوا اس کے رحم بلا مبادلہ کا جو سوال کیا جاتا ہے اس کا ایک پہلو تو ابھی میں بیان کر چکا ہوں اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کو دیکھا جائے گا کہ آیا رحم اور قہر کے نفاذ میں اس کی عادات کیونکر ظاہر ہے کہ رحم کے مقابل پر قہر ہے۔ اگر رحم بلا مبادلہ جائز نہیں تو پھر قہر بلا مبادلہ بھی جائز نہ ہوگا۔ اب ایک نہایت مشکل اعتراض پیش آتا ہے۔ اگر ڈپٹی صاحب اس کو حل کر دیں گے تو ڈپٹی صاحب کی اس فلاسفی سے حاضرین کو بہت فائدہ ہوگا اور قہر بلا مبادلہ کی صورت یہ ہے کہ ہم اسے دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہزارہا کیڑے مکوڑے اور ہزارہا حیوانات بغیر کسی جرم اور بغیر ثبوت کسی خطا کے قتل کئے جاتے ہیں ہلاک کئے جاتے ہیں ذبح کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک قطرہ پانی میں صدہا کیڑے ہم پی جاتے ہیں اگر غور کر کے دیکھا جائے تو ہمارے تمام امور معاشرت خدا تعالیٰ کے قہر بلا مبادلہ پر چل رہے ہیں یہاں تک کہ جو ریشم کے کپڑے بھی انسان استعمال کرتا ہے اس میں اندازہ کر لینا چاہیئے کہ کس قدر جانیں تلف ہوتی ہیں۔ اور حضرات عیسائی صاحبان جو ہر روز اچھے اچھے جانوروں کا عمدہ گوشت تناول فرماتے ہیں ہمیں کچھ پتا نہیں لگتا کہ یہ کس گناہ کے عوض میں ہو رہا ہے اب جبکہ یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ بلا مبادلہ قہر کرتا ہے اور اس کا کچھ عوض ملتا ہمیں معلوم نہیں ہوتا تو پھر اس صورت میں بلا مبادلہ رحم کرنا اخلاقی حالت سے انسب اور اولیٰ ہے۔ حضرت مسیحؑ بھی گناہ بخشنے کے لئے وصیت فرماتے ہیں کہ تم اپنے گناہ گار کی خطا بخشو

﴿۱۰۵﴾

ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی صفات کے برخلاف ہے کہ کسی کا گناہ بخشا جائے تو انسان کو ایسی تعلیم کیوں ملتی ہے۔ بلکہ حضرت مسیح تو فرماتے ہیں کہ میں تجھے سات مرتبہ تک نہیں کہتا بلکہ ستر کے سات مرتبہ تک یعنی اس اندازہ تک کہ گناہوں کو بخشا چلا جا۔

اب دیکھئے کہ جب انسان کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ گویا تو بے انتہا مراتب تک اپنے گناہ گاروں کو بلاعوض بخشا چلا جا اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بلاعوض ہرگز نہ بخشوں گا۔ تو پھر یہ تعلیم کیسی ہوئی حضرت مسیح نے تو ایک جگہ فرما دیا ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے اخلاق کے موافق اپنے اخلاق کرو۔ کیونکہ وہ بدوں اور نیکوں پر اپنا سورج چاند چڑھاتا ہے اور ہر ایک خطا کار اور بے خطا کو اپنی رحمتوں کی بارشوں سے متمتع کرتا ہے۔ پھر جبکہ یہ حال ہے تو کیونکر ممکن تھا کہ حضرت مسیح ایسی تعلیم فرماتے جو اخلاق الٰہی کے مخالف ٹھہرتی ہے یعنی اگر خدا تعالیٰ کا یہی خلق ہے کہ جب تک سزا نہ دی جائے کوئی صورت رہائی کی نہیں تو پھر معافی کیلئے دوسروں کو کیوں نصیحت کرتا ہے۔ ماسوا اسکے جب ہم نظر غور سے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ نیکوں کی شفاعت سے بدوں کے گناہ بخشے گئے ہیں دیکھو گنتی باب $\frac{۱۴}{۱۹}$۔ ایسا ہی گنتی $\frac{۱۲}{۱۳}$۔ استثنا $\frac{۹}{۱۹}$ خروج $\frac{۸}{۸}$ پھر ماسوا اس کے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے جو گناہ کی تقسیم کی ہے وہ تین قسم معلوم ہوتی ہے۔ فطرتی۔ حق اللہ۔ حق العباد تو پھر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حق العباد کے تلف ہونے کا کیا سبب ہوسکتا ہے اور نیز یہ بھی آپ کو دیکھنا چاہیئے کہ فطرتی گناہ آپ کے اس قاعدہ کو توڑ رہا ہے۔ آپ کی توریت کے رو سے بہت سے مقامات ایسے ثابت ہوتے ہیں جس سے آپ کا مسئلہ رحم بلا مبادلہ باطل ٹھہرتا ہے۔ پھر اگر آپ توریت کو حق اور منجانب اللہ مانتے ہیں تو حضرت موسیٰ کی وہ شفاعتیں جن کے ذریعہ سے بہت مرتبہ بڑے بڑے گناہ گاروں کے گناہ بخشے گئے نکمی اور بیکار ٹھہرتی ہیں اور آپ کو معلوم رہے کہ قرآن شریف نے اس مسئلہ میں وہ انسب طریق اختیار کیا ہے جو کسی کا اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا یعنی حقوق دو قسم کے ٹھہرا دیئے ہیں۔ ایک حق اللہ اور ایک حق العباد۔ حق العباد میں یہ شرائط لازمی ٹھہرائی گئی ہیں کہ جب تک مظلوم اپنے حق کو نہیں پاتا یا حق کو نہیں چھوڑتا اس وقت تک

﴿۱۰۶﴾

وہ حق قائم رہتا ہے اور حق اللہ میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جس طرح پر کسی نے شوخی اور بیبا کی کر کے معصیت کا طریق اختیار کیا ہے۔ اسی طرح جب وہ پھر توبہ و استغفار کرتا ہے اور اپنے سچے خلوص کے ساتھ فرمانبرداروں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر ایک طور کا درد اور دکھ اٹھانے کیلئے تیار ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے گناہ کو اس کے اس اخلاص کی وجہ سے بخش دیتا ہے کہ جیسا کہ اس نے نفسانی لذات کے حاصل کرنے کے لئے گناہ کی طرف قدم اٹھایا تھا۔ اب ایسا ہی اس نے گناہ کے ترک کرنے میں طرح طرح کے دکھوں کو اپنے سر پر لے لیا ہے۔ پس یہ صورت معاوضہ ہے جو اس نے اپنے پر اطاعت الٰہی میں دکھوں کو قبول کر لیا ہے اور اس کو ہم رحم بلا مبادلہ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ کیا انسان نے کچھ بھی کام نہیں کیا کیا یوں ہی رحم ہو گیا اس نے تو سچی توبہ سے ایک کامل قربانی کو ادا کر دیا ہے اور ہر طرح کے دکھوں کو یہاں تک کہ مرنے کو بھی اپنے نفس پر گوارا کر لیا ہے اور جو سزا دوسرے طور پر اس کو ملنی تھی وہ سزا اس نے آپ ہی اپنے نفس پر وارد کر لی ہے تو پھر اس کو رحم بلا مبادلہ کہنا اگر سخت غلطی نہیں تو اور کیا ہے۔ مگر وہ رحم بلا مبادلہ جس کو ڈپٹی صاحب پیش کرتے ہیں کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کوئی پاوے۔ حزقیل باب ۱۸ آیت ۱۔ پھر حزقیل ۱۸/۲۰ پھر سموئیل ۲/۳ مکاشفات ۲۰/۱۲ حزقیل ۱۹/۲۷-۳۰ یہ تو ایک نہایت مکروہ ظلم کی قسم ہے۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ سوائے اس کے (کہ) کیا خدا تعالیٰ کو یہ طریق معافی گناہوں کا صدہا برس سوچ سوچ کر پیچھے سے یاد آیا۔ ظاہر ہے کہ انتظام الٰہی جو انسان کی فطرت سے متعلق ہے وہ پہلے ہی ہونا چاہیئے۔ جب سے انسان دنیا میں آیا گناہ کی بنیاد اسی وقت سے پڑی۔ پھر یہ کیا ہو گیا کہ گناہ تو اسی وقت زہر پھیلانے لگا مگر خدا تعالیٰ کو چار ہزار برس گزرنے کے بعد گناہ کا علاج یاد آیا۔ نہیں صاحب یہ سراسر بناوٹ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جیسے ابتداء سے انسان کی فطرت میں ایک ملکہ گناہ کرنے کا رکھا۔ ایسا ہی گناہ کا علاج بھی اسی طرز سے اسکی فطرت میں رکھا گیا ہے جیسے کہ وہ خود فرماتا ہے۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

﴿۱۰۷﴾

وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ[1] (پارہ ۱ ر۱۳) یعنی جو شخص اپنے تمام وجود کو خدا تعالیٰ کی راہ میں سونپ دیوے اور پھر اپنے تئیں نیک کاموں میں لگا دیوے تو اس کو ان کا اجر اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ اور ایسے لوگ بے خوف اور بے غم ہیں۔ اب دیکھئے کہ یہ قاعدہ کہ توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اپنی زندگی کو اس کی راہ میں وقف کر دینا یہ گناہ کے بخشے جانے کیلئے ایک ایسا صراط مستقیم ہے کہ کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں جب سے انسان اس مسافر خانہ میں آیا تب سے اس قانون کو اپنے ساتھ لایا۔ جیسے اس کی فطرت میں ایک شق یہ موجود ہے کہ گناہ کی طرف رغبت کرتا ہے ایسا ہی یہ دوسرا شق بھی موجود ہے کہ گناہ سے نادم ہو کر اپنے اللہ کی راہ میں مرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ زہر بھی اسی میں ہے اور تریاق بھی اسی میں ہے۔ یہ نہیں کہ زہر اندر سے نکلے اور تریاق جنگلوں سے تلاش کرتے پھریں ماسوا اس کے میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ سچ ہے کہ حضرت مسیح کے کفارہ پر ایمان لا کر کوئی شخص خاص طور کی تبدیلی پا لیتا ہے تو اس کا کیوں ثبوت نہیں دیا گیا۔ مَیں نے بارہا اس بات کو پیش کیا اور اب بھی کرتا ہوں کہ وہ خاص تبدیلی اور وہ خاص پاکیزگی اور وہ خاص نجات اور وہ خاص ایمان اور وہ خاص لقاء الٰہی صرف اسلام ہی کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ایمانداری کی علامات اسلام لانے کے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر یہ کفارہ صحیح ہے اور کفارہ کے ذریعہ سے آپ صاحبان کو نجات مل گئی ہے اور حقیقی ایمان حاصل ہو گیا ہے تو پھر اس حقیقی ایمان کی علامات جو حضرت مسیحؑ آپ لکھ گئے ہیں کیوں آپ لوگوں میں پائی نہیں جاتیں۔ اور یہ کہنا کہ وہ آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں ایک فضول بات ہے۔ اگر آپ ایماندار کہلاتے ہیں تو ایمانداروں کی علامات جو آپ کیلئے مقرر کی گئی ہیں آپ لوگوں میں ضرور پائی جانی چاہئیں۔ کیونکہ حضرت مسیح کا فرمودہ باطل نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ غور سے دیکھیں کہ وہ علامات دینِ اسلام میں ایسے نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں کہ آپ ان کے مقابلہ پر دم بھی تو نہیں مار سکتے میں نے انہیں کے لئے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ اگر بالمقابل کھڑے نہیں ہو سکتے تو ان علامتوں کو قرآن شریف کی تعلیم کے لحاظ سے پرکھو اور آزماؤ پھر اگر وہ واقعی سچی نکلیں تو راستبازوں کی طرح ان کو قبول کر لو مگر آپ نے بجز ہنسی اور ٹھٹھ کے اور کیا جواب دیا۔

﴿۱۰۸﴾

[1] البقرۃ: ۱۱۳

تین لولے۔ لنگڑے وغیرہ میرے سامنے کھڑے کر دئے کہ ان کو چنگے کرو۔ حالانکہ ان کا چنگا کرنا عیسائی ایمان کی علامتوں میں سے ہے۔ ہمارے لئے تو وہ علامتیں ہیں جو قرآن شریف میں آ چکی ہیں اور ہمیں کہیں نہیں کہا گیا کہ تم اپنے اقتدار سے علامتیں دکھا سکتے ہو بلکہ یہی کہا گیا کہ خدا تعالیٰ سے درخواست کرو۔ پھر جس طرح کا نشان چاہے گا دکھلائے گا تو کیا آپ کی یہ بے انصافی نہیں کہ آپ نے مجھ سے وہ مطالبہ کیا جو آپ سے ہونا چاہیئے تھا اور پھر اس کا نام فتح رکھ لیا۔ مَیں تو اب بھی حاضر ہوں ان شرائط کے مطابق جو ہماری کتاب ہم پر فرض کرتی ہے اور نیز آپ ان شرائط کے مطابق جو آپ کی کتاب آپ پر فرض کرتی ہے میرے سے نشانوں میں مقابلہ کیجئے پھر حق اور باطل خود بخود کھل جائے گا۔ پر ہنسی اور ٹھٹھا کرنا راستبازوں کا کام نہیں ہوتا ہے میرے پر اسی قدر فرض ہے جو قرآن کریم میرے پر فرض کرتا ہے اور آپ پر وہ فرض ہے جو انجیل آپ پر فرض کرتی ہے رائی کے دانہ کا مقولہ آپ بار بار پڑھیں اور پھر آپ ہی انصاف کر لیں اور یہ رحم بلا مبادلہ کا سوال جو مجھ سے کیا گیا ہے اس کے جواب کا اور بھی حصہ باقی ہے جو پھر میں آپ کے جواب پانے کے بعد بیان کروں گا۔ مگر آپ پر لازم ہے کہ اول اس سوال کو انجیل سے بموجب شرط قرار یافتہ کے ثابت کر کے مدلل طور پر پیش کریں کیونکہ جوبات انجیل میں نہیں وہ آپ کی طرف سے پیش ہونے کے لائق نہیں۔ میرے خیال میں اس سوال کے رد کرنے کے لئے انجیل ہی کافی ہے اور حضرت مسیحؑ کے اقوال اس کے استیصال کے لئے کفایت کرتے ہیں۔ آپ براہ مہربانی اس التزام سے جواب الجواب دیں کہ لکھنے کے وقت انجیل کا حوالہ ساتھ ہو تا کہ ناظرین کو پتا لگے کہ انجیل کیا کہتی ہے اور اس سوال کا ذریعہ انجیل بنتی ہے یا دستبردار ہے۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیحؔ پریذیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک پریذیڈنٹ
از جانب اہلِ اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

﴿۱۰۹﴾

آز طرف ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳۰ رمئی ۱۸۹۳ء

مَیں آپ کے طرز جواب پر کچھ اعتراض کرتا ہوں۔

یہ جواب فرماتے ہیں کہ رحم بلا مبادلہ کا مقدمہ سراسر ثبوت الوہیت مسیح کے اوپر مدار رکھتا ہے جس کو تم نے ثابت نہیں کیا۔ میری طرف سے عرض ہے کیا ثبوت آپ مجھ سے طلب فرماتے ہیں۔ میں تو عرض کر چکا ہوں کہ ہم تو اس مسیح کو جو مخلوق اور مرئی ہے اللہ نہیں کہتے مگر مظہر اللہ کہتے ہیں اور اِس بارہ میں دو امر کا ثبوت چاہیئے یعنی ایک امکان کا دوسرا وقوعہ کا اور کہ امکان ہم دلائل عقلی سے ثابت کرتے ہیں اور وقوعہ اس کا کلام الٰہی سے۔ پھر اور کیا آپ چاہتے ہیں وہ ہم پر ظاہر ہونا چاہیئے امکان پر ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ کیا خدا قادر نہیں کہ اس ستون میں سے جو مٹی و اینٹوں کا بنا ہے جواب دیوے۔ کیا چیز مانع اسکے ایسے کرنے کا اس میں ہوسکتی ہے۔ یعنی کون صفت الٰہی اس میں کٹتی ہے۔ اس کا دکھلانا جناب کے ذمہ تھا جواب تک ادا نہیں ہوا۔ جیسا میں نے ستون کی مثال دی۔ ویسا ہی مخلوق میں سے بھی ظہور اس کا ہونا ممکن ہے۔ اور وہ جو بابت وقوعہ کے ہے اسکے واسطے ہم نے کلام کی آیات دی ہیں اگر آپ کو اس کتاب سے انکار ہے کہ یہ الہامی نہیں تو یہ دیگر بات ہے اور اگر ہم نے صحیح حوالہ نہیں دیا تو اِس کا مواخذہ ہم سے فرمایئے مگر کلام کو بھی تسلیم کرنا کہ یہ الہامی ہے اور حوالوں کو صرف اتنا ہی فرما کر گرا دینا کہ کچھ نہیں یہ درست نہیں۔

دوم۔ وہ جو جناب نے استفسار کیا ہے کہ وجود مسیح میں آیا دو رُوحیں تھیں یا ایک۔ اور ایک وجود میں دو رُوحیں کس طرح سے رہتی ہیں۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ مخلوق کامل مسیح میں ایک روح کامل تھی۔ لیکن خدا تعالیٰ اپنی ہستی سے بجہت اس کے بے حد ہے ہر جگہ اندر و باہر موجود ہے۔ اور مظہر اللہ ہونے کے معنے یہ ہیں کہ اپنا

ظہور خاص کسی جگہ سے کسی طرح سے کرے۔ تو اس میں دوسری روح کے مقید ہونے کی جسم مسیح میں کونسی ایما ہے اور خالی خدا سے ہونے پر کونسی ایما ہے۔ یہ تو معقولی مسئلہ ہے محتاج کتاب کا نہیں اس میں آپ کس لئے اٹکتے ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾

سوم۔ وہ جو جناب لطیف ضدی کے بارہ میں کشش وزن کی فرماتے ہیں تو اس کشش سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو جناب کثیف ٹھہراتے ہیں اور ہم یہ نہیں مانتے کہ خدا تعالیٰ کی ذات کثیف ہے لہذا اس میں وزن کیونکر ہو۔ کیونکہ وزن نام کشش کا ہے اور کشش متعلق کثافت کے ہے۔ آپ ہمارے مسئلہ کثرت فی الوحدت کو سمجھے نہیں کیونکہ ہم ماہیت کو تقسیم نہیں کرتے گو اقانیم کو مخلوط یک دیگر بھی نہیں کرتے۔ مثال ہماری کثرت فی الوحدت کی یہ ہے کہ جیسے صفت نظیری کی بے حدی سے نکلتی ہے اور نکلنا اس کا زمان ومکان کا کچھ فرق نہیں کرتا۔ بلکہ ایک صورت میں وہ ہر دو ایک ہی رہتے ہیں اور دوسری صورت میں بہت ہوتی ایسا ہی تین اقانیم میں اقنوم اولیٰ قائم فی نفسہ ہے۔ اور دو اقانیم مابعد کے اس ایک کے لازم وملزوم ہیں آپ تین اقانیم کا وزن تین جگہ کس طرح تقسیم فرماتے ہیں۔ لطیف ضدی کے ساتھ وزن کا علاقہ کیا ہے۔ لطیف ضدی ہم اسکو کہتے ہیں جو عین ضد کثافت پر ہو نہ اس کو جو نسبت ایک کی دوسرا لطیف ہو۔ جیسے مٹی کی نسبت پانی اور پانی کی نسبت ہوا اور ہوا کی نسبت آگ یہ ساری لطیف نسبتی ہیں اور فی الواقع کثیف ہی رہتے ہیں۔

کلام الٰہی کے بیان کو آپ صرف دعویٰ فرماتے ہیں اور اسکے ثبوت کے واسطے دلیل اور طلب کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد آپ کی معلوم ہوتی ہے کہ آپ بابت عقیدہ کلام الٰہی کے یا تو متذبذب ہیں و یا مطلقاً یقین نہیں رکھتے۔ یہ امر طے ہولے تو ہم اس کا بھی جواب دینگے۔

چھارم۔ وہ رحم جو بلا مبادلہ کی دلیل پر جناب نے فرمایا ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ جیسا رحم بلا مبادلہ فرماتا ہے ویسا ہی قہر بھی بلا مبادلہ فرماتا ہے۔ چنانچہ وہ جانور معصوم ہو کر مارے جاتے ہیں کوئی کسی کی معیشت کے واسطے اور کوئی اور طرح پر۔ جواب ساری شکایت اس امر میں دکھ کے اوپر ہے اور دکھ ہماری نظر میں تین قسم کے ہیں یعنی ایک وہ جو سزائیہ ہے دوسرا وہ جو مصقل سُکھ کا ہے۔ تیسرا وہ جو سامان امتحان کا ہے۔ تو جب آپ حیوانوں کے دُکھ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں یہ قہر

﴿۱۱۱﴾ بلا مبادلہ یا بلا وجہ ہے خیال فرمائیے کہ آپ کس قدر غلط ہیں۔ جو تین اقسام کو ایک ایک قسم سزا میں ڈال دیتے ہیں اور ما سوا اِس کے جو آپ فرماتے ہیں کہ قہر بھی بلا وجہ ہوسکتا ہے اور رحم بھی بلا وجہ تو خدائے مقدس کی خدائی یہ نہ ہوئی بلکہ دہریت کی اندھیر گردی ہوئی۔

پنجم۔ خداوند مسیح نے ضرور کہا ہے کہ تم گناہوں کو معاف ہی کرتے رہو جو تمہارے برخلاف کریں اور انتقام نہ لو لیکن کلام انجیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ تم انتقام نہ لو۔ کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ انتقام لینا میرا کام ہے۔

اور چونکہ گناہوں کی اقسام گو کتنی ہی بیان ہوں مگر دراصل گناہ صرف خدا کے برخلاف ہوتا ہے اور وہ فرماتا ہے کہ تم انتقام نہ لو اور ضرورت ہوگی تو مَیں انتقام لوں گا۔ تو بھی اس میں تعلیم کفارہ کے برخلاف کیا ہوا جس کا گناہ کیا گیا اسی نے ہر ایک کو منتقم اور جج اس کا نہیں بنایا۔

ششم۔ دُنیاوی عدالت نہ حقیقی عدالت کا نام ہے محض نظامت کا نام۔ کیونکہ ہرجہ کو واپس نہیں لاتی مگر جرائم کو رو بہ تنزل کرتی ہے۔ اور نہ دنیاوی شفاعت شفاعت کا نام ہے بلکہ ایک مہلت طلبی کا نام ہے کیونکہ خداوند کو اختیار ہے کہ گناہگار کو اس کے گناہوں میں یہاں ہی کاٹ ڈالے لیکن اپنے محبوبوں کی درخواست پر وہ مہلت توبہ کی بخش سکتا ہے۔ جو شفیع منصبی نہیں ہیں ان کا جواب ہم ادا کر چکے ہیں مگر بموجب اذن خدا کے مہلت بخشوانے کی شفاعت ہوسکتی ہے کہ مہلت بخشی جاوے کہ توبہ کرلے۔ فرائض ہمارے نزدیک دو ہی قسم کے اقسام ماتحت میں ہیں لیکن اصل میں ایک ہی قسم ہے جیسا کہ داؤد نبی فرماتا ہے کہ مَیں نے تیرا ہی گناہ کیا۔ پس حق العباد کا گناہ تو اسمیں آ گیا لیکن فطرتی گناہ شاید آپ موروثی گناہ کو فرماتے ہیں لیکن گناہ موروثی کے بارہ میں ہماری غرض یہ ہے کہ آدم کے گناہ میں گرنے کے باعث آدمزاد کا امتحان سخت تر ہوگیا کہ جسم میں تکالیف پیدا ہوئیں اور موت ڈراؤنی ٹھہر گئی۔ اِن معنوں کر کے اِس کو آدم کا گناہ کہا جاتا ہے ورنہ جیسا آپ نے حزقیل نبی کا حوالہ دیا وہی صحیح ہے کہ جو رُوح گناہ کرے گی وہی مرے گی۔ باپ دادوں کے انگور کھٹے کھائے ہوئے اولاد کے دانت کھٹے نہیں کریں گے۔

﴿۱۱۲﴾

ھفتم ۔جس منصوبہ کو جناب مکروہ فرماتے ہیں کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کوئی بھرے اس کا جواب یہ ہے کہ کیا دُنیا میں ایک شخص کا قرضہ دُوسرا اپنی دَولت سے نہیں ادا کر سکتا۔ ہاں ایک گناہگار دوسرے کے گناہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ وہ اپنے ہی گناہوں سے فارغ نہیں جیسا کہ جو خود قرضدار ہے وہ دوسرے کے قرضہ کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ پس یہ کراہت مسیح کے کفارہ میں کہاں سے آئی جو گناہگار نہ تھا اور ذخیرہ نجات میں غنی جس کو اس نے اپنے کفارہ سے پَیدا کیا تھا۔

ھشتم ۔ خداوند تعالیٰ نے اس نقشہ امتحان میں ہم کو یہ صورت دکھلائی ہے کہ امتحان اعمالی جو ایک ہی خطا پر ختم ہو جاتا تھا اور مہلت توبہ کی نہ دیتا تھا وہ موقوف کیا گیا بوسیلہ کفارہ مسیح کے بجائے اِسکے امتحان ایمانی قائم کیا گیا کہ جس میں بہت سی فرصت توبہ کی مل سکتی ہے۔ پس جو خداوند میں مقبول ہیں وہ بھی اِس دُنیا میں امتحان ایمانی سے بَری نہیں ہوئے۔ لیکن اِس کے خاتمہ کا دن نزدیک ہے اور جب وہ آئے گا تو اس وقت انسان کامل نجات کو دیکھے گا۔ فی الحال اس اطمینان ہی کو دیکھتا ہے جو صادق کے وعدہ پر کوئی منتظر تاج وتخت کا ہو۔ جناب جو فرماتے ہیں ہم کو کوئی ایسا شخص دکھلاؤ جو نجات یافتہ ہو اِس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نجات جناب کسی ایسی چیز کو کہتے ہیں جیسے بڑا ڈھیلا آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے۔ مگر اطمینان کی تو یہ شکل نہیں بلکہ وہ شکل ہے کہ جیسے ایک نوکدخدا الذتِ زفاف کو بیان نہیں کرسکتی لیکن حقیقت میں اُسکو عزیز سمجھتی ہے۔

نہم ۔جن امور کی یہ بار بار کشش ہوتی ہے کہ آپ بموجب آیات انجیلی کے معجزہ دِکھلاؤ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم بار باران مقامات کی شرح حقیقی دکھلا چکے۔ اگر جناب پھر اسی سوال کا تکرار کریں اور ہماری شرح کو ناقص نہ دکھلا سکیں تو انصاف کس کے گھر کے آگے ماتم کر رہا ہے اس کو منصف طبع آپ پہچان لیں گے۔ اَب ہمارا سوال جہاں کا تہاں موجود ہے کہ رحم بلا مبادلہ ہرگز جائز نہیں۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

﴿۱۱۳﴾

نواںؔ پرچہ

روئیداد جلسہ مباحثہ ۳۱۔ مئی ۱۸۹۳ء

مرزا صاحب نے ۶ بجے ۶ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا۔

مِسٹر **عبد اللہ آتھم** صاحب نے ۷ بجے ۵۲ منٹ پر شروع کیا اور ۸ بجے ۵۲ منٹ پر ختم کیا اور سنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۶ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۲۶ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد ازاں **مینجر نیشنل** پریس کی درخواست پیش ہوئی کہ اُسے مباحثہ چھاپنے کی اجازت دی جائے۔ قرار پایا کہ اُسے اجازت دی جائے اِس شرط پر کہ وہ اُسی طرح مباحثہ چھاپے جس طرح کہ مینجر **ریاض ہند پریس** چھاپ رہا ہے۔ یعنی بلا کمی وبیشی فریقین کی تحریریں باترتیب چھاپے۔ اِس کے بعد تحریروں پر میرمجلسوں کے دستخط ہوئے اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک
از جانب عیسائی صاحبان

﴿۱۱۴﴾

بیان حضرت مرزا صاحب

۳۱۔ مئی ۱۸۹۳ء

ڈپٹی صاحب کا کل کا سوال جو ہے کہ رحم بلا مبادلہ ہرگز جائز نہیں آج کسی قدر اس کا تفصیل سے جواب لکھا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ رحم بلا مبادلہ میں عیسائی صاحبوں کا یہ اصول ہے کہ خدا تعالیٰ میں صفت عدل کی بھی ہے اور رحم کی بھی۔ صفت عدل کی یہ چاہتی ہے کہ کسی گناہگار کو بغیر سزا کے نہ چھوڑا جائے۔ اور صفت رحم کی یہ چاہتی ہے کہ سزا سے بچایا جائے اور چونکہ عدل کی صفت رحم کرنے سے روکتی ہے اِس لئے رحم بلا مبادلہ جائز نہیں۔

اور مسلمانوں کا یہ اصول ہے کہ رحم کی صفت عام اور اول مرتبہ پر ہے جو صفت عدل پر سبقت رکھتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَالَ عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ[1] س ۹ ر ۹۔ پس اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت عام اور وسیع ہے۔ اور غضب یعنی صفت عدل بعد کسی خصوصیت کے پَیدا ہوتی ہے یعنی یہ صفت قانون الٰہی سے تجاوز کرنے کے بعد اپنا حق پیدا کرتی ہے اور اِسکے لئے ضرور ہے کہ اوّل قانون الٰہی ہو۔ اور قانون الٰہی کی خلاف ورزی سے گناہ پیدا ہو اور پھر یہ صفت ظہور میں آتی ہے اور اپنا تقاضا پورا کرنا چاہتی ہے۔ اور جب تک قانون نہ ہو یا قانون کی خلاف ورزی سے گناہ پیدا نہ ہو مثلاً کوئی شخص قانون الٰہی کے سمجھنے کے قابل نہ ہو۔ جیسے بچّہ ہو یا دیوانہ ہو یا قسم حیوانات سے ہو اُس وقت تک یہ صفت ظہور میں نہیں آتی ہاں خدا تعالیٰ اپنی مالکیت کی وجہ سے جو چاہے سو کرے کیونکہ اُس کا اپنی ہر ایک مخلوق پر حق پہنچتا ہے تو اَب اِس تحقیق سے ثابت ہوا کہ عدل کو رحم کے ساتھ کچھ بھی علاقہ نہیں رحم تو اللہ تعالیٰ کی ازلی اور اوّل مرتبہ کی صفت ہے جیسا کہ حضرات عیسائی صاحبان

[1] الاعراف: ۱۵۷

بھی اس بات کا اقرار رکھتے ہیں کہ خدا محبت ہے۔ کہیں یہ نہیں لِکھا کہ خدا غضب ہے یعنی عدل ہے اور غضب کا لفظ عدل کے لفظ سے اِس لئے مترادف اور ہم معنی ہے کہ خدا تعالیٰ کا غضب انسانوں کے غضب کا سا نہیں کہ بلا وجہ اور یا چڑنے کے طور پر ظہور میں آ جائے بلکہ وہ ٹھیک ٹھیک عدل کے موقعہ پر ظہور میں آتا ہے۔ اَب یہ دوسرا سوال ہے کہ جو شخص قانون الٰہی کی خلاف ورزی کرے اِس کی نسبت کیا حکم ہے تو اِسکا یہی جواب ہوگا کہ اس قانون کی شرائط کے مطابق عمل کیا جاوے گا۔ رحم کو اس جگہ کچھ تعلق نہیں ہوگا۔ یعنی رحم بلا مبادلہ کے مسئلہ کو

﴿۱۱۵﴾

اِس جگہ کچھ تعلق نہیں ہوگا کیونکہ گناہ کی فلاسفی یہی ہے کہ وہ قانون الٰہی کے توڑنے سے پَیدا ہوتا ہے پس ضرور ہوا کہ پہلے قانون موجود ہو مگر قانون تو کسی خاص زمانہ میں موجود ہوگا اس لیے خدا تعالیٰ کا عدل اس کے رحم کے دوش بدوش نہیں ہوسکتا بلکہ اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب قانون نفاذ پا کر اور پھر پہنچ کر اُس کی خلاف ورزی کی جائے۔ پس واضع قانون کو یہ عام اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے قانون کی خلاف ورزی کی سزائیں مقرر کرے اور پھر ان سزاؤں کے معاف کرنے کیلئے اپنی مرضی کے مطابق شرائط اور حدود ٹھہرائے لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اب یہ مسئلہ رحم بلا مبادلہ کی مزاحمت سے اور صورت میں ہو کر بالکل صاف ہے ہاں یہ دیکھنا ابھی باقی ہے کہ جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں یا طریق معافی کے مقرر کئے گئے ہیں یہ کس مذہب کی کتاب میں انسب و اولیٰ اور قرین بانصاف ہیں۔ اور اِس خوبی کے دیکھنے کے لئے رحم کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہوگا۔ کیونکہ ابھی ہم ثابت کر چکے ہیں کہ رحم اصلی اور عام اور مقدم صفت ہے پس جس قدر کسی مذہب کا طریق سزا اور طریق معافی رحم کے قریب قریب ہوگا وہ انسب اور اولیٰ مذہب سمجھا جائے گا کیونکہ سزا دہی کے اصول اور قوانین میں حد سے زیادہ تشدّد کرنا اور ایسی ایسی پابندیاں لگا دینا جو خود رحم کے برخلاف ہیں خدا تعالیٰ کی صفات مقدسہ سے بہت دور ہیں سو

اب منصف لوگ دیکھ لیں کہ قرآن کریم نے معافی کا کیا طریق ٹھہرایا اورانجیل شریف کے رو سے معافی کا کیا طریق بیان کیا جاتا ہے سو واضح ہو کہ قرآن کریم کی ہدایتیں کسی شخص کی معافی کے لئے کوئی بے جا تشدّد اور کوئی اصول جو ظلم تک منجر ہو بیان نہیں فرماتیں صرف اصلی اور طبعی طور پر یہ فرماتی ہیں۔ کہ جو شخص قانونِ الٰہی کے توڑنے سے کسی جرم کا ارتکاب کرے۔ تو اس کے لئے یہ راہ کھلی ہے کہ وہ سچی توبہ کرکے اور اُن قوانین کی صحت اور حقّانیت پر ایمان لا کر پھر سر نو جدّ و جہد سے اِن قوانین کا پابند ہوجائے یہاں تک کہ ان کے راہ میں مَرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ ہاں یہ بھی لکھا ہے کہ شفاعت بھی مجرموں کے لئے فائدہ بخش ہے مگر خدا تعالیٰ کے اذن سے اور اعمال حسنہ بھی گناہوں کا تدارک کرتے ہیں اور ایمانی ترقی بھی اور نیز محبت اور عشق بھی گناہوں کے خس وخاشاک کو آگ کی طرح جلا دیتی ہے لیکن حضرات عیسائی صاحبوں کے اصول میں اوّل الدن دردی یہ ہے کہ گناہوں کی معافی کے لئے ایک بے گناہ کا مصلوب ہونا لازمی اور ضروری سمجھا گیا ہے اب عقلمند منصف خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ ہر ایک جھگڑے اور تنازعہ کے فیصلہ کے لئے خدا تعالیٰ کا قانون قدرت موجود ہے یہ قانون قدرت صاف شہادت دے رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کا رحم بلا مبادلہ قدیم سے جاری ہے جس قدر خدا تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کر کے اور طرح طرح کی نعمتیں اِنسانوں کو بخش کر اپنا رحم ظاہر کیا ہے۔ کیا اِس سے کوئی انکار کرسکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا[1] س ۱۳ ر ۱۷۔ یعنی اگر تم خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہیں سکتے۔

«۱۱۶»

ایسا ہی اسکی رحیمیت یعنی کسی نیکی کی پاداش میں جزا دینا قانون قدرت سے صاف ثابت ہو رہا ہے کیونکہ جو شخص نیک راہوں پر چلتا ہے وہ ان کا نتیجہ بھگت لیتا ہے۔ ایسا ہی اس کی مالکیت بھی قانون قدرت کے رو سے ثابت ہو رہی ہے۔ جیسا کہ مَیں نے

[1] ابراھیم: ۳۵

کل بیان کیا تھا کہ کروڑہا جانور انسان کے فائدہ کے لئے ہلاک کئے جاتے ہیں۔ اور نیز توراۃ سے ثابت ہے کہ حضرت نوح کے طوفان میں بجز چند جانوروں کے باقی تمام حیوانات طوفان سے ہلاک کئے گئے۔ کیا ان کا کوئی گناہ تھا کوئی نہ تھا۔ صرف مالکیت کا تقاضا تھا۔ اور یہ بات کہ گناہ قانون سے پیدا ہوتا ہے یہ اِس آیت سے صاف ثابت ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [1] س ا ر ۴۔ یعنی جو لوگ ہماری کتاب پہنچنے کے بعد کفر اختیار کریں اور تکذیب کریں وہ جہنم میں گرائے جائیں گے۔ اور پھر خدا تعالیٰ کا توبہ سے گناہ بخشنا اِس آیت سے ثابت ہے۔ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ [2] س ۲۴ ر ۶۔ اور خدا تعالیٰ کی رحمانیت اور رحیمیت اور مالکیت اِن آیات سے ثابت ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ [3] اور بقیہ جوابات ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب کے ذیل میں لکھتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح کی رُوح مخلوق تھی اور جسم بھی مخلوق تھا اور خدا تعالیٰ اِس طرح اُن سے تعلق رکھتا تھا جیسا کہ وہ ہر جگہ موجود ہے یہ فرمانا ڈپٹی صاحب کا مجھے سمجھ نہیں آتا جبکہ حضرت مسیح نرے انسان ہی تھے اور ان میں کچھ بھی نہیں تھا تو پھر خدا تعالیٰ کا تعلق اور خدا تعالیٰ کا موجود ہونا ہر ایک جگہ پایا جاتا ہے پھر باوجود اس کے آپ اِس بات پر زور دیتے ہیں کہ حضرت مسیح مظہر اللہ ہیں۔ مَیں سوچتا ہوں کہ یہ مظہر اللہ کیسے ہوئے اِس سے تو لازم آیا کہ ہر ایک چیز مظہر اللہ ہے۔ پھر میرا یہ سوال ہے کیا یہ مظہر اللہ ہونا رُوح القدس کے نازل ہونے سے پہلے ہوا یا رُوح القدس کے پیچھے ہوا۔ اگر پیچھے ہوا تو پھر آپ کی کیا خصوصیّت رہی۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ خدا تعالیٰ کی ذات کثیف ہے لہٰذا اس میں وزن کیونکر ہو۔ میرا جواب ہے کہ بیٹا یعنی حضرت عیسیٰ کا اقنوم مجسم ہونا ثابت ہے کیونکہ لکھا ہے کہ کلام مجسّم ہوا اور رُوح القدس بھی مجسم تھا کیونکہ لکھا ہے کہ کبوتر کی شکل میں اترا اور آپ کا خدا بھی مجسم ہے کیونکہ یعقوب سے کشتی کری اور دیکھا بھی گیا اور بیٹا اِس کے دہنے ہاتھ جا بیٹھا۔

﴿۱۱۷﴾

[1] البقرۃ: ۴۰ [2] المؤمن: ۴ [3] الفاتحۃ: ۲ تا ۴

پھر آپ اپنی کثرت فی الوحدت کا ذکر کرتے ہیں مگر مجھے سمجھ نہیں آتا۔ کہ کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی کیونکر ایک جگہ جمع ہوسکتی ہیں اور ایک کو اعتباری ٹھہرانا آپ کا مذہب نہیں اِس جگہ مَیں یہ بھی پوچھتا ہوں کہ حضرت مسیح جو مظہر اللہ ٹھہرائے گئے وہ ابتدا سے اخیر وقت تک مظہر اللہ تھے اور دائمی طور پر اُن میں مظہریت پائی جاتی تھی یا اتفاقی اور کبھی کبھی اگر دائمی تھی تو پھر آپ کو ثابت کرنا پڑے گا کہ حضرت مسیح کا عالم الغیب ہونا اور قادر وغیرہ کی صفات اُن میں پائے جانا یہ دائمی طور پر تھا حالانکہ انجیل شریف اس کی مکذّب ہے۔ مجھے بار بار بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

اِس جگہ یہ بھی مجھے پوچھنا پڑا کہ جس حالت میں بقول آپ کے حضرت مسیح میں دو روحیں نہیں صرف ایک روح ہے جو انسان کی روح ہے جس میں الوہیت کی ذرہ بھی آمیزش نہیں۔ ﴿۱۱۸﴾

ہاں جیسے خدا تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور جیسے کہ لکھا ہے کہ یوسفؑ میں اس کی روح تھی حضرت مسیحؑ کے ساتھ بھی موجود ہے۔ تو پھر حضرت مسیح اپنی ماہیّت ذاتی کے لحاظ سے کیونکر دُوسرے اقنوم ٹھہرے اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ حضرت مسیح کا آپ صاحبوں کی نظر میں دُوسرا اقنوم ہونا یہ دَوری ہے یا دائمی۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم انتقام نہ لو مَیں تعجب کرتا ہوں کہ انتقامی شریعت یعنی توریت تو خود آپ کی مسلمات میں سے ہے پھر کیونکر آپ انتقام سے گریز کرتے ہیں اور اِس بات کا مجھے ابھی تک آپ کے منہ سے جواب نہیں ملا کہ جس حالت میں تین اقنوم صفات کاملہ میں برابر درجہ کے ہیں تو ایک کامل اقنوم کے موجود ہونے کے ساتھ جو جمیع صفات کاملہ پر محیط ہے اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں کیوں دوسرے اقنوموں کی ضرورت ہے۔ اور پھر ان کاملوں کے ملنے کے بعد یا ملنے کے لحاظ سے جو اجتماعی حالت کا ایک ضروری نتیجہ ہونا چاہیئے وہ کیوں اِس جگہ پَیدا نہیں ہوا۔ یعنی یہ کیا سبب ہے کہ باوجودیکہ ہر ایک اقنوم تمام کمالات مطلوبہ الوہیت کا جامع تھا پھر ان تینوں جامعوں کے اکٹھا ہونے

سے الوہیت میں کوئی زیادہ قوت اور طاقت نہ بڑھی اگر کوئی بڑھی ہے اور مثلاً پہلے کامل تھی پھر ملنے سے یا ملنے کے لحاظ سے اکمل کہلائے یا مثلاً پہلے قادر تھی اور پھر ملنے کے لحاظ سے اقدر نام رکھا گیا۔ یا پہلے خالق تھی اور پھر ملنے کے لحاظ سے خلّاق یا اخلق کہا گیا۔ تو براہ مہربانی اس کا کوئی ثبوت دینا چاہیئے آپ کثیف جسموں کی طرف تو ناحق کھینچ کر لے گئے۔ مَیں نے تو ایک مثال دی تھی اور پھر وہ مثال بھی بفضلہٖ تعالیٰ آپ ہی کی کتابوں سے ثابت کر دِکھائی اور آپ کے یہ تمام بیانات بڑے افسوس کے لائق ہیں کیونکہ ہماری شرط کے مطابق نہ آپ دعویٰ انجیل کے الفاظ سے پیش کرتے ہیں اور نہ دلائل معقولی انجیل کے رو سے بیان فرماتے ہیں بھلا فرمائیے کہ رحم بلا مبادلہ کا لفظ انجیل شریف میں کہاں لکھا ہے اور اسکے معنے خود حضرت مسیح کے فرمودہ سے کب اور کس وقت آپ نے بیان فرمائے ہیں اِس عہد شکنی پر جس قدر اہل انصاف افسوس کریں وہ تھوڑا ہے۔ اور کل ﴿۱۱۹﴾ جو مَیں نے قہر بلا مبادلہ کا ذکر کیا تھا اس کا بھی آپ نے کوئی عمدہ جواب نہ دیا میرا مطلب تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت مالکیت بغیر دیکھنے گناہ کے بجائے خود کام کر رہی ہے۔ مثلاً انسان کے بچوں کو دیکھو کہ صدہا صعب اور شدید اور ہولناک بیماریاں ہوتی ہیں اور بعض ایسے غرباء اور مساکین کے گھر میں پَیدا ہوتے ہیں کہ دانت نکلنے کے ساتھ طرح طرح کے فاقہ کو اٹھانا پڑتا ہے پھر بڑے ہوئے تو کسی کے سائیس بنائے گئے۔ اور دوسری طرف ایک شخص کسی بادشاہ کے گھر میں پَیدا ہوتا ہے پَیدا ہوتے ہی غلام اور کنیزکیں اور خادم دست بدست گود میں لئے پھرتے ہیں۔ بڑا ہو کر تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ اِس کا کیا سبب ہے۔ کیا مالکیت سبب ہے یا آپ تناسخ کے قائل ہیں پھر اگر مالکیت ثابت ہے اور خدا تعالیٰ پر کسی کا بھی حق نہیں تو اتنا جوش کیوں دکھایا جاتا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ موسیٰ کی شفاعتیں حقیقی شفاعتیں نہیں تھیں بلکہ ان پر مواخذہ قیامت کی پنج لگی ہوئی تھی اور گو خدا تعالیٰ نے سرسری طور پر گناہ بخش دیئے اور کہدیا کہ مَیں نے موسیٰ

کی خاطر بخش دیئے۔ لیکن اصل میں نہیں بخشے تھے پھر پکڑے گا اور چڑ کرنے والوں کی طرح ناراض ہو کر جہنم میں ڈالے گا اِس کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے براہ مہربانی وہ ثبوت پیش کریں مگر توریت کے حوالہ سے جہاں یہ لکھا ہو کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ گو مَیں نے آج اِس نافرمانی کو بخش دیا مگر کل پھر مَیں مواخذہ کروں گا اِس جگہ آپ کی تاویل منظور نہیں ہو گی۔ اگر آپ سچ پر ہیں تو توریت کی آیت پیش کریں کیونکہ توریت کے کئی مقامات میں جو ہم پیچھے سے لکھا دیں گے۔ یہی صاف صاف لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ بعض نافرمانیوں کے وقت حضرت موسیٰ کی شفاعت سے ان نافرمانیوں سے درگذر کرتا رہا بلکہ بخش دینے کے الفاظ موجود ہیں۔ گنتی ۱۴/۱۲ و استثنا ۹/۱۹ سے ۲۲ خروج ۸/۸ پھر آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح کا دوسرے گناہگاروں کے عوض میں مصلوب ہونا قانون قدرت کے مخالف نہیں ایک شخص کا قرضہ دوسرا اپنی دَولت سے ادا کر سکتا ہے یہ آپ نے خوب ہی مثال دی ہے۔ پوچھا تو یہ گیا تھا کہ کیا ایک مجرم کے عوض میں دوسرا شخص سزایاب ہو سکتا ہے۔ اِس کی نظیر دُنیا میں کہاں ہے۔ آجکل انگریزی قوانین جو بڑی جستجو اور تحقیق اور رعایت انصاف سے بنائے جاتے ہیں کیا آپ نے جو ایک مدّت تک اکسٹرا اسسٹنٹ رہ چکے ہیں تعزیرات ہند وغیرہ میں کوئی ایسی بھی دفعہ لکھی ہوئی پائی ہے کہ زید کے گناہ کرنے سے بکر کو سُولی پر کھینچنا کافی ہے۔ (باقی آئندہ)

﴿۱۲۰﴾

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳۱۔مئی ۱۸۹۳ء

جناب کا یہ فرمانا کہ رحم اوّل اور فائق درجہ پر ہے برخلاف بداہت ۵۳/۷ کے ہے کیونکہ بداہت یہ حکم کرتی ہے کہ کوئی صفت کسی دوسری صفت سے کم نہیں بجائے خود ہر ایک پورا مرتبہ رکھتی ہے۔ یہ جناب نے حق فرمایا ہے کہ جب تک قانون کسی تک نہ پہنچے۔ وہ قانون شکن نہیں کہلا سکتا اور گناہ اس پر عائد نہیں ہوتا اِسی واسطے وہ بچے جو ماہیت گناہ سے واقف نہیں اور دیوانہ مادرزاد گناہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر کوئی شخص ماہیت کسی گناہ کی نہ جانتا ہو اور وہ اُس سے سرزد ہووے۔ مواخذہ عدل میں نہ آوے گا۔ اور اس کا وہ فعل گناہ نہ تصور کیا جائے گا۔ خدا اپنی مالکیت کی وجہ سے خواص اپنی صفات کے برخلاف اگر کچھ مالکیت جتائے تو سارا نقشہ اس کی قدوسی کا درہم برہم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ صحیح نہیں کہ مالکیت کی وجہ سے جو چاہے سو کرے حتّٰی کہ ظلم تک۔ نیز عدل کو رحم سے اِس طرح کا علاقہ تو نہیں کہ جو رحم ہے وہ عدل نہیں اور جو عدل ہے وہ رحم نہیں۔ لیکن یہ ہر دو صفات واحد و اقدس خدا کی ہیں۔ خدا غضب بے جا ہے یہ تو کلام الٰہی میں ہو نہیں سکتا مگر اس کو بھسم کرنے والی آگ بھی لکھا ہے جو گناہگاروں کو بھسم کرتی ہے۔ استثنا ۲۴/۴ قانون فعل مقنن ہے اور فعل ضرور ہے کہ اپنے فاعل سے بعد میں ہو لیکن عدل جو قانون بنا تا ہے قانون جس کا فعل ہے ازلی وابدی صفت ہے وہ عارضی طور سے پیدا نہیں ہوئی اور نہ وہ عارضی طرح سے جا سکتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ عدل اسکو کہا جائے کہ ہرجہ باقی رہ جائے اور گنہ گار رہا ہو جائے واضح رہے کہ دنیا کی عدالت عدالت نہیں مگر نظامت کا نام ہے کہ جس کا منشا یہ ہے کہ جرائم رو بہ تنزّل رہیں نہ یہ کہ سزا کامل ہو جائے کیا ایک قاتل کو پھانسی دینے سے

﴿۱۲۱﴾

مقتول جی اٹھتا ہے۔ اور اگر قاتل کو پھانسی دیں گے تو مقتول کو اس سے کیا ہے۔ خداوند کی عدالت ایسی نہیں بلکہ یہ ہے کہ جب تک وہ ہرجہ گناہ واپس نہ ہو معاوضہ کی سزا سے بھی رہائی نہ ہووے۔

دوم۔ جو آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے معافی کا کیا طریق ٹھہرایا ہے۔ اوّل تو آپ کا یہ کہنا ہی جائز نہیں اِس لئے کہ واحد خدا کی یہ ہر دو کلام ہو کر متباین طریقہ نہیں بتا سکتی کہ اعمال حسنہ ادائے قرضہ کی صورت ہیں کیونکہ یہ فرض عین ہے کہ ہم اعمال حسنہ کریں۔ لیکن یہ بڑی ایک تعجب کی بات ہے کہ ادائے جزو کو کل پر حاوی تصوّر کر کے وہ قرضہ بیباق سمجھا جاوے جیسا کہ ایک شخص کو سو روپیہ کسی کے دینے ہیں اور اس میں سے پچیس روپیہ دے کر یہ کہے کہ تیرا حساب بیباق ہوا۔ کوئی عقلمند اس امر کو مانے گا کہ ادائے جز کا حاوی بر کل ہے لہٰذا اعمال حسنہ کا ذکر آپ تب تک نہ کریں جب تک آپ یہ نہ ثابت کر لیں کہ کوئی اعمالوں کے ذریعہ سب قرضہ ادا کر سکتا ہے یعنی بے گناہ مطلق رہ سکتا ہے۔ توبہ اور ایمان بیرونی پھاٹک نجات کے ضرور ہیں جیسا کہ کوئی بغیر ان کے نجات میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن پھاٹک اندرونہ شے کا نہیں ہو سکتا کیا اگر ہم ایک مکّھی کو مار کر سَو توبہ کریں وہ جی اُٹھتی ہے اور ایمان کی بابت میں اگر ہم ایمان لاویں کہ خدائے قادر اس کو پھر جلا دے سکتا ہے یہ کچھ امکان سے بڑھ کر وقوعہ ہو جاتا ہے۔ محبت و عشق فرائض اِنسانی میں ہیں ان کا ذکر اعمال حسنہ میں آ چکا۔ اور ضرور نہیں۔ ﴿۱۲۲﴾

سوم۔ یہ آپ صریح غلط فرماتے ہیں کہ قانون قدرت خدا تعالیٰ کا کہ رحم بلا مبادلہ قدیم سے جاری ہے۔ ہماری فطرت میں اِس امر کو صداقت اولیٰ کر کے ثبت کیا گیا ہے کہ جو کسی کا کوئی ہرجہ کریگا اسکو معاوضہ اس کا دینا پڑیگا۔ مخلوق کا ہر زمان اطاعت اللہ کے واسطے رکھا گیا ہے اور وہ بغاوت میں اگر گناہ کے کٹے تو اس وقت کا ہرجہ اس کو بھرنا پڑے گا۔ اور اس کا معاوضہ یہی ہے کہ رو بابدرواں سزا میں گرفتار رہے۔

چہارم۔ مَیں نے کل بھی عرض کیا تھا کہ دُکھ تین قسم کے ہیں یعنی ایک وہ جس کو سزائیہ کہتے ہیں۔ جس کے معنے معاوضہ ہرجانہ کے ہیں اور جس کی حد یہ ہے کہ جب تک وہ ہرجہ ادا نہ ہو ہرجہ رساں کی رہائی بھی نہ ہو۔ دُوسری قسم مصقل سُکھ کی ہے جس سے میری مُراد یہ ہے کہ محتاج بالغیر علم کسی شے کا بغیر مقابلہ ضد اس کی کے۔ صاف نہیں پاتا۔ جیسا کہ اندھا مادرزاد سفیدی کو تو نہیں جانتا مگر تاریکی کو بھی بخوبی نہیں پہچانتا۔ گو وہ ہمیشہ اسکے سامنے ہے۔ ایسا ہی اگر آدمی کو بہشت میں بھیجا جائے اور مقابلہ کے واسطے اس نے کبھی دکھ نہ دیکھا ہو تو بہشت کی قدر و عافیت نہیں جانتا۔ تیسرا دکھ امتحان کا ہے یعنی اعمال بالقوہ کو بفعل لوانے کے واسطے باختیار اس شخص کے کہ جس کے وہ فعل ہیں ضرور ہے کہ اسکو ایسی دو شے کے درمیان رکھا جائے جو مساوی یک دگر ہوں وضد فی الحاصل درآن واحد ہوں کہ جن میں سے احدی کا رو یا قبول کرنا بغیر توڑ اور دُکھ کے نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ تین اقسام صحیح ہیں تو آپ کا کیا حق ہے کہ جو جاندار دُنیا میں دُکھ پاتے ہیں ان کے دُکھ کو سزائیہ ہی قرار دیں۔

پنجم۔ جناب کا اِس امر کا نہ سمجھنا کہ مسیح میں خصوصیت ظہور کی کیا ہے جبکہ ہر شے مظہر الٰہی ہے اِس کا جواب عرض کرتا ہوں کہ خصوصیت یہ ہے کہ مسیح کے علاقہ سے اللہ تعالےٰ نے کفارہ کا کام پورا کرایا۔ خدا تعالیٰ دُکھ اٹھانے سے بری مطلق ہے۔ مخلوق سب کا بوجھ اٹھا کر باقی نہیں رہ سکتا۔ یہاں پر خدا تعالیٰ نے یہ کیا کہ پاک انسان نے سب بوجھ اپنے سر پر اٹھایا اور اقنوم ثانی الوہیت کے لئے اس کو اٹھوایا اور یوں وہ دکھ پناہ ہوا۔ کیونکہ اس موقعہ پر مقابلہ روبا بدروان سزا کا ساتھ ازلی و ابدی اقنوم ثانی کے ہوا۔ یہ خصوصیت مظہریت کی اور کہاں ہے۔ آپ ہی اس کو دِکھلاویں اور اس خصوصیت کو مسیح میں ہماری زبانی آپ قبول نہ کریں مگر تاوقتیکہ بائیبل کو آپ ردّ نہ کریں تو آپ کا حق نہیں کہ اِس پر عذر کریں کہ کیا مسیح کا معجزہ ہی پَیدا ہونا مارا جانا جی اٹھنا اور صعود کرنا آسمان پر۔ ان کے

﴾۱۲۳﴿

بھی کچھ معنے ہیں یا نہیں جناب ہی فرماویں اور جبکہ لکھا ہے کہ خون بہانے بدوں نجات نہیں عبرانی ۹/۲۲ واحبار ۱۷/۱۱ اور کہ ساری قربانیاں توریت کی اسی پر ایما کرتی ہیں اور پھر لکھا ہے کہ آسمان کے نیچے دُوسرا نام نہیں دیا گیا کہ نجات ہو اعمال ۴/۱۲ ۔ان سب باتوں کے جناب کچھ معنے فرماویں اور ایسے ہی سرسری بے جواب گذار نہ فرماویں۔

ششم ۔ جناب جو پُوچھتے ہیں کہ مظہر اللہ مسیح بعد نزول روح القدس کے ہوئی یا ما بعد اسکے ۔ ہمارا اِس جگہ پر جواب قیاسی ہے ۔رُوح القدس کے نازل ہونے کے وقت ہوئی کلام الٰہی میں اس کا وقت کوئی معین نہیں ہوا۔خصوصیت کا انحصال آگے اور پیچھے مظہر اللہ ہونے پر کیا ہے جناب نے اِس امر کو مشرح نہیں فرمایا۔ اِسی لئے ہم اور زیادہ جواب نہیں دے سکتے ۔

ہفتم ۔اگرچہ ہرسہ اقانیم کا مجسّم ہونا آپ نے بہت صحیح نہیں فرمایا لیکن تاہم مجسّم ہونے سے وہ وزنی ہو جاتے ہیں جیسا کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ برائے مثال ہر ایک تین تین سیر کا اقنوم ہو تو جملہ اس کا نو سیر ہوتا ہے۔

ہشتم ۔توحید فی التثلیث کی تعلیم میں ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ایک ہی صُورت میں واحد اور ایک ہی صورت میں تثلیث ہے بلکہ ہمارا ماننا یہ ہے کہ ایک صورت میں ایک اور دُوسری صورت میں تین ہیں ۔ اور جب ہم نے عرض کیا کہ ان تین میں اس قسم کا علاقہ ہے کہ جیسے بے نظیری بے حدی سے نکل کر زمان ومکان دُوسرا نہیں چاہتے تاہم ان دوصفات کی تعریف علیحدہ علیحدہ ہے اور یہ دونوں صفات ایک جیسی ہیں ایسا ہی اقانیم کی صُورت ہے کہ ایک قائم فی نفسہٖ ہے اور دو لازم ملزوم ساتھ اس ایک کے اِس کے سمجھنے کے واسطے آپ اس بیان پر بھی توجہ فرماویں کہ انتقام جوئے وصلح جوئے شخص واحد سے آنِ واحد میں محال مطلق ہے حالانکہ اگر گناہگار کی مغفرت ہو تو یہ ہر دو یکساں چلتے ہیں اور ایک اقنوم سے یہ ادا نہیں ہوسکتی اِس سے لازم آتا ہے کہ کم از کم دو اقانیم ہونے چاہئیں ۔ وقت کم ہے بے نظیری کی ہم تعریف کچھ کرنا چاہتے ہیں بے نظیری مطلق وہ شے

﴿۱۲۴﴾

ہے جو امکان تک نظیر کا مٹا دیوے۔ اور یہ وہی کر سکتا ہے جو امکان گنجایش نظیر کا مٹا دیوے۔ اب خدا تعالیٰ بے نظیر مطلق ہے پس ضرور ہے کہ وہ بے حد بھی ہو اور یہ بینظیری بے حدی سے نکلے بلا تفاوت زمان و مکان کے کثرت فی الوحدت کی مثالیں ہمارے پاس اور بھی معقول ہیں مگر صرف امکان دکھلانے والی اور کہ وقوعہ اس کا دکھلانا کلام الٰہی کا کام ہے۔ جس کی آیات کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں۔ چنانچہ ایک یہ ہے کہ دیکھو اِنسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ پیدائش ۳/۲۲ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیانؔ حضرت مرزا صاحب

﴿۱۲۵﴾

پہلے میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ ڈپٹی صاحب نے باوجود میرے بار بار کے یاد دلانے کے کہ ہر ایک بات اور ہر ایک دعویٰ انجیل سے ہی پیش کرنا چاہیئے اور دلائل معقولی بھی انجیل سے ہی دکھلانی چاہئیں پھر بھی اس شرط کو ہر ایک محل میں چھوڑ دیا ہے اور ان کے بیانات ایسی آزادی سے چلے جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک نئی انجیل بنا رہے ہیں اب سوچنا چاہیئے کہ انہوں نے میرے سوالات کا کیا جواب دیا پہلے تو میں نے یہ بطور شرط کے عرض کیا تھا کہ رحم بلا مبادلہ کا لفظ انجیل میں کہاں ہے اور پھر اس کی معقولی طور پر حضرت مسیح سے تشریح اور تفصیل کہاں ہے مگر آپ عمداً اس بات سے انکار کر گئے اس لئے میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ آپ بحیثیت ایک پابند انجیل کے بحث نہیں کرتے بلکہ ایک اہل الرائے کی طرح اپنے خیالات

پیش کر رہے ہیں آپ میرے اس بیان کو کہ رحم ظہور میں اول اور فائق درجہ پر ہے قبل اس
کے کہ اس کو سمجھیں قابل جرح قرار دیتے ہیں اگرچہ اس میں کلام نہیں کہ خدا تعالیٰ کی تمام
صفات کاملہ ازلی وابدی ہیں مگر اس عالم حادث میں ظہور کے وقت جیسا کہ موقعہ ہوتا ہے
ضرورت کے رو سے تاخیر وتقدیم ہو جاتی ہے اس بات کو کون شخص سمجھ نہیں سکتا کہ باعتبار ظہور
کے رحم پہلی مرتبہ پر ہے کیونکہ کسی کتاب کے نکلنے کا محتاج نہیں اور اس بات کی حاجت نہیں
رکھتا کہ تمام لوگ عقلمند اور فہیم ہی ہو جائیں بلکہ وہ رحم جیسا عقلمندوں پر اپنا فیضان وارد کر رہا
ہے ویسا ہی بچوں اور دیوانوں اور حیوانات پر بھی وہی رحم کام کر رہا ہے لیکن عدل کے ظہور کا
وقت گو عدل کی صفت قدیم ہے اس وقت ہوتا ہے کہ جب قانون الٰہی نکل کر خلق اللہ پر اپنی
حجت پوری کرے اور اپنا سچا قانون ہونا اور منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیوے۔ پھر اس کے
بعد جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے تو وہ پکڑا جائے گا۔ یہی تو میرا سوال تھا کہ آپ کا
سوال رحم بلا مبادلہ کا تب ٹھیک بیٹھتا ہے کہ ظہور رحم اور ظہور عدل کے دونوں وقت ایک ہی
زمانہ میں سمجھے جائیں اور ان میں ہر جگہ پر ایک تلازم رکھا جائے لیکن ظاہر ہے کہ رحم کا دائرہ تو
بہت وسیع اور چوڑا ہے اور وہ ابتدا سے جب سے دنیا ظہور میں آئی اپنے فیضان دکھلا رہا ہے ﴿۱۲۶﴾
پھر عدل کا رحم سے کیا تعلق ہوا اور ایک دوسرے کی مزاحمت کیونکر کر سکتے ہیں۔ آپ کے
رحم بلا مبادلہ کا بجز اس کے میں کوئی اور خلاصہ نہیں سمجھتا کہ عدل سزا کو چاہتا ہے رحم عفو اور
درگزر کو چاہتا ہے لیکن جب کہ رحم اور عدل اپنے مظہروں میں مساوی اور ایک درجہ کے
نہ ٹھہرے اور یہ ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کے رحم نے کسی کی راستبازی کی ضرورت نہیں
سمجھی اور ہر ایک نیکو کار اور بدکار پر اس کی رحمانیت قدیم سے اثر ڈالتی چلی آئی ہے تو
پھر یہ کیونکر ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ بدکاروں کو ایک ذرہ رحم کا مزہ چکھانا نہیں چاہتا۔
کیا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے پکار پکار کر شہادت نہیں دے رہا۔ کہ

اس رحم کے لئے گناہ اور غفلت اور تقصیر داری بطور روک کے نہیں ہو سکتی اور اگر ہو تو ایک دم بھی انسان کی زندگی مشکل ہے پھر جب کہ یہ سلسلہ رحم کا بغیر شرط راستبازی اور معصومیت اور نیکوکاری انسانوں کی دنیا میں پایا جاتا ہے اور صریح قانون قدرت اس کی گواہی دے رہا ہے تو پھر کیونکر اس سے انکار کر دیا جاوے اور اس نئے اور خلاف صحیفہ فطرت کے عقیدہ پر کیونکر ایمان لایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا رحم انسانوں کی راستبازی سے وابستہ ہے اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن شریف کے کئی مقامات میں نظیر کے طور پر وہ آیات پیش کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کیونکر سلسلہ رحم کا نہایت وسیع دائرہ کے ساتھ تمام مخلوقات کو مستفیض کر رہا ہے چنانچہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ وَسَخَّرَ لَکُمُ الۡفُلۡکَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الۡاَنۡہٰرَ۔ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ وَاٰتٰکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا[1] س ۱۳ ر ۱۷۔ پھر فرماتا ہے۔ وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَہَا لَکُمۡ فِیۡہَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ[2] اور پھر فرماتا ہے۔ وَہُوَ الَّذِیۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡکُلُوۡا مِنۡہُ لَحۡمًا طَرِیًّا[3] اور پھر فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا[4] ان تمام آیات سے خدا تعالیٰ نے اپنی کلام کریم میں صاف قانون قدرت کا ثبوت دے دیا ہے کہ اس کا رحم بلاشرط ہے کسی کی راستبازی کی شرط نہیں ہاں جرائم کا سلسلہ قانون الٰہی کے نکلنے سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ آپ خود مانتے ہیں اور اسی وقت عدل کی صفت کے ظہور کا زمانہ آتا ہے گو عدل ایک ازلی صفت ہے مگر آپ اگر ذرہ زیادہ غور کریں گے تو سمجھ جائیں گے کہ صفات کے ظہور میں حادثات کی رعایت سے ضرور تقدیم تاخیر ہوتی ہے پھر جب کہ گناہ اس وقت سے شروع ہوا کہ جب کتاب الٰہی نے دنیا میں نزول فرمایا اور پھر اس نے خوارق و نشانوں کے ساتھ اپنی سچائی بھی ثابت کی تو پھر رحم بلامبادلہ کہاں رہا۔ کیونکہ رحم کا سلسلہ تو پہلے ہی

﴾۱۲۷﴿

[1] ابراھیم: ۳۳ تا ۳۵ [2] النحل: ۶ [3] النحل: ۱۵ [4] النحل: ۶۶

سے بغیر شرط کسی کی راستبازی کے جاری ہے اور جو گناہ خدا تعالیٰ کی کتاب نے پیش کئے وہ مشروط بشرائط ہیں یعنی یہ کہ جس کو وہ احکام پہنچائے گئے ہیں اس پر وہ بطور حجت کے وارد ہوں اور وہ دیوانہ اور مجنون بھی نہ ہو۔ اور مالکیت پر آپ یہ جرح فرماتے ہیں کہ اگر مالکیت کو تسلیم کیا جائے تو سارا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا ہے تو آپ کو سوچنا چاہیئے کہ یہ کارخانہ اپنی مد کی ذیل میں چل رہا ہے پھر درہم برہم ہونے کے کیا معنے ہیں مثلاً جو شخص خدا تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کر کے اس کے قانونی وعدہ کے موافق سزاوار کسی سزا کا ٹھہرتا ہے تو خدا تعالیٰ گو مالک ہے کہ اس کو بخش دیوے لیکن بلحاظ اپنے وعدہ کے جب تک وہ شخص ان طریقوں سے اپنے تئیں قابل معافی نہ ٹھہرا دے جو کتاب الٰہی مقرر کرتی ہے تب تک وہ مواخذہ سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ وعدہ ہو چکا ہے لیکن اگر کتاب الٰہی مثلاً نازل نہ ہو یا کسی تک نہ پہنچے یا مثلاً وہ بچہ اور دیوانہ ہو تو تب اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے گا وہ مالکیت کا معاملہ ہوگا۔ اگر یہ نہیں تو پھر سخت اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کیوں چھوٹے بچے مدتوں تک ہولناک دکھوں میں مبتلا رہ کر پھر ہلاک ہوتے ہیں اور کیوں کروڑ ہا حیوانات مارے جاتے ہیں ہمارے پاس بجز اس کے کوئی اور جواب بھی ہے کہ وہ مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ پھر آپ اپنے پہلے قول پر ضد کر کے فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو کسی کی شفاعت سے گناہ بخشے جاتے ہیں وہ ایک انتظامی امر ہے افسوس کہ آپ اس وقت مقنن کیوں بن گئے اور توریت کی آیتوں کو کیوں منسوخ کرنے لگے اگر صرف انتظامی امر ہے اور حقیقت میں گناہ بخشے نہیں جاتے تو توریت سے اس کا ثبوت دینا چاہیئے۔ توریت صاف کہتی ہے کہ حضرت موسیٰ کی شفاعت سے کئی مرتبہ گناہ بخشے گئے۔ اور بائیبل کے تقریباً کل صحیفے خدا تعالیٰ کے رحیم اور توّاب ہونے پر ہمارے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں دیکھو یسعیا ۵۵/۷ یرمیا ۳/۱۲ تواریخ دوم ۷/۱۴ زبور چہارم ۳۲/۵ امثال ۲۸/۱۳ اسی طرح لوقا ۱۷/۳-۴ ولوقا ۱۵/۴ سے ۲۴ لوقا ۱۰/۲۵ و ۲۸ مرقس ۱۶/۱۶ اور پیدائش ۶/۷ و ۹ کتاب ایوب ۱/۱

﴿۱۲۸﴾

حزقیل ۱۴/۱۴ دانیال ۶/۴ زبور ۱۳۰/۳و۴و۷ زبور ۷۸/۳۸ میکا ۷/۱۸ ۔
غرض کہاں تک لکھوں آپ ان کتابوں کو کھول کر پڑھیں اور دیکھیں کہ سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رحم بلا مبادلہ کی کچھ ضرورت نہیں اور ہمیشہ سے خدا تعالیٰ مختلف ذرائع سے رحم کرتا چلا آیا ہے پھر آپ فرماتے ہیں کہ توبہ اور ایمان باہر کے پھاٹک ہیں یعنی باوجود توبہ اور ایمان کے پھر بھی کفارہ کی ضرورت ہے یہ آپ کا صرف دعویٰ ہے جو ان تمام کتابوں سے مخالف ہے جن کے میں نے حوالہ دے دیئے۔ ہاں اس قدر سچ ہے کہ جیسے اللہ جلّ شانہٗ نے باوجود انسان کے خطا کار اور تقصیروار ہونے کے اپنے رحم کو کم نہیں کیا ایسا ہی وہ توبہ کے قبول کرنے کے وقت بھی وہی رحم مدنظر رکھتا ہے اور فضل کی راہ سے انسان کی بضاعت مزجات کو کافی سمجھ کر قبول فرما لیتا ہے اس کی اس عادت کو اگر دوسرے لفظوں میں فضل کے ساتھ تعبیر کر دیں اور یہ کہہ دیں کہ نجات فضل سے ہے تو عین مناسب ہے کیونکہ جیسے ایک غریب اور عاجز انسان ایک پھول تحفہ کے طور پر بادشاہ کی خدمت میں لے جاوے اور بادشاہ اپنی عنایات بے غایات سے اور اپنی حیثیت پر نظر کر کے اس کو وہ انعام دے جو پھول کی مقدار سے ہزارہا بلکہ کروڑہا درجہ بڑھ کر ہے تو یہ کچھ بعید بات نہیں ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ کا معاملہ ہے وہ اپنے فضل کے ساتھ اپنی خدائی کے شان کے موافق ایک گدا ذلیل حقیر کو قبول کر لیتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ دعاؤں کا قبول ہونا بھی فضل ہی پر موقوف ہے جس سے بائیبل بھری ہوئی ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگرچہ مسیح میں اور کچھ بھی زیادتی نہیں صرف ایک انسان ہے جیسے اور انسان ہیں اور خدا تعالیٰ وہی علاقہ عام طور کا اس سے رکھتا ہے جو اوروں سے رکھتا ہے لیکن کفارہ سے ﴿۱۲۹﴾ اور مسیح کے آسمان پر جانے سے اور اس کے بے باپ پَیدا ہونے سے اسکی خصوصیت ثابت ہوتی ہے اِس قول سے مجھے بڑا تعجب پیدا ہوا۔ کیا دعووں کا پیش کرنا آپ کی کچھ عادت ہے ہم لوگ کب اِس بات کو مانتے ہیں کہ مسیح جی اُٹھا۔ ہاں حضرت مسیح کا وفات پا جانا قرآن شریف کے کئی مقام میں ثابت ہے لیکن اگر جی اٹھنے سے رُوحانی زندگی مُراد ہے تو

اس طرح سے سارے نبی جیتے ہیں۔ مردہ کون ہے کیا انجیل میں نہیں لکھا کہ حواریوں نے حضرت موسیٰ اور الیاس کو دیکھا اور ایسا کہا کہ اے اُستاد اگر فرماویں تو آپ کے لئے جُدا خیمہ اور موسیٰ کے لئے جُدا اور الیاس کیلئے جُدا کھڑا کیا جائے پھر اگر حضرت موسیٰ مردہ تھے تو نظر کیوں آ گئے کیا مردہ بھی حاضر ہو جایا کرتے ہیں پھر اسی انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ لعاذر مرنے کے بعد حضرت ابراہیم کی گود میں بٹھایا گیا اگر حضرت ابراہیم مُردہ تھے تو کیا مُردہ کی گود میں بٹھایا گیا واضح رہے کہ ہم حضرت مسیح کی اس زندگی کی خصوصیت کو ہرگز نہیں مانتے بلکہ ہمارا یہ مذہب موافق کتاب وسنت کے ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حیات اقویٰ اور اعلیٰ رکھتے ہیں اور کسی نبی کی ایسی اعلیٰ درجہ کی حیات نہیں ہے جیسے آنحضرت صلعم کی۔ چنانچہ مَیں نے کئی دفعہ آنحضرت کو اِسی بیداری میں دیکھا ہے باتیں کی ہیں مسائل پوچھے ہیں اگر حضرت مسیح زندہ ہیں تو کیا کبھی کسی نے آپ لوگوں میں سے بیداری میں انکو دیکھا ہے پھر آپ کا یہ فرمانا کہ حضرت مسیح روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے مظہر اللہ نہیں تھے یہ اقبالی ڈگری ہے۔ آپ نے مان لیا ہے کہ تیس برس تک تو حضرت مسیح خالص انسان تھے مظہر وغیرہ نام ونشان نہ تھا پھر تیس برس کے بعد جب روح القدس کبوتر کی شکل ہو کر ان میں اترا تو پھر مظہر اللہ بنے۔ مَیں اس جگہ اس وقت شکر کرتا ہوں کہ آج کے دن ایک فتح عظیم ہم کو میسر آئی کہ آپ نے خود اقرار کر لیا کہ تیس برس تک حضرت مسیح مظہر اللہ ہونے سے بالکل بے بہرہ رہے نرے انسان تھے۔ اَب بعد اِس کے یہ دعویٰ کرنا کہ پھر کبوتر اُترنے کے بعد مظہر اللہ بن گئے یہ دعویٰ ناظرین کی توجہ کے لائق ہے کیونکہ اگر روح القدس کا اُترنا انسان کو خدا اور مظہر اللہ بنا دیتا ہے تو حضرت یحیٰی اور حضرت زکریا حضرت یوسف حضرت یوشع بن نون اور کل حواری خدا ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ کیا مجسم ہونے سے وزنی ہو سکتا ہے۔ یہ عجب سوال ہے۔ کیا آپ کوئی ایسا جسم پیش کر سکتے ہیں کہ اس کو جسم تو کہا جائے مگر جسمانی لوازمات سے بالکل مبرّا ہو۔ مگر شکر یہ تو آپ ﴿۱۳۰﴾ نے مان لیا کہ آپ کے باپ اور بیٹا اور رُوح القدس تینوں مجسم ہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کثرت فی الوحدت اور وحدت میں کوئی تضاد نہیں ایک جگہ پائی جاتی ہیں یعنی بہ لحاظ جہات مختلفہ

کے یہ آپ کا خوب جواب ہے سوال تو یہ تھا کہ ان دونوں میں سے آپ حقیقی کس کو مانتے ہیں۔ آپ نے اس کا کچھ بھی جواب نہ دیا۔ پھر آپ دعوے کے طور پر فرماتے ہیں کہ آسمان کے نیچے دُوسرا نام نہیں جس سے نجات ہو اور نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ مسیح گناہ سے پاک تھا اور دوسرے نبی گناہ سے پاک نہیں مگر تعجب کہ حضرت مسیح نے کسی مقام میں نہیں فرمایا کہ مَیں خدا تعالیٰ کے حضور میں ہر ایک قصور اور ہر ایک خطا سے پاک ہوں اور یہ کہنا حضرت مسیح کا کہ کون تم میں سے مجھ پر الزام لگا سکتا ہے یہ الگ بات ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ تمہارے مقابل پر اور تمہارے الزام سے میں مجرم اور مفتری نہیں ٹھہر سکتا لیکن خدا تعالیٰ کے حضور میں حضرت مسیح صاف اپنے تقصیروار ہونے کا اقرار کرتے ہیں جیسا کہ متی باب ۱۹ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے نیک ہونے سے انکار کیا۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن اور انجیل دونوں کلام خدا ہو کر پھر دو مختلف طریقے نجات کے کیوں بیان کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جو قرآن کے مخالف انجیل کے حوالہ سے طریقہ بیان کیا جاتا ہے وہ صرف آپ کا بے بنیاد خیال ہے۔ اب تک آپ نے ثابت کر کے نہیں دکھایا کہ حضرت مسیح کا قول ہے انجیل میں تو نہ بالصراحت و بالفاظ کہیں تثلیث کا لفظ موجود ہے اور نہ رحم بلا مبادلہ کا۔ قرآن کریم کی تصدیق کیلئے وہ حوالجات کافی ہیں جو ابھی ہم نے پیش کئے ہیں جبکہ قرآن اور عہد عتیق اور جدید کے بہت سے اقوال بالاتفاق آپ کے کفارہ کے مخالف ٹھہرے ہیں تو کم سے کم آپ کو یہ کہنا چاہیئے کہ اس عقیدہ میں آپ سے غلط فہمی ہو گئی ہے۔ کیونکہ ایک عبارت کے معنے کرنے میں کبھی انسان دھوکا بھی کھا جاتا ہے جیسا آپ فرماتے ہیں کہ آپ کے بھائیوں رومن کیتھلک اور یونی ٹیرین نے انجیل کے سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے اور وہ دونوں فریق آپکو دھوکہ پر سمجھتے ہیں۔ پھر جب گھر میں ہی پُھوٹ تو پھر آپ کا اتفاقی مسئلہ کو چھوڑ دینا اور اختلافی خبر کو پکڑ لینا کب جائز ہے۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

﴿۱۳۱﴾

دسواں پرچہ

مباحثہ یکم جون ۱۸۹۳ء

روئیداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا اور ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۶ بجے ۸ منٹ پر سوال لکھنا شروع کیا اور ۷ بجے ۴۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعدہٗ مرزا صاحب نے ۸ بجے ایک منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۹ بجے ایک منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا بعد اسکے ڈپٹی صاحب نے ۹ بجے ۲۷ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہو کر جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

مَیں نے کل کے بیانات فریق ثانی میں دو صدائیں عجیب و غریب سُنی ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ گویا مَیں نے آپ کے کسی امر کا جواب نہیں دیا دُوسرا یہ کہ گویا مَیں نے اقبال کیا ہے کہ اقنوم ثانی الوہیت سے مسیح کی انسانیت تیس برس تک خالی رہی ہے۔ اگر یہ غلط فہمی ہے تو اِن دو امروں کی اصلاح اسوقت مَیں کرتا ہوں۔ پہلی غلطی کا میرا یہ جواب ہے کہ بعد طبع ہونے مباحثہ کل کے عام کے سامنے وہ رکھا جائے گا کہ منصف مزاج آپ ہی فیصلہ کرلیں گے کہ مَیں نے جواب نہیں دیا یا کہ فریق ثانی نے جواب نہیں دیا۔ دُوسرے بارہ میں میرا جواب یہ تھا کہ مسیحیت میں خصوصیت مظہریت کی نمود اراس وقت ہوئی کہ جب وہ

بپ ٹسما پا کر یردن میں سے نکلا اور جسوقت یہ صدا آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے مَیں اس سے راضی ہوں تم اس کی سُنو۔ اسوقت سے وہ مسیح ہوا۔ پس اُن دونوں صداؤں کو مَیں مشابہ پُھوٹے ڈھول یا پھٹے نقارہ کے قرار دیتا ہوں۔ ﴿۱۳۲﴾

دوئم۔ فریق ثانی نے یقیناً میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ تقاضائے عدل الٰہی کیونکر پُورا ہوا اور نہ اسکے عدل کا کچھ لحاظ فرمایا۔ اسی لئے میں اس سوال پر اور کچھ نہ کہتا ہوں نہ سنتا ہوں۔ باقی سوال جو میرے ہیں ان کو پیش کرتا ہوں۔ منجملہ ان سوالوں کے پہلا سوال میرا یہ ہے (س۴ر۷) يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ[1] کہتے ہیں کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ۔ تو کہہ کہ سب کام ہیں اللہ کے ہاتھ۔ انجیل میں ایسا تو لکھا ہے کہ پری ولج جسکا ترجمہ قریب قریب لفظ وسعت سے ہوسکتا ہے منجانب اللہ کے بخشے جاتے ہیں چنانچہ کسی کو ظرف یا عضو عزت کا بنایا گیا ہے اور کسی کو ذلّت کا۔ پھر کسی کو مخدوم ہونا بخشا گیا ہے اور کسی کو خادم ہونا۔ لیکن جہنّم کسی کے نصیب نہیں کیا گیا۔ اور نہ تباہ شدنی کسی کو ٹھہرایا گیا ہے اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ فرعون کو اِسی لئے برپا ہونے دیا گیا۔ (اصل لفظ ہے برپا کیا گیا۔ مُراد اسکی ہے برپا ہونے دیا گیا) تا کہ اس میں جلال صفات الٰہی کا زیادہ ہو لیکن یہ نہیں لکھا کہ انسان کو کچھ بھی اختیار نہیں تا ہم اسکے عملوں پر مواخذہ ہے۔ غرضیکہ قرآن و انجیل کی تعلیم میں یہ فرق ہے کہ قرآن تو اختیار انسانی کے متناقض تعلیم دیتا ہے اور انجیل پری ولجوں میں اور پرمشنوں میں اختیار فعل مختیاری انسان کا نقیض نہیں کرتی اور اگر چہ قرآن میں ساتھ جبر کے قدر بھی ہے لیکن یہ دونوں باہم متفق نہیں ہوسکتے۔

تیسرا سوال ہمارا یہ ہے کہ جبکہ قرآن کی سورۃ توبہ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ[2] رکوع ۴ میں یُوں لکھا ہے کہ قتل کرو انکو جو اللہ اور دن قیامت کو نہیں مانتے اور نہ حرام کرتے اُس شے کو اپنے اوپر جس کو اللہ و رسول نے حرام کیا منجملہ انکے جو اہل کتاب ہیں جب تک دیتے رہیں جزیہ اپنے ہاتھوں سے اور ذلیل رہیں۔ اس میں ایمان بالجبر

[1] ال عمران: ۱۵۵ [2] التوبۃ: ۲۹

کا ہمارا الزام ہے۔ موسیٰ کے جہاد اور قسم کے تھے انمیں سے امان منحصر بہ ایمان کوئی نہ دکھلا سکے گا اور یہاں آیت مذکورہ میں نہ دفعیہ کا جہاد ہے نہ انتقام کا جہاد نہ انتظام کا جہاد بلکہ وہ جہاد ہے جو اُصول قرآنی کو نہ مانے وہ مارا جائے اِسی کا نام ہے ایمان بالجبر۔ ہمارے مکرم سرسیّد احمد خان بہادر نے جہاد بالجبر کو نہیں مانا۔ اُن کا فرمانا یہ ہے کہ یا مانو یا مرو یا جزیہ گذار ہو کر جیتے رہو۔ لیکن بابت تیسری شرط یعنی جزیہ کے ہمارا سوال ان سے یہ ہے کہ متعلق اہل کتاب کے اِس لفظ کو کیوں لکھا من الذین میں لفظ من کا فاصل ہے اور اہل کتاب کا لفظ سارے اس کے متن سے مستثنٰی ہے۔ پھر یہ کیا خوش فہمی نہیں کہ اِس تیسری شرط کو بھی عامہ قرار دیا جائے۔ اور وہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جملہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[1] سے سارا اعتراض ایمان بالجبر کا باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم دکھلا سکیں کہ قرآن میں یہ حکم بھی ہے کہ اے مسلمانوں جب تمہارے سامنے کوئی سفید پوش آوے اور تم کو سلام علیک کرے تو تم اس کے کپڑے اتار لینے کے واسطے یُوں مت کہو کہ تو مکّار ہے درحقیقت مسلمان نہیں خدا تم کو دَولت اور طرح بہت دے دے گا۔ تو کیا یہ اکراہ نہیں کہ بہ بُہتان مکّاری اُس کے کپڑے اتار لیویں اور کیا یہ پالسی کے برخلاف نہیں جو ترقی دین کو روک دیتا ہے۔ علٰی ھٰذا القیاس اور بھی چند شق اس امر کے ہیں جو سمت مخالف سے پیش ہو سکتے ہیں جن کے پیش ہونے پر ہم اس کا جواب دینگے۔

سوم۔ نمونہ تعلیمات قرآن کا تو یہ ہے جو اوپر عرض ہوا تِس پر معجزات کا خفیف سا پردہ بھی کچھ نہیں جو کچھ دھوکہ دے سکے۔ چنانچہ محمد صاحب کو صاحب معجزہ ہونے کا انکار مطلق ہے۔

بعض محمدی صاحبان فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ[2] میں ایک بڑا معجزہ فصاحت و بلاغت کا بیان کرتے ہیں مگر کس امر میں مثال طلب کی جاتی ہے اس آیت میں اس کا ذکر کچھ نہیں فصاحت و بلاغت کے دعویٰ کا قرآن میں کہیں لفظ تک نہیں۔ غالبًا مراد قرآنی اِس دعویٰ میں یہ ہے کہ از آنجا قرآن خلاصہ کتب انبیاء سلف کا ہے جن کو خدا کے سوا کوئی مخلوق نہیں بنا سکتا۔ لہٰذا وہ بھی یعنی قرآن بے مثل ہے یعنی اس میں تقدس تعلیمات کا دعویٰ ہے فصاحت بلاغت کا نہیں بلکہ برخلاف فصاحت و بلاغت کے قرآن میں یوں بھی لکھا ہے کہ وہ آسان کیا گیا عربی زبان میں واسطے اہل عرب کے۔

﴿۱۳۳﴾

[1] البقرۃ: ۲۵۷ [2] البقرۃ: ۲۴

اور جو فصاحت بلاغت جدید مطلق ہووے تو وہ محتاج تلقین کی ہو جاتی ہے اور آسانی کے برخلاف آسان نہیں رہتی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ بروئے قرآن **محمد** صاحب اُمّی محض نہ تھے بلکہ قرآن میں یوں لکھا ہے کہ جو اہل کتاب نہیں وہ اُمّی ہے اور فی الواقع علم عبرانی اور یونانی کا آنجناب کو حاصل نہیں معلوم ہوتا۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ لفظ کتاب کا باصطلاح قرآنی علی العموم بمعنے کتاب الہامی کے ہے کتاب دُنیاوی نہیں۔

﴿۱۳۴﴾ چوتھا۔ جناب نے میرے کل کے ایک سوال کا جواب پورا نہیں دیا جس میں میرا استفسار تھا کہ مسیح کی پَیدائش معجزہ ہی تھی یا نہیں یعنی باپ اس کا نہیں تھا یا تھا۔ فرشتہ خاص کر جبرئیل مریم آپ کی والدہ کے پاس خوشخبری لائے تھے یا نہیں۔ اور وہ جو جناب اپنی روایت کا ذِکر فرماتے ہیں کہ **محمد** صاحب سے ہمکلام ہو کے آئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اِس کا ثبوت جناب کے پیشوا کے معراج سے کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتا۔ نیز یہ بھی ہمارا استفسار ہے کہ جناب یونی ٹیریوں اور رومن کیتھلک کو ہمارے اُوپر حاکم کیوں بناتے ہیں وہ مسیحی تو کہلاتے ہیں مگر ہم اُن کو بدمعنے مسیحی کہتے ہیں۔ ہمارے آرچ بشپ ڈپٹی صاحب نے جب حلقہ اِس طرح کا کھینچا کہ دین مسیح کہاں تک مؤثر ہے تو اُنہوں نے تو اہلِ اسلام کو بھی مسیحیوں میں گِنا ہے۔ اور دلائل اِس کے قرآن سے دیئے ہیں لیکن ہم ان کو صحیح مسیحی نہیں مان سکتے۔ (باقی آئندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

یکم جون ۱۸۹۳ء

ڈپٹی صاحب اوّل یہ فرماتے ہیں کہ میں نے اِس بات کا اقبال نہیں کیا کہ اقنوم ثانی یعنی حضرت مسیح تیس برس تک مظہر اللہ ہونے سے خالی رہے اِس کے جواب میں صرف ڈپٹی صاحب موصوف کی عبارت مرقومہ ۳۱۔ مئی ۱۸۹۳ء کو سامنے رکھ دینا کافی ہے اور وہ یہ ہے:۔ ششم۔ جناب جو پوچھتے ہیں کہ مظہر اللہ مسیح بعد نزول روح القدس کے ہوئے یا ما بعد اُسکے۔ ہمارا اِس جگہ پر جواب قیاسی ہے کہ رُوح القدس کے نازل ہونے کے وقت ہوئے۔ اَب سوچنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ کیا اِس عبارت کے بجُز اِس کے کوئی اور بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح رُوح القدس کے نازل ہونے سے پہلے جو کبوتر کی شکل میں اُن پر نازل ہوا مظہر اللہ نہیں تھے پیچھے سے مظہر اللہ بنے۔ پھر جب مظہر اللہ کی مطلق نفی بغیر کسی استثنا کے ڈپٹی صاحب موصوف نے کر دی تو کیا بجُز اِس کے کوئی اور بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح کبوتر نازل ہونے سے پہلے صرف انسان تھے کیونکہ مظہر اللہ کا لفظ کسی تقسیم اور تجزیہ کے قابل نہیں اور اُن کی عبارت سے ہرگز یہ نکلتا نہیں کہ مخفی طور پر پہلے مظہر اللہ تھے اور پھر علانیہ طور پر ہو گئے وہ تو صاف فرما رہے ہیں کہ بعد روح القدس کے مظہر اللہ ہوئے اَب یہ دُوسرا بیان پہلے بیان کی تفصیل نہیں ہے بلکہ صریح اِسکے مخالف اور اس کا ضد پڑا ہوا ہے اور اقرار کے بعد انکار کرنا انصاف پسندوں کا کام نہیں بلا شبہ وہ اقرار کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح تیس برس تک مظہر اللہ ہونے سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب تھے کیونکہ ہمارا سوال تھا کہ رُوح القدس کے نازل ہونے سے پہلے مظہر اللہ تھے یا بعد اس کے ہوئے تو آپ نے قطعی طور پر بعد کو اختیار کیا اور صاف طور پر اقرار کر لیا کہ بعد میں مظہر اللہ بنے۔ اَب اس میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں جب عام میں یہ سوال پھیلے گا اور پبلک کے سامنے آئے گا تو خود لوگ سمجھ لیں گے کہ ڈپٹی صاحب نے یہ اقرار کے بعد انکار کیا ہے یا کوئی اور صُورت ہے اور اَب وہ

﴿۱۳۵﴾

یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اِس بارہ میں جو کچھ ہم نے کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ بعد اِس کے کچھ نہیں کہیں گے مگر افسوس کہ اُنہوں نے یہ طرز حق پرستوں کی اختیار نہیں کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دُوسروں کی تحریک اور نکتہ چینی سے بعد میں فکر پڑی کہ ہمارے اس قول سے مسیح کا انسان ہونا۔ اور مظہر اللہ سے تیس برس تک خالی ہونا ثابت ہوگیا تو پھر اِس مصیبت پیش آمدہ کی وجہ سے آج اُنہوں نے یہ تاویل رکیک پیش کی مگر درحقیقت یہ تاویل نہیں بلکہ صاف صاف اور کُھلے کُھلے لفظوں میں انکار ہے پھر بعد اِس کے ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میرے سوال کا جواب نہیں آیا یعنی تقاضائے عدل کیونکر پورا ہو۔ مَیں نے کل کے بیان میں صاف لکھا دیا تھا کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ رحم اور عدل دونوں دوش بدوش اور خدا تعالیٰ کیلئے ایک ہی وقت میں لازم پڑے ہوئے ہیں یہ غلط خیال ہے پھر مکرّر کچھ لکھتا ہوں کہ رحم قانون قدرت کی شہادت سے اوّل مرتبہ پر ہے اور دائمی اور عام معلوم ہوتا ہے لیکن عدل کی حقیقت قانون الٰہی کے نازل ہونے کے بعد اور وعدہ کے بعد متحقق ہوتی ہے یعنی وعدہ کے پہلے عدل کچھ بھی چیز نہیں اس وقت تک مالکیت کام کرتی ہے۔ اگر وعدہ سے پہلے عدل کچھ چیز ہے تو ڈپٹی صاحب ہمارے کل کے سوال کا ذرہ متنبّہ ہو کر جواب دیویں کہ ہزاروں انسانوں کے بچّے اور پرند اور چرند اور کیڑے مکوڑے بے وجہ ہلاک کئے جاتے ہیں وہ باوجود عدل کی دائمی صفت کے کیوں کئے جاتے ہیں اور بموجب آپ کے قاعدہ کے کیوں عدل ان کے متعلق نہیں کیا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کسی چیز کا حق نہیں ہے انسان اپنے حق سے بہشت کو بھی نہیں پا سکتا صرف وعدہ سے یہ مرتبہ شروع ہوتا ہے۔ جب کتاب الٰہی نازل ہو چکتی ہے اور اس میں وعدہ بھی ہوتے ہیں۔ اور وعید بھی ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ وعید کی رعایت سے ہر ایک نیک و بد سے معاملہ کرتا ہے۔ اور جبکہ عدل فی ذاتہٖ کچھ بھی چیز نہیں بلکہ وعدہ وعید پر تمام مدار ہے اور خداوند تعالیٰ کے مقابل پر کسی چیز کا کوئی بھی حق نہیں تو پھر عدل کیونکر رکھا جاوے

﴿۱۳۶﴾

عدل کا مفہوم ضرور اِس بات کو چاہتا ہے کہ اوّل جانبین میں حقوق قرار دیئے جائیں۔
لیکن مخلوق کا خدا تعالیٰ پر جس نے عدم محض سے اُس کو پیدا کیا کوئی حق نہیں ورنہ ایک کُتّا
مثلاً کہہ سکتا ہے کہ مجھ کو بیل کیوں نہیں بنایا اور بیل کہہ سکتا ہے کہ مجھ کو انسان کیوں نہیں بنایا
اور چونکہ یہ جانور اِسی دُنیا میں جہنّم کا نمونہ بُھگت رہے ہیں اگر عدل خدا تعالیٰ پر ایک
لازمی صفت تھوپ دی جائے تو ایسا سخت اعتراض ہوگا کہ جس کا جواب آپ سے کسی طور
پر نہ بن پڑے گا۔ پھر آپ نے جبر قدر کا اعتراض پیش کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ قرآن
سے جبر ثابت ہوتا ہے۔ اِس کے جواب میں واضح ہو کہ شاید آپ کی نظر سے یہ آیات نہیں
گذریں جو انسان کے کسب و اختیار پر صریح دلالت کرتی ہیں اور یہ ہیں:۔
وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی[1] (س ۲۷ ر ۳) کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو سعی کرتا ہے
جو اُس نے کوشش کی ہو یعنی عمل کرنا اجر پانے کے لئے ضروری ہے پھر فرماتا ہے
وَلَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہۡرِہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ[2]
(س ۲۲۔ ر ۵) یعنی خدا اگر لوگوں کے اعمال پر جو اپنے اختیار سے کرتے ہیں اُن کو
پکڑتا تو کوئی زمین پر چلنے والا نہ چھوڑتا۔ اور پھر فرماتا ہے لَہَا مَا کَسَبَتۡ
وَعَلَیۡہَا مَا اکۡتَسَبَتۡ[3] (س ۳ ر ۸) اُس کے لئے جو اُس نے کام اچھے کئے اور اُس پر
جو اُس نے بُرے کام کئے۔ پھر فرماتا ہے مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ[4] جو شخص اچھا
کام کرے سو اسکے لئے اور جو بُرا کرے وہ اُس کے لئے۔ پھر فرماتا ہے
فَکَیۡفَ اِذَآ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ[5] (س ۵ ر ۶)
یعنی کس طرح جس وقت پہنچے اُن کو مصیبت بوجہ اُن اعمال کے جو اُن کے ہاتھ
کر چکے ہیں۔ اَب دیکھئے ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان
اپنے کاموں میں اختیار بھی رکھتا ہے اور اِس جگہ ڈپٹی صاحب نے جو یہ آیت
پیش کی ہے۔ یَقُوۡلُوۡنَ ہَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ[6] اور اِس سے ان کا
مدعا یہ ہے کہ اس سے جبر ثابت ہوتا ہے یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ دراصل

[1] النجم:۴۰ [2] فاطر:۴۶ [3] البقرۃ:۲۸۷ [4] حٰم السجدۃ:۴۷ [5] النسآء:۶۳ [6] اٰل عمران:۱۵۵

﴿۱۳۷﴾

بات یہ ہے کہ امر کے معنے حکم اور حکومت کے ہیں اور یہ بعض ان لوگوں کا خیال تھا جنہوں نے کہا کہ کاش اگر حکومت میں ہمارا دخل ہوتا تو ہم ایسی تدابیر کرتے جس سے یہ تکلیف جو جنگ احد میں ہوئی ہے پیش نہ آتی۔ اِس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ[1] یعنی تمام امر خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں تمہیں اپنے رسول کریم کا تابع رہنا چاہیئے۔ اَب دیکھنا چاہیئے کہ اِس آیت کو قدر سے کیا تعلق ہے۔ سوال تو صرف بعض آدمیوں کا اِتنا تھا کہ اگر ہماری صلاح اور مشورہ لیا جاوے تو ہم اس کے مخالف صلاح دیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو منع فرمایا کہ اِس امر کی اجتہاد پر بنا نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے پھر بعد اس کے واضح رہے کہ تقدیر کے معنے صرف اندازہ کرنا ہے جیسے کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا[2] س ۱۸ ر ۱۶ یعنی ہر ایک چیز کو پیدا کیا تو پھر اس کے لئے ایک مقرر اندازہ ٹھہرا دیا اِس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے اختیارات سے روکا گیا ہے بلکہ وہ اختیارات بھی اسی اندازہ میں آ گئے جب خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت اور انسانی خوئے کا اندازہ کیا تو اس کا نام تقدیر رکھا۔ اور اسی میں یہ مقرر کیا کہ فلاں حد تک انسان اپنے اختیار ات برت سکتا ہے یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ تقدیر کے لفظ کو ایسے طور پر سمجھا جائے کہ گویا انسان اپنے خدا داد قویٰ سے محروم رہنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ اِس جگہ تو ایک گھڑی کی مثال ٹھیک آتی ہے کہ گھڑی کا بنانے والا جس حد تک اس کا دَور مقرر کرتا ہے اس حد سے وہ زیادہ چل نہیں سکتی۔ یہی انسان کی مثال ہے کہ جو قویٰ اس کو دی گئی ہیں اُن سے زیادہ وہ کچھ کر نہیں سکتا اور جو عمر دی گئی ہے اس سے زیادہ جی نہیں سکتا۔ اور یہ سوال کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں جبر کے طور پر بعضوں کو جہنمی ٹھہرا دیا ہے اور خواہ نخواہ شیطان کا تسلّط ان پر لازمی طور پر رکھا گیا ہے یہ ایک شرمناک غلطی ہے اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ[3] کہ اے شیطان میرے بندوں پر تیرا کچھ بھی تسلط نہیں دیکھئے کس طرح پر اللہ تعالےٰ انسان کی آزادی ظاہر کرتا ہے۔ منصف کے لئے اگر کچھ دل میں انصاف رکھتا ہو تو یہی آیت کافی ہے

[1] اٰل عمران: ۱۵۵ [2] الفرقان: ۳ [3] الحجر: ۴۳

لیکن انجیل متی سے تو اس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ انجیل متی سے یہ بات پایۂ ثبوت پر پہنچتی ہے کہ شیطان حضرت مسیح کو آزمائش کے لئے لے گیا۔ تو یہ ایک قسم کی حکومت شیطان کی ٹھہری کہ ایک مقدس نبی پر اس نے اس قدر جبر کیا کہ وہ کئی جگہ اس کو لئے پھرا۔ یہانتک کہ بے ادبی کی راہ سے اسے یہ بھی کہا کہ تو مجھے سجدہ کر۔ اور ایک بڑے اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی ساری بادشاہتیں اوران کی شان وشوکت اسے دکھلائیں۔ دیکھو متی ۴ اور پھر غور کر کے دیکھو کہ اس جگہ پر شیطان کیا بلکہ خدائی جلوہ دکھلایا گیا ہے کہ اول وہ بھی اپنی مرضی سے مسیح کی خلاف مرضی ایک پہاڑ پر اسکو لے گیا اور دنیا کی بادشاہتیں دکھا دینا خدا تعالیٰ کی طرح اُس کی قوت میں ٹھہرا۔ اور بعد اس کے واضح ہو کہ یہ بات جو آپ کے خیال میں جم گئی ہے کہ گویا قرآن کریم نے خواہ نخواہ بعض لوگوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے یا خواہ نخواہ دلوں پر مہریں لگا دیتا ہے یہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ لوگ کبھی انصاف کی پاک نظر کے ساتھ قرآن کریم کو نہیں دیکھتے۔ دیکھو اللہ جلّ شانہ‘ کیا فرماتا ہے۔ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ[1] س ۲۳ ر ۱۴ یعنی شیطان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ مَیں جہنم کو تجھ سے اور اُن لوگوں سے جو تیری پیروی کریں بھروں گا۔ دیکھئیے اس آیت سے صاف طور پر کھل گیا اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں ہے کہ خواہ نخواہ لوگوں کو جبر کے طور پر جہنم میں ڈالے بلکہ جو لوگ اپنی بداعمالیوں سے جہنم کے لائق ٹھہریں ان کو جہنم میں گرایا جاوے گا۔ اور پھر فرماتا ہے يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا ۙ وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِيۡنَ[2] یعنی بہتوں کو اس کلام سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو یہ ہدایت دیتا ہے۔ مگر گمراہ ان کو کرتا ہے جو گمراہ ہونے کے کام کرتے ہیں۔ اور فاسقانہ چالیں چلتے ہیں یعنی انسان اپنے ہی افعال کا نتیجہ خدا تعالیٰ سے پا لیتا ہے جیسے کہ ایک شخص آفتاب کے سامنے کی کھڑکی جب کھول دیتا ہے تو ایک قدرتی اور فطرتی امر ہے کہ آفتاب کی روشنی اور اس کی کرنیں اس کے منہ پر پڑتی ہیں۔ لیکن جب وہ اس کھڑکی کو بند کر دیتا ہے تو اپنے ہی فعل سے اپنے لئے اندھیرا پیدا کر لیتا ہے

﴿۱۳۸﴾

[1] صٓ:۸۶ [2] البقرۃ:۲۷

چونکہ خداتعالیٰ علت العلل ہے بوجہ اپنے علت العلل ہونے کے ان دونوں فعلوں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے لیکن اپنے پاک کلام میں اس نے بارہا تصریح سے فرمادیا ہے کہ جو ضلالت کے اثر کسی کے دل میں پڑتے ہیں وہ اسی کی بداعمالی کا نتیجہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر کوئی ظلم نہیں کرتا جیسا کہ فرماتا ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ [1] (س ۲۸ ر ۹) پس جبکہ وہ کج ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو کج کر دیا۔ پھر دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا [2] ان کے دلوں میں مرض تھی خداتعالیٰ نے اس مرض کو زیادہ کیا یعنی امتحان میں ڈال کر اس کی حقیقت ظاہر کردی پھر فرماتا ہے۔ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ [3] یعنی خداتعالیٰ نے بباعث ان کی بے ایمانیوں کے ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں۔ لیکن یہ جبر کا اعتراض اگر ہوسکتا ہے تو آپکی کتب مقدسہ پر ہو گا۔ دیکھو خروج ۴/۲۱ خدا نے موسیٰ کو کہا۔ مَیں فرعون کا دل سخت کروں گا اور جب سخت ہوا تو اس کا نتیجہ جہنم ہے یا کچھ اور ہے۔ دیکھو خروج ۷/۳ امثال باب ۱۶/۴ پھر خروج ۱۰/۳ استثناء ۲۹/۴ خدا نے تم کو وہ دل جو سمجھے اور وہ آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سنیں آج تک نہ دیئے۔ اب دیکھئے کیسے جبر کی صاف مثال ہے۔ پھر دیکھو زبور ۱۴۸ اس نے ایک تقدیر مقدر کی جو ٹل نہیں سکتی رومیان ۹/۱۸ کاریگری کا کاریگر پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ اب ان تمام آیات سے آپ کا اعتراض الٹ کر آپ ہی پر پڑا اور پھر بعد اس کے آپ نے جہاد پر اعتراض کر دیا ہے مگر یہ اعتراض طریق مناظرہ کے بالکل مخالف ہے اور آپ کی شرائط میں بھی یہی درج تھا کہ نمبر وار سوالات ہونگے بجز اسکے کیا مطلب تھا کہ پہلے سوال کا جواب ہو جائے تو پھر دوسرا پیش ہو اور خبط بحث نہ ہو۔ اور آپ کے پہلے سوال کا جواب جو آپ نے عدل پر کیا کچھ نتیجہ رہ گیا تھا وہ یہ ہے کہ آپ کے اِس خود ساختہ قانون کو حضرت مسیحؑ توڑتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے بیان کے مطابق نجات کا مدار وعدوں پر رکھتے ہیں اور احکام الٰہی جن کی جزا وعدہ کے طور پر بیان کی گئی پیش کرتے ہیں جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مبارک وے جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے

﴿۱۳۹﴾

[1] الصف: ۶ [2] البقرۃ: ۱۱ [3] النساء: ۱۵۶

مبارک وے جو رحم دل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جاوے گا۔ مبارک وے جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔ اَب آپ کیا فرماتے ہیں کہ یہ وعدے جو غم گینوں اور رحم دلوں اور پاک دِلوں کے لئے وعدہ کئے گئے تھے یہ پورے ہوں گے یا نہیں۔ اگر پورے ہوں گے تو اِس جگہ تو کسی کفارہ کا ذکر تک بھی نہیں۔ اور اگر پورے نہیں ہونگے تو تخلف وعدہ ٹھہرا۔ جو خُدا تعالیٰ کی ہدایتوں کی نسبت تجویز کرنا ایک سخت گناہ ہے۔ غرض ہم نے آپ کے رحم بلا مبادلہ کو قرآن شریف کی کامل تعلیم اور قانون قدرت اور آپکی کتب مقدسہ سے بخوبی ردّ کر دیا۔ اب ثابت شدہ امر کے برخلاف اگر ضدّ نہیں چھوڑیں گے تو منصفین خود دیکھ لیں گے خدا تعالیٰ کی تمام تعلیمیں قانون قدرت کے موافق ہیں اور بقول ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب قرآنی توحید ایسی صاف اور پاک اور مطابق قانون فطرت ہے جو بچے بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں لیکن آپ کا یہ مسئلہ تثلیث بچے تو کیا آجکل کے فلاسفر بھی خلاف عقل ٹھہراتے ہیں۔ پھر کیا وہ تعلیم جو انسانی فطرت کے مطابق اور قانون قدرت کے موافق اور ایسی چمکتی ہے کہ بچے بھی اس کو قبول کر لیتے ہیں اور تمام مذاہب کے زوائد نکال کر وہی توحید باقی رہ جاتی ہے۔ کیونکر رد کرنے کے لائق ٹھہرتی ہے۔ اور آپ کے سوال جہاد کا دوسرے موقعہ پر جواب دیا جاوے گا۔ مگر آپ نے داب مناظرہ کے برخلاف کیا جو سوال پر سوال کر دیا۔ اِس کو ناظرین خود دیکھ لیں گے۔ ﴿۱۴۰﴾

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان

از جانب ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب

یکم جون ۱۸۹۳ء

۹/۲۷

جناب کا یہ فرمانا کہ مسیح تیس برس تک الوہیت سے خالی رہے بقول میرے یہ خوش فہمی ہے میرا کہنا یہ ہی تھا کہ مسیحیت کے عہدہ پر وہ تب تک نہیں آئے۔ اور یہ صحیح ہے باقی جو کچھ آپ نے فرمایا وہ زائد ہے۔ بے حدی سے خالی ہونا تو کسی کا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ مسیح اس سے خالی رہے۔ اقنوم ثانی کا جو رشتہ انسانیت سے ہے واسطے مسیحیت کے ہے اقنوم ثانی گو ساتھ الوہیت کے ہو۔ تاہم وہ مسیح نہیں تھا جب تک کہ تیس برس کا ہوا۔

مظہر اللہ کے معنے کیا ہیں اور کس مراد سے یہ کلمہ استعمال ہوا ہے۔ ہماری نظر میں تو یہ معنی ہیں جائے ظہور اللہ کی اور واسطے عہدہ مسیحیت کے ہیں پھر کیوں اس پر آپ تنازعہ کرتے ہیں۔ رُوح القدس برائے گواہی اس امر کے آیا کہ یہ بیٹا خدا کا ہے خدا نے کہا مَیں اِس سے راضی ہوں نہ اِس لئے کہ اس وقت آن کر اس کے بیچ میں داخل ہوا۔

(۲) آپ کے دوسرے امر کا جواب یہ ہے کہ جو چاہو آپ فرماؤ۔ لیکن اِس کا جواب آپ نے نہیں دیا کہ تقاضائے عدل کا کیونکر پورا ہو۔ اگر آپ کے فرمانے کا یہ مطلب ہے تقاضائے عدل کچھ شے نہیں ہے تو ہمارا آپ سے اِس صداقت اولیٰ پر اتفاق نہیں۔

(۳) آپ فرماتے ہیں کہ جبر قرآن سے ثابت نہیں مجھے اس میں حیرانی ہے کہ آپ اُس آیت کے لفظوں کی طرف توجہ نہیں فرماتے جس میں لکھا ہے کہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ میں ہے اور بجواب اِس کے کہا جاتا ہے کہ کہدے۔ سب کام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ اور آیات تو مَیں اِس مقدمہ میں بہت قرآن سے دے سکتا ہوں لیکن حاجت نہیں۔ پھر آپ کا عقیدہ اِس میں جو لکھا ہے والقدر خیرہ وشرہ من اللّٰہ تعالٰی خیر اور شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ نتیجہ منتخب ﴿۱۴۱﴾

قرآن سے ہے۔ جو انجیل کی آیتوں کے اوپر آپ نے اپنا حاشیہ چڑھایا ہے۔ سو صحیح نہیں۔ مَیں نے عرض کر دیا ہے کہ بدی کے واسطے خدا کی طرف سے پرمشن ہوتا ہے یعنی اجازت اور پرولجوں کے واسطے وہاں ہی تک حد ہے کہ جس میں دوزخ اور بہشت کا کچھ ذکر نہیں۔ دُنیا کے اندر کمی اور زیادتی وسعت کا ذکر ہے۔ پھر ان کو آپ ممثلہ قرآن کا کیونکر کہتے ہیں۔ مَیں تو کہتا ہوں کہ قرآن میں جبر اور قدر ہر دو ہیں لیکن یہ امر ہر دو باہم متفق نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک دوسرے کے نقیض ہیں جیسا کہ یہ کہنا کہ اختیار ہے بھی اور نہیں بھی صاف نقیض ہے۔

(۴) خداوند مسیح کی آزمائش میں شیطان نے جو انسانیت کا امتحان کیا ہے آپ کا مطلب کیا ہے کچھ ظاہر نہیں۔ اِس میں جبر وقدر کا علاقہ کیا ہے۔

آپ کی مثال آفتاب کی نہ معلوم کیونکر برمحل ہے جب آپ کہتے ہیں کہ سبب ثانی کے افعال بھی خدا تعالیٰ اپنی طرف جو سبب اولیٰ ہے منسوب کرتا ہے نہ معلوم کیوں کرتا ہے کیا ضرورت اس کی تھی سبب ثانی کے افعال ایسی صورت میں سبب اُولیٰ سے منسوب ہو سکتے ہیں کہ جب کچھ دخل سبب اُولیٰ کا بھی اس میں ہو۔

سبب اُولیٰ نے ایک شخص کو فعل مختار بنایا فعل مختاری درخود جب تک کچھ اس سے ظہور نہ ہووے قابل مواخذہ کے نہیں لہٰذا وہ درحقیقت بری بھی نہیں بلکہ بھلی ہے اور سبب اولیٰ اگر اس میں دخل دیوے تو فعل مختاری کا نقیض ہو جاوے۔ یہ خود اس کے منصوبہ فعل مختار بنانے سے بعید ہے۔ اس کے معنے ہم نے کر دیئے ہیں کہ فرعون کا دل کیونکر سخت کر دیا ہم نے اِس کے معنے پہلے عرض کر دیئے یعنی یہ کہ اس کو بدی کرنے سے روکا نہیں اور اپنے فضل کا ہاتھ اُس سے اٹھا لیا اسی طرح سے اس کا دل سخت ہو گیا۔ پھر اس میں خدا تعالیٰ نے کچھ نہیں کیا مگر اجازت روکنے کی نہیں دی اس کو ہمارے ہاں پرمشن کہتے ہیں اور یہ کلام مجاز ہے کہ ان کو آنکھیں دیکھنے کی نہیں دیں یا کان سننے کے نہیں دیئے جس سے یہ مراد ہوئی کہ آنکھ اور کان رکھتے ہوئے جب وہ نہیں دیکھتے اور نہیں سنتے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو روکا نہیں ایسا ہی کلام مجاز یہ ہے کہ جس طرح باپ اپنے لڑکے سے ناراض ہو کر کہتا ہے کہ تو مر جائے

﴿۱۴۲﴾

اس کے معنے یہ نہیں کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ مر جائے بلکہ یہ کہ اس کے افعال سے وہ ناراض ہے۔

(۵) میں نے دیکھا تھا کہ سوال چھوٹا ہے اور گنجائش دو کی ہے تو میں نے دو سوال کر دیئے۔ آپ جب چاہیں اس کا جواب دیویں ہم آپ کو اس میں عاجز نہ سمجھیں گے کہ آپ نے اسی وقت اس کا جواب نہیں دیا اور پھر جب آپ جواب چاہیں گے اس کا تکرار بھی کر دیں گے۔

(۶) آپ جو ان وعدوں میں کفارہ کا ذکر پوچھتے ہیں جو مسیح نے باب ۵ متی میں دیئے اس میں بڑا تعجب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کیا سارے مضامین ایک ہی جگہ جمع کئے جاتے ہیں۔ اگر اس جگہ میں ذکر نہیں تو بہت جگہوں میں ذکر ہے جن کے حوالہ ہم بار بار دے چکے آپ کے ذمہ یہ تھا کہ دکھلاویں کہ کفارہ کی نفی ان میں ہے۔ آپ اپنا بار ثبوت دوسرے پر کس لئے ڈالتے ہیں۔

(۷) اگر آپ نے رحم بلا مبادلہ کو قانون قدرت اور آیات قرآنی اور کتب مقدسہ سے رد کر دیا ہے تو بس خوشی ہوئی ان امروں کا جب چھپ جائیں گے ہر ایک بجائے خود انصاف کر لے گا۔ ہم جو دلائل اِس کے دے چکے ہیں ان کا تکرار بار بار ہر وقت پانی بلونے کی جانتے ہیں۔

(۸) مسئلہ تثلیث کے بارہ میں جو ہم نے دلائل دیئے ہیں جب تک اُن کا ردّ آپ کی طرف سے مدلل ہو کے نہ آوے تو ہم اس پر توجہ نہیں کر سکتے۔ آپ نے یہ عادت اختیار فرمائی ہے کہ ثبوت کی طرف توجہ نہ کرنا اور پھر اُسی امر کا تکرار کر دینا۔

(۹) مجھے افسوس یہ ہے کہ آپ میرے سوالات کا جواب نہیں دیتے ہیں او نہ میرے جوابات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں آج بھی ہمارا ایک سوال یہ پڑا ہے کہ انجیل کے رُو سے مریم کے پاس جبرائیل کا آنا آپ مانتے ہیں یا نہیں اور کہ مسیح کی پَیدائش معجزہ ہی کو تسلیم کرتی ہے یا نہیں۔ لیکن آپ نے اِس طرف کچھ توجہ نہیں فرمائی۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

﴿۱۴۳﴾

گیارھواں پرچہ

مباحثہ۲۔ جون ۱۸۹۳ء

روئیداد جلسہ

آج مرزا صاحب نے ۶ بجے ۹ منٹ پر جواب لکھوانا شروع کیا اور ۷ بجے ۹ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۴۰ منٹ پر جواب لکھوانا شروع کیا اور آٹھ بجے ۴۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۹ بجے ایک منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۱۰ بجے ایک منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعدازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلسوں کے دستخط ہو کے جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

۳[1]۔ جوان ۱۸۹۳ء وقت ۶/۱۰

پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ ’’بے حدی سے خالی ہونا تو کسی کا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ مسیح اِس سے خالی رہے یعنی مسیح روح القدس کے نزول سے پہلے بھی مظہر اللہ ہی تھا کیونکہ عام معنوں سے تو تمام مخلوقات مظہر اللہ ہے۔‘‘ جواب مَیں کہتا ہوں کہ آپ کا اَب بھی وہی اقرار ہے کہ خاص طور پر مسیح مظہر اللہ نزول روح القدس کے بعد ہوئے اور پہلے اوروں کی طرح عام مظہر تھے۔ اور پھر ڈپٹی صاحب موصوف تین اقنوم کا ذکر فرماتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ آپ کا ذکر بے ثبوت ہے آپ نے اس پر کوئی عقلی دلیل نہیں دی۔

[1] نقل مطابق اصل: صحیح تاریخ ۲؍جون ہے۔ ناشر

اور یوں تو ہر ایک نبوت کے سلسلہ میں تین جزؤں کا ہونا ضروری ہے اور آپ صاحبوں کی یہ خوش فہمی ہے کہ اُن کا نام تین اقنوم رکھا۔ رُوح القدس اسی طرح حضرت مسیح پر نازل ہوا جس طرح قدیم سے نبیوں پر نازل ہوتا تھا جس کا ثبوت ہم دے چکے نئی بات کونسی تھی۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں بھی پہلے لکھا ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ گویہ بات سچ ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِلَیۡہِ یُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ کُلُّہٗ[1] [12] خدا تعالیٰ کی طرف ہی ہر ایک امر رجوع کرتا ہے مگر اِس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اِس سے انسان کی مجبوری لازم آتی ہے غلط فہمی ہے۔ یوں تو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا ہے کہ مَیں مینہ برساتا ہوں اور برق و صاعقہ کو پیدا کرتا ہوں اور کھیتیاں اگاتا ہوں مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسباب طبعیہ مینہ برسنے اور رعد و برق کے پَیدا ہونے کے جو ہیں اس سے اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے۔ بالکل فضول ہے۔ کیونکہ یہ مراتب بجائے خود بیان فرمائے گئے ہیں کہ یہ تمام چیزیں اسباب طبعیہ سے پَیدا ہوتے ہیں۔ پس اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ایسے بیانات سے کہ میرے حکم سے بارشیں ہوتی ہیں اور میرے حکم سے کھیتیاں اُگتی ہیں اور برق و صاعقہ پیدا ہوتا ہے اور پھل لگتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور ہر ایک بات میرے ہی قبضہ اقتدار میں اور میرے ہی امر سے ہوتی ہے۔ یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ سلسلہ کائنات کا مجبور مطلق ہے بلکہ اپنی عظمت اور اپنا علت العلل ہونا اور اپنا مسبب الاسباب ہونا مقصود ہے کیونکہ تعلیم قرآنی کا اصل موضوع توحید خالص کو دُنیا میں پھیلانا اور ہر ایک قسم کے شرک کو جو پھیل رہا تھا مٹانا ہے۔ اور چونکہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے وقت عرب کے جزیرہ میں ایسے ایسے مشرکانہ عقائد پھیل رہے تھے کہ بعض بارشوں کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے اور بعض دہریوں کی طرح تمام چیزوں کا ہونا اسباب طبعیہ تک محدود رکھتے تھے۔ اور بعض دو خدا سمجھ کر اپنے ناملائم قضا و قدر کو اھرمن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اِس لئے یہ خدا تعالیٰ کی کتاب کا فرض تھا جس کے لئے وہ نازل ہوئی کہ اُن خیالات کو مٹادے اور ظاہر کرے کہ اصل علّت العلل

﴿۱۴۴﴾

[1] ھود: ۱۲۴

اور مسبب الاسباب وہی ہے اور بعض ایسے بھی تھے جو مادہ اور رُوح کو قدیم سمجھ کر خدا تعالیٰ کا علّت العلل ہونا بطور ضعیف اور ناقص کے خیال کرتے تھے۔ پس یہ الفاظ قرآن کریم کے کہ میرے ہی امر سے سب کچھ پَیدا ہوتا ہے۔ توحید محض کے قائم کرنے کے لئے تھے۔ ایسی آیات سے انسان کی مجبوری کا نتیجہ نکالنا **تفسیر القول بما لا یرضی به قائله** ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت پر نظر ڈال کر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آزادی اور عدم مجبوری جس کا ڈپٹی صاحب موصوف دعویٰ کر رہے ہیں دُنیا میں پائی نہیں جاتی بلکہ کئی قسم کی مجبوریاں مشہود و محسوس ہو رہی ہیں۔ مثلاً بعض ایسے ہیں کہ اُن کا حافظہ اچھا نہیں وہ اپنے ضعیف حافظہ سے بڑھ کر کسی بات کے یاد کرنے میں مجبور ہیں بعض کا متفکرہ اچھا نہیں وہ صحیح نتیجہ نکالنے سے مجبور ہیں۔ بعض بہت چھوٹے سر والے جیسے وہ لوگ جنہیں دولہ شاہ کا چُوہا کہتے ہیں ایسے ہیں کہ وہ کسی امر کے سمجھنے کے قابل نہیں۔ ان سے بڑھ کر بعض دیوانے بھی ہیں اور خود اِنسان کے قویٰ ایک حد تک رکھے گئے ہیں جس حد سے آگے وہ کام اُن سے نہیں لے سکتے۔ یہ بھی ایک قسم کی مجبوری ہے۔

﴿۱۴۵﴾ پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ خیر اور شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے افسوس کہ ڈپٹی صاحب کیسے صحیح معنے سے پھر گئے۔ واضح ہو کہ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ شر کو بحیثیت شر پیدا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے۔ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ [1] یعنی اے شیطان شر پہنچانے والے میرے بندوں پر تیرا تسلّط نہیں بلکہ اِس فقرہ کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک چیز کے اسباب خواہ وہ چیز خیر میں داخل ہے یا شر میں خدا تعالیٰ نے پَیدا کی ہیں۔ مثلاً اگر شراب کے اجزاء جن سے شراب بنتی ہے موجود نہ ہوں تو پھر شرابی کہاں سے شراب بنا سکیں اور پی سکیں لیکن اگر اعتراض کرنا ہے تو پہلے اس آیت پر اعتراض کیجئے کہ۔ ’’سلامتی کو بناتا اور بلا کو پَیدا کرتا ہے۔‘‘ یسعیا ۴۵/۷۔

پھر آگے ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔ توریت میں ایسا کوئی حکم نہیں کہ دوزخ کیلئے خُدا نے کسی کو مجبور کیا ہے۔ اِس کا یہی جواب ہے کہ فرعون کا دِل خدا نے سخت کیا آپ اِس کو مانتے ہیں۔ پھر انجام فرعون کا اِس سخت دلی سے جہنّم ہوا یا بہشت نصیب ہوا۔ پھر دیکھو امثال

[1] الحجر: ۴۳

آپ کا خدا تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔ خداوند نے ہر ایک چیز اپنے لئے بنائی ہاں شریروں کو بھی اُس نے بُرے دن کیلئے بنایا [۱۶:۳]۔ اب دیکھئے یہ تو گویا اقبالی ڈگری کی طرح آپ پر الزام وارد ہو گیا کہ شریر دوزخ کیلئے بنائے گئے کیونکہ وہی تو بُرا دِن ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن میں اگرچہ اختیار کی بھی تعلیم ہے مگر پھر مجبوری کی بھی تعلیم اور یہ ایک دُوسری کی نقیض ہیں اِس کے جواب میں مَیں لکھ چکا ہوں کہ آپ خلط مقاصد کرتے ہیں۔ جہاں آپ کو مجبوری کی تعلیم معلوم ہوتی ہے وہاں مذاہبِ باطلہ کا ردّ مقصود ہے اور ہر ایک فیض کا خُدا تعالیٰ کو مبدا اقرار دینا مدِّ نظر ہے۔

اور آپ فرماتے ہیں کہ شیطان جو حضرت مسیح کو لے گیا اُس میں کیا مجبوری تھی۔ جواب یہی ہے کہ نُور سے ظلمت کی پَیروی کرائی گئی۔ نور بالطّبع ظلمت سے جُدا رہنا چاہتا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگر اختیار کو مانا جائے تو پھر خُدا تعالیٰ کا علت العلل قرار دینا لغو ہے آپ کی تقریر کا یہ خلاصہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بکلی خدا تعالیٰ کو معطل کر کے پورا پورا اقتدار اور اختیار چاہتے ہیں جبکہ ہمارے قویٰ اور ہمارے جوارح کے قویٰ اور ہمارے خیالات کے مبلغ علم پر اُس کی خدائی کا تسلط ہے وہ کیونکر معطّل ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو علّت اور معلولات کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اور صانع حقیقی کی شناخت کرنے میں بہت سا فتور آئے گا اور دُعا کرنا بھی لغو ہوگا۔ کیونکہ جبکہ ہم پورا اختیار رکھتے ہیں تو پھر دعا بے فائدہ ہے۔ آپ کو یاد رہے کہ خدا تعالےٰ کو علّت العلل ماننا مستلزم مجبوری نہیں یہی ایمان ہے یہی توحید ہے کہ اِس کو علت العلل مان لیا جاوے اور اپنی کمزوریوں کے دُور کرنے کے لئے اِس سے دُعائیں کی جائیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ کہ اُن کو آنکھیں دیکھنے کے لئے نہیں دیں۔ مجاز ہے۔ حضرت اگر یہ مجاز ہے تو پھر کہاں سے معلوم ہوا کہ دِلوں پر مُہر لگانا اور آنکھوں پر پَردہ ڈالنا حقیقت ہے۔ کیا اِس جگہ آپ کو مُہریں اور پَردے نظر آ گئے ہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگر آپ نے رحم بلا مبادلہ کو ردّ کر دیا ہے تو بس خوش ہو جیئے۔ افسوس ابھی تک آپ میری بات کو نہ سمجھے یہ تو ظاہر ہے کہ عدل کا مفہوم جانبین کے حقوق کو قائم کرتا ہے یعنی اِس سے لازم آتا ہے کہ ایک خدا تعالیٰ کا بندہ پر حق ہو جس حق کا وہ مطالبہ کرے اور ایک بندہ کا خدا تعالیٰ پر

﴿۱۴۶﴾

حق ہو جس حق کا وہ مطالبہ کرے۔ لیکن یہ دونوں باتیں باطل ہیں کیونکہ بندہ کو خدا تعالیٰ نے عدم محض سے پیدا کیا ہے اور جس طرح چاہا بنایا۔ مثلاً انسان یا گدھا یا بیل یا کوئی کیڑا مکوڑا۔ پھر حق کیسا۔ اور خدا تعالیٰ کا حق اگرچہ غیر محدود ہے مگر مطالبہ کے کیا معنی۔ اگر یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کو بندوں کی فرمانبرداری کی ضرورتیں پیش آ گئی ہیں اور تب ہی اس کی خدائی قائم رہتی ہے کہ ہر ایک بندہ نیک اور پاک دل ہو جائے ورنہ اس کی خدائی ہاتھ سے جاتی ہے۔ یہ تو بالکل بے ہودہ ہے کیونکہ اگر تمام دنیا نیک بن جائے تو اس کی خدائی کچھ بڑھ نہیں سکتی۔ اور اگر بد بن جائے تو کچھ کم نہیں ہو سکتی۔ پس حق کو بحیثیت حق قرار دے کر مطالبہ کرنا چہ معنی دارد۔ پس اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو غنی بے نیاز ہے اور اس سے برتر ہے کہ اپنی ذاتی حاجت سے کسی حق کا مطالبہ کرے۔ خود بندہ کے فائدہ کے لئے اور اپنی مالکیّت اور خالقیّت اور رحمانیّت اور رحیمیّت کے ظاہر کرنے کے لئے یہ سارا سامان کیا ہے۔ اول ربوبیّت یعنی خالقیّت کے تقاضا سے دنیا کو پیدا کیا پھر رحمانیّت کے تقاضا سے وہ سب چیزیں انکو عطا کیں جن کے وہ محتاج تھے۔ پھر رحیمیّت کے تقاضا سے ان کے کسب اور سعی میں برکت ڈالی اور پھر مالکیّت کے تقاضا سے ان کو مامور کیا۔ اور امر معروف اور نہی منکر سے مکلّف ٹھہرایا اور اس پر وعید اور مواعید لگا دیئے۔ اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کیا کہ جو شخص بعد معصیت کے طریق ایمان اور توبہ و استغفار کا اختیار کرے۔ وہ بخشا جائے گا۔ پھر اپنے وعدوں کے موافق روز حشر میں کاربند ہو گا اس جگہ رحم بلا مبادلہ کا اعتراض کیا تعلق رکھتا ہے اور قائمی حقوق کا اور خدا تعالیٰ سے متکبرانہ طور پر عدل کا خواستگار ہونا کیا علاقہ رکھتا ہے۔ سچی فلاسفی اس کی یہی ہے جو سورۂ فاتحہ میں بیان فرمائی گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اب دیکھئے رحمٰن اور رحیم کے بعد بظاہر یہ سمجھا جاتا تھا کہ العادل کا لفظ لانا ان صفات کے مناسب حال ہے کہ رحم کے بعد عدل کا ذکر ہو لیکن خدا تعالیٰ نے عدل سے عدول کر کے اپنی صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

﴿۱۴۷﴾

ٹھہرائی تا معلوم ہو کہ حقوق کا مطالبہ اس سے جائز نہیں اور اس سے کوئی اپنے حق کا خواستگار نہیں ہوسکتا اور نہ وہ حاجت مند ہے کہ بحیثیت ایک ایسے حقدار کے جو بغیر وصول حق کے مرا جاتا ہے بندوں سے فرمانبرداری چاہتا ہے بلکہ بندوں کی عبادتیں اور بندوں کی طاعتیں درحقیقت انہیں کے فائدہ کے لئے ہیں جیسا کہ طبیب نسخہ کسی بیمار کے لئے تجویز کرتا ہے تو یہ بات نہیں کہ اس نسخہ کو طبیب آپ پی لیتا ہے یا اس سے کوئی حظ اٹھاتا ہے یا کہ وہ بیمار کی بھلائی کے لئے ہے۔ اور پھر بعد اس کے آپ نے اسلام کے جہاد پر اعتراض کیا ہے مگر افسوس کہ آپ نے اسلامی جہاد کی فلاسفی کو ایک ذرہ بھی نہیں سمجھا اور آیات کی ترتیب کو نظر انداز کر کے بے ہودہ اعتراض کر دیئے ہیں۔

واضح رہے کہ اسلام کی لڑائیاں ایسے طور سے نہیں ہوئیں کہ جیسے ایک زبردست بادشاہ کمزور لوگوں پر چڑھائی کر کے ان کو قتل کر ڈالتا ہے بلکہ صحیح نقشہ ان لڑائیوں کا یہ ہے کہ جب ایک مدت دراز تک خدا تعالیٰ کا پاک نبی اور اس کے پیرو مخالفوں کے ہاتھ سے دکھ اٹھاتے رہے چنانچہ ان میں سے کئی قتل کئے گئے اور کئی برے برے عذابوں سے مارے گئے یہاں تک کہ ہمارے نبی صلعم کے قتل کرنے کے لئے منصوبہ کیا گیا اور یہ تمام کامیابیاں ان کے بتوں کے معبود برحق ہونے پر حمل کی گئیں اور ہجرت کی حالت میں بھی آنحضرت **صلعم** کو امن میں نہ چھوڑا گیا بلکہ خود آٹھ پڑاؤ تک چڑھائی کر کے خود جنگ کرنے کے لئے آئے تو اس وقت ان کے حملہ کے روکنے کے لئے اور نیز ان لوگوں کو امن میں لانے کے لئے جو اُن کے ہاتھ میں قیدیوں کی طرح تھے اور نیز اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہ ان کے معبود جن کی تائید پر یہ سابقہ کامیابیاں حمل کی گئی ہیں لڑائیاں کرنے کا حکم ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿۱۴۸﴾

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ [1] ۱۹

پھر فرماتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ [2] الی آخرہ ۵/۷

[1] الانفال: ۳۱ [2] النساء: ۷۶

پھر فرماتا ہے۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا[۱] ۲/۸

پھر فرماتا ہے۔ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا[۲] ۲/۱۰

پھر فرماتا ہے۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ[۳] ۲/۱۷

پھر فرماتا ہے۔ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ[۴] س ۱۴ اخیر رکوع

پھر فرماتا ہے۔ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ[۵] ۲۱/۱۸

پھر فرماتا ہے۔ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ[۶] ۴/۱

پھر فرماتا ہے۔ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ[۷] ۱۰/۸

اب ترجمہ کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ اور اگر یہ سوال ہو کہ کفار نے کیسے ہی دکھ دیئے تھے مگر صبر کرنا چاہیئے تھا تو اس کا یہ جواب ہے کہ وہ اپنی کامیابیوں کو اپنے لات وعزیٰ بتوں کی تائیدات پر حمل کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم اس سے بھرا پڑا ہے حالانکہ وہ صرف ایک مہلت کا زمانہ تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ یہ ثابت کرے کہ جیسے ان کے بت قرآن کریم کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں ایسا ہی تلوار کے ساتھ کامیاب کرا دینے سے بھی عاجز ہیں۔ سو جس قدر اسلام میں ان پر حملے کئے گئے اول مقصد ان کفار کے بتوں کا عاجز ہونا تھا اور یہ ہرگز نہیں کہ ان لڑائیوں میں کسی قسم کا یہ ارادہ تھا کہ قتل کی دھمکی دے کر ان لوگوں کو مسلمان کر دیا جائے بلکہ وہ طرح طرح کے جرائم اور خونریزیوں کے سبب سے پہلے سے واجب القتل ہو چکے تھے اور اسلامی رعایتوں میں سے جو ان کے ساتھ رب رحیم نے کیں ایک یہ بھی رعایت تھی کہ اگر کسی کو توفیق اسلام نصیب ہو تو وہ بچ سکتا ہے۔ اس میں جبر کہاں تھا عرب پر تو انہیں کے سابقہ جرائم کی وجہ سے فتویٰ قتل کا ہو گیا تھا۔ ہاں باوجود اس کے یہ رعایتیں بھی تھیں کہ ان کے بچے نہ مارے جائیں ان کے بڈھے نہ مارے جائیں ان کی عورتیں نہ ماری جائیں اور ساتھ اس کے یہ بھی رعایت کہ بصورت ایمان لانے کے وہ بھی نہ مارے جائیں۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح — دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک

پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام — پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

۱ البقرة:۱۹۱ ۲ البقرة:۲۱۸ ۳ البقرة:۲۵۲ ۴ النحل:۱۲۷ ۵ الاحزاب: ۱۱ ۶ ال عمران: ۱۰۰
۷ التوبة: ۱۳

﴿۱۴۹﴾

بیان ڈپٹی صاحب عبداللہ آتھم
۲۔ جون ۱۸۹۳ء
وقت ۷/۴۰

جواب اول عرض ہے کہ میں نے نہیں کہا کہ مظہر اللہ ہے بلکہ یہ کہا کہ اقنوم ثانی اور انسانیّت کا باہم علاقہ رہا ہے۔ مظہر اللہ تو تب ہی ظاہر ہوئے کہ جب مسیح ہوئے۔ یعنی ۳۰ برس کی عمر میں۔
دوم۔ کافی ثبوت تثلیث کا دیا گیا ہے عقل سے امکان اور کلام سے وقوعہ اس کا۔ اگر آپ نہیں مانتے تو طبع ہونے کے بعد ہر ایک بجائے خود انصاف کر لے گا۔
سوم۔ کسی نبی کے اوپر بشکل مجسم کبوتر کی مانند روح نازل ہوا۔ پھر آپ کوئی نشان نہیں دیتے کہ کون سا نبی اس کے مساوی ہے۔ اور ناحق کی حجت پیش کرتے ہیں۔
چہارم۔ میں نے جو آیت سند کی پیش کی ہے اس میں مسلمانوں کا تذکرہ یہ تھا کہ کیا کوئی بھی امر ہمارے ہاتھ میں ہے۔ جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ سب امر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ امر کے معنے جو حکم کے جناب نے کئے ہیں۔ امور جس کا جمع ہے وہ بھی امر ہے یعنی کام۔ تو معنے یہ ہوئے کہ ہر کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بالضرور فعل مختاری انسان میں مداخلت ہے۔
جناب مرزا صاحب آپ جو حوالہ اشیاء مخلوق و مثل کھیتی و پانی وغیرہ کے دیتے ہیں وہ اختیار و نا اختیاری کی مثال نہیں۔ میں جناب کو یہ الزام نہیں دیتا کہ جناب فریب دیتے ہیں مگر فریب کھاتے ضرور ہیں۔
پنجم۔ توحید کا ثبوت اس سے کچھ نہیں ہوتا کہ سبب اولیٰ ہو کر خدا تعالیٰ سبب ثانی کے واسطے کچھ گنجائش باقی نہ رکھے سبب اولیٰ اگر قادر مطلق ہے تو دوسرے کو فعل مختار بھی پیدا کر سکتا ہے اور جب فعل مختار بنا دیا تو اس کی فعل مختاری میں مداخلت کرنا اس کے منصوبہ بنانے کے برخلاف ہے۔
ششم۔ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ فعل مختاری انسان کی لاحد ہے مگر اپنے حدود میں وہ

فعل مختار مطلق ہے اور اس کا انکار آپ عبث کرتے ہیں۔

ہفتم۔ یسعیا کا بیان کہ وہ سلامتی اور بلا پیدا کرتا ہے فعل مختاری کے برخلاف کچھ نہیں۔ نہ معلوم جناب نے کیوں حوالہ اس آیت کا دیا۔ فرعون کا دل سخت کیونکر ہوا۔ ہم نے اس کی شرح کل کردی ہے یعنی اس کو جب شرارت سے نہ روکا اور فضل کا ہاتھ پرے کرلیا تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ خواہ نخواہ سخت دل ہوگیا۔ کیا جناب اس امر کو نہیں سمجھتے کہ کرنے اور ہونے دینے میں بڑا فرق ہے۔ انگریزی میں صاف فرق ہے کہ کمشن اس کو کہتے ہیں کہ خود کرے اور پرمشن اس کو کہتے ہیں کہ ہونے دے۔ تو ہونے دینے کا کیا الزام مساوی اس کے ہے کہ اس نے کیا۔ اور اگر ایسا ہی الزام ہو تو صحیح نہیں ہوسکتا۔ ﴿۱۵۰﴾

ہشتم۔ آپ کی تیسری مثل میں کہ شریروں کو اپنے لئے بنایا اس کا مطلب صاف ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ شریر ہونے دیا۔ یہ بھی وہی پرمشن ہے نہ کہ کمشن۔ کلام مجازی کو اور عامہ کو چھوڑ کے آپ فلاسفی میں کس لئے گھستے ہیں۔ کیا عوام سے جناب کلام اسی طرح پر کرتے ہیں کہ ہر ایک لفظ اس کا فلوز افیکل ہووے یعنی مطابق فلاسفی کے۔ تاہم وہ آیت جو زیر داب تنازعہ کے ہے۔ اس میں اصول قائم کیا گیا ہے کہ گویا خدا فرماتا ہے کہ ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے اور اس اصول کا بیان اس فروع پر ہے۔ جو کہتے تھے کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہاں یہ کلیہ کبریٰ ہے اور قیاس مردمان صغریٰ ہے۔ نتیجہ جو اس کا ہے آپ انصاف کرلیجئے۔

نہم۔ مسیح بہ نسبت اپنی انسانیت کے سارے فرائض الٰہی ادا کرنے والا ہے پس وہ امتحان بھی دے گا اور شیطان سے آزمایا بھی جائے گا۔ لہٰذا کیا ضرور ہے کہ اس امر کو اختیار و نا اختیاری کی بحث میں داخل کیا جائے۔

دہم۔ نہ ہم نے کہیں خدا کے اختیار کو کسی حد میں قید کیا مگر وہ قیود جو ہر صفت پر اس کے خاصہ سے لازمی ہے۔ مثلاً ہم اس کو قادر مطلق کہتے ہیں۔ اس کے معنے یہ نہیں ہوسکتے کہ وہ نقیضین کو آن واحد میں جمع بھی کرسکتا ہے کیونکہ اجماع نقیضین دوسرا نام بطلان کا ہے اور بطلان کوئی صفت نہیں چاہتا ہے کہ جو اس کو بناوے۔ مگر صرف کھانا صداقت کا تو قادر مطلق کے یہ معنے ہیں کہ جو ممکن ہے اس کو بناوے اور جو ناممکن ہے اس کے بنانے کی احتیاج کچھ نہیں وہ تو صرف جھوٹ بولنے

سے ہوسکتا ہے۔ واضح ہو کہ جیسا ہم قدرت الٰہی کو حدود نا مناسب میں قید نہیں کرتے ویسے ہی فعل مختاری انسان کی حدود نا مناسب میں قید نہیں ہوسکتی۔

یازدہم۔ پورے اختیار پر دعا بے فائدہ ہے اس کے معنے یہ ہوئے کہ ہم علم وقدرت بھی اس کے ساتھ بے حد رکھتے ہوں۔ لیکن ہم نے کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ مگر یہ کہ اس کا علم اور اس کی قدرت اور اس کا اختیار کل محدود ہیں۔ پس آپ کے فرائض ومسلمات محض خیالی ہیں۔

دوازدہم۔ ہم نے کبھی نہیں کہا کہ دلوں پر آنکھوں پر مہر کرنا کلام مجازی نہیں تو ہم پر اس کا اعتراض کیا ہے۔

سیزدہم۔ ہم بالکل تسلیم کرتے ہیں کہ خداتعالیٰ کی ذات **مستغنی الذّات** مطلق ہے۔ لیکن وہ وہیں تک آزاد ہے کہ جہاں تک اس کی ساری صفات بالاتفاق اجازت دیں۔ چنانچہ اگر وہ کسی پر ظلم کرنے کو چاہے تو چاہیئے کہ عدل اس کا مانع ہوگا۔ یا کسی کے ایذاء ناحق میں وہ خوش ہووے تو صفت گڈنس کی اس کے مانع ہوگی۔ **علیٰ ھذا القیاس** بہت ہی صفات متبرکہ اس کی ہیں جو ان کلیوسب ہو کر چل سکتی ہیں اور اکس کلیوسب ہو کر نہیں چل سکتیں جیسا کہ اگر ایک صفت کچھ کام کرتی ہے تو ساری بالاتفاق اس کی مدد ہیں۔ گو ظہور خاص اس ایک کا ہے جو کام کر رہی ہے۔ اور اگر کوئی صفت کام کرتی ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اٹنک ہے اور کوئی صفت اس کے ساتھ نہیں اور مخالف ہونا تو نعوذ باللہ دو صفات میں کہیں بھی جائز نہیں کہ ایک دوسری کی مخالف ہو۔

﴿۱۵۱﴾

چہاردہم۔ اول تو جناب ہمیشہ ان دو صفات کی تمیز کے بارہ میں جو ایک رحم ہے دوسری گڈنس لاعلمی دکھلاتے ہیں۔ اور تمیز اس میں یہ ہے کہ رحم کسی مواخذہ اور تکلیف پر آتا ہے اور گڈنس صرف اپنے متعلقین کو خوشنود رکھنے کے واسطے ہوتا ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں پکڑا ہوا ہووے اس کی رہائی کے واسطے رحم کی صفت ہے اور اگر کوئی اپنے جانوروں کو بھی بہرحال خوش رکھنے چاہتا ہے اور ان غذاؤں سے جن کے وہ لائق ہیں عمدہ تر غذائیں وہ ان کو دیتا ہے یہ گڈنس کے باعث ہے۔ چنانچہ اس لفظ

گڈنس کا داؤد نبی نے ذکر کیا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ ارے آؤ۔ چکھو۔ دیکھو کہ یہی بھلا ہے۔ اب عدالت کا کام یہ ہے کہ جس وقت گناہ سرزد ہووے اس کا تدارک فرماوے اور رحم اس ماقبل نہیں مگر مابعد اس تدارک ومواخذہ سے رہائی کرنے کو آوے۔ اور جب تک کوئی گناہ صادر نہیں ہوا۔ جو بھلائی اس سے کی جاتی ہے وہ مطابق گڈنس کے کی جاتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جو شئے عدم سے بوجود آئی ہے اس کا اپنے خالق پر یہ حق ہے کہ اس سے کہے فلانا دکھ مجھ کو کیوں ہوا کہ تو عادل اگر ہے اس بات کا عدل کر۔ بکری جو ذبح کی جاتی ہے اس کے واسطے یہ عذر کافی نہیں کہ تیرا خالق و مالک ہوں۔ تھوڑی سی ایذاء میں دوسروں کی معیشت کے واسطے تجھے دیتا ہوں تو ناحق کی شاکی نہ ہو۔ لے۔ عدل یہ نہیں چاہتا ہے کہ کسی کو ایذا ہووے جس کا وہ مستوجب نہیں یا کہ وہ ایذا اس کے واسطے کچھ زیادہ خوبی پیدا نہ کرے اور اسی لئے ہم نے اقسام دکھ تین بیان کر دیئے ہیں کہ جن کو آپ مٹا نہیں سکتے اور آپ پھر دکھ کو ایک ہی قسم کا تصور فرما کر آپ خالقیت اور مالکیت کے برقعہ میں اس کو ہر لائق و نالائق امر کی اجازت کس طرح دے سکتے ہیں۔ ہم نے بار بار جناب کو کہا کہ عدالت وصداقت غیر مفید الظہور نہیں ہوسکتی۔ پھر کس لئے تقاضائے عدل کا لحاظ آپ چھوڑتے ہیں کیا آپ کے چھوڑنے سے عدل بھی اس کو چھوڑ دے گا۔ یقیناً جب تک اس کا تقاضا پورا نہ ہو رحم نہ ہو سکے گا۔ ﴿۱۵۲﴾

پانزدہم۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں بقول آپ کے عدل کو عدول نہیں فرمایا اور نہ رحم کو عدل پر غالب کیا۔ بلکہ وہاں رحم کا آسرا لوگوں کو دلایا ہے اور یہ بجا ہے۔ باقی جو جناب خوش فہمیاں فرماویں آپ کا اختیار ہے۔

شانزدہم۔ یہ تو حق ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے چاہتا ہے کہ وہ ایسا یا ویسا کرے وہ اس کے فائدہ کے لئے بھی ہے۔ مگر اس سے حقوق الٰہی کا رد کرنا غلط ہے کیا کچھ حقوق الٰہی بھی عباد اللہ کے اوپر ہیں۔ اگر نہیں تو گناہوں میں کیا ہرجہ خدا تعالیٰ کا ہے تو پھر کس لئے وہ تیغ عدل سے اس کو ڈرایا چاہتا ہے۔ جب ہرجہ ہی کچھ نہیں تو پھر سزا کس لئے ہو۔

تنبیہ پدری واسطے بھلائی پسر کے تو ہوتی ہے۔ لیکن سزا کا لفظ کیا بے معنے مطلق ہے تنبیہ کا مخرج رحم سے ہے اور سزا کا مخرج عدل سے۔ چنانچہ ہم بھی اپنے بچوں کو تنبیہہ کرتے مارتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مر ہی جائیں۔ اور جب ناخلف کر کے نکال دیں تو اس کا مطلب سزا ہے۔ یہ تیرے اعمال کی پاداش ہے۔ تو پس ان دو امر میں تمیز موجود ہے تو ان کو نظر انداز کس لئے کیا جائے۔

ہفدہم۔ اسلام کی لڑائیاں بہت قسم کی تھیں ہم تسلیم کرتے ہیں چنانچہ دافعیہ۔ انتقامیہ انتظامیہ وغیرہ۔ لیکن جو آیت داب مناظرہ میں ہے اس کی وجہ یہ دی گئی ہے کہ مارو ان کو جو اللہ و قیامت کو نہ مانیں اور حرام و حلال کا لحاظ نہ کریں۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریذیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک پریذیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

﴿۱۵۴﴾

بیان حضرت مرزا صاحب
۲۔ جون ۱۸۹۳ء

ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ مظہریت سے پہلے اقنوم ثانی کا علاقہ تھا مگر ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے جب تک وہ انجیل کی صریح عبارت پیش نہ کریں کہ مظہریت بعد میں آئی۔

اور اقنوم ثانی کا پہلے سے علاقہ تھا۔ اور پھر ان کا یہ فرمانا کہ عقل سے امکان تثلیث ہم نے ثابت کر دیا ہے اور کلام سے وقوعہ ثابت ہو گیا ہے۔ یہ دونوں ابھی تک دعویٰ ہی دعویٰ ہیں۔ ناظرین ان کے جوابات کی اوراق گردانی کر کے دیکھ لیں کہ کہاں عقل کے رو سے امکان **تثلیث** ثابت کر دیا ہے؟ عقل کا فیصلہ تو ہمیشہ کلی ہوتا ہے۔ اگر عقل کی رو سے حضرت مسیح کے لئے داخل تثلیث ہونا روا رکھا جائے تو پھر عقل اوروں کے لئے بھی امکان اس کا واجب کرے گی۔

پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ کس نبی پر بشکل مجسم کبوتر کے روح القدس نازل ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر روح القدس کسی **عظیم الجثہ** جانور کی شکل پر جیسے ہاتھی یا اونٹ حضرت مسیح پر نازل ہوتا تو کچھ ناز کی جگہ تھی لیکن ایک چھوٹے سے پرند پر ناز کرنا اور اس کو بے مثل کہنا بے محل ہے۔ دیکھو حواریوں پر بقول ان کے **روح القدس** بطور آگ کے شعلوں کے نازل ہوا اور شعلہ کبوتر پر غالب ہے۔ کیونکہ اگر کبوتر شعلہ میں پڑے تو جل جاتا ہے۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ کون سا نبی مسیح کے مساوی ہے صرف اپنی خوش اعتقادی ظاہر کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا حضرت موسیٰؑ مسیحؑ سے بڑھ کر نہیں جن کے لئے بطور تابع اور مقتدی کے حضرت مسیح آئے اور ان کی شریعت کے تابع کہلائے۔ معجزات میں بعض نبی حضرت مسیحؑ سے ایسے بڑھے کہ بموجب آپ کی کتابوں کے ہڈیوں کے چھونے سے مردے زندہ ہو گئے اور مسیحؑ کے معجزات پراگندگی میں پڑے ہیں کیونکہ وہ تالاب جس کا یوحنا ۵ باب میں ذکر ہے۔ حضرت مسیح کے تمام معجزات کی رونق کھوتا ہے اور پیش گوئیاں کا تو آگے ہی بہت نرم اور پتلا حال ہے اور پھر کس عملی اور فعلی فضیلت کی رو سے حضرت مسیح کا افضل ہونا ثابت ہوا۔ اگر وہ ضمناً افضل ہوتے تو حضرت **یوحنا** سے اصطباغ ہی کیوں پاتے۔ اس کے روبرو اپنے گناہوں کا اقرار ہی کیوں کرتے اور نیک ہونے سے کیوں انکار کرتے اگر **الوہیت** ہوتی تو شیطان کو یہ کیوں جواب دیتے کہ لکھا ہے بجز خدا کے کسی اور کو سجدہ مت کر۔ اور آپ نے جو میرے اس بیان پر جرح فرمایا ہے کہ **قرآن شریف** میں یہ آیت درج ہے کہ تمہارے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ یہ آپ کی غلط فہمی تو نہیں مگر **تجاہل عارفانہ** ہے۔ میں کل کے بیان میں لکھا چکا ہوں کہ اس کے وہ معنے نہیں جو آپ کرتے ہیں بلکہ صرف اس قدر مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے امر اور حکم کے موافق چلنا چاہئے تمہیں کچھ بھی اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی دخل دو۔ اب دیکھئے کجا یہ بات کہ بندہ مجبور محض ہے اور کجا یہ بات کہ ایک موقعہ پر بعض لوگوں کو بے جا دخل سے روکا گیا۔ اور پھر میں کہتا ہوں چاہے آپ سنیں یا نہ سنیں کہ قرآن شریف نے بصراحت بارہا اس اختیار کا ذکر کر دیا ہے جس کی وجہ سے انسان مکلّف ہے لیکن دوسرے مقامات میں بعض **مذاہب باطلہ** کے رد کرنے کے لئے جو عرب میں موجود تھے

﴿۱۵۴﴾

یہ بھی کہا گیا کہ جیسا کہ تم لوگوں کا خیال ہے کہ اور اور معبود بھی کارخانہ الوہیت میں کچھ دخل رکھتے ہیں یہ غلط محض ہے ہر ایک امر کا مرجع اور مبدء خدا ہے اور وہی علت العلل اور مسبب الاسباب ہے۔ یہی غرض تھی جس کے لحاظ سے بعض اوقات خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بعض درمیانی وسائط اٹھا کر اپنے علت العلل ہونے کا ذکر کیا جیسے کہ کہا۔ ’’کشتی جو دریا میں چلتی ہے یہ ہمارا ہی احسان ہے‘‘۔ غرض اس جگہ ہم نے آپ کو کافی جواب دے دیا ہے کہ قرآن شریف پر جبر کا اعتراض نہیں ہوسکتا اور نہ ہم جبر یہ کہلاتے ہیں۔ آپ کو اب تک مسلمانوں کے عقیدہ کی بھی کچھ خبر نہیں۔ یہ بھی آپ نہیں جانتے جس حالت میں اللہ تعالیٰ چور کے ہاتھ کاٹنے کے لئے اور زانی کے سنگسار کرنے کے لئے قرآن کریم میں صاف حکم فرماتا ہے تو پھر اگر جبری تعلیم ہوتی تو کون سنگسار ہوسکتا تھا۔ قرآن شریف میں نہ ایک نہ دو بلکہ صدہا آیات انسان کے اختیار کی پائی جاتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں گے تو کوئی مکمل فہرست پیش کردی جائے گی اور اس قدر تو آپ خود بھی مانتے ہیں کہ انسان من کل الوجوہ مختار مطلق نہیں ﴿۱۵۵﴾ اور اس کے قویٰ اور جوارح اور دوسرے اسباب بیرونی اور اندرونی پر خدا تعالیٰ کی حکومت کا سلسلہ جاری ہے اور یہی مذہب ہمارا ہے تو پھر کیوں ناحق کج بحثی سے بات کو طول دیتے ہیں دیکھئے جب الزامی طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ توریت میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرعون کا دل سخت کردیا اور امثال میں لکھا ہے کہ شریر جہنم کے لئے بنائے گئے۔ تو آپ کیسی رکیک تاویلیں کرتے ہیں اور پھر تعجب کہ قرآن کریم کی آیات بیّنہ پر ایسی سخت گیری کررہے ہیں جس نے ایک ناکردہ تعصب کی حد تک آپ کو پہنچا دیا ہے۔ کسی کا یہ مقولہ ٹھیک ہے۔ ’’گر حفظ مراتب نہ کنی‘‘۔ قرآن شریف صرف ایک شق کے بیان کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ ایسے ایسے موقعوں پر دونوں شقوں کا بیان کرنا اس کا فرض ہے۔ کبھی برعایت اپنے علت العلل ہونے کے اپنے تصرفات کا حال بیان کرتا ہے اور کبھی بلحاظ انسان کے مکلّف بالاختیار ہونے کے اس کے اختیارات کا ذکر فرماتا ہے۔ پھر ایک بات کو دوسری بات میں دھسا دینا اور اپنے اپنے موقعہ پر چسپاں نہ رکھنا اگر تعصب نہیں تو اور کیا ہے۔ اور اگر اعتراض اسی کو کہتے ہیں تو ہم ایک ذخیرہ اس قسم کی آیات کا

آپ کی توریت و انجیل سے ایک فہرست مرتب کر کے پیش کر سکتے ہیں مگر ان فضول اور کج بحثیوں سے ہم کو سخت نفرت ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس مسئلہ میں بلا تفاوت توریت وانجیل اور قرآن کا لفظاً و معنًی پورا اتفاق ہے اور نزاع ایسے کھلے کھلے اتفاق میں ایک شرمناک جھگڑا ہے۔ دیکھئے کہ توریت کے لفظ یہ موجود ہیں کہ ''میں نے فرعون کا دل سخت کر دیا''۔ اب آپ ان لفظوں کو کاٹ کر اور نئے لفظ بنا کر یہ فرماتے ہیں کہ ''سخت نہیں کیا بلکہ اس کو شریر ہونے دیا''۔ حالانکہ پھر بھی مال ایک جا ٹھہرتا ہے۔ ایک شخص کے روبرو ایک بچہ کوئیں کے قریب بیٹھا ہے اور گرنے کو ہے اور وہ اس کو بچا سکتا تھا۔ اور اس نے نہ بچایا تو کیا اس کا قصور نہیں۔ بہرحال جب آپ لفظوں پر گرفت کرتے ہیں کیا ہمارا حق نہیں کہ ہم بھی گرفت کریں اگر قرآن کے لفظوں پر پکڑ ہو سکتی ہے تو ایسے ہی لفظ توریت میں بھی موجود ہیں۔ خاص کر امثال کا حوالہ آپ کی توجہ کے لائق ہے جس میں صاف لکھا ہے۔ ''میں نے شریروں کو برے دن کے لئے بنایا''۔ اب آپ یہ لکھاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ۔ ''میں نے شریروں کو اپنے لئے بنایا''۔ دیکھئے کجا برے دنوں کے لئے اور کجا اپنے لئے۔ یہ اگر تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔ اور پھر آپ نے خدا تعالیٰ کی مالکیت پر بے جا بحث شروع کر کے لوگوں کو دھوکا دینا چاہا ہے۔ آپ کو واضح ہو کہ خدا تعالیٰ اگرچہ قدوس ہے لیکن بغیر نازل کرنے اپنے قانون کے کسی کو مواخذہ نہیں کرتا اور یہ بھی بات ہے کہ وہ بجز اس کے کہ بالذات یہ چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس سے شرک نہ کرے اور کوئی اس کا نافرمان نہ ہو اور کوئی اس کے وجود سے انکار نہ کرے اور اقسام کے معاصی کو حقیقی معصیت بجز احکام نازل کرنے کے نہیں قرار دیتا۔ دیکھئے حضرت آدم کے وقت میں خدا تعالیٰ اس بات پر راضی ہو گیا کہ حقیقی ہمشیروں کا ان کے بھائیوں سے نکاح ہو جائے اور پھر مختلف زمانوں میں کبھی شراب پینے پر راضی ہوا کبھی اس کی ممانعت کی اور کبھی طلاق دینے پر راضی ہوا اور کبھی طلاق کی ممانعت کی اور کبھی انتقام پر راضی ہوا اور کبھی انتقام سے ممانعت کی۔ اور یہ تو انسان کی نوع میں ہے۔ حیوانات کی نوع میں اگر دیکھا جائے تو ماں اور بہن وغیرہ میں کچھ بھی فرق نہیں۔ برابر اور ہر طرح سے خدا تعالیٰ کی نظر کے سامنے ناجائز

﴿۱۵۶﴾

کام ہوتے ہیں اور انہیں سے اولاد ہوتی ہے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ کتاب کے نزول سے پہلے مواخذہ قائم نہیں ہوتا اور یہ تو آپ اقرار کر چکے ہیں کہ یہ تمام احکام بندہ کے فائدہ کیلئے ہوتے ہیں اور اس بات کا آپ نے کوئی صحیح جواب نہیں دیا کہ جس حالت میں ان تمام امور میں بندہ کا فائدہ ہی متصور ہے اور خدا تعالیٰ کے وعد اور وعید سے پہلے مواخذہ بھی نہیں ہوتا۔ تو پھر جب کہ بڑے آسان طریق سے یہ طریق اس طرح پر چل سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدوں کے موافق توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرے تو پھر کسی دوسرے نامعقول طریق کی کیا حاجت ہے اب بقیہ اس کا کسی دوسرے وقت میں بیان کیا جاوے گا اس وقت ہم جہاد کے بارہ میں جو باقی حصہ ہے بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں جہاد کی بنا صرف امن قائم کرنے اور بتوں کی شان توڑنے اور حملہ مخالفانہ کے روکنے کے لئے ہے اور یہ آیت یعنی قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ[1] آپ کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے اور کونسا جبر اس سے ثابت ہوسکتا ہے اس کے معنے تو صاف ہیں کہ ان بے ایمانوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے یعنی عملی طور پر فسق فجور میں مبتلا ہیں اور حرام کو حرام نہیں جانتے اور سچائی کی راہیں اختیار نہیں کرتے جو اہل کتاب میں سے ہیں جب تک کہ وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے دیں اور وہ ذلیل ہوں۔ دیکھو اس سے کیا ثابت ہوتا ہے اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ جو اپنی ﴿۱۵۷﴾ بغاوتوں کی وجہ سے حق کے روکنے والے ہیں اور ناجائز طریقوں سے حق پر حملہ کرنے والے ہیں ان سے لڑو اور ان سے دین کے طالبوں کو نجات دو۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوگیا کہ یہ لڑائی ابتداءً بغیر ان کے کسی حملہ کے ہوئی تھی۔ لڑائیوں کے سلسلہ کو دیکھنا ازبس ضروری ہے اور جب تک آپ سلسلہ کو نہ دیکھو گے اپنے تئیں عمداً یا سہواً بڑی غلطیوں میں ڈالو گے۔ سلسلہ تو یہ ہے کہ اول کفار نے ہمارے نبی صلعم کے قتل کا ارادہ کر کے آخر اپنے حملوں کی وجہ سے ان کو مکہ سے نکال دیا۔ اور پھر تعاقب کیا اور جب تکلیف حد سے بڑھی

[1] التوبۃ:۲۹

تو پہلا حکم جولڑائی کے لئے نازل ہوا وہ یہ تھا۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِحَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ[1] (س۱۷ ر۱۳) یعنی ان لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی جن کے قتل کے لئے مخالفوں نے چڑھائی کی۔ اس وجہ سے اجازت دی گئی کہ ان پر ظلم ہوا اور خدا مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے وطنوں سے ناحق نکالے گئے اور ان کا گناہ بجز اس کے اور کوئی نہ تھا جو ہمارا رب اللہ ہے دیکھئے کہ یہ پہلی آیت ہے جس سے سلسلہ لڑائیوں کا شروع ہوا اور پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ نے اس حالت میں کہ مخالف لڑائی کرنے سے باز نہ آئے یہ دوسری آیت نازل فرمائی۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ[2] یعنی جو لوگ تم سے لڑتے ہیں ان کا مقابلہ کرو اور پھر بھی حد سے مت بڑھو کیونکہ خدا تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور پھر فرمایا۔ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ[3] یعنی قتل کرو انہیں جہاں پاؤ اور اسی طرح نکالو جس طرح انہوں نے نکالا۔ پھر فرمایا۔ وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ۭ[4] یعنی اس حد تک ان کا مقابلہ کرو کہ ان کی بغاوت دور ہو جاوے اور دین کی روکیں اٹھ جائیں اور حکومت اللہ کے دین کی ہو جائے۔ اور پھر فرمایا۔ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌۢ بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَھْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا[5] یعنی شہر حرام میں قتل تو گناہ ہے لیکن خدا تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور کفر اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو مسجد حرام سے خارج کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور بغاوت کو پھیلانا یعنی امن کا خلل انداز ہونا قتل سے بڑھ کر ہے اور ہمیشہ قتل کے لئے یہ لوگ مقابلہ کریں گے۔ تا اگر ممکن ہو تو تمہیں دین حق سے پھیر دیں۔ اور پھر فرمایا۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ[6] الخ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض کے شر کو بعض کی تائید کے ساتھ دفع نہ کرتا۔ تو زمین فاسد ہو جاتی اور پھر فرمایا۔ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ[7] یعنی اگر تم ان کا

﴿۱۵۸﴾

[1] الحج: ۴۰، ۴۱ [2] البقرۃ: ۱۹۱ [3] البقرۃ: ۱۹۲ [4] البقرۃ: ۱۹۴ [5] البقرۃ: ۲۱۸ [6] البقرۃ: ۲۵۲ [7] النحل: ۱۲۷

تعاقب کروتو اسی قدر کرو جو انہوں نے کیا ہو۔ وَ لَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ[1] اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے اچھا ہے اور پھر اہل کتاب کا گناہ جتلانے کے لئے فرمایا۔ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا[2] اے اہل کتاب کیوں ایمان لانے والوں کو ایمان لانے سے روکتے ہو اور کجی اختیار کرتے ہو۔ پس یہی باعث تھا کہ اہل کتاب کے ساتھ لڑائی کرنی پڑی کیونکہ وہ دعوت حق کے مزاحم ہوئے اور مشرکوں کو انہوں نے مددیں کیں اور ان کے ساتھ مل کر اسلام کو نابود کرنا چاہا جیسا کہ مفصل ذکر اس کا قرآن شریف میں موجود ہے تو پھر بجز لڑنے اور دفع حملہ کے اور کیا تدبیر تھی مگر پھر بھی ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّ هُمۡ صٰغِرُوۡنَ[3] یعنی اس وقت تک ان سے لڑو جب تک یہ جزیہ ذلت کے ساتھ دے دیں اور صاف طور پر فرما دیا یعنی جہاد میں یعنی لڑنے میں اسلام سے ابتدا نہیں ہوئی جیسا کہ فرماتا ہے۔ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ[4] یعنی انہیں مخالفوں نے لڑنے میں ابتدا کی پھر جبکہ انہوں نے آپ ابتدا کی۔ وطن سے نکالا۔ صدہا بے گناہوں کو قتل کیا تعاقب کیا اور اپنے بتوں کی کامیابی کی شہرت دی تو پھر بجز ان کی سرکوبی کے اور کونسا طریق حق اور حکمت کے مناسب حال تھا۔ اس کے مقابل حضرت موسیٰؑ کی لڑائیاں دیکھئے جن لوگوں کے ساتھ ہوئیں کون سی تکلیفیں اور دکھ ان سے پہنچے تھے اور کیسی بے رحمی ان لڑائیوں میں کی گئی کہ کئی لاکھ بچے بے گناہ قتل کئے گئے۔ دیکھو ۳۱ باب ۱۷ آیت گنتی۔ استثنا ۲۰ باب ۱۔ سموئیل اول ۱۸/۱۷ پھر سموئیل اول ۲۵/۲۸ پھر استثنا ۲۰/۱۰ اور ان آیات کے رو سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ پہلے صلح کا پیغام بھی بھیجا جاتا تھا جیسا اشب ۱۰۲۱ سے ظاہر ہے اور نیز جزیہ لینا بھی ثابت ہے جیسے قاضیوں کی کتاب باب اول ۲۸، ۳۰ و ۳۳ و ۳۵۔ اور یوشع ۱۶/۱۰۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	**از جانب عیسائی صاحبان**

[1] النحل:۱۲۷ [2] آل عمران:۱۰۰ [3] التوبة:۲۹ [4] التوبة: ۱۳

﴿۱۵۹﴾

روئیداد جلسہ

۳۔ جون ۱۸۹۳ء

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۶ بجے ۲ منٹ پر لکھنا شروع کیا اور ۷ بجے ۴ منٹ پر ختم ہوا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۷ بجے ۲۷ منٹ پر لکھنا شروع کیا اور ۸ بجے ۲۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا اور تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہو کر جلسہ برخواست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

﴿۱۶۰﴾

از جانب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳۔ جون ۱۸۹۳ء

یکم جون کا بقیہ :۔ ایمان بالجبر پر دیکھو (ا) سورہ انفال میں لکھا ہے کہ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ[1] یعنی قتل کروان کو یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور دین ہو جاوے کل اللہ کے واسطے (سورہ توبہ کا رکوع ایک)

’’یعنی جب گذر جائیں مہینہ پناہ کے تو مارو مشرکوں کو اور ڈھونڈو ان کو اور گھات پر لگے رہو ان کے۔ اِلّا اگر تائب ہوں اور نماز اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کی راہ کو چھوڑ دو۔ اور اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو کلام اللہ کے سننے تک پناہ دو۔ پھر پہنچا دو ان کو جائے امن میں۔‘‘

[1] الانفال:۴۰

پھر سورہ توبہ کے رکوع اول میں لکھا ہے کہ کہہ دے پیچھے رہے گنواروں کو کہ آگے تم کو مقابلہ کرنا ہوگا ایک سخت لڑاکے گروہ کا تم ان کو مارو گے یا وہ مانیں گے۔ ماسواء آیت متنازعہ کے یہ اور آیات ہیں جو صاف صاف ایمان بالجبر پر ایما کرتی ہیں۔ ماسواء انکے وہ جو جہاد دفعیہ اور انتقامیہ اور انتظامیہ قرآن میں بہت سے بیان ہیں ان کا انکار ہم کو کبھی نہ تھا۔ اقسام جہاد سے یہ خاص قسم ہے جس پر ہمارا زور ہے اور جو ایمان بالجبر پر ایماء کرتی ہے۔ کیا معنے اس کے ہیں کہ یہاں تک قتل کرکہ مخالفت دین اللہ کی باقی نہ رہے اور کل دین اللہ کا ہی ہو جائے پھر کیا معنے اس کے ہیں کہ اگر تائب ہوں اور نماز وزکوٰۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ ورنہ ہر راہ سے ان کو مارو۔ پھر ان میں سے بھی اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو کلام اللہ کے سن لینے تک ان کو پناہ دے دو۔ اور بعد اس کے مامنہ میں پہنچا دو یعنی ایسے امن کی جگہ میں کہ غیر لوگ ان کو تکلیف نہ دیں۔ اور وہ اسلام سے پھر کر مسلمانوں کو تکلیف نہ دیں پھر کیا معنے اس کے ہیں کہ تم ان کو قتل کرو گے یا وہ تسلیم کریں گے۔ خلاصہ صاف صاف یہ کل امور ایمان بالجبر کے اوپر حکم کرتے ہیں۔

پرچہ دوم ۲؍جون کا بقیہ جواب:- پھر جناب نے کلام کے مجسم ہونے پر تکرار کیا ہے کلام یعنی اقنوم ثانی جب کہ پہلے باب انجیل یوحنا میں ایسا لکھا ہے کہ کلام مجسم ہوا مگر مظہریت اس کی واسطے عہدہ مسیحیت کے تیس برس کی عمر میں ظاہر ہوئی۔ جب روح القدس نازل ہوا اور آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔ میں اس سے راضی ہوں۔ جناب بار بار جو تثلیث فی التوحید کے مسئلہ پر اعتراض فرماتے ہیں جناب کو لازم ہے کہ پہلے توحید مطلق کو بدون صفات متعددہ کے اور کچھ ثابت کریں یا کسی شئے میں ماسوائے صفات متعددہ کے اور کچھ دکھلاویں۔ واضح رہے کہ صفت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک قوت ہو کہ جو خاص قسم واحد پر حاوی ہو۔ یعنی جیسے روشنی صرف روشنی ہی کا کام کرتی ہے۔ وغیرہ ویسے ہی ذات جو جامع صفات ہونے کا ایک ہی کام کرتی ہے۔ ﴿۱۶۱﴾

یہ نہ بھولنا کہ ہم صفت کو اقنوم قرار دیتے ہیں ہمارے معنے اقنوم کے شخص معیّن کے ہیں کہ جو مجموعہ صفات ہو اور ہماری دلیل جز وصفت سے جو لی گئی ہے اس سے ایماء ہماری یہ ہے کہ جو

جزو پر صادق آتا ہے وہ کل پر بھی آتا ہے۔ اقانیم ثلاثہ کے بارہ میں ہم یہ صورت بیان کرتے ہیں کہ جیسے ایک شئے قائم فی نفسہ ہوتی ہے۔ اور دوسری مساوی اس کے لازم وملزوم اس میں ہوتی ہے ویسے ہی اول اقنوم کہ جس کو اب کہتے ہیں قائم فی نفسہٖ ہے اور دوسرے اقانیم یعنی ابن اور روح القدس اس میں لازم وملزوم ہیں اور ایسی چیزیں جو ایک قائم فی نفسہٖ ہو اور دوسری لازم ملزوم ماہیت کلی کو تقسیم نہیں کرتی گو تمیز اپنی علیحدہ علیحدہ رکھتی ہے۔

۳۔ روح القدس کے بشکل کبوتر نازل ہونے پر جناب نے ایک تمسخر کیا ہے کہ کبوتر کیا شئے ہے ایک چھوٹا سا جانور۔ کیوں نہ ہاتھی اور اونٹ کی شکل میں اس نے نزول کیا تو اس کے جواب میں آپ کو واضح ہو کہ کبوتر کو بے آزار کر کے لکھا ہے اور خبر دہندہ امان کا وقت طوفان نوح کے۔ اس لئے اس کی ایماء یہ تھی کہ وہ کبوتر کی شکل میں اتری اور ہاتھی اور اونٹ کو توریت میں ناپاک جانور کر کے لکھے ہیں۔ ان کی شکل میں روح القدس نہیں آ سکتی تھی مگر آپ کے لطافی پر اگر کوئی کہے کہ جناب کے پیشوا نبی عرب نے کس لئے چھوٹے سے وجود انسانی میں ظہور کیا۔ کیوں نہ سیمرغ میں ظہور فرمایا۔ تو آپ اس لطافی کو کیا کہیں گے۔

۴۔ موسیٰ جب کہ کہتا ہے کہ آنے والے نبی کی جو میری مانند درمیانت میں ہوگا اس کی سنو تو کون بڑا ٹھہرا وہ جس کی سنی جائے یا وہ جس کا سننا بند ہو جائے۔ پھر خط عبرانیوں کے ۳ میں یہ لکھا ہے کہ موسیٰ گھر کا خادم تھا اور یسوع المسیح مالک۔ اور پھر موسیٰ یسوع مسیح کو پہاڑ پر ملنے کو آیا۔ یسوع اس کے ملنے کو نہیں گیا تو بڑائی کس کی زیادہ ہے۔ ﴿۱۶۲﴾

۵۔ یہ جناب کا خیال غلط ہے کہ کوئی معجزہ چھوٹا اور کوئی بڑا بھی ہوتا ہے۔ ایک ہی دست قدرت کی دو کاری گریاں ہوتی ہیں۔ مکھی کا بنانا اور ہاتھی کا بنانا ایک ہی قدرت چاہتا ہے مگر مجھ کو بڑا تعجب یہاں یہ ہے کہ جناب نے نبی اسلام کا چھوٹا یا بڑا کوئی بھی معجزہ ثابت نہ کیا صرف دوسروں کے ہی معجزہ سے اپنا دل خوش فرمایا۔ یا اپنے کشف وکرامات کا ذکر کچھ کیا کہ جس کا ثبوت غیروں پر کبھی کچھ نہیں ہوا۔

۶۔ یسوع مسیح نے کبھی اقرار اپنے گناہوں کا نہیں کیا نہ لفظاً نہ ضمناً اور نہ اس کے اوپر کبھی یہ فتویٰ لگا۔

یہ تو سچ ہے کہ قرآن انسان کو صرف جبریہ ہی نہیں ٹھہراتا بلکہ ایک طرف جبریہ اور دوسری طرف قدریہ یعنی صاحب اختیار لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ جبر اس میں تقدیم رکھتا ہے۔ اور یہ دو باہم متناقض بھی ہیں۔ چنانچہ جبر کے غلبہ کا حوالہ ہم اور آیات سے بھی دیتے ہیں۔

(۱) سورۂ نساء کے رکوع ۱۰ میں ہے جس کا حاصل معنے یہ ہیں جو کہتے ہیں کہ بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی تیری طرف سے۔ تو کہہ ان سے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (۲) پھر سورۂ نساء کے رکوع ۱۱ میں ہے کہ جس کو اللہ نے گمراہ کیا تم اس کو راہ پر نہیں لا سکتے اور اس کے واسطے کوئی راہ باقی نہیں۔ (۳) پھر سورۂ مائدہ کے رکوع ۷ میں ہے اگر خدا چاہتا تو ایک ہی دین ہر کو دیتا مگر اس کو آزمانا تمہارا مدنظر تھا۔ پھر سورۂ انعام کے ۱۷ رکوع میں ہے کہ کہتے ہیں کہ اگر چاہتا اللہ تو ہم شریک نہ ٹھہرا لیتے ایسا ہی پہلے بھی کافر کہتے رہے۔

۹۔ انسان کی فعل مختاری پر اِطلاق کا لفظ جناب نے غلط لگایا ہے بلکہ وہ اپنی حدود مُعینّہ میں پورا فعل مختار ہے۔ میں نے یہ کبھی نہیں مانا جو جناب فرماتے ہیں کہ فعل مختاری میں دخل غیر بھی کچھ ہے اور نہ میں کچھ کج بحثی کرتا ہوں مگر فکر ہر کس بقدر ہمت اوست یہ ضد فعل مختاری اور نامختاری انسان میں تو صرف قرآن میں ہی پائی جاتی ہے۔

۱۰۔ سخت دِلی فرعون کے معنی ہم بار بار کر چکے ہیں آیندہ اِسکا تکرار عبث ہے۔ ﴿۱۶۳﴾

۱۱۔ امثال کے باب $\frac{۱۶}{۴}$ میں یہ نہیں لکھا کہ شریر کو شرارت کے واسطے بنایا گیا مگر بُرے دن کی واسطے۔ جس کی شرح حزقیل کے $\overline{۲۳،۳۲}$ اور $\overline{۱۱}$ اور پطرس کے دوسرے خط $\frac{۳}{۹}$ میں اور پہلا طمطاؤس کے $\frac{۲}{۴}$ میں یہ لکھا ہے کہ شریروں کو مہلت نجات کی دی جاتی ہے اور خدا کی خوشی اس میں نہیں جیسا کہ قرآن آپ کے نبی کی بابت کہتا ہے کہ واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات معافی مانگ اپنے گناہوں کیلئے اور مومن مَردوں اور مومن عورتوں کے لئے۔

بپتسما پانے میں یسوع نے اپنی مراد آپ ظاہر کر دی ہے یعنی یہ کل راستبازی پوری ہو یعنی متابعت شریعت موجودہ کی کی جائے۔ اور واضح رہے کہ شریعت موسوی اور انبیاء سلف کا عمل عید پنٹی کوسٹ کے دن تک رہا ہے جبکہ مسیح نے جی اُٹھ کر آسمان کی طرف صعود کیا تب سے شریعت عیسوی جاری ہوئی۔ ورنہ پہلے اس کے شریعت سلف کی تھی خلف کا ذکر تک نہ تھا اَب پھر جو جناب یوحنا کو بباعث بپتسما دینے یسوع کے بڑا فرماتے ہیں۔ یوحنا خود یہ کہتا ہے کہ مَیں اُس کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل نہیں اور کہ وہ برّہ ہے جو سب کے گناہوں کے واسطے ذبح ہوگا وہ جو جناب نے پھر لفظ نیک کے اوپر تکرار کیا ہے اس کا جواب بتکرار دیا گیا ہے اب اور کُچھ کہنا ضرور نہیں مگر اس قدر یاد دلانا کافی ہے کہ وہ خطاب جو اُس نے اُس جوان سے فرمایا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ جبکہ نیک سوائے ایک خدا کے کوئی نہیں اِسی شخص سے یہ بھی اخیر میں فرمایا تھا کہ اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے تو اپنا سارا مال عاجزوں کو تقسیم کر دے اور میرے پیچھے ہو لے۔ لیکن وہ دلگیر ہو کے چلا گیا۔ اِس سے کیا ظاہر ہوتا ہے کہ جانوں اور مالوں سب کا وہ مالک تھا اور وہ جوان نہیں مانتا تھا کہ یہ مالک ہے اس لئے اس کو متنبہ کیا گیا کہ از انجا تو مجھے خدا نہیں جانتا۔ بروئے اعتقاد جمہور یہود کے نیک سوائے خدا کے کوئی نہیں ہو سکتا تو پھر مکاری سے مجھے تو نیک کیوں کہتا ہے یہ اُس کی مکاری کی اصلاح تھی نہ کہ الوہیت سے انکار۔

۷۔ انسان مسیح کا شیطان سے آزمایا جانا کیا نقصان اُس کی الوہیت کو رکھتا ہے انسان ہو کر تو وے امتحان میں کھڑا کیا گیا اور جو آدم اُولی گر کر کھو بیٹھا تھا اُس نے کھڑا رہ کر پا لیا پھر اس میں اعتراض کی جگہ کونسی ہے اور شریر اپنی شرارت میں مر جائے۔ پس یہ غلط ہے کہ شریر کو شریر بنایا گیا ہے جیسے یہ عام غلطی ہے کہ شیطان کو شیطان بنایا گیا۔ صحیح یہ ہے کہ شیطان کو مقدس فرشتہ بنایا گیا تھا پھر اس نے گناہ کر کے اپنے آپ کو شیطان بنا لیا اور یہ بھی غلط ہے کہ شریر بنانے اور شریر ہونے دینے کا مآل ایک ہی ہے۔ اور وہ بچے کی مثال بھی جو جناب نے دی اس قدر اصلاح کے لائق ہے کہ اگر وہ نیک و بد کی ماہیت سے آگاہ نہیں یا طاقت نیکی کرنے

﴿۱۶۴﴾

اور بدی کرنے کی نہیں رکھتا تو مواخذہ عدل سے بھی بری ہے اُس کا مرنا واسطے جنم کے نہیں۔

۱۲۔ جناب نے مجھے دھوکہ باز جو ٹھہرایا ہے اس کے لئے میری طرف سے آپ کو سلام پہنچے اور آپ کے مانگنے بدوں ہی میری طرف سے معافی بھی۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی۔
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

از جانب حضرت مرزا صاحب

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے جس قدر پھر قرآن شریف کی ایسی آیتیں لکھی ہیں جس سے وہ ایمان بالجبر کا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں۔ افسوس وہ اُن آیات کے پیش کرنے میں ایک ذرّہ انصاف سے کام نہیں لیتے۔ ہم نے صاف طور پر تحریر گذشتہ میں جتلا دیا ہے کہ قرآن شریف میں ہرگز ہرگز جبر کی تعلیم نہیں ہے۔

پہلے کفار نے ابتداء کر کے صدہا مومنوں کو تکلیفیں دیں۔ قتل کیا۔ وطنوں سے نکالا اور پھر تعاقب کیا اور جب اُن کا ظلم حد سے بڑھ گیا اور اُن کے جرائم خدائے تعالیٰ کی نظر میں سزا دہی کے لائق ٹھہر گئے تب اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ [1] (س ۱۷ ر ۱۳) یعنی جن لوگوں پر یعنی مسلمانوں پر ظلم ہوا اور اُن کے قتل کرنے کے لئے اقدام کیا گیا۔ اب اللہ تعالیٰ بھی انھیں مقابلہ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ پھر چونکہ عرب کے لوگ بباعث ناحق کی خونریزیوں کے جو وہ پہلے کر چکے تھے اور بُری بُری ابتداؤں سے مسلمانوں کو قتل کر چکے تھے اِس لئے ایک شخصی قصاص کے وہ مستحق ہو گئے تھے۔ اور اِس لائق تھے کہ جیسا اُنہوں نے ناحق بے گناہوں کو بُرے بُرے عذاب پہنچا کر قتل کیا ایسا ہی ان کو بھی قتل کیا جائے۔ اور جیسا کہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے ﴿۱۶۵﴾

[1] الحج: ۴۰

وطنوں سے نکال کر تباہی میں ڈالا اور اُن کے مالوں اور جائدادوں اور گھروں پر قبضہ کر لیا اور ایسا ہی اُن کے ساتھ بھی کیا جائے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے رحم کے طور پر جیسی اور رعائتیں کی ہیں کہ اُن کے بچّے نہ مارے جاویں اور اُنکی عورتیں قتل نہ ہوں ایسا ہی یہ بھی رعایت کر دی کہ اگر اُن میں سے کوئی مقتول ہونے سے پہلے خود بخود ایمان لے آوے تو وہ اس سزا سے بچایا جاوے جو بوجہ اس کے پہلے جرائم اور خونریزیوں کے اُس پر واجب ہوتی تھی۔ اس بیان سے سارا قرآن شریف بھرا ہوا ہے۔ جیسا کہ یہی آیت جو پیش کر چکا ہوں صاف صاف بیان فرما رہی ہے اور اسکے ساتھ کی دُوسری آیت بھی یعنی اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ[1] (ـــ۱۷) یعنی وے مظلوم جو اپنے وطنوں سے بے گناہ نکالے گئے۔ صرف اِس بات پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اِس کے بعد یہ آیت پیش کرتا ہوں یعنی وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ[2] یعنی عرب کے اُن مشرکوں کو قتل کرو یہاں تک کہ بغاوت باقی نہ رہ جاوے اور دین یعنی حکومت اللہ تعالیٰ کی ہو جائے۔ اِس سے کہاں جبر نکلتا ہے۔ اِس سے تو صرف اِس قدر پایا جاتا ہے کہ اُس حد تک لڑو کہ اُن کا زور ٹوٹ جائے اور شرارت اور فساد اُٹھ جائے اور بعض لوگ جیسے خفیہ طور پر اسلام لائے ہوئے ہیں ظاہر بھی اسلامی احکام ادا کر سکیں۔ اگر اللہ جلّ شانہٗ کا ایمان بالجبر منشاء ہوتا جیسا کہ ڈپٹی صاحب سمجھ رہے ہیں تو پھر جزیہ اور صلح اور معاہدات کیوں جائز رکھے جاتے اور کیا وجہ تھی کہ یہود اور عیسائیوں کیلئے یہ اجازت دی جاتی کہ وہ جزیہ دے کر امن میں آ جائیں اور مسلمانوں کے زیر سایہ امن کے ساتھ بسر کریں اور ڈپٹی صاحب موصوف نے جو مامنہ کے لفظ کی تشریح کی ہے وہ تشریح غلط ہے یعنی اس آیت کی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مشرک قرآن شریف کو سُننا چاہے تو اُس کو اپنی پناہ میں لے آؤ۔

جب تک وہ کلام الٰہی کو سُنے پھر اُس کو اُسی کے مامن میں پہنچا دو اور اس آیت کے آگے یہ آیت ہے ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ (سُورہ توبہ رکوع ۱)[3] یعنی یہ رعایت اِسلئے ہے کہ یہ قوم

﴿۱۶۶﴾

[1] الحج: ۴۱ [2] الانفال: ۴۰ [3] التوبة: ۶

بے خبر ہے۔ اب ڈپٹی صاحب اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ گویا اس کو کلام الٰہی کے سننے کے بعد ایسی جگہ پہنچا دو جہاں سے بھاگ نہ سکے جبکہ انصاف اور فہم کا یہ حال ہے تو نتیجہ بحث کا معلوم۔ آپ نہیں سمجھتے کہ کلام الٰہی کے تو یہ لفظ ہیں کہ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ[1] یعنی پھر اس مُشرک کو اُس کی جگہ امن میں پہنچا دے۔ اب ایسے صاف اور سیدھے اور کُھلے کُھلے لفظ کی تحریف کرنا اور یہ کہنا کہ ایسی جگہ پہنچا دو کہ وہ بھاگ نہ سکے اور مسلمانوں کے قبضہ میں رہے کس قدر ایک بدیہی صداقت کا خون کرنا ہے۔ پھر ڈپٹی صاحب اس آیت کو پیش کرتے ہیں کہ جس میں چار مہینے کے گذرنے پر قتل کا حکم ہے۔ اور نہیں سمجھتے کہ وہ تو اُن مجرموں کے متعلق ہے جو معاہدوں کو توڑتے تھے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ[2] (توبہ رکوع ۲) جس کا مطلب یہی ہے کہ بعد عہدوں کے توڑنے کے اُن کے قول و اقرار کا کیا اعتبار رہا اور پھر فرماتا ہے لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً[1] وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ[3] یہ مشرک نہ کسی عہد کا پاس کرتے ہیں اور نہ کسی قرابت کا اور حد سے نکل جانے والے ہیں اور پھر فرماتا ہے وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (توبہ ر۲)[4] یعنی اگر یہ مشرک توڑیں قسمیں اپنی بعد عہد کرنے کے اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرداروں سے لڑو کیونکہ وہ اپنی قسموں پر قائم نہیں رہے تا کہ وہ باز آجائیں کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کو نکال دینے کا قصد کیا اور اُنہوں نے ہی اوّل ایذاء اور قتل کے لئے اقدام کیا۔ اَب تمام ان آیات پر نظر غور ڈال کر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اِس مقام سے جبر کو کچھ بھی تعلق نہیں بلکہ مُشرکین عرب نے اپنے ایذاء اور خونریزیوں کو یہاں تک پہنچا کر اپنے تئیں اِس لائق کر دیا تھا کہ جیسا کہ اُنہوں نے مسلمانوں کے مَردوں کو قتل کیا اور اُن کی عورتوں

[1] التوبۃ: ۶ [2] التوبۃ: ۷ [3] التوبۃ: ۱۰ [4] التوبۃ: ۱۲، ۱۳

کو سخت بے رحمی سے مارا اور اُن کے بچّوں کو قتل کیا۔ وہ اِس لائق ٹھہر گئے تھے کہ حضرت موسیٰ کے قانون جہاد کے موافق اُن کی عورتیں بھی قتل کی جائیں اُن کے بچے بھی قتل کئے جائیں اور اُن کے جوان و بڈھے سب تہِ تیغ کئے جاویں اور ان کو اپنے وطنوں سے جلا وطن کر کے اُن کے شہروں اور دیہات کو پُھونکا جائے۔ لیکن ہمارے نبی صلعم نے ایسا نہ کیا بلکہ ہر طرح سے اُن کو رعایت دی یہاں تک کہ باوجود اُن کے واجب القتل ہونے کے جو اپنی خونریزیوں کی وجہ سے وہ اِس کے لائق ہو گئے تھے ان کو یہ بھی رعایت دی گئی کہ اگر کوئی ان میں سے اپنی مرضی سے دین اسلام اختیار کرے تو امن میں آ جائے۔ ﴿۱۶۷﴾

اب اِس نرم اور پُر رحم طریق پر اعتراض کیا جاتا ہے اور حضرت موسیٰؑ کی لڑائیوں کو مقدس سمجھا جاتا ہے۔ افسوس ہزار افسوس اگر اس وقت انصاف ہوتو اِس فرق کا سمجھنا کچھ مُشکل نہ تھا۔ تعجب کہ وہ خدا جس نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دے دیا کہ تم مصر سے ناحق بے موجب لوگوں کے برتن اور زیور مستعار طور پر لے کر اور دروغ گوئی کے طور پر ان چیزوں کو اپنے قبضہ میں کر کے پھر اپنا مال سمجھ لو اور دشمنوں کے مقابل پر ایسی بے رحمی کرو کہ کئی لاکھ بچے اُن کے قتل کر دو اور لُوٹ کا مال لے لو اور ایک حصّہ خدا کا اُس میں سے نکالو اور حضرت موسیٰؑ جس عورت کو چاہیں اپنے لئے پسند کریں اور بعض صُورتوں میں جزیہ بھی لیا جائے اور مخالفوں کے شہر اور دیہات پُھونکے جائیں۔ اور وہی خُدا ہمارے نبی صلعم کے وقت میں باوجود اپنی ایسی نرمیوں کے فرماتا ہے بچّوں کو قتل نہ کرو عورتوں کو قتل نہ کرو۔ راہبوں سے کچھ تعلق نہ رکھو۔ کھیتوں کو مت جلاؤ۔ گرجاؤں کو مسمار مت کرو۔ اور اُنہیں کا مقابلہ کرو جنہوں نے اول تمہارے قتل کرنے کے لئے پیش قدمی کی ہے اور پھر اگر وہ جزیہ دے دیں یا اگر عرب کے گروہ میں سے ہیں جو اپنی سابقہ خونریزیوں کی وجہ سے واجب القتل ہیں تو ایمان لانے پر اُن کو چھوڑ دو۔ اگر کوئی شخص کلام الٰہی سُننا چاہتا ہے تو اُس کو اپنی پناہ میں لے آؤ اور جب وہ سن چکے تو اس کو اُس کی امن کی جگہ میں پہنچا دو۔ افسوس کہ اب وہی خدا مورد اعتراض ٹھہرایا گیا ہے۔ افسوس کہ ایسی عُمدہ اور

اعلیٰ تعلیم پر وہ لوگ اعتراض کر رہے ہیں جو توریت کی اُن خونریزیوں کو جن سے بچے بھی
باہر نہیں رہے خدائے تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ پھر ڈپٹی صاحب نے اپنے رحم ﴿۱۶۸﴾
بلا مبادلہ کے بیان کی تائید میں فرمایا تھا کہ یہ بات غلط ہے کہ عدل سے پہلے رحم ہوتا ہے
بلکہ عدل سے پہلے جو سلوک کیا جاتا ہے اُس کا نام گوڈنس ہے۔ رحم عدل کے بعد شروع
ہوتا ہے افسوس کہ ڈپٹی صاحب موصوف غلطی پر غلطی کرتے جاتے ہیں۔ مَیں اُن کی کس
کس غلطی کی اصلاح کروں۔ واضح ہو کہ گوڈنس یعنی نیکی یا احسان صفات میں داخل نہیں
ہے بلکہ ایک کیفیت کے نتائج وثمرات میں سے ہے وہ چیز جس کا نام صفت رکھا جائے وہ
اس جگہ بجُز رحم کے اسم سے اور کسی نام سے موسوم نہیں ہو سکتی۔ اور رحم اس کیفیت کا نام
ہے کہ جب انسان یا اللہ تعالیٰ کسی کو کمزور اور ضعیف اور ناتوان یا مصیبت زدہ اور محتاج
مدد پا کر اُس کی تائید کے لئے توجہ فرماتا ہے۔ پھر وہ تائید خواہ کسی طور سے ظہور میں آوے
اس کا نام گوڈنس رکھ لو۔ یا اس کو نیکی اور احسان کہہ دو۔ ہوسکتا ہے احسان کوئی صفت نہیں
ہے اور کسی کیفیت راسخہ فی القلب کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اس کیفیت راسخہ یعنی رحم کا لازمی
نتیجہ ہے مثلاً جب ایک بے دست و پا محتاج بھوکا ہماری نظر کے سامنے آئے گا تو اُس کی
پہلی حالت ناتوانی اور ضعف کی دیکھ کر ہمارے دل میں ایک کیفیت رحم کی اس کے لئے
پیدا ہوگی تب اس رحم کے جوش سے ہم نیکی کرنے کی توفیق پائیں گے اور آپ کا وہ گوڈنس
ظہور میں آئے گا۔ تو اب دیکھو وہ گوڈنس رحم کی صفت کا ایک ثمرہ اور نتیجہ لازمی ہوا یا خود بجائے
رحم کے ایک صفت ہے۔ مُنصفین اس کو خود دیکھ لیں گے۔ اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ رحم عدل
کے بعد پَیدا ہوتا ہے اِس تقریر سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ تا قرآن شریف یعنی سورہ فاتحہ
میں جو آیت اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے اس پر ردّ کریں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اِس
سے تو خود آپ کی حالت علمیّت کی پَردہ دری ہوئی جاتی ہے اِس بات کو کون نہیں جانتا کہ رحم
جیسا کہ مَیں ابھی بیان کر چکا ہوں ضعیف یا ناتوان یا مصیبت زدہ کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے یہ نہیں کہ

عدل کے بعد ظہور میں آوے۔ ایسا ہی توریت میں ہے عزرا ۳/۱۱ ونحمیاہ ۹/۳ و ۹/۱۹ زبور ۸۶/۵ و ۱۰۶/۱۔
اور نیز آپ کا یہ قول جو بار بار پیش کر رہے ہیں جو رحم اور عدل کی گویا باہم لڑائی ہے اور اس
لڑائی کے فرو کرنے کے لئے کفارہ کی تجویز ہوئی یہ آپ کا بیان سراسر غلط ہے اِس بات میں
کچھ بھی شک نہیں کہ گُناہ اُس وقت پَیدا ہوتا ہے کہ جب اوّل قانون فرمانبرداری کا شائع ہو ﴿۱۶۹﴾
جائے کیونکہ نافرمانی فرمانبرداری کے بعد ہوا کرتی ہے۔ پھر جبکہ یہ صورت ہے تو صاف ظاہر
ہے کہ جب قانون نازل ہوگا اور خدائے تعالیٰ کی کتاب اپنے وعدوں کے مطابق عمل درآمد
کریگی یعنی اس طرح کے احکام ہوں گے کہ فلاں شخص فلاں نیک کام کرے تو اُس کا اجر یہ
ہوگا یا بد کام کرے تو اُس کی سزا یہ ہوگی تو اس صورت میں کفارہ کا دخل کسی طور سے جائز نہیں
جبکہ وعدہ وعید کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے تو اس صورت میں ایک بیٹا نہیں اگر ہزار بیٹے بھی
صلیب پر کھینچے جاویں تب بھی وعدہ میں تخلّف نہیں ہوسکتا اور کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ
خدا تعالیٰ اپنے وعدوں کو توڑتا ہے اور جبکہ تمام مدار وعدوں پر ہے کسی حق پر نہیں ہے تو
وعدوں کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیئے آپ کا یہ بار بار فرمانا کہ حقوق کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے
مجھے تعجب دلاتا ہے۔ آپ نہیں سوچتے کہ خدا تعالیٰ کے مقابل کسی کا حق نہیں ہے اگر حق ہوتا
تو پھر خدا تعالیٰ پر صدہا اعتراض ہر طرف سے قائم ہوتے جیسا کہ مَیں لکھ چکا ہوں کہ
کیڑے مکوڑے اور ہر ایک قسم کے حیوانات جو خدائے تعالیٰ نے پیدا کئے کیا یہ مواخذہ کر
سکتے ہیں کہ ہمیں ایسا کیوں بنایا۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ بھی قبل از تنزیل کتاب یعنی کتاب بھیجنے
سے پہلے کسی پر مواخذہ نہیں کرتا۔ اور یوں تو خدا تعالیٰ کے حقوق اُس کے بندوں پر اس قدر
ہیں کہ جس قدر اُس کی نعمتیں ہیں یعنی شمار میں نہیں آسکتے لیکن گناہ صرف وہی کہلائیں گے جو
کتاب نازل ہونے کے بعد نافرمانیوں کی مَد میں آجائیں گے اور جبکہ یہ صورت ہے تو اِس
سے ثابت ہوا کہ خدائے تعالیٰ دراصل عام طور پر اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا کیونکہ وہ
لا تعداد لا تحصٰی ہیں بلکہ نافرمانیوں کا مواخذہ کرتا ہے۔ اور نافرمانیاں جیسا کہ میں

بیان کر چکا ہوں وعد اور وعید سے وابستہ ہیں یعنی اگر نیکی کرے تو اُس کو ضرور نیک جزا ملے گی۔ اور اگر بدی کرے تو اُس کو بد ثمرہ ملے گا۔ اور ساتھ اِس کے یہ بھی وعدہ ہے کہ ایمان اور توبہ پر نجات ملے گی تو پھر اس صورت میں کفارہ کا کیا تعلق رہا۔ کیا کسی کے مصلوب ہونے سے اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں سے دست کش ہوسکتا ہے۔ صاحب یہ تو قانونی سزائیں ہیں جو انسانوں کو ملیں گی۔ حقوق کی سزائیں نہیں جیسا کہ آپ کا بھی یہی مذہب ہے پھر جبکہ یہ حالت ہے تو یہ جزائیں اور سزائیں صرف وعد و وعید کی رعایت سے ہوسکتی ہیں اور کوئی صورت نہیں ہے جو اس کے برخلاف ہو۔ اور یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ بدی پر راضی نہیں کفر پر راضی نہیں اِس سے کون انکار کرتا ہے۔ مگر جرائم اُسی وقت جرائم کہلاتے ہیں جب قانون اُن کو جرائم ٹھہراوے ورنہ دُنیا میں صدہا طور کے ناجائز اُمور ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ اگر کتاب الٰہی سے خارج ہوں تو کیونکر جرائم ہوسکتے ہیں۔ مثلاً جیسے انسان قتل و خونریزی کرتا ہے ایک درندہ بھی مثلاً شیر ہمیشہ خونریزی کر کے اپنا پیٹ بھرتا ہے اور جیسے انسان کو اپنے اُمور نکاح کے متعلق ماں بہن اور رشتوں سے پرہیز ہوتا ہے جانوروں میں یہ بھی نہیں پایا جاتا اور یہ بھی ہے کہ انسانوں میں شریعت کے ذریعہ سے بھی ایسے احکام بدلتے رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ ؑ کو اجازت ہوئی کہ لڑائی میں جو عورتیں پکڑی جائیں اُن میں سے جس کو پسند کر لیں اپنے لئے رکھ لیں بچوں کو قتل کر دیں بیگانہ مال دروغ گوئی کے طور لے کر اپنے قبضہ میں کریں اور دُور دراز منازل تک اس پر اکل و شرب کا گذارہ ہو۔ لوگوں کے شہروں کو پھونک دیں مگر یہ اجازت دوسری شریعتوں میں کہاں ہوئی۔ (باقی آئندہ)

﴿۱۷۰﴾

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

بقایا بیان سابقہ امروزہ:۔

۱۴۔ موسیٰ کی لڑائیوں میں امان بشرط ایمان جناب نہ دکھلاسکیں گے۔ اور وباؤں میں جیسا کہ طوفان نوحؑ تھا یا اور مریان میں جناب نہیں کہہ سکتے کہ بحکم خدا نہیں یا معصُوم ان میں مارے جانے سے نامعصوم ٹھہر جاتے ہیں۔ پس یا تو انکار فرمایئے کہ توریت کلام اللہ نہیں یا اعتراضوں کو بند کیجئے۔ ہمارے اعتراض قرآن کے اُوپر صفات ربّانی کے مخالف ہونے کے باعث ہیں اور اس سے ہمارا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کلام اللہ نہیں ہوسکتا اور نبی اسلام صلعم رسول اللہ نہیں ہوسکتے اور ان اعتراضوں کے برخلاف ہم نے کبھی تسلیم نہیں کیا کہ وہ کلام الہامی ہے اور یہ رسول حقیقی۔ پس یہ ویسے اعتراض نہیں کہ جیسے آپ توریت پر کرتے ہیں کہ جس کو آپ بروئے قرآن کلام اللہ بھی جانتے ہیں اور موسیٰ کو رسول اللہ بھی اور پھر معترض ہوتے ہیں۔ جیسے ہم نے صفات الٰہی کے مخالف تعلیمات قرآنی کو تھوڑا سا ظاہر کیا ہے۔ ہم چند تعلیمات قرآنی اور بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ قرآن بجائے حق پرستی کے ناحق کے خوف کی پرستش جائز کرتا ہے جیسے کہ سورۂ نحل میں لکھا ہے کہ جو شخص ایمان اللہ کے بعد تکفیر بر نام اللہ کے کرے بشرطیکہ وہ مجبور نہ ہو اور اپنے دِل میں مطمئن ہو ایسے پر اللہ کا غضب ہے یعنی حالت مجبوری میں اور اطمینان دِلی میں بابت حق ہونے اللہ کے انکار اللہ سے قابل غضب الٰہی کے نہیں اور یہ صاف ناحق کی خوف پرستی ہے بجائے حق پرستی کے جو حق کہ قادر مطلق ہے اور پھر سورۂ کہف میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین جب عرب میں پہنچا تو اُس نے پایا کہ غروب ہونا سُورج کا دلدل کی ندی میں ہوتا ہے۔ اگرچہ یہاں پانا ذوالقرنین کا لکھا ہے لیکن کلام قرآنی کی تصدیق کے سوا نہیں یعنی تصدیق قرآنی اس کے ساتھ اور یہ امر واقعی نہیں پھر اس کو حق کے ساتھ کیونکر موافق کیا جائے۔

﴿۱۷۱﴾

(۳) روزہ کے رکھنے کی حدود زمانہ قرآن میں یہ بیان ہوئی ہیں کہ دن کی سفید دھاری کے نکلنے سے پہلے شروع کیا جائے اور شام کی سیاہی کی دھاری کے آنے تک اُس کو رکھا جائے اِس میں سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کل انسانوں کے واسطے ہے تو گرین لینڈ اور رآئس لینڈ کا حال کیا ہوگا؟ جہاں چھ مہینے تک سُورج طلوع نہیں کرتا۔ اگر کہو کہ وہاں وقت کا اندازہ کر لینا چاہیئے تو اِس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وقت کا اندازہ خود کرتا ہے اور کسی دوسرے کو اِس کا اندازہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ چند برائے نمونہ وہ تعلیمات قرآنی ہیں جو بالبداہت صداقت کے برخلاف ہیں۔

(۴) ماسواء اسکے ظاہر ہے کہ چھوٹا بڑے کی قسم کھا سکتا ہے اور معنی قسم کے یہ ہیں کہ اگر اِس کا بیان جھوٹا ہو تو اِس بڑے کی مار اس پر پڑے۔ لیکن جبکہ قرآن میں اُونچی چھت اُبلتے پانی اور زیتون اور قلم وغیرہ کی قسمیں لکھی ہیں تو یہ چیزیں خُدا کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہیں اور ایسی قسمیں صرف ہنسی کی سی معلوم نہیں ہوتیں تو اور کیا ہیں۔

جواب امروزہ

ا۔ جناب فرماتے ہیں کہ ایمان بالجبر کی تعلیم قرآن میں نہیں ہے۔ اِس پر اور کچھ کہنا ضرور نہیں منصف ہر دو کے بیانوں کو دیکھ لیں گے۔ خود ہی انصاف کر لیں گے۔ قہر الٰہی کے حکم کی تعمیل اور بات ہے اور پالیسی کی تجویز کی تعبیر اور بات ہے مُوسیٰ کو حکم الٰہی تھا کہ ان سات قوموں کو بالکل عدم کر دو جیسے کہ طوفان کا حکم ہو یا خاص وبا کا حکم ہو کہ جس میں گناہ گار تو مارے جاتے ہیں اور بے گناہوں کا امتحان ختم ہو جاتا ہے اُن کو گناہ گار نہیں بنایا جاتا مگر جناب کے حکم پالیسی کے ہیں جس میں لکھا ہے کہ بچے اور عورتیں وغیرہ محفوظ رکھے جاویں اور جو شخص اسلام پر آجائے اُس کو امان دیا جاوے۔ پس یہی تو امان منحصر بر ایمان ہے جس پر اعتراض قائم ہوتا ہے اور خُدا کے وباؤں کے اُوپر خواہ کسی اسباب سے ہوں کوئی اعتراض قائم نہیں ہوتا۔ ﴿۱۷۲﴾

مامنہ کے معنے یہ نہیں کہ اُسی شخص کا وطن اور گھر امن کا ٹھہرایا جاوے بلکہ سُورہ انفال میں ایک آیت ہے جس کا حوالہ میں ابھی ڈھونڈ کے دوں گا کہ جو گھر چھوڑ کے ہمارے

بیچ میں آکر نہ رہے ہمارے جنگ سے محفوظ نہیں۔ یہاں سے ثابت ہے کہ مامنہ وہی جگہ ہے کہ جہاں اُن پر غیر لوگ تکلیف نہ پہنچا سکیں اور اُن کو دین سے پھر جانے کا پھر موقع نہ ملے۔

ہم نے بہت قسم کے جہاد جناب کے تسلیم کر لئے ہیں ہمارا اعتراض جہاد ایمان بالجبری پر ہے جو اس سے سوا آپ نے فرمایا وہ سوا ہی ہے۔ ہماری آیات سند کا آپ نے اچھی طرح سے جواب نہیں دیا۔ اور وہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ موسیٰ نے اچھی اچھی عورتیں جو لُوٹ سے بچالی گئیں خود رکھ لیں۔ توریت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جو اُس نے ایک شادی رغوائیل یا تیرو کی لڑکی سے شادی کی تھی اُس کے سوا اور کوئی شادی نہیں کی اور نہ لونڈی رکھی۔ البتہ اُس نے بعض عورات کو جو لُوٹ میں بنی اسرائیل لائے۔ رکھ چھوڑنے کی اجازت دی لیکن اُن کا پیچھے رونے والا بھی کوئی نہ تھا کیونکہ سب کا قتل عام کا حکم تھا۔ اور ایسا ہی ہر وبا میں ہوتا ہے کہ بمشیت الٰہی بعضے بچ بھی جاتے ہیں۔ لیکن قرآن میں جو لُوٹ کی عورتیں اور خرید کی عورتیں جائز رکھی گئی ہیں اُن کو آپ کس طرح سے چُھپا سکتے ہیں کہ جن کے پیچھے رونے والے بھی موجود تھے۔ دیکھو سورۂ احزاب میں جس میں یہ لکھا ہے۔ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ[1]۔ اس میں ملک ہونا بذریعہ خرید کے ہے اور فَئ بذریعہ لُوٹ کے ہے۔ اور جو سر سید احمد خان صاحب نے اِس آیت کی تفسیر کی ہے اُس کا موقع ابھی نہیں مگر پیچھے سے اُن کی غلطی ہم دکھا دینگے۔

﴿۱۷۳﴾ موسیٰ کی لڑائیوں میں ہم نے فرق دکھلایا کہ وہ بحکم الٰہی تھیں و با نشان۔ اور قرآن کی لڑائیاں ظاہر ہے کہ پالیسی کی تھیں جس کے واسطے کبھی تصدیق کسی معجزہ کی نہیں ہوئی اور تعظیمات اس کے برخلاف صفات ربّانی کے ہیں لہٰذا ہم اس کو الہامی نہیں کہہ سکتے۔

۲۔ یہ تو سچ ہے کہ برتن سونے چاندی کے بنی اسرائیل نے مصریوں سے مستعار لئے تھے لیکن وہ سونا چاندی جس حقیقی مالک کی ملک ہیں یعنی خدا کی۔ اُسی خدا نے اُن کو اجازت دی کہ اپنے پاس رہنے دو۔ پھر اس میں ظلم کون سا ہے۔ اہل کتاب کے واسطے

[1] الاحزاب:۵۱

جزیہ گذاری اور ذلّت ،قرآن نے قرار دی ہے وہ بے شک قتل عام سے تو مستثنٰی کئے گئے ہیں لیکن آپ نہیں کہہ سکتے کہ جزیہ گذاری اور ذلت خواری سے گذارنا کوئی چٹکی نہیں اور وہ بے ایذا مطلق ہے۔خواہ نخواہ کچھ تو ایذا اس میں ہے۔آگے ہم تواریخ کا حوالہ آپ کو کچھ نہ دیں گے کہ کیا کچھ گذرا ہے۔ ہم نے صرف قرآن کو لیا ہے اسی کے اُوپر اعتراض کرتے ہیں اور نہیں کرتے ہیں

۳۔ جناب گوڈنس کوشعبہ مرسی یعنے رحم کا قرار دیتے ہیں لیکن مجھ کو معاف رکھئے کہ یہ ایک ایسی غلطی ہے کہ عام غور کرنے والا سمجھ سکتا ہے گوڈنس وہ ہے جو حق سے زیادہ احسان دکھلاتی ہے اور رحم وہ ہے جو مواخذہ عدل سے چھوڑاتا ہے۔لیکن جناب کو خواہ نخواہ مدِنظر یہ ہے کہ کہیں تعلیم کفارہ کی ثابت نہ ہوجائے اِس لئے آپ ان باتوں کے سمجھنے کو پسند نہیں فرماتے۔

یہ ایک عجیب امر آپ فرماتے ہیں کہ رحم کو تقدیم ہے عدل کے اُوپر۔اور عجب اِس میں یہ ہے کہ رحم مواخذہ پر آتا ہے یعنی مواخذۂ عدل پر تو اُس کو تقدیم کیونکر ہوئی۔ درست کہنا تو یہ ہے کہ ہرصفت اپنے اپنے موقع پر ظہور کرتی ہے اور وہ جو چند باتیں جناب رحم کے متعلق سمجھتے ہیں درحقیقت گوڈنس کے متعلق ہیں رحم سے ان کا علاقہ کچھ نہیں۔ تھوڑی سی شرح کے واسطے گوڈنس کی تعریف ہم اور بھی کر دیتے ہیں۔مثال۔اگر کوئی شخص اپنے جانوروں کواچھی طرح سے نہلاتا۔کھلاتا۔پلاتا ہے۔اِس سے زیادہ کہ اگر اُس کو چھوڑ دیا جائے تو کبھی میسّر نہ ہو تو یہ گوڈنس ہے ۔اور اگر کوئی شخص اپنے جانوروں کو جو اُس کی حفاظت میں ہیں ایذا دیوے اور اِس ایذا میں وہ خوش ہو۔ یہ وہ امر ہے کہ گوڈنس کے برخلاف ہے ہرایک مخلوق جو عدم سے بوجود آتا ہے۔اس کے کچھ حقوق اپنے خالق پر ہیں۔ چنانچہ ایک یہ کہ وہ اُن کو ہر حاجت میں دکھ دینے والے سے بَرَی رکھے یہاں تک عدل ہے مگر جو اِس سے بڑھ کر اُن کو سُکھ کی افزونی دیوے یہ گوڈنس ﴿۱۷۴﴾

ہے اور جب کوئی شخص اپنے اعمال سے جو اُس نے دیدہ و دانستہ و باختیار خود کیا ہو مواخذہ عدل میں ہو اِس سے چھوڑانے کو رحم کہتے ہیں۔

۴۔ جانوروں کی بات میں جو شکم سیری و معیشت نفسی کی بابت فرمایا ہے اگر اُن کے مفعولوں کو کچھ دُکھ ہے تو جناب کو ثابت کرنا چاہیئے کہ ان تین دُکھوں کے ماسوائے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور مواخذہ عدل کے لائق ہے ورنہ ان پر الزام ہی کیا ہے اور جو ماہیئت ظلم سے بھی آگاہ نہیں یا اتفاق جناب اس کو مواخذہ ہی کیونکر ہوسکتا ہے۔ پس اِس فلاسفہ کے غواصی میں جناب چوطرف ایک شیئے کے نہیں پھرے اور اندر باہر اس کے نظر نہیں کی۔ جب کلّی ماہیئت اِس کی معلوم کریں گے۔ تب ایسے دلائل کو پیش بھی نہ کریں گے۔

۵۔ ہم نے ایک سوال کیا تھا بابت فرشتوں اور پَیدائش مسیح کے اِس پر ہمارا بہت کچھ کہنا ہے۔ اِس کا جواب ہنوز آپ نے نہیں دیا۔ ہم انتظار اس کا کرتے ہیں۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح	ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ	پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام۔	از جانب عیسائی صاحبان

﴿۱۷۵﴾

۵؍جون ۱۸۹۳ء

(روئداد جلسہ)

مرزا صاحب نے ۶ بجے ۱۰ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۷ بجے ۱۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا اور باہمی اتفاق سے قرار پایا کہ آج بحث ختم ہوا ور آج کا دن بحث کا آخری دن سمجھا جاوے۔

مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۵۵ منٹ پر شروع کیا اور ۸ بجے ۵۵ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔

مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۳ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۳۳ منٹ پر ختم کیا۔

جناب خواجہ یوسف شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر نے کھڑے ہوکر ایک مختصر تقریر فرمائی اور حاضرین جلسہ کی طرف سے دونوں میر مجلسوں کا خصوصًا ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ ان کی خوش اخلاقی اور عمدہ انتظام کی وجہ سے یہ جلسہ ۱۵ دن تک بڑی خوش اسلوبی اور خوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا اور اگر کسی امر پر اختلاف پیدا ہوا تو دونوں میر مجلسوں نے ایک امر پر اتفاق کر کے ہر دو فریق کو رضا مند کیا اور ہر طرح انصاف کو مدنظر رکھ کر صورت امن قائم رکھی بعد ازاں تحریروں پر میر مجلسوں کے دستخط ہوکر جلسہ برخاست ہوا۔ ۵ جون ۱۸۹۳ء

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

از جانب حضرت مرزا صاحب

ڈپٹی صاحب اور میرے سوال وجواب بطور حرف عین اور غین سے ہیں یعنی ڈپٹی صاحب سے مُراد ع اور مُجھ سے مراد غ ہے۔

ع۔ قرآن میں لکھا ہے کہ وَ یَکُوۡنَ الدِّیۡنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ [1] یعنی یہاں تک قتل کرو کہ کل دین اللہ ہی کا ہو جائے اور زمین

[1] الانفال:۴۰

پر کفر باقی نہ رہے۔

غ۔اگر درحقیقت کُل دینوں سے قرآن نے یہی معاملہ کیا ہے کہ یا ایمان اور یا قتل تو آپ ایسے معنوں کے کرنے میں سچے ہیں ورنہ جو حال ہے سمجھ لیجئے۔

ع۔اگر ایمان بالجبر نہ تھا تو عربوں کے لئے یہ کیوں شرط لگائی گئی کہ یا ایمان یا قتل۔

غ۔قتل کا حکم عربوں کی نسبت اُن کی خونریزیوں کی وجہ سے تھا جو اسلامی لڑائیوں سے پہلے اُنہوں نے اسلام کے غریب اور گوشہ گزین جماعت کو قتل کرنا شروع کیا اور ایمان پر رہائی دینا اُن کے لئے ایک رعایت تھی جو صفات الٰہیہ کے مخالف نہیں۔ دیکھو کتنی دفعہ توبہ کے وقت یہودیوں کو خدا تعالیٰ نے اپنے قہر سے نجات دی اور نیز شفاعت سے بھی۔ ﴿۱۷۶﴾

ع۔موسیٰؑ کی لڑائیوں میں امان بشرط ایمان جناب دکھلا نہ سکے۔

غ۔امان بشرط جزیہ تو آپ دیکھ چکے۔ دیکھو قاضیون کی کتاب باب ۲۸ تا ۳۵ پھر صلح کا پیغام بھی سُن چکے اگر قہر تھا تو پھر صلح کیسی دیکھو استثناء ۲۰ صلح کرنے والا ایمان سے قریب ہو جاتا ہے اور پھر ایمان لانے سے کون روکتا ہے۔

ع۔معصوم بچّوں کو قتل کرنا وباؤں کی موت کی طرح ہے۔

غ۔ ننھے ننھے شیر خوار بچوں کو اُنکی ماؤں کے سامنے تلواروں اور برچھیوں سے قتل کرنا ایک نہ دو بلکہ لاکھ ہا بچوں کو اگر یہ خدائے تعالیٰ کے حکم سے ہے تو پھر قرآنی جہاد کیوں جائے اعتراض سمجھے جاتے ہیں۔ کیا خُدا تعالیٰ کی یہ صفات ہیں اور وہ نہیں۔

ع۔موسیٰؑ کو حکم تھا کہ ان سات قوموں کو بالکل عدم کر دیوے۔

غ۔کہاں وہ قومیں عدم کی گئیں صلح کی گئی جزیہ پر چھوڑے گئے۔ عورتیں باقی رکھی گئیں۔

ع۔اسلام لانے کے لئے جبر کیا گیا ہے۔

غ۔جس نے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ [1] فرمایا۔ صلح کو قبول کیا جزیہ دینے پر امان دے دی۔ اس کو کون جائز کہہ سکتا ہے۔

[1] البقرة:۲۵۷

ع۔قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ یہ بہتان مکاری کپڑے اتار لیں میں نے ڈپٹی صاحب کے قول سے ایسا سمجھا ہے۔

غ۔اگر یہی تعلیم ہے تو آیت قرآن شریف کی پیش کیجئیے بلکہ جنہوں نے تلواروں سے قتل کیا وہ تلواروں سے ہی مارے گئے۔جنہوں نے ناحق غریبوں کولوٹا وہ لوٹے گئے جیسا کیا ویسا پایا بلکہ ان کے ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ ہوا جس پر آج اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیوں ایسا برتاؤ ہوا سب کو قتل کیا ہوتا۔

ع۔قرآن نے جائز رکھا کہ خوف زدہ ایمان کا اظہار نہ کرے۔

غ۔اگر قرآن کی یہی تعلیم ہے تو پھر اسی قرآن میں یہ حکم کیوں ہے۔وَ جٰهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ[1] (سورۃ توبہ رکوع ۳)اور كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ[2] ۲۸/۹ اور یہ کہ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ[3] ۲۲/۲ اصل بات یہ ہے کہ ایمانداروں کے مراتب ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ[4] ۲۲ یعنی بعض مسلمانوں میں سے ایسے ہیں جن پر نفسانی جذبات غالب ہیں اور بعض درمیانی حالت کے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ انتہاء کمالات ایمانیہ تک پہنچ گئے ہیں پھر اگر اللہ تعالیٰ نے برعایت اس طبقہ مسلمانوں کے جو ضعیف اور بزدل اور ناقص الایمان ہیں یہ فرما دیا کہ کسی جان کے خطرہ کی حالت میں اگر وہ دل میں اپنے ایمان پر قائم رہیں اور زبان سے گو اس ایمان کا اقرار نہ کریں تو ایسے آدمی معذور سمجھے جاویں گے مگر ساتھ اس کے یہ بھی تو فرما دیا کہ وہ ایماندار بھی ہیں کہ بہادری سے دین کی راہ میں اپنی جانیں دیتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے اور پھر حضرت پولوس کا حال آپ پر پوشیدہ نہیں جو فرماتے ہیں کہ میں یہودیوں میں یہودی اور غیر قوموں میں غیر قوم ہوں اور حضرت پطرس صاحب نے بھی مخالفوں سے ڈر کر تین مرتبہ انکار کر دیا۔ بلکہ ایک دفعہ نقل کفر کفر نباشد۔حضرت مسیحؑ پر لعنت بھیجی اور اب بھی میں نے تحقیقاً سنا ہے کہ بعض انگریز اسلامی ملکوں میں بعض مصالحہ کے لئے جا کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ ﴿۱۷۷﴾

ع۔قرآن میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین نے آفتاب کو دلدل میں غروب ہوتے پایا۔

غ۔یہ صرف ذوالقرنین کے وجدان کا بیان ہے آپ بھی اگر جہاز میں سوار ہوں تو آپ کو بھی

[1] التوبۃ:۲۰ [2] الصف:۵ [3] الاحزاب:۴۰ [4] فاطر:۳۳

معلوم ہو کہ سمندر سے ہی آفتاب نکلا اور سمندر میں ہی غروب ہوتا ہے۔ قرآن نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ علم ہیئت کے موافق بیان کیا جاتا ہے ہر روز صدہا استعارہ بولے جاتے ہیں مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ آج مَیں ایک رکابی پلاؤ کی کھا کر آیا ہوں تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ آپ رکابی کو کھا گئے اگر آپ یہ کہیں کہ فلاں شخص شیر ہے کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ اس کے پنجے شیر کی طرح اور ایک دُم بھی ضرور ہوگی۔ انجیل میں لکھا ہے کہ وہ زمین کے کنارہ سے سلیمان کی حکمت سُننے آئے حالانکہ زمین گول ہے کنارہ کے کیا معنے۔ پھر یسعیاہ باب ۱۴/۷ میں یہ آیت ہے ساری زمین آرام سے اور ساکن ہے مگر زمین کی تو جنبش ثابت ہو چکی۔

ع۔ جہاں چھ ماہ تک سُورج نہیں چڑھتا روزہ کیوں کر رکھیں۔

غ۔ اگر ہم نے لوگوں کی طاقتوں پر اُن کی طاقتوں کو قیاس کرنا ہے تو انسانی قویٰ کی جڑھ جو حمل کا زمانہ ہے مطابق کر کے دِکھلانا چاہیئے پس ہمارے حساب کی اگر پابندی لازم ہے تو ان بلاد میں صرف ڈیڑھ دن میں حمل ہونا چاہیئے اور اگر اُن کے حساب کی تو دوسو چھیاسٹھ برس تک بچّہ پیٹ میں رہنا چاہیئے اور یہ ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ حمل صرف ڈیڑھ دن تک رہتا ہے لیکن دوسو چھیاسٹھ برس کی حالت میں یہ تو ماننا کچھ بعید از قیاس نہیں کہ وہ چھ ماہ تک روزہ بھی رکھ سکتے ہیں کیونکہ اُن کے دِن کا یہی مقدار ہے اور اس کے مطابق اُن کے قویٰ بھی ہیں۔

ع۔ رحم عدل کے بعد ہوتا ہے اور گوڈنس یعنی احسان پہلے۔

غ۔ احسان کوئی صفت نہیں بلکہ رحم کی صفت کا نتیجہ ہے مثلاً یہ کہیں گے کہ فلاں شخص پر مجھ کو رحم آیا۔ یہ نہیں کہیں گے کہ فلاں شخص پر مجھ کو احسان آیا۔ رحم بیماروں پر آتا ہے۔ رحم کمزوروں پر آتا ہے۔ رحم بچّوں پر آتا ہے۔ اور اگر کسی بدمعاش قابل سزا پر بھی آوے تو ایسی حالت میں آتا ہے کہ جب وہ ضعیفوں اور ناتوانوں کی طرح رجوع کرے۔ پھر اصل مورد رحم ضعف اور ناتوانی ہوئی یا کچھ اور ہوا۔

﴿۱۷۸﴾ عؔ۔انسان فعل مختار ہے۔

غ۔ اگر اس کے یہ معنے ہیں کہ جس حد تک اس کو قویٰ بخشے گئے ہیں اُس حد تک وہ اس قویٰ کے استعمال کا اختیار رکھتا ہے تو یہ قرآنی تعلیم کے مخالف نہیں۔ اللہ جلّ شانہ‘ فرماتا ہے۔ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی [1] ۱۶/۱۱ یعنی وُہ خدا جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب حال قویٰ اور جوارح بخشے اور پھر ان کو استعمال میں لانے کی توفیق دی۔ ایسا ہی فرماتا ہے: کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ [2] ۱۵/۹ یعنی ہر ایک اپنے قویٰ اور اشکال کے موافق عمل کرنے کی توفیق دیا جاتا ہے اور اگر کچھ اور معنے ہیں تو آپ کو خوشگوار رہیں۔

عؔ۔ کیا خدائے تعالیٰ مالکیت کے برقعہ میں ناجائز کاموں کی اجازت دے سکتا ہے۔

غ۔ نالائق مت کہئے جو کچھ اس نے کیا اور کر رہا ہے وہ سب لائق ہے۔ صحیفہ قدرت کو دیکھئے کہ وہ کروڑہا پرند اور چرند اور دوسرے جانوروں کی نسبت کیا کر رہا ہے اور اس کی عادت حیوانات کی نسبت کیا ثابت ہوتی ہے اگر غور سے آپ دیکھیں گے تو آپ اقرار کریں گے کہ وضع اِس دنیا کی اسی طرح پائی جاتی ہے کہ خُدائے تعالیٰ نے ہر ایک حیوان کو انسان پر قربان کر رکھا ہے اور اس کے منافع کے لئے بنایا ہے۔

عؔ۔ کلام مجسّم ہوا۔

غ۔ اِس سے ثابت ہوا کہ حضرت مسیحؑ کا جسم بھی خدا تھا لیجئے حضرت یک نہ شد دو شد۔

عؔ۔ اقنوم کے معنی شخص معین ہیں سو یہ تین جُدا جُدا شخص اور ماہیئت ایک ہے اب قائم فی نفسہٖ اور ابن اور رُوح القدس اس میں لازم وملزوم ہیں۔

غ۔ جبکہ یہ تینوں شخص اور تینوں کامل اور تینوں میں ارادہ کرنے کی صفت موجود ہے۔ اب ارادہ کرنے والا ابن ارادہ کرنے والا روح القدس ارادہ کرنے والا۔ تو پھر ہمیں سمجھاؤ کہ باوجود اس حقیقی تفریق کے اتحاد ماہیئت کیونکر اور نظیر بے حدی اور بے نظیری کی اس مقام سے کچھ تعلق نہیں رکھتی کیونکہ وہاں حقیقی تفریق قرار نہیں دی گئی۔

[1] طٰہٰ:۵۱ [2] بنی اسرائیل:۸۵

ع۔ نبی اسلام کا چھوٹا یا بڑا معجزہ ثابت نہیں ہوا۔
غ۔قرآن معجزات سے بھرا ہے اور خود وہ معجزہ ہے توجہ سے دیکھیں اور پیشگوئیاں تو اس میں دریا کی طرح بہ رہی ہیں۔ اسلام کے غلبہ کی ضُعفِ اسلام کے وقت خبر دی۔ سلطنت روم کے غلبہ کی اُن کے مغلوب ہونے کے پہلے خبر دی۔ شق القمر کا معجزہ بھی موجود ہے اگر نظام کے مخالف وسوسہ گزرے تو یوشع بن نون اور یسعیاہ نبی کی نظیر دیکھ لیجئے مگر حضرت مسیح کے معجزات کا ہمیں کچھ پتہ نہیں لگتا۔ بیت حسدا کے حوض نے اُن کی رونق کھودی۔ پیشگوئیاں نری اٹکل معلوم ہوتی ہیں اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ بعض پوری بھی نہ ہوئیں مثلاً یہ پیشگوئی کب اور کس وقت پُوری ہُوئی کہ تم سے ابھی بعض نہیں مریں گے کہ مَیں آسمان پر سے اُتر آؤں گا۔ بادشاہت کہاں ملی جس کے لئے تلواریں خریدی گئی تھیں۔ ﴿۱۷۹﴾ بارہ حواریوں کو بہشتی تختوں کا وعدہ ہوا تھا یہودا اسکریوطی کو تخت کہاں ملا۔
ع۔قرآن نے فصاحت و بلاغت کا دعویٰ نہیں کیا۔
غ۔اگلے پرچہ میں دکھلا دوں گا کہ کیا ہے۔
ع۔کیا ستون میں خدا نہیں بول سکتا۔
غ۔ کیوں نہیں بلکہ ستون میں بول کر بھی وُہ ستون سے بے علاقہ رہے گا اور ستون ابن اللہ نہیں کہلائے گا بلکہ جیسے پہلے تھا ویسے رہے گا او ایک ستون میں بولنا ایک ہی وقت میں دُوسرے ستون میں بولنے سے منع نہیں کرے گا بلکہ ایک ہی سیکنڈ میں کروڑ ہا ستونوں میں بول سکتا ہے مگر آپ کا اصول اس کے مطابق نہیں۔
ع۔کس نبی کے بارہ میں لکھا ہے کہ میرا ہمتا۔
غ۔ جناب جب بعض نبیوں کو خدا کہا گیا تو کیا ہمتا پیچھے رہ گیا بلکہ خُدا کہنے سے تو قادرِ مطلق وغیرہ سب صفات آ گئے۔
ع۔مسیح کے مظہر اللہ ہونے میں بیبل میں بہت سی پیشگوئیاں ہیں۔

غ۔پیش از وجود مسیح جو چودہ سو برس تک علماء یہود کی ان کتابوں کو پڑھتے ہیں اور قریبًا کروڑ ہا علماء کی نظر سے وہ کتابیں گذریں کیا کسی کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ کوئی خُدا بھی آنے والا ہے۔

کیا یہودی لُغت نہیں جانتے تھے کتابیں نہیں رکھتے تھے نبیوں کے شاگرد نہیں تھے پھر گھر کی پُھوٹ اور بعض علمائے عیسائی کا یہود سے متفق ہونا اور بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

ع۔شریعت موسوی نشانات تصویری کیسے تھے پھر قرآن کیا لایا۔

غ۔قرآن نے مُردوں کو زندہ کیا۔باطل خیالات کو مٹایا۔

ع۔مذہب عیسوی میں تقدیری جبر کی تعلیم نہیں۔

غ۔انجیل سے پایا جاتا ہے کہ شیاطین ضلالت پر مجبور ہیں اور ناپاک رُوحیں ہیں اگر یہ بات صحیح نہیں تو ثابت کرو کہ حضرت مسیح کے ذریعہ سے کس شیطان نے نجات یافتہ ہونے کی خوشخبری پائی بلکہ وہ تو بکتے ہیں کہ وہ ابتدا سے قاتل تھا اور شیاطین میں سچائی نہیں حضرت مسیحؑ شیاطین کے لئے بھی کفّارہ تھے یا نہیں اس کا کیا ثبوت ہے مگر قرآن جنّات کی ہدایت کا ذکر کرتا ہے

ع۔مسیح زمین آسمان کا خالق ہے۔

غ۔سوال یہ تھا کہ مسیح نے دُنیا میں آکر مظہر اللہ ہونے کی کون سی چیز بنائی۔جواب یہ ملتا ہے کہ سب کچھ مسیح ہی کا بنایا ہوا ہے۔

﴿۱۸۰﴾

ع۔نیک ہونے سے انکار اِس لئے کیا تھا کہ وہ مسیح کو خدا نہیں جانتا تھا۔

غ۔انجیل سے اِس کا ثبوت دیجئے۔مرقس میں تو صاف لکھا ہے کہ اُس نے گھٹنے ٹیکے اور مسیحؑ نے خدائی کا کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ کہا کہ اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو اپنا سارا مال غریبوں کو بانٹ دے۔

ع۔مسیح کا بن باپ پَیدا ہونا مانتے ہیں یا نہیں۔

غ۔مسیح کا بن باپ پَیدا ہونا میری نگاہ میں کچھ عجوبہ بات نہیں حضرت آدمؑ ماں اور

باپ دونوں نہیں رکھتے تھے۔ اب قریب برسات آتی ہے ضرور باہر جا کر دیکھیں کہ کتنے کیڑے مکوڑے بغیر ماں باپ کے پیدا ہو جاتے ہیں پس اِس سے مسیح کی خدائی کا ثبوت نکالنا صرف غلطی ہے۔

ع۔ صرف توبہ سے بےادائے ہرجہ کیونکر گناہ بخشے جاسکتے ہیں۔

غ۔ کسی کے گناہ سے خدائے تعالیٰ کا کوئی ہرجہ نہیں ہوتا اور گناہ پہلے قانون نازل ہونے کے کچھ وجود نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا [1] ۲/۱۵ یعنی ہم گناہوں پر عذاب نہیں کیا کرتے جب تک رسول نہیں بھیجتے۔ اور جب رسول آیا اور خیر و شر کا راہ بتلایا تو اِس قانون کے وعدوں اور وعیدوں کے موافق عملدرآمد ہوگا کفارہ کی تلاش میں لگنا ہنسی کی بات ہے کیا کفارہ وعدوں کو توڑ سکتا ہے بلکہ وعدہ وعدہ سے بدلتا ہے اور نہ کسی اور تدبیر سے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا ۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [2] ۱۲/۷۔ اور یہ کہنا کہ اعمال حسنہ ادائے قرضہ کی صُورت میں ہیں غلط فہمی ہے قرضہ تو اُس صُورت میں ہوتا کہ جب حقوق کا مطالبہ ہوتا۔ اَب جبکہ گناہ صرف ترک قانون سے پَیدا ہوا نہ ترک حقوق سے اور عبادت صرف کتابی فرمانوں پر عمل کرنے کا نام ہے تو نجات عدم نجات کا صرف قانونی وعدو وعید پر مدار رہا۔

ع۔ قرآن کی قسمیں صرف ہنسی کی سی ہیں۔

غ۔ اِس کی حقیقت آپ کو معلوم نہیں یہ ایک خاص اصطلاح ہے جو قسموں کی صورت میں اللہ جلّ شانہٗ ایک امر بدیہہ کو نظری ثبوت کے لئے پیش کرتا ہے یا ایک امر مسلّم کو غیر مسلّم کے تسلیم کرنے کے لئے بیان فرماتا ہے اور جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے وہ درحقیت قائم مقام شاہد ہوتی ہے جیسا کہ مَیں آیت لَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ [3] میں مفصل بیان کر چکا ہوں۔ اگر تفصیل وار دیکھنا ہو تو آئینہ کمالات اسلام کو دیکھئے۔

[1] بنی اسرائیل:۱۶ [2] الانعام:۵۵ [3] الواقعة:۷۶

ع۔ دُکھ تین قسم کے ہوتے ہیں۔
غ۔ آپ پر تو یہ ثابت کرنا ہے کہ جو کروڑ ہا حیوانات بغیر الزام کسی گناہ کے ذبح کئے جاتے ہیں وہ اگر مالکیت کی وجہ سے نہیں تو کیوں ذبح ہوتے ہیں اور مَرنے کے بعد کس بہشت میں رکھا جائے گا۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

اَز جانب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

﴿۱۸۱﴾

جناب جو یہ فرماتے ہیں کہ وہ حکم قتل کا اُنہیں لوگوں کے واسطے تھا جنہوں نے ظلم کیا تھا اہلِ اِسلام پر۔ میرا جواب یہ ہے کہ سُورہ توبہ کے رکوع ۴ میں یہ سبب قرار نہیں دیا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ جو ایمان نہ لاوے اللہ پر اور دن قیامت پر اور جو خدا رسول نے حرام کیا ہے اُس کو حرام نہ مانے تو وہ قتل کیا جائے اور اس میں استثناء صرف اہل کتاب کے لئے ہے کہ اگر وہ ایمان لانے کو نہ چاہیں اور نہ تہ تیغ ہوں تو جزیہ گذار اور خوار ہو کر جیتے رہیں۔ ایسی ہی اور بھی آیات جن کا میں نے حوالہ دیا ان میں یہی منشاء پایا جاتا ہے اور ایمان پر امان کا منحصر کرنا گو رعایت ہے لیکن ایمان بالجبر کو اور بھی قائم کرتا ہے کہ وہ شفاعتیں اور بخششیں جو مُہلت زمانہ کے واسطے دی گئیں نظیر آپ کے ایمان بالجبر کی نہیں کیونکہ وہ فیصلہ عقبیٰ تک کرتے ہیں۔

۲۔ جہاد بانشان سات قوموں سے تھا چنانچہ ان کے نام بھی درج ہیں یعنی ہتی۔ یبوسی وغیرہ ان سے ماسوا جو ملک موعود دیا ابراہیم کے درمیان اور بھی بہت سی قومیں تھیں جن کو قتل کا حکم نہیں ہوا مگر یہ کہ اگر وہ اطاعت قبول کریں تو کافی ہے اور اِس سے ہماری وہ دلیل اور بھی

قائم ہوتی ہے کہ وہ سات قومیں ایسی زیر غضب الٰہی کے تھیں کہ جیسے نوح کے زمانہ میں اور لُوط کے زمانہ میں قہر آیا اور سب کو برباد کر گیا ایسا ہی ان کے واسطے بھی تیغ بنی اسرائیل سے بربادی کا حکم ہوا۔ معصوم بچوں کا جو آپ اعتراض پکڑتے ہیں کہ موسیٰ کی جنگوں میں ہوا ایسا ہی تو ہر وبا میں ہوتا ہے آپ کو ماننا پڑے گا کہ یا تو موسیٰ کا بیان حکم الٰہی مانیں اور یا اِس سے برکنار ہو کر فرماویں کہ توریت کلام الٰہی نہیں آپ ادھر میں نہیں لٹک سکتے۔

آپ کے مذہب پر یہ اعتراض اِس لئے ہے کہ شرط امان کی انحصار ایمان پر کرتی ہے۔ ان سات قوموں سے صلح نہیں کی گئی یہ آپ کا بیان غلط ہے اور عورتیں سب اُن کی نہیں رکھی گئیں مگر شاذ و نادر چند کے بچا دینے کے لئے بنی اسرائیل کو اجازت دی گئی اور ایسی عورتوں کے واسطے اجازت دی گئی کہ جن کا پیچھے رونے والا کوئی نہ تھا۔ اور اگر اُن کے رکھنے کے واسطے اجازت نہ دی جاتی تو اُن کے مار ڈالنے سے یہ بدتر نہ ہوتا۔

۴۔ آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ جس کو اجازت صلح کی دی گئی تو اگر ایمان کے واسطے ایسا کیا جائے تو کسی قدر جبر جائز مانا جائے گا۔ مگر فلسطیوں کی ان سات قوموں کے واسطے صلح کی اجازت کبھی نہیں دی گئی اور جزیہ دینا ان سے قبول کبھی نہیں ہوا۔ اور وہ مثل وبا کے تہ تیغ ہی کئے گئے۔ پھر جناب قرآن کی تعلیم کو اُن کی مثال اور انکو مثلہ نہیں فرما سکتے۔

۵۔ وہ جو آپ فرماتے ہیں کہ گویا میں نے کہا کہ قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ بہ بہانہ مکاری سفید پوشوں کے کپڑے اُتار لیں۔ بجواب اس کے عرض ہے کہ میں نے ایسا کبھی نہیں کہا جناب نے غلط فہمی کی ہے۔ یہ مَیں نے ضرور کہا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ [1] میں اکراہ وہ بھی تو متصوّر ہو سکتا ہے جو بعض اہل اسلام کسی سفید پوش کو دیکھ کر اور اُس سے سلام علیک سُن کر کہہ دیتے تھے کہ تو مسلمان نہیں تو مکاری سے سلام علیک کرتا ہے اور اُسے مار ڈالتے تھے اور کپڑے اتار لیتے تھے۔ ایسوں کے بارہ میں یہ آیت ہو سکتی ہے کہ ایسا اکراہ دین کے معاملہ میں مت کرو نہ وہ اکراہ جو ایمان لانے کیلئے ہو جس کے واسطے ہم نے بہت سی آیات ناطق قرآن ہی سے پیش کی ہیں۔ ﴿۱۸۲﴾

[1] البقرۃ:۲۵۷

۶۔قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی مجبوری میں خدا کا انکار کر لیوے لیکن قلب اس کا حق کے اوپر مطمئن رہے بوجہ اس اکراہ کے اور اطمینان کے غضب الٰہی سے وہ محفوظ رہے گا۔اس پر ہمارا اعتراض یہ تھا کہ یہ ناحق کی خوف پرستی ہے کہ جو قادر قدوس سکھلاتا ہے اور ایسا ہونا نہ چاہیئے۔اس تعلیم کو سورہ نحل کی اس آیت میں دیکھ لیں گے کہ جس میں لکھا ہے کہ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ [1] الخ۔

۷۔پولوس کا یہ کہنا کہ میں یہودیوں میں یہودیوں سا ہوں اور غیر قوموں میں غیر قوم سا اس کے یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ وہ بے ایمان دو رنگا تھا بلکہ اس کے صاف معنے یہ ہیں کہ جہاں تک میں کسی سے اتفاق کر سکتا ہوں نفاق نہ کروں گا۔چنانچہ اس موقع کو غور فرما کر دیکھ لیں۔یہ پہلا قرنتی $\frac{9}{20-21-22}$ اور پطرس کا انکار صاف گناہ کا ہے اور مسیح پر اس نے لعنت نہیں کی تھی بلکہ اپنے اوپر معلوم نہیں کہ جناب کو کس گھبراہٹ نے پکڑا ہے کہ صحیح اقتباس کلام کا بھی نہیں فرماتے۔آپ کیا حوالہ بے ایمان انگریزوں کا دیتے ہیں کیا وہ انجیل ہیں کلام بائبل اور قرآن کے اوپر ہے نہ بدعمل لوگوں کے اوپر۔

۸۔میں جہاز پر سوار ہو آیا ہوں میں نے سورج کو کسی دلدل کی ندی میں غروب ہوتے نہیں دیکھا اور نہ کسی اور نے دیکھا۔اور وہ جو اس آیت میں بیان ہے کہ اس نے پایا کہ سورج دلدل کی ندی میں غروب ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ تصدیق خدائے قرآنی کی بھی ہے جو یہ کہتا ہے يَسْـَٔلُوْنَكَ [2] الخ یعنی تجھ سے سوال کرتے ہیں بابت ذولقرنین کی اور ان سے وعدہ ہوتا ہے کہ ہم ابھی بیان کریں گے۔پس اس میں تصدیق اسی خدا کی ہے نہ صرف پانا ذوالقرنین کا۔اس سے ظاہر ہو جیو کہ جناب اس اعتراض کو اٹھا نہیں سکتے۔یہ محاورہ کی بات نہیں بلکہ محاورہ کے برخلاف ہے کہ آفتاب دلدل کی ندی میں غروب کر گیا کیونکہ بدو نظر اور محاورہ کسی زبان یا مکان کا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سورج کسی دلدل کی ندی میں غروب کرتا ہے۔ہاں البتہ یہ تو عام محاورہ اور مجاز ہے جو لوگ کہتے ہیں سورج نکلا اور سورج غروب ہوا۔اور نہ وہ محاورہ جو آپ فرماتے ہیں اور جو امور بدو نظر میں کچھ صورت ظہور کی دکھلاتے ہیں ان کا کلام اس صورت

[1] النحل:۱۰۷ [2] الکھف:۸۴

﴿۱۸۳﴾ کے مجاز میں ہوتا ہے۔ جیسا رکابی پلاؤ کا کھانا ہر ایک سمجھتا ہے کہ بھری ہوئی رکابی میں سے کچھ نہ چھوڑنا یا جیسے کہتے ہیں کہ پتنالے چل رہے ہیں یا یہ کنواں میٹھا یا کھارا ہے۔ یہ بھی ایسے محاورات ہیں جو عامہ ہیں۔ اور سبا کی ملکہ جو زمین کے کنارہ سے آئی اس کے معنی صاف ظاہر ہیں کہ دوسرے ملک کے کنارے سے آئی جو فلسطین کے دوسری طرف تھا۔ اس میں جغرافیہ اور علم ہندسہ کا کیا علاقہ ہے یہ نظیریں جناب کے دلدل کی ندی غروب کے لئے پیدا نہیں کرسکیں گے۔ زمین کا ساکن ہونا بھی بد و نظر ہے اور عوام اس سے سوا نہیں بولتے اور کلام الٰہی عوام کے لئے ہے۔

۹۔ جناب نے آئیس لینڈ اور گرین لینڈ کے دنوں کی کیا اچھی تعبیر فرمائی ہے اور وہ نظیر جو حمل کی اس میں دی ہے اس سے بھی بڑھ کر ہے مجھے حیرانی یہ ہے کہ کلام نص کو آپ چھوڑ کر کہاں جا پڑتے ہیں۔ قرآن کے کلام نص میں یہ لکھا ہے کہ دن کی سفیدی کی دھاری سے پہلے شروع کر کے شام کی سیاہی کی دھاری کے پیچھے روزہ افطار کرنا چاہئے کہ جن دونوں دھاریوں کا ان ملکوں میں نشان تک کچھ نہیں اور حمل کی بابت جو آپ نے نظیر دی ہے وہ زمانہ متعینہ ہمارا ہے نہ کسی کلام الٰہی کا۔

۱۰۔ جناب فرماتے ہیں کہ گوڈنس کوئی صفت نہیں تب جب ایک شخص جو کسی مواخذہ میں گرفتار نہیں وہ کسی خوش سلوکی کے لائق بھی نہیں ہے۔ رحم کی اصطلاح صاف یہ ظاہر کرتی ہے کہ کسی مواخذہ میں گرفتار ہے جس کو رحم سے چھوڑا یا جاتا ہے۔ آپ کا اختیار ہے جتنا چاہیں ضد فرماویں مگر یہ امور بدیہی ہیں۔

۱۱۔ یہ ایک عجیب روک ہے کہ جو ایک امر بدیہی نالائق ہو اس کو نالائق نہ کہا جائے کیا اگر ہم فرض کر لیویں کہ خدا نے کوئی ظلم کیا یا جھوٹ بولا تو اسی لحاظ سے یہ فرض خدا کی بابت میں ہے کہ ہم نالائقی اس کی کا ذکر نہ کریں گے۔ ہم تو ان افعالوں کو نالائق کہیں گے اور مفروضہ خدا کو جھوٹا خدا کہیں گے یہ تو ہم ایک امر واقعی دیکھتے ہیں کہ گوشت حیوانوں کا خدا تعالیٰ نے انسانوں کے واسطے کلام الٰہی میں مباح کر دیا ہے اور بعض بعض جانوروں کو بھی جیسا کہ شیر یا باز ہے فطرت نے مباح کر دیا ہے۔ لیکن ایک واقعہ مرئی سے اس کا عدل مرئی مٹ نہیں سکتا۔ کوئی وجہ اس کے صادق ٹھہرانے کی ہوگی جو ہم کو نا معلوم ہو تو اس نا معلومی سے اس کی نفی نہیں ہوسکتی۔

۱۲۔ مجسم ہونے سے جسم کو بھی الوہیت ٹھہرانا جناب کی اصطلاح ہوگی ہمارے تو یہ معنی ہیں کہ مجسم ہونے سے مظہریت پر ہی ایما ہے۔

۱۳۔ کیوں جناب آپ ہماری نظیر بےنظیری اور بے حدی کو باطل کس طرح ٹھہرا سکتے ہیں جو ایک واقعہ مصر ہے اور کیا ان دونوں صفات کی ایک ہی ماہیئت نہیں کیونکہ بےنظیر مطلق بے حدی سے نہیں ہوسکتا زمان اور مکان ان ہر دو کا ایک ہی رہتا ہے۔ جناب غور فرما کر جواب دیں۔ ﴿۱۸۴﴾

۱۴۔ جب ثبوت دکھلا ویں گے کہ قرآن میں معجزہ ہیں اور قرآن خود ہی ایک معجزہ ہے تو ہم مان لیں گے لیکن کسی شخص نے ایک بادشاہ کے سامنے ایک لطیفہ کہا تھا کہ سات رومال لپیٹے ہوئے کھول کر رکھ دیئے۔ اور کہا کہ جناب اس میں نور ظہور کی پگڑی ہے مگر وہ حرام کے کو نظر نہیں آتی۔ الاّ حلال کے کو نظر آتی ہے۔ ایسا ہی اگر جناب کا فرمانا ہے کہ اگر ہم کو وہ معجزات نہ نظر آویں تو ہماری نظر کا قصور ہے تو ہم کو ایک گالی کھا لینا منظور ہے مگر جھوٹا اقرار کر لینا منظور نہیں۔ شق القمر کے معجزہ کی بابت میں جناب کو معلوم نہیں کہ شق القمر ہونا مستلزم ساتھ قرب قیامت کے ہے اور آگے اس کے صیغہ ان یّروا مضارع کا ہے اور اس معجزہ سے پہلے سے تحدی یا تعارض کسی کے نہیں ہوئی۔ پس ایسی نظیریں جناب دے کر کس کو اطمینان بخشیں گے۔ سو تو معلوم۔ البتہ پیشین گوئیاں قرآن میں بہت سی ہیں لیکن پیشن گوئیاں دو قسم کی ہیں ایک وہ پیشن گوئی جو علم الٰہی سے ہوتی ہیں اور دوسری وہ جو عقل عامہ سے ہوتی ہیں۔ جو علم الٰہی کا انحصار کرے۔ اس کی نظیر اگر جناب پیش کریں گے ہم اس پر غور کریں اور روم کے فارس سے مغلوب ہونے کی پیشن گوئی دور اندیشی عقل عامہ کی ہے (آگے بولنے نہ دیا کہ وقت پورا ہو گیا)

دستخط	دستخط
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

مضمون آخری حضرت مرزا صاحب

(۵ جون ۔ ۱۸۹۳ء)

آج یہ میرا آخری پرچہ ہے جو میں ڈپٹی صاحب کے جواب میں لکھتا ہوں مگر مجھے بہت افسوس ہے کہ جن شرائط کے ساتھ یہ بحث شروع کی گئی تھی ان شرائط کا ڈپٹی صاحب نے ذرا پاس نہیں فرمایا۔ شرط یہ تھی کہ جیسے میں اپنا ہر ایک دعویٰ اور ہر ایک دلیل قرآن شریف کی معقولی دلائل سے پیش کرتا گیا ہوں

ڈپٹی صاحب بھی ایسا پیش کریں لیکن وہ کسی موقع پر اس شرط کو پورا نہیں کر سکے۔ خیر اب ناظرین خود دیکھ لیں گے۔ اس جواب کے جواب الجواب میں صرف اتنا کہنا مجھے کافی ہے کہ ڈپٹی صاحب نے یہ جو توبہ کی سورۃ کو پیش کر دیا ہے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ایمان لانے پر قتل کا حکم ہے یہ ان کی غلط فہمی ہے بلکہ اصل مدعا وہی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی جو شخص اپنی مرضی سے باوجود واجب القتل ہونے کے ایمان لے آوے وہ رہائی پا جائے گا۔ سو اللہ تعالیٰ اس جگہ فرماتا ہے کہ جو لوگ رعایت سے فائدہ نہ اٹھاویں اور اپنی مرضی سے ایمان نہ لاویں ان کو سزائے موت اپنے پاداش کردار میں دی جائے گی اس جگہ یہ کہاں ثابت ہوا کہ ایمان لانے پر جبر ہے۔ بلکہ ایک رعایت ہے جو ان کی مرضی پر چھوڑی گئی ہے اور سات قوموں کا جو آپ ذکر فرماتے ہیں کہ ان کو قتل کیا گیا اور کوئی رعایت نہ کی گئی یہ تو آیت کی تشریح کے برخلاف ہے دیکھو قاضیوں $\frac{1}{28, 30}$ کہ کنعانیوں سے جو ان ساتوں قوموں سے ایک قوم ہے خراج لینا ثابت ہے۔ پھر دیکھو یشوع $\frac{16}{10}$ اور قاضیوں $\frac{1}{35}$ جو قوم اموریوں سے جزیہ لیا گیا۔ ﴿۱۸۵﴾

پھر آپ اعادہ اس بات کا کرتے ہیں کہ قرآن نے یہ تعلیم دی ہے کہ خوفزدہ ہونے کی حالت میں ایمان کو چھپاوے۔ میں لکھ چکا ہوں کہ قرآن کی یہ تعلیم نہیں ہے قرآن نے بعض ایسے لوگوں کو جن پر یہ واقعہ وارد ہو گیا تھا ادنیٰ درجہ کے مسلمان سمجھ کر ان کو مومنوں میں داخل رکھا ہے۔ آپ اس کو سمجھ سکتے ہیں کہ ایک طبقہ کے ایماندار نہیں ہوا کرتے اور آپ اس سے بھی نہیں انکار کریں گے کہ بعض دفعہ حضرت مسیح یہودیوں کے پتھراؤ سے ڈر کر ان سے کنارہ کر گئے اور بعض دفعہ توریہ کے طور پر اصل بات کو چھپا دیا۔ اور متی $\frac{16}{20}$ میں لکھا ہے تب اس نے اپنے شاگردوں کو حکم کیا کہ کسو سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں۔ اب انصاف سے کہیں کہ کیا یہ سچے ایمانداروں کا کام ہے اور ان کا کام ہے جو رسول اور مبلغ ہو کر دنیا میں آتے ہیں کہ اپنے تئیں چھپائیں۔ اس سے زیادہ آپ کو ملزم کرنے والی اور کونسی نظیر ہوگی بشرطیکہ آپ فکر کریں اور پھر آپ لکھتے ہیں کہ دلدل میں آفتاب کا غروب ہونا سلسلہ مجازات میں داخل نہیں مگر عَيْنٍ حَمِئَةٍ سے تو کالا پانی مراد ہے اور اس میں اب بھی لوگ یہی نظارہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور مجازات کی بنا مشاہدات عینیہ پر ہے جیسے ہم ستاروں کو کبھی نقطہ کے موافق کہہ دیتے ہیں اور آسمان کو کبود رنگ

کہہ دیتے ہیں اور زمین کو ساکن کہہ دیتے ہیں پس جب کہ انہیں اقسام میں سے یہ بھی ہے تو اس سے کیوں انکار کیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کلام مجسم بھی ایک استعارہ ہے مگر کوئی شخص ثبوت دے کہ دنیا میں یہ کہاں بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص کلام مجسم ہو کر آیا ہے اور گوڈنس کی تاویل پھر آپ تکلف سے کرتے ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ گوڈنس یعنی احسان کوئی صفت صفات ذاتیہ میں سے نہیں ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے رحم آتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے احسان آتا ہے مگر آپ پوچھتے ہیں کہ اگر یونہی بغیر کسی کی مصیبت دیکھنے کے اس سے خوش سلوکی کی جائے تو اس کو کیا کہیں گے۔ سو آپ کو یاد رہے کہ وہ بھی رحم کے وسیع مفہوم میں داخل ہے کوئی انسان کسی سے خوش سلوکی ایسی حالت میں کرے گا ﴿۱۸۶﴾ کہ جب اول کوئی قوت اس کے دل میں خوش سلوکی کے لیے وجوہات پیش کرے اور اس کو خوش سلوکی کرنے کے لئے رغبت دے تو پھر قوت رحم ہے جو نوع انسان کی ہر ایک قسم کی ہمدردی کے لئے جوش مارتی ہے اور جب تک کوئی شخص قابل خوش سلوکی کے قرار نہ پاوے اور کسی جہت سے قابل رحم نہ نظر آوے بلکہ قابلِ قہر نظر آوے تو کون اس سے خوش سلوکی کرتا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ حیوانات کو قتل ہوتے دیکھ کر کیا ہم فرض کر لیں کہ خدا نے ظلم کیا۔ مَیں کہتا ہوں مَیں نے کب اِس کا نام ظلم رکھا ہے مَیں تو کہتا ہوں کہ یہ عمل درآمد مالکیت کی بنا پر ہے۔ جب آپ اِس بات کو مان چکے کہ تفاوت مراتب مخلوقات یعنی انسان وحیوانات کا بوجہ مالکیت ہے اس کی تناسخ وجہ نہیں تو پھر اس بات کو مانتے ہوئے کونسی سدّ راہ ہے جو دُوسرے لوازم جو حیوان بننے سے پیش آ گئے وہ بھی بوجہ مالکیت ہیں اور بالآخر قرآن کریم کے بارہ میں آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے اپنے کلام اللہ ہونے کی نسبت جو ثبوت دیئے ہیں۔ اگرچہ میں اس وقت اِن سب ثبوتوں کو تفصیل وار نہیں لکھ سکتا لیکن اِتنا کہتا ہوں کہ منجملہ ان ثبوتوں کے بیرونی دلائل جیسے پیش از وقت نبیوں کا خبر دینا جو انجیل میں بھی لکھا ہوا آپ پاؤ گے۔ دوسرے ضرورت حقّہ کے وقت پر قرآن شریف کا آنا یعنی ایسے وقت پر جبکہ عملی حالت تمام دنیا کی بگڑ گئی تھی اور نیز اعتقادی حالت میں بھی بہت اختلاف آ گئے تھے اور اخلاقی حالتوں میں بھی فتور آ گیا تھا۔ تیسرے اِس کی حقّانیت کی دلیل اِس کی تعلیم کامل ہے کہ اس نے آ کر ثابت کر دکھلایا کہ موسیٰ کی تعلیم بھی ناقص تھی جو ایک شق سزا دہی پر زور ڈال رہی تھی اور مسیحؑ کی تعلیم بھی ناقص تھی جو

ایک شق عفو اور درگذر پر زور ڈال رہی تھی اور گویا ان کتابوں نے انسانی درخت کی تمام شاخوں کی تربیت کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا صرف ایک ایک شاخ پر کفایت کی گئی تھی لیکن قرآن کریم انسانی درخت کی تمام شاخوں یعنی تمام قویٰ کو زیر بحث لایا اور تمام کی تربیت کے لئے اپنے اپنے محل وموقع پر حکم دیا۔ جسکی تفصیل ہم اس تھوڑے سے وقت میں کرنہیں سکتے۔

انجیل کی کیا تعلیم تھی جس پر مدار رکھنے سے سلسلہ دُنیا کا ہی بگڑتا ہے اور پھر اگر یہی عفو اور درگذر عمدہ تعلیم کہلاتی ہے تو جین مت والے کئی نمبر اس سے بڑھے ہوئے ہیں جو کیڑے مکوڑوں اور جوؤں اور سانپوں تک آزار دینا نہیں چاہتے۔ قرآنی تعلیم کا دوسرا کمال کمال تفہیم ہے۔ یعنی اس نے ان تمام راہوں کو سمجھانے کیلئے اختیار کیا ہے جو تصور میں آسکتے ہیں اگر ایک عامی ہے تو اپنی موٹی سمجھ کے موافق اس سے فائدہ اٹھاتا۔ اور اگر ایک فلسفی ہے تو اپنے دقیق خیال کے مطابق اس سے صداقتیں حاصل کرتا ہے اور اس نے تمام اصول ایمانیہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کر کے دکھلا دیا ہے اور آیت تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ[۱] ۳/۱۵ میں اہل کتاب پر یہ حجت پوری کرتا ہے کہ اسلام وہ کامل مذہب ہے کہ زوائد اختلافی جو تمہارے ہاتھ میں ہیں یا تمام دنیا کے ہاتھ میں ہیں۔ ان زوائد کو نکال کر باقی اسلام ہی رہ جاتا ہے اور پھر قرآن کریم کے کمالات میں تیسرا حصّہ اس کی تاثیرات ہیں اگر حضرت مسیح کے حواریوں اور ہمارے نبی صلعم کے صحابہ کا ایک نظر صاف سے مقابلہ کیا جائے تو ہمیں کچھ بتلانے کی حاجت نہیں اس مقابلہ سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ کس تعلیم نے قوّت ایمانی کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اس تعلیم کی محبت سے اور رسول کے عشق سے اپنے وطنوں کو بڑی خوشی سے چھوڑ دیا اپنے آراموں کو بڑی راحت کے ساتھ ترک کر دیا۔ اپنی جانوں کو فدا کر دیا۔ اپنے خونوں کو اس راہ میں بہا دیا اور کس تعلیم کا یہ حال ہے۔ اس رسول کو یعنی حضرت مسیح کو جب یہودیوں نے پکڑا تو حواری ایک منٹ کے لئے بھی نہ ٹھہر سکے۔ اپنی اپنی راہ لی اور بعض نے تیس روپیہ کے کر اپنے نبی مقبول کو بیچ دیا۔ اور بعض نے تین دفعہ انکار کیا اور انجیل کھول کر دیکھ لو کہ اس نے لعنت بھیج کر اور قسم کھا کر

﴿۱۸۷﴾

[۱] اٰل عمران: ۶۵

کہا کہ اِس شخص کو نہیں جانتا۔ پھر جبکہ ابتدا سے زمانہ کا یہ حال تھا۔ یہاں تک کہ تجہیز و تکفین تک میں بھی شریک نہ ہوئے تو پھر اس زمانہ کا کیا حال ہوگا جبکہ حضرت مسیح ان میں موجود نہ رہے۔ مجھے زیادہ لکھانے کی ضرورت نہیں۔ اِس بارہ میں بڑے بڑے علماء عیسائیوں نے اِسی زمانہ میں گواہی دی ہے کہ حواریوں کی حالت صحابہ کی حالت سے جس وقت ہم مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں شرمندگی کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حواریوں کی حالت اُن کے مقابل پر ایک قابل شرم عمل تھا۔ پھر آپ قرآنی معجزات کا انکار کرتے ہیں آپ کو معلوم نہیں کہ وہ معجزات جس تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو گئے اُن کے مقابل پر کسی دوسرے کے معجزات کا ذکر کرنا صرف قصّہ ہے اِس سے زیادہ نہیں۔ مثلاً ہمارے نبی صلعم کا اس زمانہ میں اپنی کامل کامیابیوں کی نسبت پیشگوئی کرنا جو قرآن شریف میں مندرج ہے یعنی ایسے زمانہ میں کہ جب کامیابی کے کچھ بھی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ بلکہ کفار کی شہادتیں قرآن شریف میں موجود ہیں کہ وہ بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ اب یہ دین جلد تباہ ہو جائے گا اور ناپدید ہو جائے گا ایسے وقتوں میں انکو سنایا گیا کہ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ یَاۡبَی اللّٰہُ اِلَّاۤ اَنۡ یُّتِمَّ نُوۡرَہٗ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ[1] ۱۰/۱۱ یعنی یہ لوگ اپنے منہ کی لاف وگزاف سے بکتے ہیں کہ اس دین کو کبھی کامیابی نہ ہوگی یہ دین ہمارے ہاتھ سے تباہ ہو جاویگا۔ لیکن خدا کبھی اس دین کو ضائع نہیں کرے گا اور نہیں چھوڑے گا جب تک اس کو پورا نہ کرے۔ پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ...... الخ[2] ۱۸/۱۳ یعنی خدا وعدہ دے چکا ہے کہ اس دین میں ﴿۱۸۸﴾ رسول اللہ صلعم کے بعد خلیفے پیدا کرے گا اور قیامت تک اس کو قائم کرے گا۔ یعنی جس طرح موسٰیؑ کے دین میں مدت ہائے دراز تک خلیفے اور بادشاہ بھیجتا رہا ایسا ہی اس جگہ بھی کرے گا اور اس کو معدوم ہونے نہیں دے گا۔ اَب قرآن شریف موجود ہے حافظ بھی بیٹھے ہیں دیکھ لیجئے کہ کفار نے کس دعوے کے ساتھ اپنی رائیں ظاہر کیں کہ یہ دین ضرور معدوم ہو جائے گا اور ہم اس کو کالعدم کر دیں گے اور ان کے مقابل پر یہ پیشینگوئی کی گئی جو قرآن شریف میں موجود ہے کہ ہرگز

[1] التوبۃ:۳۲ [2] النور:۵۶

تباہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بڑے درخت کی طرح ہو جائے گا اور پھیل جائے گا اور اس میں بادشاہ ہونگے اور جیسا کہ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡئَہٗ[۱] ۲۶/۱۲ میں اشارہ ہے اور پھر فصاحت بلاغت کے بارہ میں فرمایا بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ[۲] ۱۹/۱۵ اور پھر اس کی نظیر مانگی اور کہا کہ اگر تم کچھ کر سکتے ہو اس کی نظیر دو۔ پس عربی مبین کے لفظ سے فصاحت بلاغت کے سوا اور کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ خاص کر جب ایک شخص کہے کہ میں یہ تقریر ایسی زبان میں کرتا ہوں کہ تم اس کی نظیر پیش کرو۔ تو بجز اس کے کیا سمجھا جائے گا کہ وہ کمال بلاغت کا مدعی ہے اور مبین کا لفظ بھی اسی کو چاہتا ہے۔ بالآخر چونکہ ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب قرآن شریف کے معجزات سے عمداً منکر ہیں اور اس کی پیشگوئی سے بھی انکاری ہیں اور مجھ سے بھی اسی مجلس میں تین بیمار پیش کر کے ٹھٹھا کیا گیا کہ اگر دینِ اسلام سچا ہے اور تم فی الحقیقت ملہم ہو تو ان تینوں کو اچھے کر کے دکھلاؤ حالانکہ میرا یہ دعویٰ نہ تھا کہ میں قادر مطلق ہوں نہ قرآن شریف کے مطابق مواخذہ تھا۔ بلکہ یہ تو عیسائی صاحبوں کے ایمان کی نشانی انجیل میں ٹھہرائی گئی تھی کہ اگر وہ سچے ایماندار ہوں تو وہ ضرور لنگڑوں اور اندھوں اور بہروں کو اچھا کریں گے۔ مگر تاہم مَیں اِس کے لئے دعا کرتا رہا۔ اور

آج رات جو مجھ پر کُھلا وہ یہ ہے کہ جب کہ مَیں نے بہت تضرّع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دُعا کی کہ تُو اِس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اُس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اِس بحث میں دونوں فریقوں میں سے

[۱] الفتح:۳۰ [۲] الشعرآء:۱۹۶

﴿۱۸۹﴾

جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دِنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دِن ایک مہینہ لیکر یعنی ۱۵۔ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذِلّت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سُوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سُننے لگیں گے۔

اِسی طرح پر جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے سو **الحمد للّٰہ والمنّۃ** کہ اگر یہ پیشینگوئی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ظہور نہ فرماتی تو ہمارے یہ پندرہ دن ضائع گئے تھے اِنسان ظالم کی عادت ہوتی ہے کہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتا اور باوجود سننے کے نہیں سنتا اور باوجود سمجھنے کے نہیں سمجھتا اور جُرأت کرتا ہے اور شوخی کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا ہے لیکن اَب مَیں جانتا ہوں کہ فیصلہ کا وقت آگیا۔ مَیں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی بحثیں تو اَور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کُھلی کہ اس نشان کیلئے تھا۔ مَیں اِسوقت اقرار کرتا ہوں

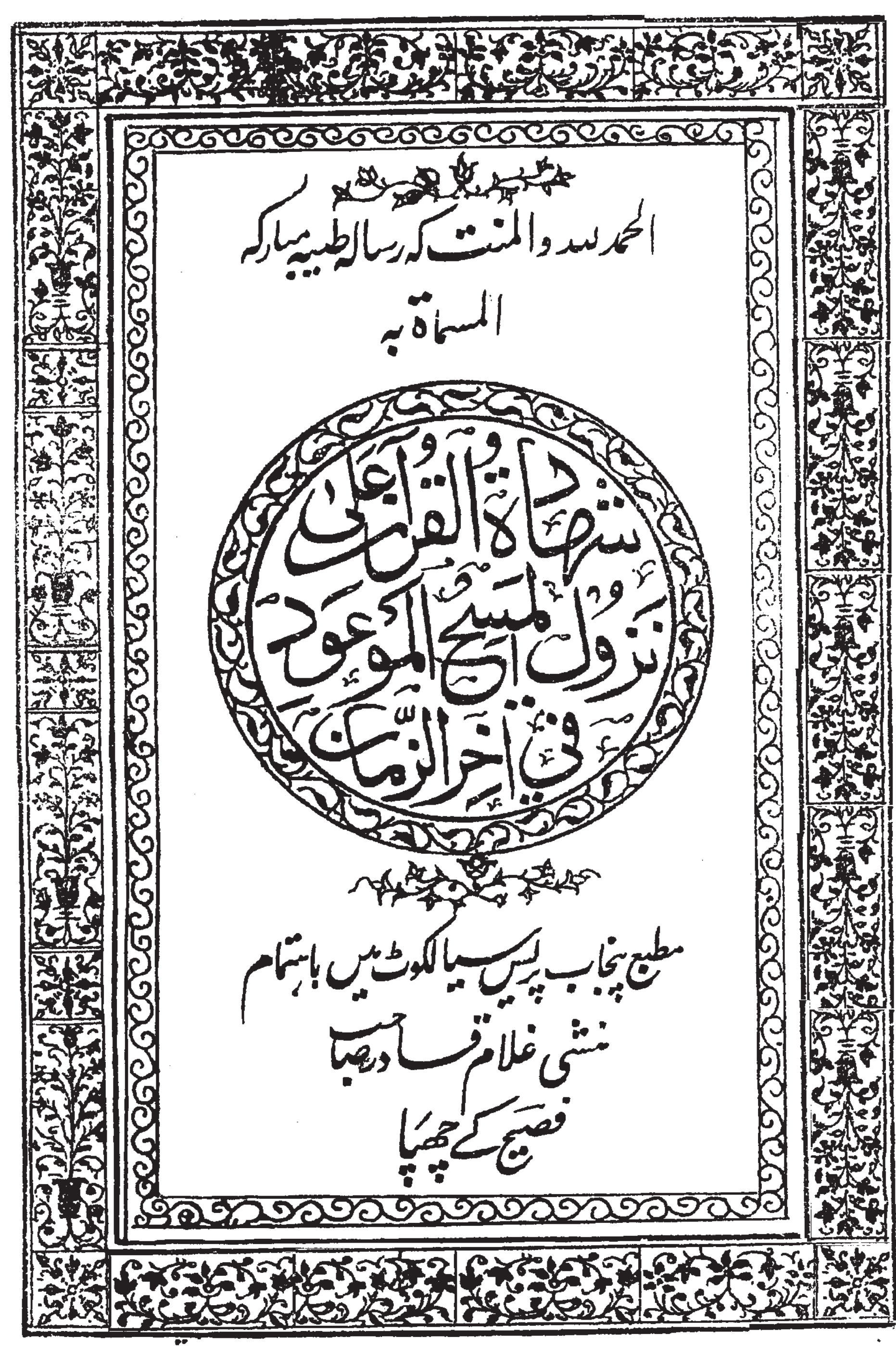
کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نِکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو مَیں ہر ایک سزا کے اُٹھانے کے لئے تیار ہوں مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ رُوسیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسّہ ڈال دیا جاوے مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کیلئے تیار ہوں اور مَیں اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کریگا۔ ضرور کریگا۔ ضرور کریگا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اسکی باتیں نہ ٹلیں گی۔

اَب ڈپٹی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا تو کیا یہ سب آپ کے منشاء کے ﴿۱۹۰﴾ موافق کامل پیشین گوئی اور خدا کی پیشین گوئی ٹھہرے گی یا نہیں ٹھہرے گی اور رسول اللہ صلعم کے سچے نبی ہونے کے بارہ میں جن کو اندرونہ بائبل میں دجال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں محکم دلیل ہو جائے گی یا نہیں ہو جائے گی۔ اب اس سے زیادہ میں کیا لکھ سکتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ اب ناحق ہنسنے کی جگہ نہیں اگر میں جھوٹا ہوں تو میرے لئے سولی تیار رکھو۔ اور تمام شیطانوں اور بدکاروں اور لعنتیوں سے زیادہ مجھے لعنتی قرار دو۔ لیکن اگر میں سچا ہوں۔ تو انسان کو خدا مت بناؤ۔ توریت کو پڑھو کہ اس کی اوّل اور کھلی کھلی تعلیم کیا ہے اور تمام نبی کیا تعلیم دیتے آئے اور تمام دُنیا کِس طرف جُھک گئی۔ اَب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں اِس سے زیادہ نہ کہوں گا۔ **والسّلام علٰی من اتبع الھدٰی۔**

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

تمام شد

ٹائیٹل بار اوّل



الحمد للہ والمنت کہ رسالہ طیبہ مبارکہ

المسماۃ بہ

شہادۃ القرآن علیٰ نزول المسیح الموعود فی آخر الزمان

مطبع پنجاب پریس سیالکوٹ میں باہتمام

منشی غلام قادر صاحب

فصیح کے چھپا

قیمت (۶/)

اشتہار کتب

اس وقت جو

اس عاجز کی تالیفات میں سے

کتابیں موجود ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حصہ چہارم براہین احمدیہ.................. للعہ؍

سرمہ چشم آریہ.................. عگار؍

فتح اسلام .... ۳؍

توضیح مرام .... ۴؍

ازالہ اوہام.................. ؍۳ے

آئینہ کمالات اسلام.................. عگار؍

تفسیر سورۃ☆ الفاتحہ معہ قصائد بزبان عربی.......... ۶؍

تحفہ بغداد بزبان عربی .... ۳؍

برکات الدعاء.................. ۴؍

محصول ڈاک علاوہ

المشتہر

خاکسار

غلام احمد قادیانی

☆اس تفسیر کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کا انعام ان علماء کے لئے جو اس کی نظیر بنا سکیں۔

﴿۱﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و السّلام عَلٰی عبَادِہِ الَّذِیْنَ اصطفٰی

مسیح موعود

ایک صاحب عطا محمد نام اپنے خط مطبوعہ اگست ۱۸۹۳ء میں مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں یا کسی مسیح کا ہم کو انتظار کرنا واجب و لازم ہے۔

اِس جگہ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ صاحب معترض کا یہ مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت فوت ہو گئے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں بتصریح موجود ہے لیکن وہ اِس بات سے منکر ہیں کہ عیسیٰ کے نام پر کوئی اِس امّت میں آنے والا ہے وہ مانتے ہیں کہ احادیث میں یہ پیشگوئی موجود ہے مگر احادیث کے بیان کو وہ پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث زمانہ دراز کے بعد جمع کی گئی ہیں اور اکثر مجموعہ احاد ہے مفید یقین نہیں ہیں اِس لئے وہ مسیح موعود کی خبر کو جو احادیث کے رُو سے ثابت ہے حقیقت مثبتہ خیال نہیں کرتے اور ایسے اخبار کو جو محض حدیث کی رُو سے بیان کئے جائیں ہیچ اور لغو خیال کرتے ہیں جن کا ان کی نظر میں کوئی بھی قابل قدر ثبوت نہیں اِس لئے اِس مقام میں اُن کے مذاق پر جواب دینا ضروری ہے۔ سو واضح ہو کہ اس مسئلہ میں دراصل تنقیح طلب تین[۳] امر ہیں۔

اوّل یہ کہ مسیح موعود کے آنے کی خبر جو حدیثوں میں پائی جاتی ہے کیا یہ اس وجہ سے نا قابل اعتبار ہے کہ حدیثوں کا بیان مرتبہ یقین سے دور و مہجور ہے۔

دوسرے یہ کہ کیا قرآن کریم میں اِس پیشگوئی کے بارے میں کچھ ذکر ہے یا نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ پیشگوئی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے تو اِس بات کا کیا ثبوت کہ اُس کا مصداق یہی عاجز ہے۔

﴿۲﴾ سو اوّل ہم ان ہر سہ تنقیحوں میں سے پہلی تنقیح کو بیان کرتے ہیں سو واضح ہو کہ اِس امر سے دُنیا میں کسی کو بھی انکار نہیں کہ احادیث میں **مسیح موعود** کی کھلی کھلی پیشگوئی موجود ہے بلکہ قریبًا تمام مسلمانوں کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث کی رو سے ضرور ایک شخص آنے والا ہے جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہوگا اور یہ پیشگوئی بخاری اور مسلم اور ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں اس کثرت سے پائی جاتی ہے جو ایک منصف مزاج کی تسلّی کے لئے کافی ہے اور بالضرورت اس قدر مشترک پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ایک مسیح موعود آنے والا ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اکثر ہر یک حدیث اپنی ذات میں مرتبہ احاد سے زیادہ نہیں مگر اس میں کچھ بھی کلام نہیں کہ جس قدر طرق متفرقہ کی رُو سے احادیث نبویہ اس بارے میں مُدوّن ہو چکی ہیں اُن سب کو یک جائی نظر کے ساتھ دیکھنے سے بلاشبہ اِس قدر قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے آنے کی خبر دی ہے اور پھر جب ہم ان احادیث کے ساتھ جو اہل سنت و جماعت کے ہاتھ میں ہیں ان احادیث کو بھی ملاتے ہیں جو دوسرے فرقے اسلام کے مثلاً شیعہ وغیرہ ان پر بھروسہ رکھتے ہیں تو اور بھی اس تواتر کی قوت اور طاقت ثابت ہوتی ہے اور پھر اسکے ساتھ جب صدہا کتابیں متصوفین کی دیکھی جاتی ہیں تو وہ بھی اسی کی شہادت دے رہی ہیں۔ پھر بعد اسکے جب ہم بیرونی طور پر اہل کتاب یعنی نصاریٰ کی کتابیں دیکھتے ہیں تو یہ خبر اُن سے بھی ملتی ہے اور ساتھ ہی حضرت مسیحؑ کے اِس فیصلہ سے جو ایلیا کے آسمان سے نازل ہونیکے بارہ میں ہے یہ بھی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی خبریں کبھی حقیقت پر محمول نہیں ہوتیں لیکن یہ خبر مسیح موعود کے آنے کی اس قدر زور کے ساتھ ہر ایک زمانہ میں پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی جہالت نہیں ہوگی کہ اِس کے تواتر سے انکار کیا جائے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر اسلام کی وہ کتابیں جن کی رو سے یہ خبر سلسلہ وار شائع ہوتی چلی آئی ہے صدی وار مرتب کر کے اکٹھی کی جائیں تو ایسی کتابیں ہزارہا سے کچھ کم نہیں ہونگی۔ ہاں یہ بات اُس شخص کو سمجھانا مشکل ہے کہ جو اسلامی کتابوں سے بالکل بیخبر ہے اور درحقیقت ایسے اعتراض کرنے والے اپنی بدقسمتی کی وجہ سے کچھ ایسے بے خبر ہوتے ہیں کہ اُنھیں یہ بصیرت حاصل ہی نہیں ہوتی کہ فلاں واقعہ کس قدر قوّت اور مضبوطی کے ساتھ اپنا ثبوت رکھتا ہے ﴿۳﴾ پس ایسا ہی صاحب مُعترض نے کسی سے سن لیا ہے کہ احادیث اکثر احاد کے مرتبہ پر ہیں اور اس سے

بلا توقف یہ نتیجہ پیدا کیا کہ بجز قرآن کریم کے اور جسقدر مسلمات اسلام ہیں وہ سب کے سب
بے بنیاد شکوک ہیں جن کو یقین اور قطعیت میں سے کچھ حصّہ نہیں۔ لیکن درحقیقت یہ ایک بڑا بھاری
دھوکہ ہے جس کا پہلا اثر دین اور ایمان کا تباہ ہونا ہے کیونکہ اگر یہی بات سچ ہے کہ اہل اسلام کے
پاس بجز قرآن کریم کے جس قدر اور منقولات ہیں وہ تمام ذخیرہ کذب اور جُھوٹ اور افترا اور ظنون
اور اوہام کا ہے تو پھر شائد اسلام میں سے کچھ تھوڑا ہی حصّہ باقی رہ جائے گا وجہ یہ کہ ہمیں اپنے دین کی
تمام تفصیلات احادیث نبویہ کے ذریعہ سے ملی ہیں۔ مثلاً یہ نماز جو پنج وقت ہم پڑھتے ہیں گو قرآن
مجید سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے مگر یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ صبح کی دو رکعت فرض اور دو
رکعت سُنت ہیں اور پھر ظہر کی چار رکعت فرض اور چار اور دو سُنّت اور مغرب کی تین رکعت فرض اور
پھر عشاء کی چار۔ ایسا ہی زکوٰۃ کی تفاصیل معلوم کرنے کے لئے ہم بالکل احادیث کے محتاج ہیں۔
اسی طرح ہزارہا جزئیات ہیں جو عبادات اور معاملات اور عقود وغیرہ کے متعلق ہیں اور ایسی مشہور ہیں
کہ ان کا لکھنا صرف وقت ضائع کرنا اور بات کو طول دینا ہے۔ علاوہ اس کے اسلامی تاریخ کا مبدء
اور منبع یہی احادیث ہی ہیں اگر احادیث کے بیان پر بھروسہ نہ کیا جائے تو پھر ہمیں اس بات کو بھی
یقینی طور پر نہیں ماننا چاہیئے کہ درحقیقت حضرت **ابوبکر** اور حضرت **عمر** اور حضرت **عثمان** اور حضرت **علی**
رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے جن کو بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اسی ترتیب سے خلافت ملی اور اسی ترتیب سے ان کی موت بھی ہوئی کیونکہ اگر احادیث کے بیان پر
اعتبار نہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان بزرگوں کے وجود کو یقینی کہہ سکیں اور اس صورت میں ممکن ہوگا
کہ تمام نام فرضی ہی ہوں اور دراصل نہ کوئی ابوبکر گذرا ہو نہ عمر نہ عثمان نہ علی کیونکہ بقول میاں عطا محمد
معترض یہ سب احادیث احاد ہیں اور قرآن میں ان ناموں کا کہیں ذکر نہیں پھر بموجب اس اصول
کے کیونکر تسلیم کی جائیں۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا نام ﴿۴﴾
آمنہ اور دادا کا نام عبد المطلب ہونا اور پھر آنحضرت صلعم کی بیویوں میں سے ایک کا **خدیجہ** اور
ایک کا نام **عائشہ** اور ایک کا نام **حفصہ** رضی اللہ عنہن ہونا اور دایہ کا نام **حلیمہ** ہونا۔ اور
غار حرا میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادت کرنا اور بعض صحابہ کا حبشہ کی طرف
ہجرت کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد بعثت دس۱۰ سال تک مکہ میں رہنا اور پھر وہ تمام

لڑائیاں ہونا جن کا قرآن کریم میں نام ونشان نہیں اور صرف احادیث سے یہ تمام امور ثابت ہوتے ہیں تو کیا ان تمام واقعات سے اِس بناء پر انکار کر دیا جاوے کہ احادیث کچھ چیز نہیں اگر یہ سچ ہے تو پھر مسلمانوں کے لئے ممکن نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سوانح میں سے کچھ بھی بیان کرسکیں۔ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے مولیٰ وآقا کی سوانح کا وہ سلسلہ کہ کیونکر قبل از بعثت مکہ میں زندگی بسر کی اور پھر کس سال دعوتِ نبوّت کی اور کس ترتیب سے لوگ داخل اسلام ہوئے اور کفار نے مکّہ کے دس سال میں کس کس قسم کی تکلیفیں پہنچائیں اور پھر کیونکر اور کس وجہ سے لڑائیاں شروع ہوئیں اور کس قدر لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس حاضر ہوئے اور آنجناب کے زمانہ زندگی تک کن کن ممالک تک حکومت اسلام پھیل چکی تھی اور شاہانِ وقت کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے خط لکھے تھے یا نہیں اور اگر لکھے تھے تو ان کا کیا نتیجہ ہوا تھا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے وقت کیا کیا فتوحات اسلام ہوئیں اور کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور حضرت فاروق کے زمانہ میں کن کن ممالک تک فتوحاتِ اسلام ہوئیں۔ یہ تمام امور صرف احادیث اور اقوال صحابہ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں پھر اگر احادیث کچھ بھی چیز نہیں تو پھر اُس زمانہ کے حالات دریافت کرنا نہ صرف ایک امر مشکل بلکہ محالات میں سے ہوگا اور اس صورت میں واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت مخالفین کو ہر یک افترا کی گنجائش ہوگی اور ہم دشمنوں کو بے جا حملہ کرنے کا بہت سا موقعہ دیں گے اور ہمیں ماننا پڑے گا کہ جو کچھ ان احادیث کے ذریعہ سے واقعات اور سوانح دریافت ہوتے ہیں وہ سب ہیچ اور کالعدم ہیں یہاں تک کہ صحابہ کے نام بھی یقینی طور پر ثابت نہیں۔ غرض ایسا خیال کرنا کہ احادیث کے ذریعہ سے کوئی یقینی اور قطعی صداقت ہمیں مل ہی نہیں سکتی گویا اسلام کا بہت سا حصّہ اپنے ہاتھ سے نابود کرنا ہے بلکہ اصل اور صحیح امر یہ ہے کہ جو کچھ احادیث کے ذریعہ سے بیان ہوا ہے جب تک صحیح اور صاف لفظوں میں قرآن اُس کا معارض نہ ہو تب تک اس کو قبول کرنا لازم ہے کیونکہ یہ بات مسلّم ہے کہ طبعی امر انسان کیلئے راست گوئی ہے اور انسان جُھوٹ کو محض کسی مجبوری کی وجہ سے اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ اُس کے لئے ایک غیر طبعی ہے۔ پھر ایسی احادیث جو تعامل اعتقادی یا عملی میں آکر اسلام کے مختلف گروہوں کا ایک شعار

﴿۵﴾

ٹھہر گئی تھیں انکی قطعیت اور تواتر کی نسبت کلام کرنا تو درحقیقت جنون اور دیوانگی کا ایک شعبہ ہے مثلاً آج اگر کوئی شخص یہ بحث کرے کہ یہ پنج نمازیں جو مسلمان پنج وقت ادا کرتے ہیں ان کی رکعات کی تعداد ایک شکّی امر ہے کیونکہ مثلاً قرآن کریم کی کسی آیت میں یہ مذکور نہیں کہ تم صبح کی دو رکعت پڑھا کرو اور پھر جمعہ کی دو اور عیدین کی بھی دو دو۔ رہی احادیث تو وہ اکثر احاد ہیں جو مفید یقین نہیں تو کیا ایسی بحث کرنے والا حق پر ہوگا۔ اگر احادیث کی نسبت ایسی ہی رائیں قبول کی جائیں تو سب سے پہلے نماز ہی ہاتھ سے جاتی ہے کیونکہ قرآن نے تو نماز پڑھنے کا کوئی نقشہ کھینچ کر نہیں دکھلایا صرف یہ نمازیں احادیث کی صحت کے بھروسہ پر پڑھی جاتی ہیں اب اگر مخالف یہی اعتراض کرے کہ قرآن نے نماز کا طریق نہیں سکھلایا اور جس طریق کو مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ مردُود ہے کیونکہ احادیث قابل اعتبار نہیں تو ہم ایسے اصول پر آپ ہی پابند ہونے سے کہ بے شک احادیث کچھ بھی چیز نہیں اِس اعتراض کا کیا جواب دے سکتے ہیں بجُز اسکے کہ اعتراض کو قبول کرلیں بلکہ اِس صورت میں اسلام کی نماز جنازہ بھی بالکل بیہودہ ہوگی کیونکہ قرآن میں اِس بات کا کہیں ذکر نہیں کہ کوئی ایسی نماز بھی ہے کہ جس میں سجدہ اور رکوع نہیں۔ اَب سوچ کر دیکھ لو کہ احادیث کے چھوڑنے سے اسلام کا کیا باقی رہ جاتا ہے۔

اور خود یہ بات قلّت تدبّر کا نتیجہ ہے کہ ایسا خیال کرلیا جائے کہ احادیث کا ماحصل صرف اسقدر ہے کہ محض ایک یا دو آدمی کے بیان کو معتبر سمجھ کے اُس کی روایت کو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیال کرلیا جائے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ احادیث کا سلسلہ تعامل کے سلسلہ کی ایک فرع اور اطراد بعد الوقوع کے طور پر ہے مثلاً محدّثین نے دیکھا کہ کروڑہا آدمی مغرب کے فرض کی تین رکعت پڑھتے ہیں اور فجر کی دو اور مع ذالک ہر ایک رکعت میں سورہ فاتحہ ضرور پڑھتے ہیں اور آمین بھی کہتے ہیں گو بالجهر یا بالسّر اور قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھتے ہیں اور ساتھ اسکے درود اور کئی دعائیں ملاتے ہیں اور دونوں طرف سلام دے کر نماز سے باہر ہوتے ہیں۔ سو اِس طرز عبادت کو دیکھ کر محدثین کو یہ ذوق اور شوق پیدا ہوا کہ تحقیق کے طور پر اس وضع نماز کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاویں اور احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے اس کو ثابت کریں۔ اب اگرچہ یہ بات سچ ہے کہ انھوں نے ایسے سلسلہ کی بہم رسانی کے لئے یہ کوشش نہیں کی کہ ایک ایک

﴿۶﴾

حدیث کے مضمون کے لئے ہزار ہزار یا دو دو ہزار طرق اسناد بہم پہنچا دیں مگر کیا یہ بھی سچ ہے کہ اِس نماز کی بنیاد ڈالنے والے وہی محدّث تھے اور پہلے اُس سے دنیا میں نماز نہیں ہوتی تھی اور دنیا نماز سے بالکل بے خبر تھی اور کئی صدیوں کے بعد صرف ایک دو حدیثوں پر اعتبار کرنے سے نماز شروع کی گئی۔ پس مَیں زور سے کہتا ہوں کہ یہ ایک بڑا دھوکا ہوگا اگر یہ خیال کرلیا جائے گا کہ صرف مدار ثبوت ان رکعات اور کیفیت نماز خوانی کا اُن چند حدیثوں پر تھا جو بنظر ظاہر احاد سے زیادہ معلوم نہیں ہوتیں اگر یہی سچ ہے تو سب سے پہلے فرائض اسلام کیلئے ایک سخت اور لا علاج ماتم درپیش ہے جس کی فکر ایک مسلمان کہلانیوالے ذی غیرت کو سب سے مقدم ہے مگر یاد رہے کہ ایسا خیال فقط ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کبھی بیدار ہو کر سوانح اور واقعات اور رسوم اور عبادات اِسلام کی طرف نظر نہیں کی کہ کیونکر اور کس طریق سے یقینی امور کا ان کو مرتبہ حاصل ہوا۔ سو واضح ہو کہ اس یقین کے بہم پہنچانے کیلئے تعامل قومی کا سلسلہ نہات تسلّی بخش نمونہ ہے مثلاً وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نماز فجر کی اس قدر رکعت اور نماز مغرب کی اِس قدر رکعات ہیں اگرچہ فرض کرو کہ ایسی حدیثیں دو یا تین ہیں اور بہرحال احاد سے زیادہ نہیں مگر کیا اِس تحقیق اور تفتیش سے پہلے لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے اور حدیثوں کی تحقیق اور راویوں کا پتہ ملنے کے بعد پھر نمازیں شروع کرائی گئیں تھیں بلکہ کروڑہا انسان اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور اگر فرض کے طور پر حدیثوں کے اسنادی سلسلہ کا وجود بھی نہ ہوتا۔ تاہم اس سلسلہ تعامل سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت تھا کہ نماز کے بارے میں اسلام کی مسلسل تعلیم وقتًا بعد وقتٍ اور قرنًا بعد قرنٍ یہی چلی آئی ہے۔ ہاں احادیث کی اسناد مرفوعہ متصلہ نے اس سلسلہ کو نورٌ علٰی نور کر دیا۔ پس اگر اسؔ قاعدہ سے احادیث کو دیکھا جائے تو اُن کے اکثر حصہ کو جس کا معین اور مددگار سلسلہ تعامل ہے احاد کے نام سے یاد کرنا بڑی غلطی ہوگی اور درحقیقت یہی ایک بھاری غلطی ہے جس نے اِس زمانہ کے نیچریوں کو صداقت اسلام سے بہت ہی دُور ڈال دیا۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا اسلام کی وُہ تمام سنن اور رسوم اور عبادات اور سوانح اور تواریخ جن پر حدیثوں کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ صرف چند حدیثوں کی بنا پر ہی قائم ہیں حالانکہ یہ اُن کی فاش غلطی ہے بلکہ جس تعامل کے سلسلہ کو ہمارے نبی صلعم نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا تھا وہ ایسا کروڑہا انسانوں میں پھیل گیا تھا کہ اگر محدثین کا دُنیا میں نام ونشان بھی

﴿۷﴾

نہ ہوتا تب بھی اس کو کچھ نقصان نہ تھا۔ یہ بات ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے کہ اس مقدس معلم اور مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی باتوں کو ایسا محدود نہیں رکھا تھا کہ صرف دو چار آدمیوں کو سکھلائی جائیں اور باقی سب اس سے بے خبر ہوں اگر ایسا ہوتا تو پھر اسلام ایسا بگڑتا کہ کسی مُحدّث وغیرہ کے ہاتھ سے ہرگز درست نہیں ہوسکتا تھا۔ اگرچہ آئمہ حدیث نے دینی تعلیم کی نسبت ہزار ہا حدیثیں لکھیں مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ کونسی حدیث ہے کہ جو ان کے لکھنے سے پہلے اُس پر عمل نہ تھا اور دُنیا اس مضمون سے غافل تھی اگر کوئی ایسی تعلیم یا ایسا واقعہ یا ایسا عقیدہ ہے جو اس کی بنیادی اینٹ صرف ائمہ حدیث نے ہی کسی روایت کی بناء پر رکھی ہے اور تعامل کے سلسلہ میں جس کے کروڑ ہا افراد انسانی قائل ہوں اس کا کوئی اثر و نشان دکھائی نہیں دیتا اور نہ قرآن کریم میں اس کا کچھ ذکر پایا جاتا ہے تو بلا شبہ ایسی خبر واحد جس کا پتہ بھی سوڈیڑھ سو برس کے بعد لگا یقین کے درجہ سے بہت ہی نیچے گری ہوئی ہوگی اور جو کچھ اُس کی نا قابل تسلّی ہونے کی نسبت کہو وہ بجا ہے لیکن ایسی حدیثیں درحقیقت دین اور سوانح اسلام سے کچھ بڑا تعلق نہیں رکھتیں بلکہ اگر سوچ کر دیکھو تو ائمہ حدیث نے ایسی حدیثوں کا بہت ہی کم ذکر کیا ہے جن کا تعامل کے سلسلہ میں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ پس جیسا کہ بعض جاہل خیال کرتے ہیں یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ دُنیا نے دین کے صدہا ضروری مسائل یہاں تک کہ صوم و صلوٰۃ بھی صرف امام بخاری اور مُسلم وغیرہ کی احادیث سے سیکھے ہیں۔ کیا سوڈیڑھ سو برس تک لوگ بے دین ہی چلے آتے تھے کیا وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔ حج نہیں کرتے تھے اور ان تمام اسلامی عقائد کے امور سے جو حدیثوں میں لکھے ہیں بے خبر تھے حاشا وکلاّ ہرگز نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرے اس کا حمق ایک تعجب انگیز نادانی ہے۔ پھر جبکہ بخاری اور مسلم وغیرہ ائمہ حدیث کے زمانہ سے پہلے بھی اسلام ایسا ہی سرسبز تھا جیسا کہ ان اماموں کی تالیفات کے بعد تو پھر یہ خیال کس قدر بے تمیزی اور ناسمجھی ہے کہ سراسر تحکم کی راہ سے یہ اعتقاد کر لیا جائے کہ صرف دوسری صدی کی روایتوں کے سہارے سے اسلام کا وہ حصہ پُھولا پھلا ہے جس کو حال کے زمانہ میں احادیث کہتے ہیں اور افسوس تو یہ کہ مخالف تو مخالف ہمارے مذہب کے بے خبر لوگوں کو بھی یہی دھوکا لگ گیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ گویا ایک مدّت کے بعد صرف حدیثی روایات کے مطابق بہت سے مسائل اسلام کے ایسے لوگوں کو تسلیم کرائے گئے ہیں کہ جو اُن حدیثوں کے قلمبند ہونے سے پہلے اُن مسائل سے

﴿۸﴾

بکلّی غافل تھے بلکہ حق بات جو ایک بدیہی امر کی طرح ہے یہی ہے کہ آئمہ حدیث کا اگر لوگوں پر کچھ احسان ہے تو صرف اس قدر کہ وہ امور جو ابتدا سے تعامل کے سلسلہ میں ایک دُنیا اُن کو مانتی تھی اُن کی اسناد کے بارے میں اُن لوگوں نے تحقیق اور تفتیش کی اور یہ دکھلا دیا کہ اُس زمانہ کی موجودہ حالت میں جو کچھ اہل اسلام تسلیم کر رہے ہیں یا عمل میں لا رہے ہیں یہ ایسے امور نہیں جو بطور بدعات اسلام میں اب مخلوط ہو گئے ہیں بلکہ یہ وہی گفتار و کردار ہے جو آنحضرت صلعم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمائی تھی۔

افسوس کہ اس صحیح اور واقعی امر کے سمجھنے میں غلط فہمی کر کے کوتہ اندیش لوگوں نے کس قدر بڑی غلطی کھائی جس کی وجہ سے آج تک وہ حدیثوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اگرچہ یہ تو سچ ہے کہ حدیثوں کا وہ حصہ جو تعامل قولی و فعلی کے سلسلہ سے باہر ہے اور قرآن سے تصدیق یافتہ نہیں یقین کامل کے مرتبہ پر مسلّم نہیں ہو سکتا لیکن وہ دوسرا حصہ جو تعامل کے سلسلہ میں آ گیا اور کروڑ ہا مخلوقات ابتدا سے اُس پر اپنے عملی طریق سے محافظ اور قائم چلی آئی ہے اس کو ظنّی اور شکّی کیونکر کہا جائے۔ ایک دُنیا کا مسلسل تعامل جو بیٹوں سے باپوں تک اور باپوں سے دادوں تک اور دادوں سے پڑدادوں تک بدیہی طور پر مشہور ہو گیا اور اپنے اصل مبدء تک اس کے آثار اور انوار نظر آ گئے اس میں تو ایک ذرّہ شک کی گنجائش نہیں رہ سکتی اور بغیر اس کے انسان کو کچھ بن نہیں پڑتا کہ ایسے مسلسل عمل درآمد کو اول درجہ کے یقینیات میں سے یقین کرے پھر جبکہ ائمہ حدیث نے اس سلسلہ تعامل کے ساتھ ایک اور سلسلہ قائم کیا اور امور تعاملی کا اسناد راست گو اور متدین راویوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا تو پھر بھی اس پر جرح کرنا درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو بصیرت ایمانی اور عقل انسانی کا کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔ ﴿۹﴾

اب اِس تمہید کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ **مسیح موعود** کے بارے میں جو احادیث میں پیشگوئی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ جس کو صرف ائمہ حدیث نے چند روایتوں کی بناء پر لکھا ہو وبس بلکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ پیشگوئی عقیدہ کے طور پر ابتداء سے مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں داخل چلی آتی ہے گویا جس قدر اس وقت روئے زمین پر مسلمان تھے اُسی قدر اس پیشگوئی کی صحت پر شہادتیں موجود تھیں کیونکہ عقیدہ کے طور پر وہ اس کو ابتدا سے یاد کرتے چلے آتے تھے اور **ائمہ حدیث** امام بخاری وغیرہ نے اس پیشگوئی کی نسبت

اگر کوئی امر اپنی کوشش سے نکالا ہے تو صرف یہی کہ جب اُس کو کروڑہا مسلمانوں میں مشہور اور زبان زد پایا تو اپنے قاعدہ کے موافق مسلمانوں کے اس قولی تعامل کے لئے روایتی سند کو تلاش کر کے پَیدا کیا اور روایات صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے جن کا ایک ذخیرہ ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اسناد کو دکھایا۔ علاوہ اس کے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگر نعوذ باللہ یہ افتراء ہے تو اس افترا کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی اور کیوں اُنہوں نے اس پر اتفاق کر لیا اور کس مجبوری نے ان کو اس افتراء پر آمادہ کیا تھا۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ دُوسری طرف ایسی حدیثیں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں جن میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آخری زمانہ میں علماء اِس امت کے یہودی صفت ہو جائیں گے اور دیانت اور خداترسی اور اندرونی پاکیزگی اُن سے دُور ہو جائے گی اور اُس زمانہ میں صلیبی مذہب کا بہت غلبہ ہوگا اور صلیبی مذہب کی حکومت اور سلطنت تقریباً تمام دنیا میں پھیل جائے گی تو اور بھی ان احادیث کی صحت پر دلائل قاطعہ پیدا ہوتے ہیں کیونکہ کچھ شک نہیں کہ اس زمانہ میں یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اور ہمارے اِس زمانہ کے علماء درحقیقت یہودیوں سے مشابہ ہو گئے اور نصاریٰ کی سلطنت اور حکومت ایسی دُنیا میں پھیل گئی کہ پہلے زمانوں میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ پھر جس حالت میں ایک جز اُس پیشگوئی کا صریح اور صاف اور بدیہی طور پر پُورا ہو گیا تو پھر دُوسری خبر کی صداقت میں کیا کلام رہا۔ یہ بات تو ہر یک عاقل کے نزدیک مسلّم ہے کہ اگر مثلاً ایک حدیث احاد میں سے ہو اور سلسلہ تعامل میں بھی داخل نہ ہو مگر ایک پیشگوئی پر مشتمل ہو کہ وہ اپنے وقت پر پُوری ہو جائے یا اُس کا ایک جز پُورا ہو جائے تو اس حدیث کی صحت میں کوئی شک باقی نہیں رہے گا۔ مثلاً نارحجاز کی حدیث جو صحیحین میں درج ہے کچھ شک نہیں کہ احاد میں سے ہے لیکن وہ پیشگوئی قریباً چھ سَو برس گذرنے کے بعد بعینہٖ پُوری ہوگئی جس کے پُورے ہونے کے بارے میں انگریزوں کو بھی اقرار ہے اور اُس زمانہ میں پُوری ہوئی کہ جب صدہا سال ان کتابوں کی تالیف اور شائع ہونے پر بھی گذر چکے تھے تو کیا ان حدیثوں کی نسبت اب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ وہ احاد ہیں اس لیے یقینی طور پر قبول کے لائق نہیں۔ کیونکہ جب اُن کی صداقت کُھل گئی تو پھر ایسا خیال دل میں لانا نہایت بُری اور مکروہ نادانی ہے۔ پس ایسا ہی مسیح موعود کی پیشگوئی میں سوچ لو کہ

﴿۱۰﴾

اس میں بھی یہ الفاظ کہیں صراحتاً اور کہیں اشارۃً موجود تھے کہ وہ مسیح موعود ایسے وقت میں آئے گا کہ جب حکومت اور قوّت نصاریٰ کی تمام رُوئے زمین پر پھیلی ہوئی ہوگی اور ریل جاری ہوگی اور اکثر زمین کے حصّے زیرِ کاشت آجائیں گے اور کاشتکاری کی طرف لوگ بہت متوجہ ہوں گے یہاں تک کہ بیل مہنگے ہوجائیں گے اور زمین پر نہروں کی کثرت ہوجائے گی اور دنیوی حالت کی رُو سے امن کا زمانہ ہوگا۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی ہمارے زمانہ میں پُوری ہوگئی کیونکہ عیسائی سلطنت کا ستارہ اس زمانہ میں ایسے عروج پر پہنچ گیا ہے کہ گویا اس کے سامنے تمام حکومتیں اور ریاستیں کالعدم ہیں اور ریل کی سواری اور نہریں اور کثرت کاشتکاری بھی ہم نے آنکھ سے دیکھ لی۔ اب سوچو کہ کیا اِس پیشگوئی میں وہ غیب کی باتیں نہیں جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہیں۔ کیا اسلام کی یہ حالتِ تنزّل اُس زمانہ میں جبکہ اسلام کی شمشیر بجلی کی طرح کفّار پر پڑ رہی تھی کسی کو معلوم تھی؟ کیا کوئی نوع انسان میں سے ایسے غیب پر قادر ہوسکتا ہے کہ ایسی نئی سواری کی خبر دے جس کا پہلے وجود ثابت نہیں ہوتا۔ نظر اُٹھاؤ اور دیکھو اور خوب سوچو کہ کیا یہ پیشگوئی ان عظیم الشان پیشگوئیوں میں سے نہیں ہے جو ان کی حقیقت اور ان کے ظہور پر صرف خدا تعالیٰ کا علم ہی محیط ہوتا ہے اور انسان کی کارستانیاں اور مخلوق کے ضعیف منصوبے اس پر مشتبہ نہیں ہوسکتے واضح رہے کہ ان پیشگوئیوں کا ایک عجیب سلسلہ ہے اور ایک نہایت درجہ کی ترتیب ابلغ اور ترکیب محکم سے معارف لطیفہ اور نکات دقیقہ اور امور غیبیہ کے ساتھ مرصّع کر کے ذکر فرمایا گیا ہے جس کی بلند شان تک ہرگز انسان کی رسائی نہیں مثلاً اوّل وہ پیشگوئیاں بیان فرمائیں جو اسلام کی ترقی کا زمانہ تھا اور انہیں پیشگوئیوں کے ضمن میں فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہوگا اور پھر بعد اس کے کسریٰ نہیں ہوگا۔ اور قیصر ہلاک ہوگا اور پھر بعد اس کے قیصر نہیں ہوگا اور اسلام ترقی کرے گا اور پھیلے گا اور ہر یک قوم میں داخل ہوگا۔ اور پھر فرمایا کہ اِس اُمّت پر ایک آخری زمانہ آئے گا کہ اکثر علماء اِس اُمت کے یہود کے مشابہ ہوجائیں گے اور دیانت اور تقویٰ ان میں سے جاتی رہے گی جُھوٹے فتوے اور مکاریاں اور منصوبے اُن کا دین ہوگا اور دنیوی لالچوں میں گرفتار ہوجائیں گے اور یہود کے ساتھ

﴿۱۱﴾

شدّت سے مشابہت پَیدا کرلیں گے یہاں تک کہ اگر کسی یہودی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہے تو وہ بھی کریں گے۔ اور ایسا ہی اس زمانہ میں قوم نصاریٰ دُنیا میں پھیل جائے گی اور دُوسری قوموں کو مغلوب کرلے گی اور دین کی محبّت دلوں سے ٹھنڈی ہو جائے گی اور زہرناک ہواؤں کے چلنے کی وجہ سے دین اسلام ایک مسلسل اور غیر منقطع خطرات میں پڑ جائے گا۔ تب مصیبتیں پڑیں گی اور آفتیں زیادہ ہوں گی اور مسلمانوں کے دِلوں سے تقویٰ جاتی رہے گی اور بہتر ہوگا کہ ایک شخص اکیلا بسر کرے اور بکریوں کے دُودھ پر قناعت رکھے اور مسلمانوں کی جماعت کا نام نہ لیوے۔ اور فرمایا کہ جب تُو ایسا حال دیکھے تو ان سب فرقوں کو چھوڑ دے اور کسی درخت کی جڑھوں کو دانت مار یہاں تک کہ تیری جان نکل جائے اور پھر اِسی ضمن میں مسیح موعود کے آنے کی خبر دی اور فرمایا کہ اس کے ہاتھ سے عیسائی دین کا خاتمہ ہوگا اور فرمایا کہ وہ اُن کی صلیب کو توڑے گا۔ اور یہ نہ فرمایا کہ وہ اُن کی حکومت کو پامال کرے گا۔ یہ اِس بات کی طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود کی سلطنت روحانی ہوگی اور اس دُنیا کی حکومتوں سے اس کو کچھ بھی سروکار نہ ہوگا بلکہ وہ اپنی برکات کے زور سے لڑے گا اور اپنے خوارق کے ہتھیاروں سے میدان میں آئے گا یہاں تک کہ صلیب کی رونق اور عظمت کو توڑ دے گا اور عیسائیت کے بے برکت اور منحوس عقیدوں کا پردہ کھول دے گا کیونکہ اس کا نُور ایک تلوار کی طرح چمکے گا اور جس طرح بجلی گرتی ہے اُسی طرح کُفر کی ظلمت پر گرے گا یہاں تک کہ حق کے طالب سمجھ جائیں گے کہ وہ زندہ خدا اسلام کے ساتھ ہے۔ یہ تمام پیشگوئیاں احادیث میں ایک دریا کی طرح بہ رہی ہیں اور ایک دوسرے سے اُن کا ایسا تعلق ہے کہ ایک کی تکذیب سے دُوسری کی تکذیب لازم آتی ہے اور ایک کے ماننے سے دوسری بھی ماننی پڑتی ہے پھر ایسی مسلسل اور مرتب اور محکم اور بانظام پیشگوئیوں میں کون شک کرسکتا ہے بجُز اس کے کہ پاگلوں سے زیادہ مخبط الحواس ہو کیا کوئی دانا ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ تجویز کرسکتا ہے کہ یہ ہزارہا پیشگوئیاں جو خارق عادت امور پر مشتمل ہیں صرف انسان کا افترا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ مرتب اور بانظام اور عظیم الشان باتوں کا انکار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اُنکے انکار سے ایک انقلاب عظیم لازم آتا ہے اور ایک دُنیا کو بدلانا پڑتا ہے۔

﴿۱۲﴾

ماسوا اس کے ان پیشگوئیوں میں ان کی صداقت کیلئے ایک عظیم الشان نشان یہ ہے کہ دنیوی انقلابات کے متعلق جو کچھ ان میں درج تھا اور بظاہر وہ سب ناشدنی باتیں تھیں وہ تمام باتیں پُوری ہوگئی ہیں کیونکہ تیرھویں صدی کی ابتدا سے ہی ہر یک اندرونی اور بیرونی آفت میں ترقی ہونے لگی یہاں تک کہ تیرھویں صدی کے خاتمہ تک گویا دین اور اسلامی شوکت اور حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور وہ بلائیں مسلمانوں کے دین اور دُنیا پر نازل ہوئیں کہ گویا اُن کا جہان ہی بدل گیا۔ جب ہم ان بلاؤں کو اپنی نظر کے سامنے رکھ کر پھر ان پیشگوئیوں پر نظر ڈالتے ہیں جو امام بخاری اور مسلم وغیرہ نے اس وقت سے قریباً گیارہ سو برس پہلے لکھی تھیں اور اس زمانہ میں لکھی تھیں کہ جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اس کی اندرونی حالت گویا حُسن میں رشکِ یوسف تھی اور اس کی بیرونی حالت اپنی شوکت سے اسکندر رومی کو شرمندہ کرتی تھی تو اپنے نبی کریم کی کامل اور پاک وحی اور عظمت اور جلال اور قوت قدسیہ کو یاد کر کے ہماری رِقّت ایمانی جوش میں آتی ہے اور بلا اختیار رونا آتا ہے۔ **سُبحان اللّٰہ** وہ کیا نور تھا جس پر آج سے تیرہ سو برس پہلے قبل از وقت ظاہر کیا گیا کہ اس کی اُمت ابتدا میں کیونکر نشو ونما کرے گی اور کیونکر خارق عادت طور پر اپنی ترقی دکھلائے گی اور کیونکر آخری زمانہ میں یک دفعہ نیچے گرے گی اور پھر کیونکر چند صدیوں میں قوم نصاریٰ کا تمام روئے زمین پر غلبہ ہو جائے گا اور یاد رہے کہ اسی زمانہ کی نسبت مسیح موعود کے ضمن بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی جو صحیح مسلم میں درج ہے اور فرمایا **لیترکن القلاص فلا یسعٰی علیھا** یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں اُونٹنی کی سواری موقوف ہو جائے گی پس کوئی ان پر سوار ہو کر ان کو نہیں دوڑائے گا اور اور یہ ریل کی طرف اشارہ تھا کہ اس کے نکلنے سے اُونٹوں کے دوڑانے کی حاجت نہیں رہے گی اور اونٹ کو اس لئے ذکر کیا کہ عرب کی سواریوں میں سے بڑی سواری اونٹ ہی ہے جس پر وہ اپنے مختصر گھر کا تمام اسباب رکھ کر پھر سوار بھی ہو سکتے ہیں اور بڑے کے ذکر میں چھوٹا خود ضمناً آجاتا ہے۔ پس حاصل مطلب یہ تھا کہ اس زمانہ میں ایسی سواری نکلے گی کہ اونٹ پر بھی غالب آجائے گی جیسا کہ دیکھتے ہو کہ ریل کے نکلنے سے قریباً وہ تمام کام جو اُونٹ کرتے تھے اب ریلیں کر رہی ہیں۔

﴿۱۳﴾

پس اس سے زیادہ تر صاف اور منکشف اور کیا پیشگوئی ہوگی چنانچہ اس زمانہ کی قرآن شریف نے بھی خبر دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[1] یعنی آخری زمانہ وہ ہے کہ جب اونٹنی بے کار ہو جائے گی یہ بھی صریح ریل کی طرف اشارہ ہے اور وہ حدیث اور یہ آیت ایک ہی خبر دے رہی ہیں اور چونکہ حدیث میں صریح مسیح موعود کے بارے میں یہ بیان ہے اس سے یقیناً یہ استدلال کرنا چاہیئے کہ یہ آیت بھی مسیح موعود کے زمانہ کا حال بتلا رہی ہے اور اجمالاً مسیح موعود کی طرف اشارہ کرتی ہے پھر لوگ باوجود ان آیات بیّنات کے جو آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں ان پیشگوئیوں کی نسبت شک کرتے ہیں اب منصفین سوچ لیں کہ ایسی پیشگوئیوں کی نسبت جن کی غیبی باتیں پوری ہوتی آنکھ سے دیکھی گئیں شک کرنا اگر حماقت نہیں تو اَور کیا ہے۔ ﴿۱۴﴾

اِس قدر جو مَیں نے احادیث کی رو سے مسیح موعود کی پیشگوئی کے بارے میں لکھا ہے مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسے شخص کے تسلی یاب ہونے کے لئے کافی ہے جو صداقت کو پاکر پھر ناحق کی مخالفت کرنا نہیں چاہتا۔ اور مَیں نے اِس جگہ اصل الفاظ احادیث کو نقل نہیں کیا اور نہ تمام احادیث کے خلاصہ کو لکھا ہے کیونکہ یہ حدیثیں ایسی مشہور اور زبان زد خلائق ہیں کہ دیہات کے چھوٹے چھوٹے طالب العلم بھی اِن کو جانتے ہیں اور اگر مَیں تمام احادیث کو جو اِس باب میں آئی ہیں اِس مختصر رسالہ میں لکھتا تو شائد میں دس۱۰ جزو تک بھی لکھ کر فارغ نہ ہو سکتا لیکن مَیں ناظرین کو توجہ دلاتا ہوں کہ ضرور وہ صحاح ستہ کی اصل کتابیں یا ان کے تراجم کو غور سے دیکھیں تا انہیں معلوم ہو کہ کس کثرت سے اور کس قوت بیان کے ساتھ اِس قسم کی احادیث موجود ہیں۔

دُوسرا امر تنقیح طلب یہ تھا کہ قرآن کریم میں مسیح موعود کی نسبت کچھ ذکر ہے یا نہیں اس کا فیصلہ دلائل قطعیہ نے اِس طرح پر دیا ہے کہ ضرور یہ ذکر قرآن میں موجود ہے اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص قرآن کریم کی ان آئندہ پیشگوئیوں پر غور کرے گا جو اس امت کے آخری زمانہ کی نسبت اس مقدس کتاب میں ہیں تو اگر وہ فہیم اور زندہ دل اپنے سینہ میں رکھتا ہے تو اس کو اِس بات کے ماننے سے چارہ نہیں ہوگا کہ قرآن کریم میں یقینی اور قطعی طور پر ایک ایسے مصلح کی خبر موجود ہے جس کا دُوسرے

[1] التکویر:۵

لفظوں میں مسیح موعود ہی نام ہونا چاہیئے نہ اور کچھ۔ اس خبر کو سمجھنے کے لئے پہلے مندرجہ ذیل آیات کو یکجائی نظر سے دیکھ لینا چاہیئے مثلاً یہ آیات وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ـ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ـ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ[1] ـ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ـ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ[2] ـ یعنی خدا تعالیٰ نے اس عورت کو ہدایت دی جس نے اپنی شرمگاہ کو نامحرم سے بچایا۔ پس خدا نے اس میں اپنی روح کو پھونک دیا اور اس کو اور اُس کے بیٹے کو دنیا کے لئے ایک نشان ٹھہرایا اور خدا نے کہا کہ یہ اُمت تمہاری ایک ہی اُمّت ہے اور مَیں تمہارا پروردگار ہوں سو تم میری ہی بندگی کرو۔ مگر وہ فرقہ فرقہ ہو گئے اور اپنی بات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور باہم اختلاف ڈال دیا اور آخر ہر یک ہماری ہی طرف رجوع کرے گا۔ اور تمام فرقے ایسی ہی حالت پر رہیں گے یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھولے جائیں گے اور ہر یک بلندی سے دوڑتے ہوں گے اور جب تم دیکھو کہ یاجوج ماجوج زمین پر غالب ہو گئے تو سمجھو کہ وعدہ سچا مذہب حق کے پھیلنے کا نزدیک آ گیا اور وہ وعدہ یہ ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[3] اور پھر فرمایا کہ اس وعدہ کے ظہور کے وقت کفار کی آنکھیں چڑھی ہوں گی اور کہیں گے کہ اے وائے ہم کو۔ ہم اِس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ظالم تھے یعنی ظہور حق بڑے زور سے ہوگا اور کفار سمجھ لیں گے کہ ہم خطا پر ہیں اِن تمام آیات کا ماحصل یہ ہے کہ آخری زمانہ میں دُنیا میں بہت سے مذہب پھیل جائیں گے اور بہت سے فرقے ہو جائیں گے پھر دو قومیں خروج کریں گی جن کا عیسائی مذہب ہوگا اور ہر یک طور کی بلندی وہ حاصل کریں گے اور جب تم دیکھو کہ عیسائی مذہب اور عیسائی حکومتیں دُنیا میں

﴿۱۵﴾

☆نوٹ۔ حزقیل ۳۸ باب اور ۳۹ باب آیت ۵، ۶ روضۃ الصفا بیان اقلیم چہارم پنجم و ششم وتفسیر معالم۔ منہ

[1] الانبیاء: ۹۲ تا ۹۴ [2] الانبیاء: ۹۷، ۹۸ [3] الصف: ۱۰

پھیل گئیں تو جانو کہ وعدہ کا وقت نزدیک ہے۔ پھر دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ وَکَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا . وَتَرَکۡنَا بَعۡضَھُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰھُمۡ جَمۡعًا[1] الجزو نمبر ۱۶ یعنی جب وعدہ خدا تعالیٰ کا نزدیک آ جائے گا تو خدا تعالیٰ اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دے گا جو یاجوج ماجوج کی روک ہے اور خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور ہم اس دن یعنی یاجوج ماجوج کی سلطنت کے زمانہ میں متفرق فرقوں کو مہلت دیں گے کہ تا ایک دوسرے میں موجزنی کریں یعنی ہر یک فرقہ اپنے مذہب اور دین کو دوسرے پر غالب کرنا چاہے گا اور جس طرح ایک موج اس چیز کو اپنے نیچے دبانا چاہتی ہے جس کے اوپر پڑتی ہے اسی طرح موج کی مانند بعض بعض پر پڑیں گی تا ان کو دبالیں اور کسی کی طرف سے کمی نہیں ہوگی ہر یک فرقہ اپنے مذہب کو عروج دینے کے لئے کوشش کرے گا اور وہ انہیں لڑائیوں میں ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صور پھونکا جائے گا۔ تب ہم تمام فرقوں کو ایک ہی مذہب پر جمع کر دیں گے☆ صور ﴿۱۶﴾ پھونکنے سے اس جگہ یہ اشارہ ہے کہ اس وقت عادت اللہ کے موافق خدا تعالیٰ کی طرف سے آسمانی تائیدوں کے ساتھ کوئی مصلح پیدا ہوگا اور اس کے دل میں زندگی کی

☆ **حاشیہ**

ان آیات میں کسی کم تجربہ آدمی کو یہ خیال نہ گذرے کہ ان دونوں مقامات کے بعد میں جہنم کا ذکر ہے اور بظاہر سیاق کلام چاہتا ہے کہ یہ قصہ آخرت سے متعلق ہو مگر یاد رہے کہ عام محاورہ قرآن کریم کا ہے اور صدہا نظیریں اس کی پاک کلام میں موجود ہیں کہ ایک دنیا کے قصہ کے ساتھ آخرت کا قصہ پیوند کیا جاتا ہے۔ اور ہر یک حصہ کلام کا اپنے قرائن سے دوسرے حصہ سے تمیز رکھتا ہے۔ اس طرز سے سارا قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں شق القمر کے معجزہ کو ہی دیکھو کہ وہ ایک نشان تھا لیکن ساتھ اس کے قیامت کا قصہ چھیڑ دیا گیا۔ جس کی وجہ سے بعض نادان قرینوں کو نظر انداز کر کے کہتے ہیں کہ شق القمر وقوع میں نہیں آیا بلکہ قیامت کو ہوگا۔ منہ

[1] الکھف: ۹۹، ۱۰۰

روح پھونکی جائے گی اور وہ زندگی دوسروں میں سرایت کرے گی۔ یاد رہے کہ صور کا لفظ ہمیشہ عظیم الشان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے گویا جب خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات کو ایک صورت سے منتقل کر کے دوسری صورت میں لاتا ہے تو اس تغیر صور کے وقت کو **نفخ صور** سے تعبیر کرتے ہیں اور اہل کشف پر مکاشفات کی رو سے اس صور کا ایک وجود جسمانی بھی محسوس ہوتا ہے اور یہ عجائبات اس عالم میں سے ہیں جن کے سر اس دنیا میں بجز منقطعین کے اور کسی پر کھل نہیں سکتے۔ بہرحال آیات موصوفہ بالا سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں عیسائی مذہب اور حکومت کا زمین پر غلبہ ہوگا اور مختلف قوموں میں بہت سے تنازعات مذہبی پیدا ہوں گے اور ایک قوم دوسری قوم کو دبانا چاہے گی اور ایسے زمانہ میں صور پھونک کر تمام قوموں کو دین اسلام پر جمع کیا جاوے گا یعنی سنت اللہ کے موافق آسمانی نظام قائم ہوگا اور ایک آسمانی **مصلح** آئے گا درحقیقت اسی مصلح کا نام **مسیح موعود** ہے کیونکہ جبکہ فتنہ کی بنیاد نصاریٰ کی طرف سے ہوگی اور خدا تعالیٰ کا بڑا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی صلیب کی شان کو توڑے۔ اس لئے جو شخص نصاریٰ کی دعوت کے لئے ﴿۱۷﴾ بھیجا گیا بوجہ رعایت حالت اس قوم کے جو مخاطب ہے اس کا نام مسیح اور عیسیٰ رکھا گیا اور دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ جب نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو خدا بنایا اور اپنی مفتریات کو ان کی طرف منسوب کیا اور ہزارہا مکاریوں کو زمین پر پھیلایا اور حضرت مسیح کی قدر کو حد سے زیادہ بڑھا دیا تو اس زندہ اور وحید بے مثل کی غیرت نے چاہا کہ اسی امت سے عیسیٰ ابن مریم کے نام پر ایک اپنے بندہ کو بھیجے اور کرشمہ قدرت کا دکھلاوے تا ثابت ہو کہ بندوں کو خدا بنانا حماقت ہے وہ جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور مشت خاک کو افلاک تک پہنچا سکتا ہے اور اس جگہ یہ بات بھی یاد رہے کہ زمانہ کے فساد کے وقت جب کہ کوئی مصلح آتا ہے اس کے ظہور کے وقت پر آسمان سے ایک انتشار نورانیت ہوتا ہے۔ یعنی اس کے اترنے کے ساتھ زمین پر ایک نور بھی اترتا ہے اور مستعد دلوں پر نازل ہوتا ہے تب دنیا خود بخود بشرط استعداد نیکی اور سعادت کے طریقوں کی طرف رغبت کرتی ہے اور ہر یک دل تحقیق اور تدقیق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور نامعلوم اسباب سے طلب حق کے لئے ہر یک طبیعت مستعدہ

میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے غرض ایک ایسی ہوا چلتی ہے جو مستعد دلوں کو آخرت کی طرف ہلا دیتی ہے اور سوئی ہوئی قوتوں کو جگا دیتی ہے اور زمانہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک انقلاب عظیم کی طرف حرکت کر رہا ہے سو یہ علامتیں اس بات پر شاہد ہوتی ہیں کہ وہ مصلح دنیا میں پیدا ہو گیا پھر جس قدر آنے والا مصلح عظیم الشان ہو یہ غیبی تحریکات قوت سے مستعد دلوں میں اپنا کام کرتی ہیں۔ ہریک سعید الفطرت جاگ اٹھتا ہے اور نہیں جانتا ہے کہ اس کو کس نے جگایا۔ ہریک صحیح الجبلت اپنے اندر ایک تبدیلی پاتا ہے اور نہیں معلوم کرسکتا کہ یہ تبدیلی کیونکر پیدا ہوئی۔ غرض ایک جنبش سی دلوں میں شروع ہو جاتی ہے اور نادان خیال کرتے ہیں کہ یہ جنبش خود بخود پیدا ہوگئی لیکن درپردہ ایک رسول یا مجدّد کے ساتھ یہ انوار نازل ہوتے ہیں چنانچہ قرآن کریم اور احادیث کی رو سے یہ امر نہایت انکشاف کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ وَمَآ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ سَلٰمٌ ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ [1] یعنی ہم نے اس کتاب اور اس نبی کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے اور تو جانتا ہے کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے لیلۃ القدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح القدس اپنے رب کے اذن سے اترتے ہیں۔ اور وہ ہریک امر میں سلامتی کا وقت ہوتا ہے یہاں تک کہ فجر ہو۔ اب اگرچہ مسلمانوں کے ظاہری عقیدہ کے موافق لیلۃ القدر ایک متبرک رات کا نام ہے مگر جس حقیقت پر خدا تعالیٰ نے مجھ کو مطلع کیا ہے وہ یہ ہے کہ علاوہ ان معنوں کے جو مسلم قوم ہیں لیلۃ القدر وہ زمانہ بھی ہے جب دنیا میں ظلمت پھیل جاتی ہے اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے تب وہ تاریکی بالطبع تقاضا کرتی ہے کہ آسمان سے کوئی نور نازل ہو۔ سو خدا تعالیٰ اس وقت اپنے نورانی ملائکہ اور روح القدس کو زمین پر نازل کرتا ہے۔ اسی طور کے نزول کے ساتھ جو فرشتوں کی شان کے ساتھ مناسب حال ہے تب روح القدس تو اس مجدّد اور مصلح سے تعلّق پکڑتا ہے جو اجتبا اور اصطفا کی خلعت سے

﴿۱۸﴾

[1] القدر: ۲تا۶

مشرف ہو کر دعوت حق کے لئے مامور ہوتا ہے اور فرشتے ان تمام لوگوں سے تعلق پکڑتے ہیں جو سعید اور رشید اور مستعد ہیں اور ان کو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں اور نیک توفیقیں ان کے سامنے رکھتے ہیں تب دنیا میں سلامتی اور سعادت کی راہیں پھیلتی ہیں اور ایسا ہی ہوتا رہتا ہے جب تک دین اپنے اس کمال کو پہنچ جائے جو اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اس سورہ مبارکہ میں صاف اور صریح لفظوں میں فرما دیا کہ جب کوئی مصلح خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے تو ضرور دلوں کو حرکت دینے والے ملائکہ زمین پر نازل ہوتے ہیں تب ان کے نزول سے ایک حرکت اور تموّج دلوں میں نیکی اور راہ حق کی طرف پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ایسا خیال کرنا کہ یہ حرکت اور یہ تموّج بغیر ظہور مصلح کے خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کلام اور اس کے قدیم قانون قدرت کے مخالف ہے اور ایسے اقوال صرف ان لوگوں کے منہ سے نکلتے ہیں جو الٰہی اسرار سے بے خبر محض اور صرف اپنے بے بنیاد اوہام کے تابع ہیں بلکہ یہ تو آسمانی مصلح کے پیدا ہونے کی علامات خاصہ ہیں اور اس آفتاب کے گرد ذرات کی مانند ہیں۔ ہاں اس حقیقت کو دریافت کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ ایک دنیا دار کی دود آمیز نظر اس نور کو دریافت نہیں کر سکتی دینی صداقتیں اس کی نظر میں ایک ہنسی کی بات ہے اور معارف الٰہی اس کے خیال میں بیوقوفیاں ہیں۔ ﴿۱۹﴾

اور دوسری آیات جن میں اس آخری زمانہ کی نشانیاں بتلائی گئی ہیں یعنی وہ آیات جن میں اول ارضی تاریکی زور کے ساتھ پھیلنے کی خبر دی گئی ہے اور پھر آسمانی روشنی کے نازل ہونے کی علامتیں بتلائی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا [۱] **یعنی** آخری زمانہ اس وقت آئے گا کہ جس وقت زمین ایک ہولناک جنبش کے ساتھ جو اس کی مقدار کے مناسب حال ہے ہلائی جائے گی یعنی اہل الارض میں ایک تغیر عظیم آئے گا اور نفس اور دنیا پرستی کی طرف لوگ جھک جائیں گے اور پھر فرمایا کہ زمین اپنے تمام بوجھ نکال ڈالے گی

[۱] الزلزال: ۲ تا ۶

یعنی زمینی علوم اور زمینی مکر اور زمینی چالاکیاں اور زمینی کمالات جو کچھ انسان کی فطرت میں مودع ہیں سب کی سب ظہور میں آجائیں گی اور نیز زمین جس پر انسان رہتے ہیں اپنے تمام خواص ظاہر کردے گی اور علم طبعی اور فلاحت کے ذریعہ سے بہت سی خاصیتیں اس کی معلوم ہو جائیں گی اور کانیں نمودار ہوں گی اور کاشتکاری کی کثرت ہو جائے گی۔ غرض زمین زرخیز ہو جائے گی اور انواع اقسام کی کلیں ایجاد ہوں گی یہاں تک کہ انسان کہے گا کہ یہ کیا ماجرا ہے اور یہ نئے نئے علوم اور نئے نئے فنون اور نئی نئی صنعتیں کیونکر ظہور میں آتی جاتی ہیں تب زمین یعنی انسانوں کے دل زبان حال سے اپنے قصے سنائیں گے کہ یہ نئی باتیں جو ظہور میں آرہی ہیں یہ ہماری طرف سے نہیں یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی وحی ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ انسان اپنی کوششوں سے اس قدر علوم عجیبہ پیدا کر سکے۔

اور یاد رہے کہ ان آیات کے ساتھ جو قرآن کریم میں بعض دوسری آیات جو آخرت کے متعلق ہیں شامل کی گئی ہیں وہ درحقیقت اُسی سنت اللہ کے موافق شامل فرمائی گئی ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ورنہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حقیقی اور مقدم معنے ان آیات کے یہی ہیں جو ہم نے بیان کئے اور اُس پر قرینہ جو نہایت قوی اور فیصلہ کرنے والا ہے یہ ہے کہ اگر ان آیات کے حسب ظاہر معنے کئے جائیں تو ایک فساد عظیم لازم آتا ہے۔ یعنی اگر ہم اس طور سے معنے کریں کہ کسی وقت باوجود قائم رہنے اس آبادی کے جو دنیا میں موجود ہے۔ ایسے سخت زلزلے زمین پر آئیں گے جو تمام زمین کے اُوپر کا طبقہ نیچے اور نیچے کا اُوپر ہو جائے گا۔ تو یہ بالکل غیر ممکن اور ممتنعات میں سے ہے۔ آیت موصوفہ میں صاف لکھا ہے کہ انسان کہیں گے کہ زمین کو کیا ہو گیا۔ پھر اگر حقیقتاً یہی بات سچ ہے کہ زمین نہایت شدید زلزلوں کے ساتھ زیروزبر ہو جائے گی تو انسان کہاں ہوگا جو زمین سے سوال کرے گا وہ تو پہلے ہی زلزلہ کے ساتھ زاویہ عدم میں مخفی ہو جائے گا۔ علوم حسّیہ کا تو کسی طرح سے انکار نہیں ہو سکتا پس ایسے معنے کرنا جو بداہت باطل اور قرائن موجودہ کے مخالف ہوں گویا اسلام سے ہنسی کرانا

﴿۲۰﴾

اور مخالفین کو اعتراض کے لئے موقعہ دینا ہے پس واقعی اور حقیقی معنے یہی ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ تغیرات اور فتن اور زلازل ہمارے زمانہ میں قوم نصاریٰ سے ہی ظہور میں آئے ہیں جن کی نظیر دُنیا میں کبھی نہیں پائی گئی۔ پس یہ ایک دُوسری دلیل اِس بات پر ہے کہ یہی قوم وہ آخری قوم ہے جس کے ہاتھ سے طرح طرح کے فتنوں کا پھیلنا مقدر تھا جس نے دُنیا میں طرح طرح کے ساحرانہ کام دکھلائے اور جیسا کہ لکھا ہے کہ دجّال نبوت کا دعویٰ کرے گا اور نیز خدائی کا دعویٰ بھی اس سے ظہور میں آئے گا وہ دونوں باتیں اس قوم سے ظہور میں آ گئیں۔ نبوت کا دعویٰ اِس طرح پر کہ اِس قوم کے پادریوں نے نبیوں کی کتابوں میں بڑی گستاخی سے دخل بے جا کیا اور ایسی بے باکانہ مداخلت کی کہ گویا وہ آپ ہی نبی ہیں جس طرف چاہا اُن کی عبارات کو پھیر لیا اور اپنے مدعا کے موافق شرحیں لکھیں اور بیباکی سے ہر یک جگہ مفتریانہ دخل دیا۔ موجود کو چھپایا اور معدوم کو ظاہر کیا اور دعویٰ کے ساتھ ایسے محرف طور پر معنے کئے کہ گویا اُن پر وحی نازل ہوئی اور وہ نبی ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ مناظرات اور مباحثات کے وقت ایسے بیہودہ اور دور از صدق جواب عمدًا دیتے ہیں کہ گویا وہ ایک نئی انجیل بنا رہے ہیں۔ ایسا ہی اُن کی تالیفات بھی کسی نئے عیسیٰ اور نئی انجیل کی طرف رہبری کر رہی ہیں اور وہ جھوٹ بولنے کے وقت ذرہ ڈرتے نہیں اور چالاکی کی راہ سے کروڑہا کتابیں اپنے اس کاذبانہ دعویٰ کے متعلق بنا ڈالیں گویا وہ دیکھ آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدائی کی کرسی پر بیٹھے ہیں اور خُدائی کا اِس طرح پر دعویٰ کیا کہ خدائی کاموں میں حد سے زیادہ دخل دے دیا اور چاہا کہ زمین و آسمان میں کوئی بھی ایسا بھید مخفی نہ رہے جو وہ اُس کی تہ تک نہ پہنچ جائیں اور ارادہ کیا کہ خدا تعالیٰ کے سارے کاموں کو اپنی مُٹھی میں لے لیں اور ایسے طور سے خدائی کی کَل اُن کے ہاتھ میں آ جائے کہ اگر ممکن ہو تو سورج کا غروب اور طلوع بھی انہیں کے اختیار میں ہی ہو اور بارش کا ہونا نہ ہونا بھی ان کے اپنے ہاتھ کی کارستانی پر موقوف ہو اور کوئی بات ان کے آگے انہونی نہ رہے اور دعویٰ خدائی اور کیا ہوتا ہے یہی تو ہے کہ خدائی کاموں

﴿۲۱﴾

میں اور خدا تعالیٰ کی خاص قدرتوں میں ہی دست اندازی کریں اور یہ شوق پیدا ہو کہ کسی طرح اسکی جگہ بھی ہم ہی لے لیں ۔ وہ لوگ جو احادیث مسیح موعود اور احادیث متعلّقہ دجال پر حرف زنی کرتے ہیں اُن کو اِس مقام میں بھی غور کرنی چاہیئے کہ اگر یہ پیشگوئیاں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتیں اور صرف انسان کا کاروبار ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ایسی صفائی اور عمدگی سے پُوری ہوتیں کیا یہ بھی کبھی کسی کے گمان میں تھا کہ یہ قوم نصاریٰ کسی زمانہ میں انسان کے خدا بنانے میں اس قدر کوششیں اور جعلسازیاں کریں گے اور فلسفی تحقیقاتوں میں خدا کے لئے کوئی مرتبہ خصوصیّت نہیں چھوڑیں گے۔ دیکھو خر دجال جس کے ما بین اُذنین کا ستّر باع کا فاصلہ لکھا ہے ریلوں کی گاڑیوں سے بطور اغلب اکثر بالکل مطابق آتا ہے اور جیسا کہ قرآن اور حدیث میں آیا ہے کہ اس زمانہ میں اونٹ کی سواریاں موقوف ہو جائیں گی ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ ریل کی سواری نے اِن تمام سواریوں کو مات کر دیا اور اب انکی بہت ہی کم ضرورت باقی رہی ہے اور شائد تھوڑے ہی عرصہ میں اِس قدر ضرورت بھی باقی نہ رہے ایسا ہی ہم نے بچشم دیکھا کہ درحقیقت اس قوم کے علماء و حکماء نے دین کے متعلق وہ فتنے ظاہر کئے کہ جن کی نظیر حضرت آدم سے لے کر تا ایں دم پائی نہیں جاتی ۔ پس بلا شبہ نبوت میں بھی انہوں نے مداخلت کی اور خدائی میں بھی۔ اب اس سے زیادہ ان احادیث کی صحت کا کیا ثبوت ہو کہ ان کی پیشگوئی پوری ہوگئی اور قرآن کریم کی ان آیات میں یعنی اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا[1] میں حقیقت میں اسی دجّالی زمانہ کی طرف اشارہ ہے جس کو ذرہ بھی عقل ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے اور یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ وہ قوم ارضی علوم میں کہاں تک ترقی کرے گی۔ ﴿۲۲﴾

پھر اسی زمانہ کی علامات میں جبکہ ارضی علوم و فنون زمین سے نکالے جائیں گے بعض ایجادات اور صناعات کو بطور نمونہ کے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے۔ وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا وَتَخَلَّتۡ[2] جبکہ زمین کھینچی جاوے گی یعنی زمین صاف کی جائے گی اور آبادی بڑھ جاوے گی اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو زمیں باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی یعنی تمام ارضی

[1] الزلزال:۲ [2] الانشقاق:۴، ۵

استعدادیں ظہور و بروز میں آجائیں گی جیسا کہ پہلے اس سے ابھی اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ [1] یعنی اُس وقت اُونٹنی بیکار ہو جائے گی اور اُس کا کچھ قدر و منزلت نہیں رہے گا۔ عشار حملدار اُونٹنی کو کہتے ہیں جو عربوں کی نگاہ میں بہت عزیز ہے اور ظاہر ہے کہ قیامت سے اس آیت کو کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ قیامت ایسی جگہ نہیں جس میں اُونٹ اُونٹنی کو ملے اور حمل ٹھہرے بلکہ یہ ریل کے نکلنے کی طرف اشارہ ہے اور حملدار ہونے کی اِس لئے قید لگادی کہ تا یہ قید دُنیا کے واقعہ پر قرینہ قویّہ ہو اور آخرت کی طرف ذرہ بھی وہم نہ جائے وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ [2] اور جس وقت کتابیں منتشر کی جائیں گی اور پھیلائی جائیں گی یعنی اشاعت کتب کے وسائل پیدا ہو جائیں گے۔ یہ چھاپے خانوں اور ڈاک خانوں کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں ان کی کثرت ہو جائے گی۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ [3] اور جس وقت جانیں باہم ملائی جائیں گی۔ یہ تعلقات اقوام اور بلاد کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں بباعث راستوں کے کھلنے اور انتظام ڈاک اور تار برقی کے تعلقات بنی آدم کے بڑھ جائیں گے اور ایک قوم دوسری قوم کو ملے گی اور دور دور کے رشتے اور تجارتی اتحاد ہونگے اور بلاد بعیدہ کے دوستانہ تعلقات بڑھ جائیں گے۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ [4] اور جس وقت وحشی آدمیوں کے ساتھ اکٹھے کئے جائیں گے مطلب یہ ہے کہ وحشی قومیں تہذیب کی طرف رجوع کریں گی اور اُن میں انسانیت اور تمیز آئے گی اور اراذل دنیوی مراتب اور عزّت سے ممتاز ہو جائیں گے اور بباعث دنیوی علوم و فنون پھیلنے کے شریفوں اور رذیلوں میں کچھ فرق نہیں رہے گا بلکہ رذیل غالب آجائیں گے یہاں تک کہ کلید دولت اور عنانِ حکومت ان کے ہاتھ میں ہوگی اور مضمون اس آیت کا ایک حدیث کے مضمون سے بھی ملتا ہے۔ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ [5] اور جس وقت دریا چیرے جاویں گے یعنی زمین پر نہریں پھیل جائیں گی۔ اور کاشتکاری کثرت سے ہوگی۔ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ [6] اور جس وقت پہاڑ اڑائے جائیں گے اور ان میں سڑکیں پیادوں اور سواروں کے چلنے کی یا ریل کے چلنے کیلئے بنائی جائیں گی۔ پھر علاوہ اس کے عام ظلمت کی نشانیاں بیان فرمائیں اور فرمایا۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ [7] جس وقت سُورج لپیٹا

﴿۲۳﴾

[1] التکویر:۵ [2] التکویر:۱۱ [3] التکویر:۸ [4] التکویر:۶ [5] الانفطار:۴ [6] المرسلات:۱۱ [7] التکویر:۲

جاویگا یعنی سخت ظلمت جہالت اور معصیت کی دنیا پر طاری ہو جائے گی وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ [1] اور جس وقت تارے گدلے ہو جاویں گے یعنی علماء کا نُورِ اخلاص جاتا رہے گا وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ [2] اور جس وقت تارے جھڑ جاویں گے یعنی ربّانی علماء فوت ہو جائیں گے کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ زمین پر تارے گریں اور پھر زمین پر لوگ آباد رہ سکیں۔ یاد رہے کہ مسیح موعود کے آنے کیلئے اسی قسم کی پیشگوئی انجیل میں بھی ہے کہ وہ اس وقت آئے گا کہ جب زمین پر تارے گر جائیں گے اور سُورج اور چاند کا نور جاتا رہے گا۔ اور اِن پیشگوئیوں کو ظاہر پر حمل کرنا اس قدر خلافِ قیاس ہے کہ کوئی دانا ہرگز یہ تجویز نہیں کرے گا کہ درحقیقت سُورج کی روشنی جاتی رہے اور ستارے تمام زمین پر گر پڑیں اور پھر زمین بدستور آدمیوں سے آباد ہو اور اُس حالت میں مسیح موعود آوے۔ اور پھر فرمایا اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ [3] جس وقت آسمان پھٹ جاوے۔ ایسا ہی فرمایا۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ [4] اور انجیل میں بھی اسی کے مطابق مسیح موعود کے آنے کی خبر دی ہے مگر اِن آیتوں سے یہ مراد نہیں ہے کہ درحقیقت اُس وقت آسمان پھٹ جائے گا یا اُس کی قوتیں سُست ہو جائیں گی بلکہ مدعا یہ ہے کہ جیسے پھٹی ہوئی چیز بیکار ہو جاتی ہے ایسا ہی آسمان بھی بیکار سا ہو جائے گا۔ آسمان سے فیوض نازل نہیں ہونگے اور دُنیا ظلمت اور تاریکی سے بھر جائے گی۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ [5] اور جب رسول وقت مقرر پر لائے جائیں گے یہ اشارہ درحقیقت مسیح موعود کے آنے کی طرف ہے اور اِس بات کا بیان مقصود ہے کہ وہ عین وقت پر آئے گا اور یاد رہے کہ کلام اللہ میں رُسل کا لفظ واحد پر بھی اطلاق پاتا ہے اور غیر رسول پر بھی اطلاق پاتا ہے اور یہ مَیں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ اکثر قرآن کریم کی آیات کئی وجوہ کی جامع ہیں جیسا کہ یہ احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن کے لئے ظہر بھی ہے اور بطن بھی۔ پس اگر رسول قیامت کے میدان میں بھی شہادت کیلئے جمع ہوں تو اٰمنّا و صدّقنا لیکن اس مقام میں جو آخری زمانہ کی ابتر علامات بیان فرما کر پھر اخیر پر یہ بھی فرما دیا کہ اس وقت رسول وقت مقرر پر لائے جائیں گے۔ تو قرائن بیّنہ صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اُس ظلمت کے کمال کے بعد خدا تعالیٰ کسی اپنے

﴿۲۴﴾

[1] التکویر:۳ [2] الانفطار:۳ [3] الانشقاق:۲ [4] الانفطار:۲ [5] المرسلٰت:۱۲

مرسل کو بھیجے گا۔ تا مختلف قوموں کا فیصلہ ہو اور چونکہ قرآن شریف سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ظلمت عیسائیوں کی طرف سے ہو گی اور ایسا مامور من اللہ بلاشبہ اُنھیں کی دعوت کے لئے اور اُنھیں کے فیصلہ کے لئے آئے گا۔ پس اسی مناسبت سے اس کا نام عیسیٰ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ عیسائیوں کے لئے ایسا ہی بھیجا گیا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے لئے بھیجے گئے تھے اور آیت وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ[1] میں الف لام عہد خارجی پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ مجدّد جس کا بھیجنا بزبان رسول کریم معہود ہو چکا ہے وہ اُس عیسائی تاریکی کے وقت میں بھیجا جائے گا۔

جس قدر اب تک ہم آیات قرآن کریم لکھ چکے ہیں اُن سے بخوبی ظاہر ہے کہ ضرور قرآن کریم میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ آخری زمانہ میں دین عیسوی دُنیا میں بکثرت پھیل جائے گا۔ اور وہ لوگ ارادہ کریں گے کہ تا دینِ اسلام کو رُوئے زمین پر سے مٹا دیں اور جہاں تک اُن کے لئے ممکن ہوگا اپنے دین کی بھلائی میں کوئی دقیقہ چھوڑ نہیں رکھیں گے۔ تب خدا تعالیٰ دینِ اسلام کی نصرت کی طرف متوجہ ہوگا اور اُس فتنہ کے وقت میں دِکھلائے گا کہ وہ کیونکر اپنے دین اور اپنے پاک کلام کا محافظ ہے۔ تب اُس کی عادت اور سنت کے موافق ایک آسمانی روشنی نازل ہو گی اور ہر ایک سعید اُس روشنی کی طرف کھینچا جائے گا یہاں تک کہ تمام سعادت کے جگر پارے ایک ہی دین کے جھنڈے کے نیچے آ جائیں گے۔ خدا تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ لڑائیوں اور مباحثات کے شور اُٹھنے کے وقت میں نفخ صور ہوگا تب سعید لوگ ایک ہی مذہب پر جمع کئے جائیں گے اور پھر یہ بھی فرما دیا کہ تاریکی کے وقت میں رسولوں کو بھیجا جائے گا۔ اب اس سے اور کیا تصریح ہو گی کہ اللہ جلّ شانہ نے **اوّل** آخری زمانہ کی علامت یاجوج ماجوج کا غلبہ یعنی روس اور انگریزوں کا تسلّط بیان فرمایا۔ پھر **دُوسری** علامت بہت سے فرقے پَیدا ہو جانا قرار دیا۔ پھر **تیسری** علامت ان فرقوں کا آپس میں مباحثات کرنا اور موج کی طرح ایک دوسرے پر پڑنا بیان فرمایا۔ پھر **چوتھی** علامت ریل کا جاری ہونا۔ پھر **پانچویں** علامت کتابوں اور اخبار کے شائع ہونے کے ذریعے جیسے چھاپہ خانہ اور تار برقی۔ پھر

﴿۲۵﴾

[1] المرسلٰت:۱۲

چھٹی علامت نہروں کا نکلنا اور پھر **ساتویں** علامت زمین کی آبادی اور کاشتکاری زیادہ ہو جانا اور پھر **آٹھویں** علامت پہاڑوں کا اُڑایا جانا اور پھر **نویں** علامت تمام علوم وفنون جدیدہ کی ترقی ہونا۔ پھر **دسویں** علامت گناہ اور تاریکی کا پھیلنا اور دُنیا سے تقویٰ اور طہارت اور ایمانی نور اُٹھ جانا پھر **گیارھویں** علامت دابۃ الارض کا ظہور میں آنا یعنی ایسے واعظوں کا بکثرت ہو جانا جن میں آسمانی نُور ایک ذرہ بھی نہیں اور صرف وہ زمین کے کیڑے ہیں اعمال اُن کے دجّال کے ساتھ ہیں اور زبانیں انکی اسلام کے ساتھ یعنی عملی طور پر وہ دجّال کے خادم اور ممسوخ الصورت اور حیوانی شکل ظاہر کر رہے ہیں مگر زبانیں اُن کی انسان کی سی ہیں۔ پھر **بارھویں** علامت مسیح موعود کا پیدا ہونا ہے جس کو کلام الٰہی میں نفخ صور کے استعارہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور نفخ حقیقت میں دو قسم پر ہے ایک نفخ اضلال اور ایک نفخ ہدایت جیسا کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے ۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ [1] یہ آیتیں ذوالوجوہ ہیں قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی۔ جیسا کہ آیت اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا [2] اور جیسا کہ آیت فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا [3] اور اس عالم کے لحاظ سے اِن آیتوں کے یہ معنی ہیں کہ آخری دنوں میں دو زمانے آئیں گے۔ ایک ضلالت کا زمانہ اور اس زمانہ میں ہر ایک زمینی اور آسمانی یعنی شقی اور سعید پر غفلت سی طاری ہوگی مگر جس کو خدا محفوظ رکھے اور پھر دُوسرا زمانہ ہدایت کا آئے گا۔ پس ناگاہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھتے ہوں گے۔ یعنی غفلت دُور ہو جائے گی اور دلوں میں معرفت داخل ہو جائے گی اور شقی اپنی شقاوت پر متنبہ ہو جائیں گے گو ایمان نہ لاویں۔ ﴿۲۶﴾

اور علاوہ ان آیات کے قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اِس آخری زمانہ اور مسیح موعود کے آنے پر دلالت کرتی ہیں لیکن اِن معانی مبارکہ کے ماخذ دقیق ہیں۔ اِس لئے ہر یک سطحی خیال کا آدمی اِس طرف توجہ نہیں کرسکتا اور موٹی سمجھ ان دقائق کو پا نہیں سکتی چنانچہ

[1] الزمر:۶۹ [2] الحدید:۱۸ [3] الرعد:۱۸

منجملہ اُن کے یہ آیت ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا [1] اب ظاہر ہے کہ کَمَا کے لفظ سے یہ اشارہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم **مثیل موسیٰ** ہیں۔ چنانچہ توریت باب استثنا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ مماثلت سے مُراد مماثلت تامہ ہے نہ کہ مماثلت ناقصہ۔ کیونکہ اگر مماثلتِ ناقصہ مراد ہو تو پھر اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی وجہ یہ کہ ایسی مماثلت والے بہت سے نبی ثابت ہونگے جنہوں نے خدا تعالیٰ کے حکم سے تلوار بھی اُٹھائی اور حضرت موسیٰ کی طرح جنگ بھی کئے۔ اور عجیب طور پر فتحیں بھی حاصل کیں مگر کیا وہ اِس پیشگوئی کے مصداق ٹھہر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ غرض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ جب مماثلت سے **مماثلت تامہ** مراد ہو۔ اور مماثلت تامہ کی عظیم الشان جزوں میں سے ایک یہ بھی جزو ہے کہ اللہ جلّ شانہ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنی رسالت سے مشرف کر کے پھر بطور اکرام وانعام خلافت ظاہری اور باطنی کا ایک لمبا سلسلہ ان کی شریعت میں رکھ دیا جو قریبًا چودہ سو برس تک ممتد ہو کر آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُس کا خاتمہ ہوا اِس عرصہ میں صدہا بادشاہ اور صاحبِ وحی اور الہام شریعت موسوی میں پیدا ہوئے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ شریعت موسوی کے حامیوں کی ایسے عجیب طور پر مدد کرتا رہا جو ایک حیرت انگیز یادگار کے طور پر وہ باتیں صفحات تاریخ پر محفوظ رہیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ [2] ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً [3] یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور بہت سے رُسل اس کے پیچھے آئے پھر سب کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور اُس کو انجیل دی اور اُس کے تابعین کے دلوں میں رحمت اور شفقت رکھ دی یعنی وہ تلوار سے نہیں بلکہ اپنی تواضع اور فروتنی اور اخلاق سے دعوتِ دین کرتے تھے اِس آیت میں اشارہ

﴿۲۷﴾

[1] المزمل:۱۶ [2] البقرة:۸۸ [3] الحديد:۲۸

یہ ہے کہ موسوی شریعت اگرچہ جلالی تھی اور لاکھوں خون اس شریعت کے حکموں سے ہوئے یہاں تک کہ چار لاکھ کے قریب بچہ شیر خوار بھی مارا گیا لیکن خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اُس سلسلہ کا خاتمہ رحمت پر کرے اور انہیں میں سے ایسی قوم پیدا کرے کہ وہ تلوار سے نہیں بلکہ علم اور خلق سے اور محض اپنی قوّتِ قدسیہ کے زور سے بنی آدم کو راہ راست پر لاویں۔

اَب چونکہ **مماثلت فی الانعامات** ہونا ازبس ضروری ہے اور مماثلت تامہ تبھی متحقق ہوسکتی تھی کہ جب مماثلت فی الانعامات متحقق ہو۔ پس اِسی لئے یہ ظہور میں آیا کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قریباً چودہ سو برس تک ایسے خدام شریعت عطا کئے گئے کہ وہ رسول اور ملہم من اللہ تھے اور اختتام اس سلسلہ کا ایک ایسے رسول پر ہوا جس نے تلوار سے نہیں بلکہ فقط رحمت اور خُلق سے حق کی طرف دعوت کی۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہ خدام شریعت عطا کئے گئے جو برطبق حدیث **علماء امتی کانبیاء بنی اسرآئیل** ملہم اور محدّث تھے اور جس طرح موسیٰ کی شریعت کے آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام بھیجے گئے جنہوں نے نہ تلوار سے بلکہ صرف خلق اور رحمت سے دعوتِ حق کی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اس شریعت کے لئے مسیح موعود کو بھیجا تا وہ بھی صرف خُلق اور رحمت اور انوار آسمانی سے راہ راست کی دعوت کرے اور جس طرح حضرت مسیح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریباً چودہ سو برس بعد آئے تھے اس **مسیح موعود** نے بھی چودھوؔیں صدی کے سر پر ظہور کیا اور محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ سے انطباق کلّی پا گیا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ موسوی سلسلہ میں تو حمایت دین کیلئے نبی آتے رہے اور حضرت مسیح بھی نبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرسل ہونے میں نبی اور محدّث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مرسل رکھا ایسا ہی محدثین کا نام بھی مرسل رکھا۔ اسی اشارہ کی غرض سے قرآن شریف میں وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ[1] آیا ہے اور یہ نہیں آیا کہ **قفینا من بعدہٖ بالانبیاء**. پس یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ رُسل سے مراد مرسل ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی ہوں یا محدّث ہوں چونکہ ہمارے سیّد و رسول صلی اللہ علیہ وسلم

﴿۲۸﴾

[1] البقرۃ:۸۸

خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی نہیں آ سکتا اس لئے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدّث رکھے گئے اور اسی کی طرف اِس آیت میں اشارہ ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ[1] چونکہ ثُلّۃ کا لفظ دونوں فقروں میں برابر آیا ہے۔ اِس لئے قطعی طور پر یہاں سے ثابت ہوا کہ اس امّت کے محدث اپنی تعداد میں اور اپنے طولانی سلسلہ میں موسوی اُمّت کے مرسلوں کے برابر ہیں اور درحقیقت اسی کی طرف اس دُوسری آیت میں بھی اشارہ ہے اور وہ یہ ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا[2] یعنی خدا نے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ وعدہ کیا ہے کہ البتہ اُنہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ کرے گا جیسا کہ اُن لوگوں کو کیا جو اُن سے پہلے گذر گئے اور اُن کے دین کو جو اُن کے لئے پسند کیا ہے ثابت کر دے گا اور اُن کے لئے خوف کے بعد امن کو بدل دے گا میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (الجزو نمبر ۱۸ سُورۃ نور) اب غور سے دیکھو کہ اِس آیت میں بھی مماثلت کی طرف صریح اشارہ ہے اور اگر اس مماثلت سے مماثلت تامہ مُراد نہیں تو کلام عبث ہوا جاتا ہے کیونکہ شریعت موسوی میں چودہ سو برس تک خلافت کا سلسلہ ممتد رہا نہ صرف تیّس برس تک اور صدہا خلیفے رُوحانی اور ظاہری طور پر ہوئے نہ صرف چار اور پھر ہمیشہ کے لئے خاتمہ۔ ﴿۲۹﴾

اور اگر یہ کہا جائے کہ منکم کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ خلیفے صرف صحابہ میں سے ہوں کیونکہ منکم کے لفظ میں مخاطب صرف صحابہ ہیں تو یہ خیال ایک بدیہی غلطی ہے اور ایسی بات صرف اُس شخص کے مُنہ سے نکلے گی جس نے کبھی قرآن کریم کو غور سے نہیں پڑھا اور نہ اُس کی اسالیب کلام کو پہچانا کیونکہ اگر یہی بات سچ ہے کہ مخاطبت کے وقت وہی لوگ مُراد ہوتے ہیں جو موجودہ زمانہ میں بحیثیت ایمانداری زندہ موجود ہوں تو ایسا تجویز کرنے سے سارا قرآن

[1] الواقعۃ:۴۰، ۴۱ [2] النور:۵۶

زیروزبر ہو جائے گا۔ مثلاً اسی آیت موصوفہ بالا کے مشابہ قرآن کریم میں ایک اور آیت بھی ہے جس میں اسی طرح بظاہر الفاظ وہ لوگ مخاطب ہیں جو حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے اور اس وقت زندہ موجود تھے بلکہ ان آیات میں تو اس بات پر نہایت قوی قرائن موجود ہیں کہ درحقیقت وہی مخاطب کئے گئے ہیں اور وہ آیات یہ ہیں قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَنَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَهُمۡ وَاِنَّا فَوۡقَهُمۡ قٰهِرُوۡنَ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِیۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ یُوۡرِثُهَا مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ. قَالُوۡۤا اُوۡذِیۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِیَنَا وَمِنۡۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ قَالَ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّهۡلِكَ عَدُوَّکُمۡ وَیَسۡتَخۡلِفَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ [1] الجزو نمبر ۹ سورة الاعراف۔ یعنی فرعون نے کہا کہ ہم بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور اور اُن کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے اور تحقیقاً ہم ان پر غالب ہیں۔ تب موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا کہ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو زمین خدا کی ہے جس کو اپنے بندوں سے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام بخیر پرہیز گاروں کا ہی ہوتا ہے۔ تب موسیٰ کی قوم نے اس کو جواب دیا کہ ہم تیرے پہلے بھی ستائے جاتے تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ستائے گئے تو موسیٰ نے اُن کے جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ خُدا تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور زمین پر تمہیں خلیفے مقرر کر دے اور پھر دیکھے کہ تم کس طور کے کام کرتے ہو۔

اَب اِن آیات میں صریح اور صاف طور پر وہی لوگ مخاطب ہیں جو حضرت موسیٰ کی قوم میں سے اُن کے سامنے زندہ موجود تھے اور انہوں نے فرعون کے ظلموں کا شکوہ بھی کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم تیرے پہلے بھی ستائے گئے اور تیرے آنے کے بعد بھی اور انہیں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تم ان تکلیفات پر صبر کرو خدا تمہاری طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہوگا اور تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین پر خلیفے بنا دے گا لیکن تاریخ دانوں پر ظاہر ہے اور یہودیوں اور نصاریٰ کی کتابوں کو دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ گو اس قوم کا دشمن یعنی فرعون اُن کے سامنے ہلاک ہوا مگر وہ خود تو زمین پر نہ ظاہری خلافت پر پہنچے نہ باطنی خلافت پر۔ بلکہ اکثر ان کی نافرمانیوں سے ہلاک

﴿۳۰﴾

[1] الاعراف: ۱۲۸ تا ۱۳۰

کئے گئے اور چالیس برس تک بیابان لق ودق میں آوارہ رہ کر جان بحق تسلیم ہوئے پھر بعد ان کی ہلاکت کے ان کی اولاد میں ایسا سلسلہ خلافت کا شروع ہوا کہ بہت سے بادشاہ اس قوم میں ہوئے اور داؤد اور سلیمان جیسے خلیفۃ اللہ اسی قوم میں سے پیدا ہوئے یہاں تک کہ آخر یہ سلسلہ خلافت کا چودھویں صدی میں حضرت مسیح پر ختم ہوا پس اس سے ظاہر ہے کہ کسی قوم موجودہ کو مخاطب کرنے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خطاب قوم موجودہ تک ہی محدود رہے بلکہ قرآن کریم کا تو یہ بھی محاورہ پایا جاتا ہے کہ بسا اوقات ایک قوم کو مخاطب کرتا ہے مگر اصل مخاطب کوئی اور لوگ ہوتے ہیں جو گذر گئے یا آئندہ آنے والے ہیں مثلاً اللہ جلّ شانہ‘ سورۃ البقرہ میں یہود موجودہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ ۚ وَاِیَّایَ فَارۡہَبُوۡنِ [1] یعنی اے بنی اسرائیل اُس نعمت کو یاد کرو جو ہم نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پُورا کرو تا مَیں بھی تمہارے عہد کو پُورا کروں اور مجھ سے پس ڈرو۔ اب ظاہر ہے کہ یہود موجودہ زمانہ آنحضرت تو ضربت علیھم الذلۃ کا مصداق تھے ان پر تو کوئی انعام بھی نہیں ہوا تھا اور نہ ان سے یہ عہد ہوا تھا کہ تم نے خاتم الانبیاء پر ایمان لانا۔ پھر بعد اس کے فرمایا وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَیَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ ؕ وَفِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ ۔ وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِکُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَیۡنٰکُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ [2] یعنی وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی ﴿۳۱﴾ وہ تم کو طرح طرح کے دُکھ دیتے تھے تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارا بڑا امتحان تھا اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے تمہارے پہنچنے کے ساتھ ہی دریا کو پھاڑ دیا۔ پھر ہم نے تم کو نجات دے دی اور فرعون کے لوگوں کو ہلاک کر دیا اور تم دیکھتے تھے۔

اب سوچنا چاہیئے کہ ان واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی ان یہودیوں کو پیش نہیں آیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے نہ وہ فرعون کے ہاتھ سے دُکھ دیئے گئے

[1] البقرۃ:۴۱ [2] البقرۃ:۵۰، ۵۱

نہ اُن کے بیٹوں کو کسی نے قتل کیا نہ وہ کسی دریا سے پار کئے گئے۔ پھر آگے فرماتا ہے وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ۔ ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ۔ وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡغَمَامَ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى [1] یعنی وہ وقت یاد کرو جب تم نے موسیٰ کو کہا کہ ہم تیرے کہے پر تو ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو بچشم خود نہ دیکھ لیں تب تم پر صاعقہ پڑی اور پھر تم کو زندہ کیا گیا تا کہ تم شکر کرو اور ہم نے بادلوں کو تم پر سائبان کیا اور ہم نے تم پر من وسلویٰ اُتارا۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ تو ان یہودیوں سے جو قرآن میں مخاطب کئے گئے دو ہزار برس پہلے فوت ہو چکے تھے اور ان کا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں نام ونشان بھی نہ تھا پھر وہ حضرت موسیٰ سے ایسا سوال کیونکر کر سکتے تھے کہاں اُن پر بجلی گری کہاں انہوں نے من وسلویٰ کھایا۔ کیا وہ پہلے حضرت موسیٰ کے زمانہ میں اور اور قالبوں میں موجود تھے اور پھر آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی بطور تناسخ آ موجود ہوئے اور اگر یہ نہیں تو بجز اس تاویل کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ مخاطبت کے وقت ضروری نہیں کہ وہی لوگ حقیقی طور پر واقعات منسوبہ کے مصداق ہوں جو مخاطب ہوں۔ کلام الٰہی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ایک قاعدہ ٹھہر گیا ہے کہ بسا اوقات کوئی واقعہ ایک شخص یا ایک قوم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور دراصل وہ واقعہ کسی دوسری قوم یا دُوسرے شخص سے تعلق رکھتا ہے اور اسی باب میں سے عیسیٰ بن مریم کے آنے کی خبر ہے کیونکہ بعض احادیث میں آخری زمانہ میں آنے کا ایک واقعہ حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کیا گیا حالانکہ وہ فوت ہو چکے تھے پس یہ واقعہ بھی حضرت مسیحؑ کی طرف ایسا ہی منسوب ہے جیسا کہ واقعہ فرعون کے ہاتھ سے نجات پانے کا اور منّ وسلوٰی کھانے کا اور صاعقہ گرنے کا اور دریا سے پار ہونے کا اور قصّہ لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ [2] کا اُن یہودیوں کی طرف منسوب کیا گیا جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے۔ حالانکہ وہ واقعات اُن کی پہلی قوم کے تھے جو اُن سے صدہا برس پہلے مر چکے تھے۔ پس اگر کسی کو آیات کے معنے کرنے میں

﴿۳۲﴾

[1] البقرۃ:۵۶تا۵۸ [2] البقرۃ:۶۲

معقولی شق کی طرف خیال نہ ہو اور ظاہر الفاظ پر اڑ جانا واجب سمجھے تو کم سے کم ان آیات سے یہ ثابت ہوگا کہ مسئلہ تناسخ حق ہے ورنہ کیونکر ممکن تھا کہ خدا تعالیٰ ایک فاعل کے فعل کو کسی ایسے شخص کی طرف منسوب کرے جس کو اِس فعل کے ارتکاب سے کچھ بھی تعلق نہیں حالانکہ وُہ آپ ہی فرماتا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى [1] پھر اگر موسیٰ کی قوم نے موسیٰ کی نافرمانی کی تھی اور اُن پر بجلی گری تھی یا انہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی اور ان پر عذاب نازل ہوا تھا تو اس دُوسری قوم کو ان واقعات سے کیا تعلق تھا جو دو ہزار برس بعد پیدا ہوئے۔ یُوں تو حضرت آدم سے تا ایں دم متقدمین متاخرین کے لئے بطور آباء واجداد ہیں لیکن کسی کا گنہ کسی پر عائد نہیں ہو سکتا۔ پھر خدا تعالیٰ کا قرآن کریم میں یہ فرمانا کہ تم نے موسیٰ کی نافرمانی کی اور تم نے کہا کہ ہم خدا کو نہیں مانیں گے جب تک اس کو دیکھ نہ لیں اور اس گنہ کے سبب سے تم پر بجلی گری کیونکر ان تمام الفاظ کے بنظر ظاہر کوئی اور معنے ہو سکتے ہیں بجز اس کے کہ کہا جائے کہ دراصل وہ تمام یہودی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے حضرت موسیٰ کے وقت میں بھی موجود تھے اور انہیں پر من وسلوٰی نازل ہوا تھا اور انہیں پر بجلی پڑی تھی اور انہیں کی خاطر فرعون کو ہلاک کیا گیا تھا اور پھر وہی یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بطور تناسخ پیدا ہو گئے اور اِس طرح پر خطاب صحیح ٹھہر گیا مگر سوال یہ ہے کہ کیوں ایسے سیدھے معنے نہیں کئے جاتے۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے دُور ہیں اور کیوں ایسے معنے قبول کئے جاتے ہیں جو تاویلات بعیدہ کے حکم میں ہیں کیا خدا تعالیٰ قادر نہیں کہ جس طرح بقول ہمارے مخالفوں کے وہ حضرت عیسیٰ کو بعینہٖ **بجسدہ العنصری** کسی وقت صد ہا برسوں کے بعد پھر زمین پر لے آئے گا۔ اسی طرح اُس نے حضرت موسیٰ کے زمانہ کے یہودیوں کو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں زندہ کر دیا ہو یا اُن کی رُوحوں کو بطور تناسخ پھر دُنیا میں لے آیا ہو جس حالت میں صرف بے بنیاد اقوال کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ کی روح کا پھر دنیا میں آنا تسلیم کیا گیا ہے تو کیوں اور کیا وجہ کہ ان تمام یہودیوں کی روحوں کا دوبارہ بطور تناسخ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں آجانا قبول نہ کیا جائے جن کے موجود ہو جانے پر نصوص صریحیہ بیّنہ قرآن کریم

﴿۳۳﴾

[1] بنی اسرائیل:۱۶

شاہد ہیں۔ دیکھو خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ [1] یعنی تم وہ وقت یاد کرو جبکہ تم نے نہ کسی اور نے یہ کہا کہ ہم تیرے کہنے پر تو ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم آپ ظاہر ظاہر خدا کو نہ دیکھ لیں اور پھر تم کو بجلی نے پکڑا اور تم دیکھتے تھے۔ اور اس آیت میں ایک اور لطیفہ یہ ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ نے اِس آیت کے مضمون میں موجودہ یہودیوں کو گذشتہ لوگوں کے قائم مقام نہیں ٹھہرایا بلکہ اُن کو فی الحقیقت گذشتہ لوگ ہی ٹھہرا دیا تو اس صورت میں قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے یہودیوں کے وہی نام رکھ دئے جو اُن گذشتہ بنی اسرائیل کے نام تھے کیونکہ جبکہ یہ لوگ حقیقتاً وہی لوگ قرار دیئے گئے تو یہ لازمی ہوا کہ نام بھی وہی ہوں وجہ یہ کہ نام حقائق کے لئے مثل عوارض غیر منفک کے ہیں اور عوارض لازمیہ اپنے حقائق سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اب خوب متوجہ ہو کر سوچو کہ جبکہ خدا تعالیٰ نے صریح اور صاف لفظوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے ہی ایسے ایسے برے کام حضرت موسیٰ کے عہد میں کیے تھے تو پھر ایسی صریح اور کُھلی کُھلی نص کی تاویل کرنا اور احادیث کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو قرآن کریم کی رُو سے وفات یافتہ ہے پھر زمین پر اُتارنا کیسی بے اعتدالی اور ناانصافی ہے۔ عزیزو! اگر خدا تعالیٰ کی یہی عادت اور سنت ہے کہ گزشتہ لوگوں کو پھر دُنیا میں لے آتا ہے تو نص قرآنی جو بہ تکرار در تکرار گزشتہ لوگوں کو مخاطب کر کے اُن کے زندہ ہونے کی شہادت دے رہی ہے اس سے درگذر کرنا ہرگز جائز نہیں اور اگر وہاں یہ دھڑ کہ دل کو پکڑتا ہے کہ ایسے معنے گو خدا تعالیٰ کی قدرت سے تو بعید نہیں لیکن معقول کے برخلاف ہیں۔ اِسلئے تاویل کی طرف رُخ کیا جاتا ہے اور وہ معنے کئے جاتے ہیں جو عندالعقل کچھ بعید نہیں ہیں تو پھر ایسا ہی حضرت عیسیٰ کے آنے کی پیشگوئی کے معنے کرنے چاہئیں کیونکہ اگر گذشتہ یہودیوں کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں زندہ ہوجانا یا اگر بطریق

﴿۳۴﴾

[1] البقرة:٥٦

تناسخ کے اُن کی رُوحیں پھر آ جانا طریق معقول کے برخلاف ہے تو حضرت مسیح کی نسبت کیونکر دوبارہ دنیا میں آنا تجویز کیا جاتا ہے جن کی وفات پر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ[1] بلند آواز سے شہادت دے رہی ہے کیا یہودیوں کی رُوحوں کا دوبارہ دُنیا میں آنا خدا تعالیٰ کی قدرت سے بعید اور نیز طریق معقول کے برخلاف لیکن حضرت عیسیٰ کا **بجسده العنصری** پھر زمین پر آجانا بہت معقول ہے۔ پھر اگر نصوص بیّنہ صریحہ قرآنیہ کو بباعث استبعاد ظاہری معنوں کے مؤوّل کر کے طریق صرف عن الظاہر اختیار کیا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ نصوص احادیثیہ کا صرف عن الظاہر جائز نہیں کیا احادیث کی قرآن کریم سے کوئی اعلیٰ شان ہے کہ تا ہمیشہ احادیث کے بیان کو گو کیسا ہی بعید از عقل ہو ظاہر الفاظ پر قبول کیا جائے اور قرآن میں تاویلات بھی کی جائیں۔ پھر ہم اصل کلام کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ بعض صاحب آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ[2] کی عمومیت سے انکار کر کے کہتے ہیں کہ **منکم** سے صحابہ ہی مراد ہیں اور خلافتِ راشدہ حقہ انہیں کے زمانہ تک ختم ہوگئی اور پھر قیامت تک اسلام میں اس خلافت کا نام ونشان نہیں ہوگا۔ گویا ایک خواب وخیال کی طرح اس خلافت کا صرف تیس[۳۰] برس ہی دَور تھا اور پھر ہمیشہ کیلئے اسلام ایک لازوال نحوست میں پڑ گیا مگر مَیں پُوچھتا ہوں کہ کیا کسی نیک دل انسان کی ایسی رائے ہوسکتی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت تو یہ اعتقاد رکھے کہ بلاشبہ ان کی شریعت کی برکت اور خلافت راشدہ کا زمانہ برابر چودہ سو برس تک رہا لیکن وہ نبی جو افضل الرسل اور خیر الانبیاء کہلاتا ہے اور جس کی شریعت کا دامن قیامت تک ممتد ہے اس کی برکات گویا اس کے زمانہ تک ہی محدود رہیں اور خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ کچھ بہت مدت تک اس کی برکات کے نمونے اس کے رُوحانی خلیفوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوں ایسی باتوں کو سُن کر تو ہمارا بدن کانپ جاتا ہے مگر افسوس کہ وہ لوگ بھی مسلمان ہی کہلاتے ہیں کہ جو سراسر چالاکی اور بیباکی کی راہ سے ایسے بے ادبانہ الفاظ منہ پر لے آتے ہیں کہ گویا اسلام کی برکات آگے نہیں بلکہ مدّت ہوئی کہ اُن کا خاتمہ ہو چکا ہے۔

﴿۳۵﴾

[1] المائدۃ:۱۱۸ [2] النور:۵۶

ماسوا اس کے منکم کے لفظ سے یہ استدلال پیدا کرنا کہ چونکہ خطاب صحابہ سے ہے اس لئے یہ خلافت صحابہ تک ہی محدود ہے عجیب عقلمندی ہے اگر اسی طرح قرآن کی تفسیر ہو تو پھر یہودیوں سے بھی آگے بڑھ کر قدم رکھنا ہے۔ اب واضح ہو کہ منکم کا لفظ قرآن کریم میں قریبًا بیاسی۸۲ جگہ آیا ہے اور بجز دو یا تین جگہ کے جہاں کوئی خاص قرینہ قائم کیا گیا ہے باقی تمام مواضع میں منکم کے خطاب سے وہ تمام مسلمان مُراد ہیں جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

اب نمونہ کے طور پر چند وہ آیتیں ہم لکھتے ہیں جن میں منکم کا لفظ پایا جاتا ہے۔

(۱) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ [۱] یعنی جو تم میں سے مریض یا سفر پر ہو تو اتنے ہی روزے اور رکھ لے۔ اب سوچو کہ کیا یہ حکم صحابہ سے ہی خاص تھا یا اس میں اور بھی مسلمان جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے شامل ہیں ایسا ہی نیچے کی آیتوں پر بھی غور کرو۔

(۲) ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ [۲] یعنی یہ اُس کو وعظ کیا جاتا ہے جو تم میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے۔

(۳) وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا [۳] یعنی تم میں سے جو جوروئیں چھوڑ کر فوت ہو جائیں

(۴) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [۴] یعنی تم میں سے ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو نیکی کی دعوت کریں اور امر معروف اور نہی منکر اپنا طریق رکھیں۔

(۵) اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى [۵] مَیں تم میں سے کسی عامل کا عمل ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت ہو۔

(۶) لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ [۶] ناجائز طور پر ایک دوسرے کے مال مت کھاؤ مگر باہم رضامندی کی تجارت سے۔ ﴿۳۶﴾

(۷) وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا [۷] یعنی اگر تم مریض ہو یا سفر پر یا پاخانہ سے

[۱] البقرۃ:۱۸۵ [۲] البقرۃ:۲۳۳ [۳] البقرۃ:۲۳۵ [۴] اٰل عمران:۱۰۵ [۵] اٰل عمران:۱۹۶
[۶] النساء:۳۰ [۷] المائدۃ:۷

آؤ یا عورتوں سے مباشرت کرو اور پانی نہ ملے تو ان سب صورتوں میں پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔

(۸) اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ [1] یعنی اللہ اور رسول اور اپنے بادشاہوں کی تابعداری کرو۔

(۹) مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [2] یعنی جو شخص تم میں سے بوجہ اپنی جہالت کے کوئی بدی کرے اور پھر توبہ کرے اور نیک کاموں میں مشغول ہو جائے پس اللہ غفور رحیم ہے۔

(۱۰) فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ [3] یعنی جو شخص تم میں سے ایسا کام کرے دُنیا کی زندگی میں اُس کو رسوائی ہوگی اور قیامت کو اُس کے لئے سخت عذاب ہے۔

(۱۱) وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا [4] یعنی تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دوزخ میں وارد نہ ہو۔

(۱۲) وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ [5] یعنی ہم اُن لوگوں کو جانتے ہیں جو تم میں سے آگے بڑھنے والے ہیں اور جو پیچھے رہنے والے ہیں۔

اب ان تمام مقامات کو دیکھو کہ **منکم** کا لفظ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے خواہ اس وقت موجود تھے خواہ بعد میں قیامت تک آتے جائیں ایسا ہی تمام دوسرے مقامات میں بجز دو تین موضعوں کے عام طور پر استعمال ہوا ہے اور تمام احکام میں بظاہر صورت مخاطب صحابہ ہی ہیں لیکن تخصیص صحابہ بجز قیام قرینہ کے جائز نہیں۔ ورنہ ہر یک فاسق عذر کرسکتا ہے کہ صوم اور صلوٰۃ اور حج اور تقویٰ اور طہارت اور اجتناب عن المعاصی کے متعلق جس قدر احکام ہیں ان احکام کے مخاطب صرف صحابہ ہی تھے اِس لئے ہمیں نماز روزہ وغیرہ کی پابندی لازم نہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے کلمات بجز ایک زندیق کے اور کوئی خدا ترس آدمی زبان پر نہیں لاسکتا۔ ﴿۳۷﴾

اگر کسی کے دِل میں یہ خیال گذرے کہ اگر آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فائدہ عموم کا

[1] النساء:۶۰ [2] الانعام:۵۵ [3] البقرہ:۸۶ [4] مریم:۷۲ [5] الحجر:۲۵

دیتی ہے یعنی مقصود اصلی تعمیم تھی نہ تخصیص۔ تو پھر **منکم** کا لفظ اس جگہ کیوں زیادہ کیا گیا۔ اور اس کی زیادت کی ضرورت ہی کیا تھی صرف اس قدر فرمایا ہوتا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [1] تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعدہ ان ایمانداروں اور نیکوکاروں کے مقابل پر تھا جو اس اُمت سے پہلے گذر چکے ہیں پس گویا تفصیل اِس آیت کی یُوں ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم سے پہلے ان لوگوں کو رُوئے زمین پر خلیفے مقرر کیا تھا جو ایماندار اور صالح تھے اور اپنے ایمان کے ساتھ اعمال صالح جمع رکھتے تھے اور خدا تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ تم میں سے بھی اے مسلمانو ایسے لوگوں کو جو انہیں صفات حسنہ سے موصوف ہوں اور ایمان کے ساتھ اعمال صالح جمع رکھتے ہوں خلیفے کرے گا پس **منکم** کا لفظ زائد نہیں بلکہ اس سے غرض یہ ہے کہ تا اسلام کے ایمانداروں اور نیکوکاروں کی طرف اشارہ کرے کیونکہ جبکہ نیکوکار اور ایماندار کا لفظ اِس آیت میں پہلی امتوں اور اِس اُمت کے ایمانداروں اور نیکوکاروں پر برابر حاوی تھا پھر اگر کوئی تخصیص کا لفظ نہ ہوتا تو عبارت رکیک اور مبہم اور دُور از فصاحت ہوتی اور **منکم** کے لفظ سے یہ جتانا بھی منظور ہے کہ پہلے بھی وُہی لوگ خلیفے مقرر کئے گئے تھے کہ جو ایماندار اور نیکوکار تھے اور تم میں سے بھی ایماندار اور نیکوکار ہی مقرر کئے جائیں گے۔ اَب اگر آنکھیں دیکھنے کی ہوں تو عام معنی کی رُو سے منکم کے لفظ کا زائد ہونا کہاں لازم آتا ہے اور تکرار کلام کیونکر ہے جبکہ ایمان اور عمل صالح اِسی اُمت سے شروع نہیں ہوا پہلے بھی مومن اور نیکوکار گذرے ہیں تو اِس صورت میں تمیز کامل بجُز **منکم** کے لفظ کے کیونکر ہو سکتی تھی۔ اگر صرف اِس قدر ہوتا کہ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** تو کچھ معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ یہ کن ایمانداروں کا ذکر ہے آیا اس اُمت کے ایماندار یا گذشتہ امتوں کے اور اگر صرف **منکم** ہوتا اور **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** نہ ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ فاسق اور بدکار لوگ بھی خدا تعالیٰ کے خلیفے ہو سکتے ہیں حالانکہ فاسقوں کی بادشاہت اور حکومت بطور ابتلا کے ہے نہ بطور اصطفا کے اور خدا تعالیٰ کے حقانی خلیفے ﴿۳۸﴾

[1] النور:۵۶

خواہ وہ رُوحانی خلیفے ہوں یا ظاہری وہی لوگ ہیں جو متقی اور ایماندار اور نیکوکار ہیں۔

اور یہ وہم کہ عام معنوں کی رُو سے ان آیات کی اخیر کی آیت یعنی وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1] بالکل بے معنی ٹھہر جاتی ہے ایسا بیہودہ خیال ہے جو اس پر ہنسی آتی ہے کیونکہ آیت کے صاف اور سیدھے یہ معنی ہیں کہ اللہ جلّ شانہ، خلیفوں کے پَیدا ہونے کی خوشخبری دے کر پھر باغیوں اور نافرمانوں کو دھمکی دیتا ہے کہ بعد خلیفوں کے پَیدا ہونے کے جب وہ وقتاً فوقتاً پَیدا ہوں اگر کوئی بغاوت اختیار کرے اور ان کی اطاعت اور بیعت سے مُنہ پھیرے تو وُہ فاسق ہے۔ اب نادرستی معنوں کی کہاں ہے اور واضح ہو کہ اس آیت کریمہ سے وہ حدیث مطابق ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من لم یعرف امام زمانہٖ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ۔ جس شخص نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا وہ جاہلیّت کی موت پر مر گیا یعنی جیسے جیسے ہر یک زمانہ میں امام پَیدا ہوں گے اور جو لوگ اُن کو شناخت نہیں کریں گے تو ان کی موت کفار کی موت کے مشابہ ہوگی اور معترض صاحب کا اس آیت کو پیش کرنا کہ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ [2] اور اِس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ منکم کا لفظ اِس جگہ خصوصیت کے ساتھ حاضرین کے حق میں آیا ہے ایک بے فائدہ بات ہے کیونکہ ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کا عام محاورہ جس سے تمام قرآن بھرا پڑا ہے یہی ہے کہ خطاب عام ہوتا ہے اور احکام خطابیہ تمام امت کے لئے ہوتے ہیں نہ صرف صحابہ کے لئے۔ ہاں جس جگہ کوئی صریح اور صاف قرینہ تحدید خطاب کا ہو وہ جگہ مستثنٰی ہے چنانچہ آیت موصوفہ بالا میں خاص حواریوں کے ایک طائفہ نے نزول مائدہ کی درخواست کی اُسی طائفہ کو مخاطب کر کے جواب ملا۔ سو یہ قرینہ کافی ہے کہ سوال بھی اسی طائفہ کا تھا اور جواب بھی اسی کو ملا اور یہ کہنا کہ اس کی مثالیں کثرت سے قرآن میں ہیں بالکل جُھوٹ اور دھوکا دینا ہے۔ قرآن میں بیاسی کے قریب لفظ منکم ہے اور چھ سو کے قریب اور اور صورتوں میں خطاب ہے لیکن تمام خطابات احکامیہ وغیرہ میں تعمیم ہے

﴿۳۹﴾

[1] النور:۵۶ [2] المائدۃ:۱۱۶

اگر قرآن کے خطابات صحابہ تک ہی محدود ہوتے تو صحابہ کے فوت ہو جانے کے ساتھ قرآن باطل ہو جاتا اور آیت متنازعہ فیہا جو خلافت کے متعلق ہے درحقیقت اس آیت سے مشابہ ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1] کیا یہ بشریٰ صحابہ سے ہی خاص تھا یا کسی اور کو بھی اس سے حصہ ہے۔ اور معترض کا یہ کہنا کہ جو شخص اصلی معنوں سے جو خصوصیت مخاطبین ہے عدول کر کے اس کے معنے عموم لیوے اس کا ذمہ ہے کہ وہ دلیل یقینی سے اپنے عدول کو ثابت کرے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف معترض کو قرآن کریم سے بلکہ تمام الٰہی کتابوں کے اسلوب کلام سے کچھ بھی خبر نہیں مشکل یہ ہے کہ اکثر شتاب کار لوگ قبل اس کے جو پورے طور پر خوض کریں اعتراض کرنے کو طیار ہو جاتے ہیں۔ اگر معترض صاحب کو صحیح نیت سے تحقیق کا شوق تھا تو وہ تمام ایسے موقعہ جہاں بظاہر نظر صحابہ مخاطب ہیں جمع کر کے دیکھتے کہ اکثر اغلب اور بلا قیام قرینہ قرآن شریف میں کیا محاورہ ہے کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جو اکثر اغلب محاورہ ثابت ہوگا اسی کے موافق اصلی معنی ٹھہریں گے اور ان سے عدول کرنا بغیر قیام قرینہ جائز نہیں ہوگا۔ اب ظاہر ہو کہ اصل محاورہ قرآن کریم کا خطاب حاضرین میں عموم ہے اور قرآن کا چھ۶ سو حکم اسی بناء پر عام سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ صحابہ تک محدود سمجھا جائے پھر جو شخص عام محاورہ سے عدول کر کے کسی حکم کو صحابہ تک ہی محدود رکھے اس کے ذمہ یہ بار ثبوت ہوگا کہ قرائن قویہ سے یہ ثابت کرے کہ یہ خطاب صحابہ سے ہی خاص ہے اور دوسرے لوگ اس سے باہر ہیں مثلاً اللہ جلّ شانہٗ قرآن کریم میں بظاہر صحابہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم صرف خدا کی[1] بندگی کرو اور صبر[2] اور صلوٰۃ کے ساتھ مدد چاہو اور پاک[3] چیزوں میں سے کھاؤ اور کسی قسم کا فساد[4] مت کرو۔ اور تم زکوٰۃ[5] اور نماز[6] کو قائم کرو اور مقام ابراہیم[7] سے جائے نماز ٹھہراؤ۔ اور خیرات[8] میں ایک دوسرے سے سبقت کرو اور مجھ کو یاد کرو میں[9] تم کو یاد کروں گا۔ اور میرا شکر[10] کرو۔ اور مجھ[11] سے دعا مانگو اور جو لوگ[12] خدا کی راہ میں شہید ہوں ان کو مردے مت کہو اور جو تم کو سلام[13] علیکم کرے اس کا نام کافر اور بے ایمان نہ رکھو۔ پاک[14] چیزیں زمین کی پیداوار میں سے کھاؤ

﴿۴۰﴾

[1] یونس: ۶۵

اور شیطان[۱۵] کی پیروی نہ کرو۔ تم پر روزے[۱۶] فرض کئے گئے ہیں مگر جو تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو وہ اتنے روزے[۱۷] پھر رکھے۔ تم ایک دوسرے کے مال[۱۸] کو ناحق کے طور پر مت کھاؤ اور تم تقویٰ[۱۹] اختیار کرو تا فلاح پاؤ اور تم خدا کی راہ[۲۰] میں ان سے جو تم سے لڑیں لڑو لیکن حد سے مت[۲۱] بڑھاؤ اور کوئی زیادتی مت[۲۲] کرو کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور تم خدا[۲۳] کی راہ میں خرچ کرو اور دانستہ[۲۴] اپنے تئیں ہلاکت میں مت ڈالو۔ اور لوگوں سے احسان[۲۵] کرو کہ خدا محسنین کو دوست رکھتا ہے اور حج[۲۶] اور عمرہ کو اللہ کے واسطے پورا کرو اور اپنے پاس توشہ[۲۷] رکھو کہ توشہ میں یہ فائدہ ہے کہ تم کسی دوسرے سے سوال نہیں کرو گے یعنی سوال ایک ذلت ہے اس سے بچنے کے لئے تدبیر کرنی چاہئے اور تم صلح[۲۸] اور اسلام میں داخل ہو۔ اور مشرکات[۲۹] سے نکاح مت کرو جب تک ایمان نہ لاویں اور مشرکین[۳۰] سے اے عورتو تم نکاح مت کرو جب تک ایمان نہ لاویں اور اپنے[۳۱] نفسوں کے لئے کچھ آگے بھیجو اور خدا[۳۲] تعالیٰ کو اپنی قسموں کا عرضہ مت بناؤ اور عورتوں[۳۳] کو دکھ دینے کی غرض سے بند مت رکھو اور[۳۴] جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور جورو ئیں رہ جائیں تو وہ چار مہینے اور دس دن نکاح کرنے سے رکی رہیں۔ اگر تم طلاق[۳۵] دو تو عورتوں کو احسان کے ساتھ رخصت کرو۔ اگر تمہیں خوف[۳۶] ہو تو نماز پیروں سے چلتے چلتے یا سوار ہونے کی حالت میں پڑھ لو۔ اگر اپنے صدقات[۳۷] لوگوں کو دکھلا کے دو تو یہ عموماً اچھی بات ہے کہ تا لوگ تمہارے نیک کاموں کی پیروی کریں اور اگر چھپا کر محتاجوں کو دو تو یہ تمہارے نفسوں کے لئے بہتر ہے جب[۳۸] تم کسی کو قرضہ دو تو ایک نوشت لکھا لو اور قرض[۳۹] ادا کرنے میں خدا سے ڈرو اور کچھ باقی مت رکھو اور جب[۴۰] تم کوئی خرید و فروخت کرو تو اس پر گواہ رکھ لو۔ اور اگر تم سفر[۴۱] میں ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تو کوئی جائیداد قبضہ میں کر لو۔ تم سب[۴۲] مل کر خدا کی رسی سے پنجہ مارو اور باہم پھوٹ مت ڈالو۔ تم میں سے ایسے[۴۳] بھی ہونے چاہئیں کہ جو امر معروف اور نہی منکر کریں۔ تم خدا[۴۴] کی مغفرت کی طرف دوڑو اور اگر تم میں سے کسی کی بیوی[۴۵] فوت ہو جائے تو وہ اس کی جائداد میں سے نصف کا مالک ہے بشرطیکہ اس کی کچھ اولاد نہ ہو اور اگر اولاد[۴۶] ہو تو پھر اس کو چہارم حصہ جائداد بعد عمل بر وصیت پہنچے گا۔

﴿۴۱﴾

یہ چند احکام بطور نمونہ ہم نے لکھے ہیں اس میں ایک تھوڑی سی عقل کا آدمی بھی سوچ سکتا ہے کہ بظاہر یہ تمام خطاب صحابہ کی طرف ہے لیکن درحقیقت تمام مسلمان ان احکام پر عمل کرنے کیلئے مامور ہیں نہ یہ کہ صرف صحابہ مامور ہیں وبس۔ غرض قرآن کا اصلی اور حقیقی اسلوب جس سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے یہ ہے کہ اس کے خطاب کے مورد حقیقی اور واقعی طور پر تمام وہ مسلمان ہیں جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے گو بظاہر صورت خطاب صحابہ کی طرف راجع معلوم ہوتا ہے پس جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ وعدہ یا وعید صحابہ تک ہی محدود ہے وہ قرآن کے عام محاورہ سے عدول کرتا ہے اور جب تک پورا ثبوت اس دعویٰ کا پیش نہ کرے تب تک وہ ایسے طریق کے اختیار کرنے میں ایک ملحد ہے کیا قرآن صرف صحابہ کے واسطے ہی نازل ہوا تھا۔ اگر قرآن کے وعد اور وعید اور تمام احکام صحابہ تک ہی محدود ہیں تو گویا جو بعد میں پیدا ہوئے وہ قرآن سے بکلی بے تعلق ہیں۔ **نعوذ باللّٰہ من ھذہ الخرافات.**

اور یہ کہنا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خلافت تیس سال تک ہوگی عجیب فہم ہے جس حالت میں قرآن کریم بیان فرماتا ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ـ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ [1] تو پھر اس کے مقابل پر کوئی حدیث پیش کرنا اور اس کے معنی مخالف قرآن قرار دینا معلوم نہیں کہ کس قسم کی سمجھ ہے اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہیئے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لیے آواز آئے گی **ھٰذا خلیفة اللّٰہ المھدی** اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے لیکن وہ حدیث جو معترض صاحب نے پیش کی علماء کو اس میں کئی طرح کا جرح ہے اور اس کی صحت میں کلام ہے کیا معترض نے غور نہیں کی کہ جو آخری زمانہ کی نسبت بعض خلیفوں کے ظہور کی خبریں دی گئی ہیں کہ حارث آئے گا۔ مہدی آئے گا۔ آسمانی خلیفہ آئے گا۔ یہ خبریں حدیثوں میں ہیں یا کسی اور کتاب میں۔ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زمانے تین ہیں۔ ﴿۴۲﴾

[1] الواقعة:۴۰،۴۱

اول خلافت راشدہ کا زمانہ پھر فیج اعوج جس میں ملک عضوض ہوں گے اور بعد اس کے آخری زمانہ جو زمانہ نبوت کے نہج پر ہوگا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا اول زمانہ اور پھر آخری زمانہ باہم بہت ہی متشابہ ہیں اور یہ دونوں زمانے اس بارش کی طرح ہیں جو ایسی خیر و برکت سے بھری ہوئی ہو کہ کچھ معلوم نہیں کہ برکت اس کے پہلے حصہ میں زیادہ ہے یا پچھلے میں۔

اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ اللہ جلّ شانہٗ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ [1] یعنی ہم نے ہی اس کتاب کو اتارا اور ہم ہی اس تنزیل کی محافظت کریں گے۔ اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ کلام ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کی تعلیم کو تازہ رکھنے والے اور اس کا نفع لوگوں کو پہنچانے والے ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اگر یہ سوال ہو کہ قرآن کے وجود کا فائدہ کیا ہے جس فائدہ کے وجود پر اس کی حقیقی حفاظت موقوف ہے تو اس دوسری آیت سے ظاہر ہے۔ ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡھُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡھِمۡ وَ یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ [2] اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے بڑے فائدے دو ہیں جن کے پہنچانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

ایک حکمت فرقان یعنی معارف و دقائق قرآن دوسری تاثیر قرآن جو موجب تزکیہ نفوس ہے اور قرآن کی حفاظت صرف اسی قدر نہیں جو اس کے صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں کیونکہ ایسے کام تو اوائل حال میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کئے یہاں تک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھے تھے بلکہ اس جگہ مع حفاظت ظاہری حفاظت فوائد و تاثیرات قرآنی مراد ہے اور وہ موافق سنت اللہ کے تبھی ہو سکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً نائب رسول آویں جن میں ظلی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جن کو وہ تمام برکات دی گئی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہوں جیسا کہ ان آیات میں اسی امر عظیم کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے ﴿۴۳﴾

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ دِیۡنَھُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَھُمۡ

[1] الحجر:۱۰ [2] الجمعۃ:۳

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1]

پس یہ آیت درحقیقت اس دوسری آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [2] کے لئے بطور تفسیر کے واقعہ ہے اور اس سوال کا جواب دے رہی ہے کہ حفاظت قرآن کیونکر اور کس طور سے ہوگی سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس نبی کریم کے خلیفے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہوں گا اور خلیفہ کے لفظ کو اس اشارہ کے لئے اختیار کیا گیا کہ وہ نبی کے جانشین ہوں گے اور اس کی برکتوں میں سے حصہ پائیں گے جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوتا رہا۔ اور ان کے ہاتھ سے برجائی دین کی ہوگی اور خوف کے بعد امن پیدا ہوگا یعنی ایسے وقتوں میں آئیں گے کہ جب اسلام تفرقہ میں پڑا ہوگا پھر ان کے آنے کے بعد جو اُن سے سرکش رہے گا وہی لوگ بدکار اور فاسق ہیں۔ یہ اس بات کا جواب ہے کہ بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم پر اولیاء کا ماننا فرض ہے سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک فرض ہے اور ان سے مخالفت کرنے والے فاسق ہیں اگر مخالفت پر ہی مریں۔

اس جگہ معترض صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ [3] اور پھر اعتراض کیا ہے کہ جب کہ دین کمال کو پہنچ چکا ہے اور نعمت پوری ہو چکی تو پھر نہ کسی مجدد کی ضرورت ہے نہ کسی نبی کی مگر افسوس کہ معترض نے ایسا خیال کر کے خود قرآن کریم پر اعتراض کیا ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس امت میں خلیفوں کے پیدا ہونے کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے وقتوں میں دین استحکام پکڑے گا اور تزلزل اور تذبذب دور ہوگا۔ اور خوف کے بعد امن پیدا ہوگا پھر اگر تکمیل دین کے بعد کوئی بھی کارروائی درست نہیں تو بقول معترض کے جو تیس سال کی خلافت ہے وہ بھی باطل ٹھہرتی ہے کیونکہ جب دین کامل ہو چکا تو پھر کسی دوسرے کی ضرورت نہیں۔ لیکن افسوس کہ معترض بے خبر نے ناحق آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کو پیش کر دیا۔ ہم کب کہتے ہیں کہ مجدد اور محدث دنیا میں آ کر دین میں سے کچھ کم کرتے ہیں یا زیادہ کرتے ہیں بلکہ ہمارا تو یہ قول ہے کہ ایک زمانہ

﴿۴۴﴾

[1] النور:۵۶ [2] الحجر:۱۰ [3] المائدۃ:۴

گذرنے کے بعد جب پاک تعلیم پر خیالات فاسدہ کا ایک غبار پڑ جاتا ہے اور حق خالص کا چہرہ چھپ جاتا ہے۔ تب اس خوبصورت چہرہ کو دکھلانے کے لئے مجدد اور محدث اور روحانی خلیفے آتے ہیں نہ معلوم کہ بے چارہ معترض نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ مجدد اور روحانی خلیفے دنیا میں آ کر دین کی کچھ ترمیم و تنسیخ کرتے ہیں۔ نہیں وہ دین کو منسوخ کرنے نہیں آتے بلکہ دین کی چمک اور روشنی دکھانے کو آتے ہیں اور معترض کا یہ خیال کہ ان کی ضرورت ہی کیا ہے صرف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ معترض کو اپنے دین کی پرواہ نہیں اور کبھی اس نے غور نہیں کی کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسلام کی ترقی کس کو کہتے ہیں اور حقیقی ترقی کیونکر اور کن راہوں سے ہوسکتی ہے اور کس حالت میں کسی کو کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر مسلمان ہے یہی وجہ ہے کہ معترض صاحب اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ قرآن موجود ہے اور علماء موجود ہیں اور خود بخود اکثر لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف حرکت ہے پھر کسی مجدد کی کیا ضرورت ہے لیکن افسوس کہ معترض کو یہ سمجھ نہیں کہ مجددوں اور روحانی خلیفوں کی اس امت میں ایسے ہی طور سے ضرورت ہے جیسا کہ قدیم سے انبیاء کی ضرورت پیش آتی رہی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی مرسل تھے اور ان کی توریت بنی اسرائیل کی تعلیم کے لئے کامل تھی اور جس طرح قرآن کریم میں آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ ہے اسی طرح توریت میں بھی آیات ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک کامل اور جلالی کتاب دی گئی ہے جس کا نام توریت ہے چنانچہ قرآن کریم میں بھی توریت کی یہی تعریف ہے لیکن باوجود اس کے بعد توریت کے صدہا ایسے نبی بنی اسرائیل میں سے آئے کہ کوئی نئی کتاب ان کے ساتھ نہیں تھی بلکہ ان انبیاء کے ظہور کے مطالب یہ ہوتے تھے کہ تا ان کے موجودہ زمانہ میں جو لوگ تعلیم توریت سے دور پڑ گئے ہوں پھر ان کو توریت کے اصلی منشاء کی طرف کھینچیں اور جن کے دلوں میں کچھ شکوک اور دہریت اور بے ایمانی ہوگئی ہو ان کو پھر زندہ ایمان بخشیں چنانچہ اللہ جلّ شانہٗ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ [۱] یعنی موسیٰ کو ہم نے توریت دی اور پھر اس کتاب کے بعد ہم نے کئی پیغمبر بھیجے تا توریت کی تعلیم کی تائید اور تصدیق کریں اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے ثُمَّ اَرْسَلْنَا

﴿۴۵﴾

[۱] البقرۃ:۸۸

رُسُلَنَا تَتْرَا [1] یعنی پھر پیچھے سے ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے۔ پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب بھیج کر پھر اس کی تائید اور تصدیق کے لئے ضرور انبیاء بھیجا کرتا ہے چنانچہ توریت کی تائید کے لئے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آیا جن کے آنے پر اب تک بائبل شہادت دے رہی ہے۔

اس کثرت ارسال رسل میں اصل بھید یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عہد موکد ہو چکا ہے کہ جو اس کی سچی کتاب کا انکار کرے تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [2] یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اب جب کہ سزائے انکار کتاب الٰہی میں ایسی سخت تھی اور دوسری طرف یہ مسئلہ نبوت اور وحی الٰہی کا نہایت دقیق تھا بلکہ خود خدا تعالیٰ کا وجود بھی ایسا دقیق در دقیق تھا کہ جب تک انسان کی آنکھ خداداد نور سے منور نہ ہو ہرگز ممکن نہ تھا کہ سچی اور پاک معرفت اس کی حاصل ہو سکے چہ جائیکہ اس کے رسولوں کی معرفت اور اسکی کتاب کی معرفت حاصل ہو۔ اس لئے رحمانیت الٰہی نے تقاضا کیا کہ اندھی اور نابینا مخلوق کی بہت ہی مدد کی جائے اور صرف اس پر اکتفا نہ کیا جائے کہ ایک مرتبہ رسول اور کتاب بھیج کر پھر باوجود امتداد ازمنہ طویلہ کے ان عقائد کے انکار کی وجہ سے جن کو بعد میں آنے والے زیادہ اس سے سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ایک پاک اور عمدہ منقولات ہیں ہمیشہ کی جہنم میں منکروں کو ڈال دیا جائے اور درحقیقت سوچنے والے کے لئے یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ وہ خدا جس کا نام رحمٰن اور رحیم ہے اتنی بڑی سزا دینے کے لئے کیونکر یہ قانون اختیار کر سکتا ہے کہ بغیر پورے طور پر اتمام حجت کے مختلف بلاد کے ایسے لوگوں کو جنہوں نے صدہا برسوں کے بعد قرآن اور رسول کا نام سنا اور پھر وہ عربی سمجھ نہیں سکتے۔ قرآن کی خوبیوں کو دیکھ نہیں سکتے دائمی جہنم میں ڈال دے اور کس انسان کی کانشنس اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بغیر اس کے کہ قرآن کریم کا منجاب اللہ ہونا اس پر ثابت کیا جائے

﴿۴۶﴾

[1] المؤمنون: ۴۵ [2] البقرۃ: ۴۰

یوں ہی اس پر چھری پھیر دی جائے پس یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دائمی خلیفوں کا وعدہ دیا تا وہ ظلی طور پر انوار نبوت پا کر دنیا کو ملزم کریں اور قرآن کریم کی خوبیاں اور اس کی پاک برکات لوگوں کو دکھلاویں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہر یک زمانہ کے لئے اتمام حجت بھی مختلف رنگوں سے ہوا کرتا ہے اور مجدد وقت ان قوتوں اور ملکوں اور کمالات کے ساتھ آتا ہے جو موجودہ مفاسد کا اصلاح پانا ان کمالات پر موقوف ہوتا ہے سو ہمیشہ خدا تعالیٰ اسی طرح کرتا رہے گا جب تک کہ اس کو منظور ہے کہ آثار رشد اور اصلاح کے دنیا میں باقی رہیں اور یہ باتیں بے ثبوت نہیں بلکہ نظائر متواترہ اس کے شاہد ہیں اور مختلف بلاد کے نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں کو چھوڑ کر اگر صرف بنی اسرائیل کے نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں پر ہی نظر ڈالی جائے تو ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چودہ ۱۴۰۰ سو برس کے عرصہ میں یعنی حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح تک ہزار ہا نبی اور محدث ان میں پیدا ہوئے کہ جو خادموں کی طرح کمر بستہ ہو کر توریت کی خدمت میں مصروف رہے۔ چنانچہ ان تمام بیانات پر قرآن شاہد ہے اور بائبل شہادت دے رہی ہے اور وہ نبی کوئی نئی کتاب نہیں لاتے تھے کوئی نیا دین نہیں سکھاتے تھے صرف توریت کے خادم تھے اور جب بنی اسرائیل میں دہریت اور بے ایمانی اور بدچلنی اور سنگدلی پھیل جاتی تھی تو ایسے وقتوں میں وہ ظہور کرتے تھے۔ اب کوئی سوچنے والا سوچے کہ جس حالت میں موسیٰؑ کی ایک محدود شریعت کے لئے جو زمین کی تمام قوموں کیلئے نہیں تھی اور نہ قیامت تک اس کا دامن پھیلا ہوا تھا خدا تعالیٰ نے یہ احتیاطیں کیں کہ ہزار ہا نبی اس شریعت کی تجدید کیلئے بھیجے اور بار ہا آنے والے نبیوں نے ایسے نشان دکھلائے کہ گویا بنی اسرائیل نے نئے سرے خدا کو دیکھ لیا تو پھر یہ امت جو خیر الامم کہلاتی ہے اور خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹک رہی ہے کیونکر ایسی بد قسمت سمجھی جائے کہ خدا تعالیٰ نے صرف تیس برس اس کی طرف ﴿۴۷﴾ نظر رحمت کر کے اور آسمانی انوار دکھلا کر پھر اس سے منہ پھیر لیا اور پھر اس امت پر اپنے نبی کریم کی مفارقت میں صد ہا برس گذرے اور ہزار ہا طور کے فتنے پڑے اور بڑے بڑے زلزلے آئے اور انواع و اقسام کی دجالیت پھیلی اور ایک جہان نے دین متین پر

حملے کئے اور تمام برکات اور معجزات سے انکار کیا گیا اور مقبول کو نامقبول ٹھہرایا گیا لیکن خدا تعالیٰ نے پھر کبھی نظر اٹھا کر اس امت کی طرف نہ دیکھا اور اس کو کبھی اس امت پر رحم نہ آیا اور کبھی اس کو یہ خیال نہ آیا کہ یہ لوگ بھی تو بنی اسرائیل کی طرح انسان ضعیف البنیان ہیں اور یہودیوں کی طرح ان کے پودے بھی آسمانی آبپاشی کے ہمیشہ محتاج ہیں کیا اس کریم خدا سے ایسا ہوسکتا ہے جس نے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے مفاسد کے دور کرنے کے لئے بھیجا تھا کیا ہم یہ گمان کر سکتے ہیں کہ پہلی امتوں پر تو خدا تعالیٰ کا رحم تھا اس لئے اس نے توریت کو بھیج کر پھر ہزار ہا رسول اور محدث توریت کی تائید کے لئے اور دلوں کو بار بار زندہ کرنے کے لئے بھیجے لیکن یہ امت مورد غضب تھی اس لئے اس نے قرآن کریم کو نازل کرکے ان سب باتوں کو بھلا دیا اور ہمیشہ کے لئے علماء کو ان کی عقل اور اجتہاد پر چھوڑ دیا اور حضرت موسیٰ کی نسبت تو صاف فرمایا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا[1] یعنی خدا موسیٰ سے ہمکلام ہوا اور اس کی تائید اور تصدیق کے لئے رسول بھیجے جو مبشر اور منذر تھے تا کہ لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے اور نبیوں کا مسلسل گروہ دیکھ کر توریت پر دلی صدق سے ایمان لاویں۔ اور فرمایا وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ[2] یعنی ہم نے بہت سے رسول بھیجے اور بعض کا تو ہم نے ذکر کیا اور بعض کا ذکر بھی نہیں کیا لیکن دین اسلام کے طالبوں کے لئے وہ انتظام نہ کیا گویا جو رحمت اور عنایت باری حضرت موسیٰ کی قوم پر تھی وہ اس امت پر نہیں ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ امتداد زمانہ کے بعد پہلے معجزات اور کرامات قصہ کے رنگ میں ہو جاتے ہیں اور پھر آنے والی نسلیں اپنے گروہ کو ہریک امر خارق عادت سے بے بہرہ دیکھ کر آخر گذشتہ معجزات کی نسبت شک پیدا کرتی ہیں پھر جس حالت میں بنی اسرائیل کے ہزار ہا انبیاء کا نمونہ آنکھوں کے سامنے ہے تو اس سے اور بھی بیدلی اس امت کو پیدا ہوگی اور اپنے تئیں بدقسمت پا کر بنی اسرائیل کو رشک کی نگہہ سے دیکھیں گے یا بدخیالات میں گرفتار ہو کر ان کے قصوں کو بھی صرف افسانجات ﴿۴۸﴾

[1] النساء: ۱۶۵، ۱۶۶ [2] النساء: ۱۶۵

خیال کریں گے اور یہ قول کہ پہلے اس سے ہزارہا انبیاء ہو چکے اور معجزات بھی بکثرت ہوئے اس لئے اس امت کو خوارق اور کرامات اور برکات کی کچھ ضرورت نہیں تھی لہٰذا خدا تعالیٰ نے ان کو سب باتوں سے محروم رکھا۔ یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں جنہیں وہ لوگ منہ پر لاتے ہیں جن کو ایمان کی کچھ بھی پرواہ نہیں ورنہ انسان نہایت ضعیف اور ہمیشہ تقویت ایمان کا محتاج ہے اور اس راہ میں اپنے خود ساختہ دلائل کبھی کام نہیں آ سکتے جب تک تازہ طور پر معلوم نہ ہو کہ خدا موجود ہے ہاں جھوٹا ایمان جو بدکاریوں کو روک نہیں سکتا نقلی اور عقلی طور پر قائم رہ سکتا ہے اور اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ دین کی تکمیل اس بات کو مستلزم نہیں جو اس کی مناسب حفاظت سے بکلی دستبردار ہو جائے مثلاً اگر کوئی گھر بنا دے اور اس کے تمام کمرے سلیقہ سے طیار کرے اور اس کی تمام ضرورتیں جو عمارت کے متعلق ہیں باحسن وجہ پوری کر دیوے اور پھر مدت کے بعد اندھیریاں چلیں اور بارشیں ہوں اور اس گھر کے نقش و نگار پر گرد و غبار بیٹھ جاوے اور اس کی خوبصورتی چھپ جاوے اور پھر اس کا کوئی وارث اس گھر کو صاف اور سفید کرنا چاہے مگر اس کو منع کر دیا جاوے کہ گھر تو مکمل ہو چکا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ منع کرنا سراسر حماقت ہے افسوس کہ ایسے اعتراضات کرنے والے نہیں سوچتے کہ تکمیل شے دیگر ہے اور وقتاً فوقتاً ایک مکمل عمارت کی صفائی کرنا یہ اور بات ہے۔ یہ یاد رہے کہ مجدد لوگ دین میں کچھ کمی بیشی نہیں کرتے ہاں گمشدہ دین کو پھر دلوں میں قائم کرتے ہیں اور یہ کہنا کہ مجددوں پر ایمان لانا کچھ فرض نہیں خدا تعالیٰ کے حکم سے انحراف ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1] یعنی بعد اس کے جو خلیفے بھیجے جائیں پھر جو شخص ان کا منکر رہے وہ فاسقوں میں سے ہے۔

اب خلاصہ اس تمام تقریر کا کسی قدر اختصار کے ساتھ ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دلائل مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت میں فساد اور فتنوں کے وقتوں میں ایسے مصلح آتے رہیں جن کو انبیاء کے کئی کاموں میں سے یہ ایک کام سپرد ہو کہ وہ دین حق کی طرف دعوت کریں اور ہر یک بدعت جو دین سے مل گئی ہو

﴿۴۹﴾

[1] النور:۵۶

اس کو دور کریں اور آسمانی روشنی پا کر دین کی صداقت ہر یک پہلو سے لوگوں کو دکھلاویں اور اپنے پاک نمونہ سے لوگوں کو سچائی اور محبت اور پاکیزگی کی طرف کھینچیں اور وہ دلائل یہ ہیں۔

اول یہ کہ اس بات کو عقل ضروری تجویز کرتی ہے کہ چونکہ الٰہیات اور امور معاد کے مسائل نہایت باریک اور نظری ہیں گویا تمام امور غیر مرئی اور فوق العقل پر ایمان لانا پڑتا ہے نہ خدا تعالیٰ کبھی کسی کو نظر آیا نہ کبھی کسی نے بہشت دیکھی اور نہ دوزخ کا ملاحظہ کیا اور نہ ملائک سے ملاقات ہوئی اور علاوہ اس کے احکام الٰہی مخالف جذبات نفس ہیں اور نفس امارہ جن باتوں میں لذت پاتا ہے احکام الٰہی ان سے منع کرتے ہیں لہٰذا عندالعقل یہ بات نہ صرف احسن بلکہ واجب ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک نبی جو شریعت اور کتاب لے کر آتے ہیں اور اپنے نفس میں تاثیر اور قوت قدسیہ رکھتے ہیں یا تو وہ ایک لمبی عمر لے کر آویں اور ہمیشہ اور ہر صدی میں ہر یک اپنی نئی امت کو اپنی ملاقات اور صحبت سے شرف بخشیں اور اپنے زیر سایہ رکھ کر اور اپنے پُرفیض پروں کے نیچے انکو لے کر وہ برکت اور نور اور روحانی معرفت پہنچاویں جو انہوں نے ابتداء زمانہ میں پہنچائی تھی اور اگر ایسا نہیں تو پھر ان کے وارث جو انہیں کے کمالات اپنے اندر رکھتے ہوں اور کتاب الٰہی کے دقائق اور معارف کو وحی اور الہام سے بیان کر سکتے ہوں اور منقولات کو مشہودات کے پیرایہ میں دکھلا سکتے ہوں اور طالب حق کو یقین تک پہنچا سکتے ہوں ہمیشہ فتنہ اور فساد کے وقتوں میں ضرور پیدا ہونی چاہیئے تا انسان جو مغلوب شبہات ونسیان ہے ان کے فیض حقیقی سے محروم نہ رہے۔ کیونکہ یہ بات نہایت صاف اور بدیہی ہے کہ جب زمانہ ایک نبی کا اپنے خاتمہ کو پہنچتا ہے اور اس کی برکات کے دیکھنے والے فوت ہو جاتے ہیں تو وہ تمام مشہودات منقولات کے رنگ میں آ جاتے ہیں۔ پھر دوسری صدی کے لوگوں کی نظر میں اس نبی کے اخلاق اور اس نبی کے عبادات اور اس نبی کا صبر اور استقامت اور صدق اور صفا اور وفا اور تمام تائیدات الٰہیہ اور خوارق اور معجزات جن سے اس کی صحت نبوت اور صداقت دعویٰ پر استدلال ہوتے تھے نئی صدی کے لوگوں کو کچھ قصے سے معلوم ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ انشراح ایمانی اور جوش اطاعت جو نبی کے دیکھنے والوں میں ہوتا ہے دوسروں میں وہ بات پائی نہیں جاتی اور صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ

﴿۵۰﴾

صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمانی صدق دکھلایا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنی آبروؤں کو اسلام کی راہوں میں نہایت اخلاص سے قربان کیا اس کا نمونہ اور صدیوں میں تو کجا خود دوسری صدی کے لوگوں یعنی تابعین میں بھی نہیں پایا گیا اس کی کیا وجہ تھی؟ یہی تو تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس مرد صادق کا منہ دیکھا تھا جس کے عاشق اللہ ہونے کی گواہی کفار قریش کے منہ سے بھی بے ساختہ نکل گئی اور روز کی مناجاتوں اور پیار کے سجدوں کو دیکھ کر اور فنافی الاطاعت کی حالت اور کمال محبت اور دلدادگی کے منہ پر روشن نشانیاں اور اس پاک منہ پر نور الٰہی برستا مشاہدہ کر کے کہتے تھے **عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَبِّہٖ** کہ محمدؐ اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے اور پھر صحابہ نے صرف وہ صدق اور محبت اور اخلاص ہی نہیں دیکھا بلکہ اس پیار کے مقابل پر جو ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے ایک دریا کی طرح جوش مارتا تھا خدا تعالیٰ کے پیار کو بھی تائیدات خارق عادت کے رنگ میں مشاہدہ کیا تب ان کو پتہ لگ گیا کہ خدا ہے اور ان کے دل بول اٹھے کہ وہ خدا اس مرد کے ساتھ ہے انہوں نے اس قدر عجائبات الٰہیہ دیکھے اور اس قدر نشان آسمانی مشاہدہ کئے کہ ان کو کچھ بھی اس بات میں شک نہ رہا کہ فی الحقیقت ایک اعلیٰ ذات موجود ہے جس کا نام خدا ہے اور جس کے قبضہ قدرت میں ہر یک امر ہے اور جس کے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں اسی وجہ سے انہوں نے وہ کام صدق وصفا کے دکھلائے اور وہ جانفشانیاں کیں کہ انسان کبھی کر نہیں سکتا۔ جب تک اس کے تمام شک وشبہ دور نہ ہو جائیں اور انہوں نے بچشم خود دیکھ لیا کہ وہ ذات پاک اسی میں راضی ہے کہ انسان اسلام میں داخل ہو اور اس کے رسول کریم کی بدل و جان متابعت اختیار کرے تب اس حق الیقین کے بعد جو کچھ انہوں نے متابعت دکھلائی اور جو کچھ انہوں نے متابعت کے جوش سے کام کئے اور جس طرح پر اپنی جانوں کو اپنے برگزیدہ ہادی کے آگے پھینک دیا یہ وہ باتیں ہیں کہ کبھی ممکن ہی نہیں کہ انسان کو حاصل ہو سکیں جب تک کہ وہی بہار اس کی نظر کے سامنے نہ ہو جو صحابہ پر آئی تھی اور جب کہ ان کمالات کو پیدا کرنا بغیر وجود ان وسائل کے محالات میں سے ہے اور نجات کا یقینی طور پر حاصل ہونا بھی بغیر ذریعہ ان کمالات کے از قبیل محال

﴿۵۱﴾

تو ضروری ہوا کہ وہ خداوند کریم جس نے ہر ایک کو نجات کے لئے بلایا ہے ایسا ہی انتظام ہر یک صدی کے لئے رکھے تا اس کے بندے کسی زمانہ میں حق الیقین کے مراتب سے محروم نہ رہیں۔

اور یہ کہنا کہ ہمارے لئے قرآن اور احادیث کافی ہیں اور صحبت صادقین کی ضرورت نہیں یہ خود مخالفت تعلیم قرآن ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [1] اور صادق وہ ہیں جنہوں نے صدق کو علیٰ وجہ البصیرت شناخت کیا اور پھر اس پر دل و جان سے قائم ہو گئے اور یہ اعلیٰ درجہ بصیرت کا بجز اس کے ممکن نہیں کہ سماوی تائید شامل حال ہو کر اعلیٰ مرتبہ حق الیقین تک پہنچا دیوے پس ان معنوں کر کے صادق حقیقی انبیاء اور رسل اور محدث اور اولیاء کاملین مکملین ہیں جن پر آسمانی روشنی پڑی اور جنہوں نے خدا تعالیٰ کو اسی جہان میں یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیا اور آیت موصوفہ بالا بطور اشارت ظاہر کر رہی ہے کہ دنیا صادقوں کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی کیونکہ دوام حکم وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ دوام وجود صادقین کو مستلزم ہے۔

علاوہ اس کے مشاہدہ صاف بتلا رہا ہے کہ جو لوگ صادقوں کی صحبت سے لاپروا ہو کر عمر گذارتے ہیں ان کے علوم و فنون جسمانی جذبات سے ان کو ہرگز صاف نہیں کر سکتے اور کم سے کم اتنا ہی مرتبہ اسلام کا کہ دلی یقین اس بات پر ہو کہ خدا ہے ان کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور جس طرح وہ اپنی اس دولت پر یقین رکھتے ہیں جو ان کے صندوقوں میں بند ہو یا اپنے ان مکانات پر جو ان کے قبضہ میں ہوں ہرگز ان کو ایسا یقین خدا تعالیٰ پر نہیں ہوتا وہ سم الفار کھانے سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ ایک زہر مہلک ہے لیکن گناہوں کی زہر سے نہیں ڈرتے حالانکہ ہر روز قرآن میں پڑھتے ہیں اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى [2] پس سچ تو یہ ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانتا وہ قرآن کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ ہاں یہ بات بھی درست ہے کہ قرآن ہدایت کیلئے نازل ہوا ہے مگر قرآن کی ہدایتیں اس شخص کے وجود کے ساتھ وابستہ ہیں جس پر قرآن نازل ہوا یا وہ شخص جو منجانب اللہ اس کا قائم مقام ٹھہرایا گیا اگر قرآن

﴿۵۲﴾

[1] التوبۃ:۱۱۹ [2] طٰہٰ:۷۵

اکیلا ہی کافی ہوتا تو خدا تعالیٰ قادر تھا کہ قدرتی طور پر درختوں کے پتوں پر قرآن لکھا جاتا یا لکھا لکھایا آسمان سے نازل ہو جاتا مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ قرآن کو دنیا میں نہیں بھیجا جب تک معلم القرآن دنیا میں نہیں بھیجا گیا۔ قرآن کریم کو کھول کر دیکھو کتنے مقام میں اس مضمون کی آیتیں ہیں کہ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [1] یعنی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور قرآنی حکمت لوگوں سکھلاتا ہے اور پھر ایک جگہ اور فرماتا ہے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ [2] یعنی قرآن کے حقائق ودقائق ان ہی پر کھلتے ہیں جو پاک کئے گئے ہیں۔ پس ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے سمجھنے کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو اگر قرآن کے سیکھنے کے لئے معلم کی حاجت نہ ہوتی تو ابتدائے زمانہ میں بھی نہ ہوتی اور یہ کہنا کہ ابتداء میں تو حل مشکلات قرآن کے لئے ایک معلم کی ضرورت تھی لیکن جب حل ہو گئیں تو اب کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حل شدہ بھی ایک مدت کے بعد پھر قابل حل ہو جاتی ہیں ماسوا اس کے امت کو ہر ایک زمانہ میں نئی مشکلات بھی تو پیش آتی ہیں اور قرآن جامع جمیع علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اس کے تمام علوم ظاہر ہو جائیں بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں اور ہر یک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال ان مشکلات کو حل کرنے والے روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں جو وارث رسل ہوتے ہیں اور ظلی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں۔ اور جس مجدد کی کارروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کارروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عند اللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اور نئے معلموں کی اس وجہ سے بھی ضرورت پڑتی ہے کہ بعض حصے تعلیم قرآن شریف کے ازقبیل حال ہیں نہ ازقبیل قال۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلے معلم اور اصل وارث اس تخت کے ہیں حالی طور پر ان دقائق کو اپنے صحابہؓ کو سمجھایا ہے مثلاً خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ میں عالم الغیب ہوں اور میں مجیب الدعوات ہوں اور میں قادر ہوں اور میں دعاؤں کو قبول کرتا ہوں اور طالبوں کو حقیقی روشنی تک پہنچاتا ہوں اور میں اپنے صادق بندوں کو الہام دیتا ہوں اور جس پر چاہتا ہوں ﴿۵۳﴾

[1] الجمعۃ:۳ [2] الواقعۃ:۸۰

اپنے بندوں میں سے اپنی روح ڈالتا ہوں یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ جب تک معلم خود ان کا نمونہ بن کر نہ دکھلاوے تب تک یہ کسی طرح سمجھ ہی نہیں آسکتیں پس ظاہر ہے کہ صرف ظاہری علماء جو خود اندھے ہیں ان تعلیمات کو سمجھا نہیں سکتے بلکہ وہ تو اپنے شاگردوں کو ہر وقت اسلام کی عظمت سے بدظن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں اور ان کے ایسے بیانات سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا اسلام اب زندہ مذہب نہیں اور اس کی حقیقی تعلیم پانے کے لئے اب کوئی بھی راہ نہیں لیکن ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے لئے یہ ارادہ ہے کہ وہ ہمیشہ قرآن کریم کے چشمہ سے ان کو پانی پلاوے تو بے شک وہ اپنے ان قوانین قدیمہ کی رعایت کرے گا جو قدیم سے کرتا آیا ہے۔ اور اگر قرآن کی تعلیم صرف اسی حد تک محدود ہے جس حد تک ایک تجربہ کار اور لطیف الفکر فلاسفر کی تعلیم محدود ہوسکتی ہے اور آسمانی تعلیم جو محض حال کے نمونہ سے سمجھائی جاتی ہے اس میں نہیں تو پھر نعوذ باللہ قرآن کا آنا لاحاصل ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی ایک دم کے واسطے بھی اس مسئلہ میں فکر کرے کہ انبیاء کی تعلیم اور حکیموں کی تعلیم میں بصورت فرض کرنے صحت ہر دو تعلیم کے مابہ الامتیاز کیا ہے تو بجز اس کے اور کوئی مابہ الامتیاز قرار نہیں دے سکتا کہ انبیاء کی تعلیم کا بہت سا حصہ فوق العقل ہے جو بجز حالی تفہیم اور تعلیم کے اور کسی راہ سے سمجھ ہی نہیں آسکتا اور اس حصہ کو وہی لوگ دلنشین کرا سکتے ہیں جو صاحب حال ہوں مثلاً ایسے ایسے مسائل کہ اس طرح پر فرشتے جان نکالتے ہیں اور پھر یوں آسمان پر لے جاتے ہیں اور پھر قبر میں حساب اس طور سے ہوتا ہے اور بہشت ایسا ہے اور دوزخ ایسا اور پل صراط ایسا اور عرش اللہ کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں اور پھر قیامت کو آٹھ اٹھائیں گے اور اس طرح پر خدا اپنے بندوں پر وحی نازل کرتا ہے یا مکاشفات کا دروازہ ان پر کھولتا ہے یہ تمام حالی تعلیم ہے اور مجرد قیل وقال سے سمجھ نہیں آسکتی اور جب کہ یہ حال ہے تو پھر میں دوبارہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے بندوں کے لئے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس کی کتاب کا یہ حصہ تعلیم ابتدائی زمانہ تک محدود نہ رہے تو بے شک اس نے یہ بھی انتظام کیا ہوگا کہ اس حصہ تعلیم کے معلم بھی ہمیشہ آتے رہیں کیونکہ حصہ حالی تعلیم کا بغیر توسّط

﴿۵۴﴾

ان معلموں کے جو مرتبہ حال پر پہنچ گئے ہوں ہرگز سمجھ نہیں آ سکتا اور دنیا ذرہ ذرہ بات پر ٹھوکریں کھاتی ہے پس اگر اسلام میں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے معلم نہیں آئے جن میں ظلی طور پر نور نبوت تھا تو گویا خدا تعالیٰ نے عمداً قرآن کو ضائع کیا کہ اس کے حقیقی اور واقعی طور پر سمجھنے والے بہت جلد دنیا سے اٹھا لئے مگر یہ بات اس کے وعدہ کے برخلاف ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ [1] یعنی ہم نے ہی قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر قرآن کے سمجھنے والے ہی باقی نہ رہے اور اس پر یقینی اور حالی طور پر ایمان لانے والے زاویہ عدم میں مختفی ہو گئے تو پھر قرآن کی حفاظت کیا ہوئی۔ کیا حفاظت سے یہ حفاظت مراد ہے کہ قرآن بہت سے خوشخط نسخوں میں تحریر ہو کر قیامت تک صندوقوں میں بند رہے گا جیسے بعض مدفون خزانے گو کسی کے کام نہیں آتے مگر زمین کے نیچے محفوظ پڑے رہتے ہیں۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت سے خدا تعالیٰ کا یہی منشاء ہے۔ اگر یہی منشاء ہے تو ایسی حفاظت کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ یہ تو ہنسی کی بات ہے اور ایسی حفاظت کا منہ پر لانا دشمنوں سے ٹھٹھا کرانا ہے کیونکہ جبکہ علت غائی مفقود ہو تو ظاہری حفاظت سے کیا فائدہ ممکن ہے کہ کسی گڑھے میں کوئی نسخہ انجیل یا توریت کا بھی ایسا ہی محفوظ پڑا ہو اور دنیا میں تو ہزارہا کتابیں اسی قسم کی پائی جاتی ہیں کہ جو یقینی طور پر بغیر کسی کمی بیشی کے کسی مؤلف کی تالیف سمجھی گئی ہیں تو اس میں کمال کیا ہوا اور امت کو خصوصیت کے ساتھ فائدہ کیا پہنچا گو اس سے انکار نہیں کہ قرآن کی حفاظت ظاہری بھی دنیا کی تمام کتابوں سے بڑھ کر ہے اور خارق عادت بھی لیکن خدا تعالیٰ جس کی روحانی امور پر نظر ہے ہرگز اس کی ذات کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اتنی حفاظت سے مراد صرف الفاظ اور حروف کا محفوظ رکھنا ہی مراد لیا ہے حالانکہ ذکر کا لفظ بھی صریح گواہی دے رہا ہے کہ قرآن بحیثیت ذکر ہونے کے قیامت تک محفوظ رہے گا اور اس کے حقیقی ذاکر ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اس پر ایک اور آیت بھی بین قرینہ ہے اور وہ یہ ہے بَلۡ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىۡ صُدُوۡرِ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ [2] یعنی قرآن آیات بینات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ

﴿۵۵﴾

[1] الحجر:۱۰ [2] العنکبوت:۵۰

مومنوں کو قرآن کریم کا علم اور نیز اس پر عمل عطا کیا گیا ہے اور جب کہ قرآن کی جگہ مومنوں کے سینے ٹھہرے تو پھر یہ آیت کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ [1] بجز اس کے اور کیا معنی رکھتی ہے کہ قرآن سینوں سے محو نہیں کیا جائے گا جس طرح کہ توریت اور انجیل یہود اور نصاریٰ کے سینوں سے محو کی گئی اور گو توریت اور انجیل ان کے ہاتھوں اور ان کے صندوقوں میں تھی لیکن ان کے دلوں سے محو ہو گئی یعنی ان کے دل اس پر قائم نہ رہے اور انہوں نے توریت اور انجیل کو اپنے دلوں میں قائم اور بحال نہ کیا۔ غرض یہ آیت بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ کوئی حصہ تعلیم قرآن کا برباد اور ضائع نہیں ہوگا اور جس طرح روز اوّل سے اس کا پودا دلوں میں جمایا گیا۔ یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

دوم جس طرح پر کہ عقل اس بات کو واجب اور متحتم ٹھہراتی ہے کہ کتب الٰہی کی دائمی تعلیم اور تفہیم کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی طرح وقتاً فوقتاً ملہم اور مکلم اور صاحب علم لدنی پیدا ہوتے رہیں اسی طرح جب ہم قرآن پر نظر ڈالتے ہیں اور غور کی نِگہ سے اس کو دیکھتے ہیں تو وہ بھی باآواز بلند یہی فرما رہا ہے کہ روحانی معلموں کا ہمیشہ کے لئے ہونا اس کے ارادہ قدیمہ میں مقرر ہو چکا ہے دیکھو اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ [2] الجزو نمبر ۱۳ یعنی جو چیز انسانوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے اب ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر انسانوں کو نفع پہنچانے والے گروہ انبیاء ہیں کہ جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیوں سے حقائق سے معارف سے اپنی راستبازی کے نمونہ سے انسانوں کے ایمان کو قوی کرتے ہیں اور حق کے طالبوں کو دینی نفع پہنچاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دنیا میں کچھ بہت مدت تک نہیں رہتے بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کر کے اس عالم سے اٹھائے جاتے ہیں لیکن آیت کے مضمون میں خلاف نہیں اور ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقع ہو۔ پس انبیاء کی طرف نسبت دیکر معنی آیت کے یوں ہوں گے کہ انبیاء من حیث الظل باقی رکھے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ظلی طور پر ہر یک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو ان کی نظیر اور مثیل

﴿۵۶﴾

[1] الحجر:۱۰ [2] الرعد:۱۸

پیدا کر دیتا ہے جو انہیں کے رنگ میں ہو کر ان کی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے اور اسی ظلی وجود کے قائم رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] یعنی اے خدا ہمارے ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو تیرے ان بندوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا انعام جو انبیاء پر ہوا تھا جس کے مانگنے کے لئے اس دعا میں حکم ہے وہ درم اور دینار کی قسم میں سے نہیں بلکہ وہ انوار اور برکات اور محبت اور یقین اور خوارق اور تائید سماوی اور قبولیت اور معرفت تامہ کاملہ اور وحی اور کشف کا انعام ہے اور خدا تعالیٰ نے اس امت کو اس انعام کے مانگنے کے لئے تبھی حکم فرمایا کہ اول اس انعام کے عطا کرنے کا ارادہ بھی کر لیا۔ پس اس آیت سے بھی کھلے کھلے طور پر یہی ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اس امت کو ظلی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تا انبیاء کا وجود ظلی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو اور نہ صرف دعا کے لئے حکم کیا بلکہ ایک آیت میں وعدہ بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[2] یعنی جو لوگ ہماری راہ میں جو صراط مستقیم ہے مجاہدہ کریں گے تو ہم ان کو اپنی راہیں بتلا دیں گے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہیں وہی ہیں جو انبیاء کو دکھلائی گئیں تھیں۔

پھر بعض اور آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور خداوند کریم نے یہی ارادہ فرمایا ہے کہ روحانی معلم جو انبیاء کے وارث ہیں ہمیشہ ہوتے رہیں اور وہ یہ ہیں۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ[3] وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِىَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ[4] الجزو نمبر ۱۳ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا[5] یعنی خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے اے مومنان امت محمدیہ وعدہ کیا ہے کہ تمہیں بھی وہ زمین میں خلیفہ کرے گا جیسا کہ تم سے پہلوں کو کیا۔ اور ہمیشہ

﴿۵۷﴾

[1] الفاتحۃ:۶،۷ [2] العنکبوت:۷۰ [3] النور:۵۶ [4] الرعد:۳۲ [5] بنی اسرائیل:۱۶

کفار پر کسی قسم کی کوفتیں جسمانی ہوں یا روحانی پڑتی رہیں گی یا ان کے گھر سے نزدیک آ جائیں گی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ آ پہنچے گا۔ اور خدا تعالیٰ اپنے وعدوں میں تخلف نہیں کرتا۔ اور ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک رسول بھیج نہ لیں۔

ان آیات کو اگر کوئی شخص تامل اور غور کی نظر سے دیکھے تو میں کیونکر کہوں کہ وہ اس بات کو سمجھ نہ جائے کہ خدا تعالیٰ اس امت کے لئے خلافت دائمی کا صاف وعدہ فرماتا ہے اگر خلافت دائمی نہیں تھی تو شریعت موسوی کے خلیفوں سے تشبیہ دینا کیا معنی رکھتا تھا اور اگر خلافت راشدہ صرف تیس برس تک رہ کر پھر ہمیشہ کے لئے اس کا دور ختم ہو گیا تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ اس امت پر ہمیشہ کے لئے ابواب سعادت مفتوح رکھے کیونکہ روحانی سلسلہ کی موت سے دین کی موت لازم آتی ہے اور ایسا مذہب ہرگز زندہ نہیں کہلا سکتا جس کے قبول کرنے والے خود اپنی زبان سے ہی یہ اقرار کریں کہ تیرہ ۱۳ سو برس سے یہ مذہب مرا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس مذہب کے لئے ہرگز یہ ارادہ نہیں کیا کہ حقیقی زندگی کا وہ نور جو نبی کریم کے سینہ میں تھا وہ توارث کے طور پر دوسروں میں چلا آوے۔

افسوس کہ ایسے خیال پر جمنے والے خلیفہ کے لفظ کو بھی جو استخلاف سے مفہوم ہوتا ہے تدبّر سے نہیں سوچتے کیونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو اس واسطے رسول کریم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظلّ ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کیلئے تا قیامت قائم رکھے سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے پس جو شخص خلافت کو صرف تیس برس تک مانتا ہے وہ اپنی نادانی سے خلافت کی علت غائی کو نظر انداز کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تو ہرگز نہیں تھا کہ رسول کریم

﴿۵۸﴾

کی وفات کے بعد صرف تیس برس تک رسالت کی برکتوں کو خلیفوں کے لباس میں قائم رکھنا ضروری ہے پھر بعد اس کے دنیا تباہ ہو جائے تو ہو جائے کچھ پرواہ نہیں بلکہ پہلے دنوں میں تو خلیفوں کا ہونا بجز شوکت اسلام پھیلانے کے کچھ اور زیادہ ضرورت نہیں رکھتا تھا کیونکہ انوار رسالت اور کمالات نبوت تازہ بتازہ پھیل رہے تھے اور ہزار ہا معجزات بارش کی طرح ابھی نازل ہو چکے تھے اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اس کی سنت اور قانون سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ بجائے ان چار خلیفوں کے اس تیس برس کے عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کو ہی بڑھا دیتا اس حساب سے تیس برس کے ختم ہونے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل ۹۳ برس کی عمر تک پہنچتے اور یہ اندازہ اس زمانہ کی مقررہ عمروں سے نہ کچھ زیادہ اور نہ اس قانون قدرت سے کچھ بڑھ کر ہے جو انسانی عمروں کے بارے میں ہماری نظر کے سامنے ہے۔

پس یہ حقیر خیال خدا تعالیٰ کی نسبت تجویز کرنا کہ اس کو صرف اس امت کے تیس [۳۰] برس کا ہی فکر تھا اور پھر ان کو ہمیشہ کے لئے ضلالت میں چھوڑ دیا اور وہ نور جو قدیم سے انبیاء سابقین کی امت میں خلافت کے آئینہ میں وہ دکھلاتا رہا اس امت کے لیے دکھلانا اس کو منظور نہ ہوا۔ کیا عقل سلیم خدائے رحیم و کریم کی نسبت ان باتوں کو تجویز کرے گی ہرگز نہیں اور پھر یہ آیت خلافت ائمہ پر گواہ ناطق ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ [۱] کیونکہ یہ آیت صاف صاف پکار رہی ہے کہ اسلامی خلافت دائمی ہے اس لئے کہ یــــرثھــــا کا لفظ دوام کو چاہتا ہے وجہ یہ کہ اگر آخری نوبت فاسقوں کی ہو تو زمین کے وارث وہی قرار پائیں گے نہ کہ صالح اور سب کا وارث وہی ہوتا ہے جو سب کے بعد ہو۔ ﴿۵۹﴾

پھر اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ جس حالت میں خدا تعالیٰ نے ایک مثال کے طور پر سمجھا دیا تھا کہ میں اسی طور پر اس امت میں خلیفے پیدا کرتا رہوں گا جیسے موسیٰ کے بعد خلیفے پیدا کئے تو دیکھنا چاہیئے تھا کہ موسیٰ کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا۔ کیا اس نے صرف تیس [۳۰] برس تک خلیفے بھیجے یا چودہ سو برس تک اس سلسلہ کو لمبا کیا۔ پھر جس حالت میں خدا تعالیٰ کا فضل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

[۱] الانبیاء: ۱۰۶

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں زیادہ تھا چنانچہ اس نے خود فرمایا وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا [1]
اور ایسا ہی اس امت کی نسبت فرمایا کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ [2] تو پھر کیونکر ہو سکتا
تھا کہ حضرت موسیٰ کے خلیفوں کا چودہ سَو۱۴ برس تک سلسلہ ممتد ہو اور اس جگہ صرف تیس برس
تک خلافت کا خاتمہ ہو جاوے اور نیز جب کہ یہ امّت خلافت کے انوارِ روحانی سے ہمیشہ کے
لئے خالی ہے تو پھر آیت اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ کے کیا معنی ہیں کوئی بیان تو کرے۔ مثل مشہور
ہے کہ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ جب کہ اس امت کو ہمیشہ کے لئے اندھا رکھنا ہی
منظور ہے اور اس مذہب کو مردہ رکھنا ہی مدنظر ہے تو پھر یہ کہنا کہ تم سب سے بہتر ہو اور لوگوں
کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا اندھا اندھے کو راہ دکھا
سکتا ہے سو اے لوگو جو مسلمان کہلاتے ہو برائے خدا سوچو کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ
ہمیشہ قیامت تک تم میں روحانی زندگی اور باطنی بینائی رہے گی اور غیر مذہب والے تم سے
روشنی حاصل کریں گے اور یہ روحانی زندگی اور باطنی بینائی جو غیر مذہب والوں کو حق کی دعوت
کرنے کے لئے اپنے اندر لیاقت رکھتی ہے یہی وہ چیز ہے جس کو دوسرے لفظوں میں خلافت
کہتے ہیں پھر کیونکر کہتے ہو کہ خلافت صرف تیس برس تک ہو کر پھر زاویہ عدم میں مخفی ہو گئی۔
اتقوا اللّٰہ. اتقوا اللّٰہ. اتقوا اللّٰہ.

﴿۶۰﴾ اب یاد رہے کہ اگرچہ قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیتیں ایسی ہیں کہ جو اس امت
میں خلافت دائمی کی بشارت دیتی ہیں اور احادیث بھی اس بارے میں بہت سی بھری پڑی ہیں
لیکن بالفعل اس قدر لکھنا ان لوگوں کے لئے کافی ہے جو حقائق ثابت شدہ کو دولت عظمیٰ سمجھ کر
قبول کر لیتے ہیں اور اسلام کی نسبت اس سے بڑھ کر اور کوئی بد اندیشی نہیں کہ اس کو مردہ مذہب
خیال کیا جائے اور اس کی برکات کو صرف قرن اول تک محدود رکھا جاوے۔ کیا وہ کتاب جو ہمیشہ
کی سعادتوں کا دروازہ کھولتی ہے وہ ایسی پست ہمتی کا سبق دیتی ہے کہ کوئی برکت اور خلافت آگے
نہیں بلکہ سب کچھ پیچھے رہ گیا ہے۔ نبی تو اس امت میں آنے کو رہے اب اگر خلفاء نبی بھی نہ آویں
اور وقتاً فوقتاً روحانی زندگی کے کرشمے نہ دکھلاویں تو پھر اسلام کی روحانیت کا خاتمہ ہے اور پھر ایسے

[1] النساء:۱۱۴ [2] ال عمران:۱۱۱

مذہب کو موسوی مذہب کی روحانی شوکت اور جلال سے نسبت ہی کیا ہے جس میں ہزارہا روحانی خلیفے چودہ سو برس تک پیدا ہوتے رہے اور افسوس ہے کہ ہمارے معترض ذرہ نہیں سوچتے کہ اس صورت میں اسلام اپنی روحانیت کے لحاظ سے بہت ہی ادنٰے ٹھہرتا ہے اور نبی متبوع صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کچھ بہت بڑا نبی ثابت نہیں ہوتا اور قرآن بھی کوئی ایسی کتاب ثابت نہیں ہوتی جو اپنی نورانیت میں قوی الاثر ہو پھر یہ کہنا کہ یہ امت خیر الامم ہے اور دوسری امتوں کے لئے ہمیشہ روحانی فائدہ پہنچانے والی ہے اور یہ قرآن سب الٰہی کتابوں کی نسبت اپنے کمالات اور تاثیر وغیرہ میں اکمل واتم ہے اور یہ رسول تمام رسولوں سے اپنی قوت قدسیہ اور تکمیل خلق میں اکمل واتم ہے کیسا بے ہودہ اور بے معنی اور بے ثبوت دعویٰ ٹھہرے گا اور پھر یہ ایک بڑا فساد لازم آئے گا کہ قرآن کی تعلیمات کا وہ حصہ جو انسان کو روحانی انوار اور کمالات میں مشابہ انبیاء بنانا چاہتا ہے ہمیشہ کے لئے منسوخ خیال کیا جائے گا کیونکہ جب کہ امت میں یہ استعداد ہی نہیں پائی جاتی کہ خلافت کے کمالات باطنی اپنے اندر پیدا کر لیں تو ایسی تعلیم جو اس مرتبہ کے حاصل کرنے کے لئے تاکید کر رہی ہے محض لا حاصل ہوگی۔ درحقیقت فقط ایسے سوال سے ہی کہ کیا اسلام اب ہمیشہ کے لئے ایک مذہب مردہ ہے جس میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوتے جن کی کرامات معجزات کے قائم مقام اور جن کے الہامات وحی کے قائم مقام ہوں بدن کانپ اٹھتا ہے چہ جائیکہ کسی مسلمان کا نعوذ باللہ ایسا عقیدہ بھی ہو خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت کرے جو ان ملحدانہ خیالات میں اسیر ہیں۔ ﴿۶۱﴾

اب جب کہ قرآن شریف کی رو سے یہی ثابت ہوا کہ اس امت مرحومہ میں سلسلہ خلافت دائمی کا اسی طور پر اور اسی کی مانند قائم کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ کی شریعت میں قائم کیا گیا تھا اور صرف اس قدر لفظی فرق رہا کہ اُس وقت تائید دین عیسوی کے لئے نبی آتے تھے اور اب محدث آتے ہیں تو اس ثبوت کو اس بات کا مان لینا مستلزم ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ کی شریعت کے آخری زمانہ میں ایک نبی جس کا نام عیسیٰ تھا ایسے وقت میں آیا کہ جب یہودیوں کی اخلاقی حالت بکلی بگڑ گئی تھی

اور حقیقی تقویٰ اور دیانت اور قوی ہمدردی اور اتفاق اور سچی خداترسی سے وہ بکلی دور جا پڑے تھے اوران کے علم اور فکر کا مبلغ صرف ظاہری لفاظی اور الفاظ پرستی تک محدود ہوگیا تھا اور نیز اپنی دنیوی حالت میں کمزور اور ذلیل ہوگئے تھے ایسا ہی اُس نبی کے ہمرنگ اور اس زمانہ کے مشابہ ایک مُحدّث اس امت میں بھی ایسے وقت میں پیدا ہونا ضروری ہے کہ جب یہ امت بھی اسی طور پر بگڑ جائے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودی بگڑے ہوئے تھے اور جب غور سے دیکھا جاتا اور بنظر تحقیق سوچا جاتا ہے تو صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کا اس امت میں بھی کوئی مثیل بوجہ مماثلت تامہ کاملہ سلسلہ خلفاء موسوی و خلفاء محمدی میں پیدا ہونا چاہیئے یہی زمانہ ہے جس میں ہم ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح کا قریباً چودہ سو برس کا فاصلہ تھا اور اب بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت تک چودھویں صدی ہے اور حضرت موسیٰ کی امت چودھویں صدی پر آ کر ایسی بگڑ گئی تھی کہ تقویٰ اور دیانت بالکل جاتی رہی تھی اور علماء یہود ناحق کے اختلافات اور نفسانی جھگڑوں میں مصروف تھے اوران میں بہت کچھ فسق و فجور پھیل گیا تھا اوران کی دنیوی حالت میں بھی بہت ابتری پیدا ہوگئی تھی ایسا ہی اس زمانہ میں اس امت کا حال ہے اور جو واقعات آنکھوں کے سامنے ہیں وہ صاف شہادت دے رہے ہیں کہ درحقیقت اس امت اوراس امت کے علماء نے اس زمانہ کے یہودیوں کے قدموں پر قدم مارا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے اور نہ صرف اسی بات میں وہ اس وقت کے یہودیوں کے مشابہ ہوگئے ہیں کہ دیانت اور تقویٰ اور روحانیت اور حقیقت شناسی اُن میں باقی نہیں رہے بلکہ دنیوی ادبار بھی ویسا ہی شامل حال ہوگیا ہے کہ جیسا اس زمانہ میں تھا اور جیسا کہ اس وقت یہود یہ ریاستوں کو رومی ملوک نے تباہ کر دیا تھا اور ضُرِبَتۡ عَلَیۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ[1] کا مصداق ہوگئے تھے اور یہودی اپنے تئیں ضعیف اور بے کس دیکھ کر ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو بادشاہ ہوکر آوے اور رومیوں پر تلوار چلاوے کیونکہ توریت کے آخر میں یہی وعدہ دیا گیا تھا ﴿۶۲﴾

[1] البقرة: ۶۲

ویسا ہی یہ قوم مسلمان بھی اکثر اور اغلب طور پر ادبار کی حالت میں گری ہوئی نظر آتی ہے اگر کوئی ریاست ہے تو اس کو اندرونی نفاقوں اور وزراء اور عملہ کی خیانتوں اور بادشاہوں کے کسل اور سستیوں اور جہالتوں اور بے خبریوں اور عیش پسندیوں اور آرام طلبیوں نے ایسا کمزور کر دیا ہے کہ اب ان کا کوئی آخری دم ہی نظر آتا ہے اور یہ لوگ بھی یہودیوں کی طرح منتظر تھے کہ مسیح موعود بادشاہوں کی طرح بڑے جلال کے ساتھ ان کی حمایت کے لئے نازل ہوگا۔

اب وہ آنکھیں جو دیکھ سکتی ہیں اور وہ دل جو انصاف کر سکتے ہیں اور وہ عقل جو سوچ سکتی ہے اس جگہ دیکھ لیں اور تول لیں اور سوچ لیں کہ کیا یہ ماجرا اور وہ ماجرا دونوں برابر ہیں یا نہیں۔ بھلا پیشگوئیوں کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کر دو صرف ایک محقق بن کر عقلی طور پر ہی دیکھو کہ کیا اس زمانہ کے مسلمانوں اور حضرت مسیح کے زمانہ کے یہودیوں کا معاملہ **طابق النعل بالنعل** کا مصداق ہے یا نہیں۔ انجیلوں کو غور کر کے دیکھو اور پڑھو کہ جو کچھ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کے مولویوں اور فقیہوں کی نسبت حالات لکھے ہیں اور ان کی خیانتیں ظاہر کی ہیں کیا حال کے مسلمان مولویوں میں وہ پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ کیا یہ سچ ہے یا نہیں کہ ہمارے علماء بھی یہودیوں کے فقیہوں کی طرح دن رات عبث جھگڑوں میں ﴿۶۳﴾ پڑے ہوئے ہیں اور روحانیت سے بکلی خالی ہو گئے ہیں اور دوسروں کو کافر ٹھہرانے میں کوشش کرتے اور آپ نہیں جانتے کہ اسلام کیا شے ہے اور وہ ایسے وعظ کرتے ہیں جن پر آپ عمل نہیں کرتے اور روٹی کمانے کے لئے وعظ کا منصب اختیار کر کے دور دراز نکل جاتے ہیں اور بے سند تُک بندیوں سے لوگوں کو خوش کر کے مال حرام کھاتے ہیں اور مکر اور فریب اور دغا بازیوں میں یہودیوں سے کچھ کم نہیں رہے۔ ایسا ہی دنیا داروں کی حالت ہے کہ اکثر ان کے دنیا کمانے کے لئے ہر یک خیانت اور دروغگوئی کو شیر مادر کی طرح حلال سمجھتے ہیں جو رئیس کہلاتے ہیں اور ٹوٹی پھوٹی ریاستیں ان کے ہاتھ میں ہیں ان کو عیاشیوں نے ہلاک کر دیا ہے۔ بہتیرے ان میں سے شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں زنا سے ذرہ بھی کراہت نہیں کرتے خدا تعالیٰ کا خوف دن رات کے کسی حصہ میں بھی ان کے

نزدیک نہیں آتا۔اب یہود کی تواریخ ہاتھ میں لیکر دیکھو کہ کس قدر ان مسلمانوں کو دین اور دنیا کی تباہی میں ان یہود سے اشد مشابہت ہے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے۔توریت میں یہود کی نسبت یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ جب تک سیلا نہ آوے ان کی بادشاہی نہیں جائے گی۔سیلا سے مراد حضرت مسیح تھے اور فی الواقع ایسا ہی ہوا تھا کہ حضرت مسیح کی پیدائش سے بھی کچھ عرصہ پہلے یہود کی متفرق ریاستوں پر سلطنت رومیہ ٹوٹ پڑی ہوئی تھی اور چونکہ یہود اس زمانہ کے مسلمانوں کی طرح باہمی نفاقوں اور روز کے جھگڑوں اور کسل اور جہالت کے غلبہ سے ضعیف ہو چکے تھے اور ان کی اندرونی حالت خود ان کے لئے ایک بدفالی کی خبر دے رہی تھی اس لئے یہود نے حضرت مسیح کے زمانہ سے کچھ تھوڑا ہی پیشتر خود اپنے تئیں سلطنت رومیہ کے سپرد کر دیا تھا اور مشابہت کے لحاظ سے اس امت میں بھی ایک سیلا کا آنا ضروری تھا جو عین دینی دنیوی تباہی کے وقت میں آوے۔

اور درحقیقت ایسی ہی پیشگوئی مسلمانوں کے اس زمانہ کے لئے جو حضرت مسیح کے زمانہ سے بلحاظ مدت وغیرہ لوازم مشابہ تھا قرآن کریم نے بھی کی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ[1] ای من کل حدب ینسلون الی الاسلام ویفسدون فی ارضہ ویتملکون بلادہ ویجعلون اعزّۃ اھلھا اذلۃ۔اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ قوم نصاریٰ جو فرقہ یاجوج اور ماجوج ہوگا ہر یک بلندی سے ممالک اسلام کی طرف دوڑیں گے اور ان کو غلبہ ہوگا اور بلاد اسلام کو وہ دباتے جائیں گے یہاں تک کہ سلطنت اسلام صرف بنام رہ جائے گی جیسا کہ آج کل ہے۔واقعات کے تطابق کو دیکھو کہ کیونکر اسلام کے مصائب اور مسلمانوں کی دینی دنیوی تباہی کا زمانہ یہودیوں کے اس زمانہ سے مل گیا ہے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھا اور پھر دیکھو کہ قرآن کی پیشگوئی اسلامی سلطنت کے ضعف کے بارے میں اور مخالفوں کے غالب ہونے کی نسبت کیسی اس پیشگوئی سے انطباق پا گئی ہے جو اسرائیلی سلطنت کے زوال کے بارہ میں توریت میں کی گئی تھی۔ہاں مجدد دین کی بشارت میں توریت کی پیشگوئی اور قرآن کی پیشگوئی میں صرف پیرایہ بیان کا فرق ہے یعنی توریت میں تو اسرائیلی قوت کے ٹوٹنے اور عصا کے جاتے رہنے کے وقت میں جس سے مراد زوال سلطنت تھا سیلا کے آنے کی بشارت

﴿۶۴﴾

[1] الانبیاء:۹۷

دی گئی ہے مگر قرآن میں اسلامی طاقت کے کم ہونے اور امواج فتن کے اٹھنے کے وقت جو عیسائی واعظوں کی دجالیت سے مراد ہے نفخ صور کی خوشخبری دی گئی ہے اور نفخ صور سے مراد قیامت نہیں ہے کیونکہ عیسائیوں کے امواج فتن کے پیدا ہونے پر تو سو برس سے زیادہ گذر گیا ہے مگر کوئی قیامت برپا نہیں ہوئی بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ کسی مہدی اور مجدد کو بھیج کر ہدایت کی صور پھونکی جائے اور ضلالت کے مردوں میں پھر زندگی کی روح پھونک دی جاوے کیونکہ نفخ صور صرف جسمانی احیاء اور اماتت تک محدود نہیں ہے بلکہ روحانی احیاء اور اماتت بھی ہمیشہ نفخ صور کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے اور جیسا قرآن میں نفخ صور سے کسی مجدد کا بھیجنا مراد ہے تا عیسائی مذہب کے غلبہ کو توڑے ایسا ہی امواج فتن سے وہ دجالیت مراد ہے جو حدیثوں میں دجال معہود کے نام پر بیان کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ نے دجال معہود اور مسیح موعود کے لفظ کو جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے کہیں قرآن میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ بجائے دجال کے نصاریٰ کی پُر فتن کارروائیوں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مِنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ [1] بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی قرآن کریم میں آنے والے مجدد کا بلفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں بلکہ لفظ نفخ صور سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تا معلوم ہو کہ مسیح موعود ارضی اور زمینی ہتھیاروں کے ساتھ ظاہر نہیں ہوگا بلکہ آسمانی نفخ پر اس کے اقبال اور عروج کا مدار ہوگا اور پُر حکمت کلمات کی قوت سے اور آسمانی نشانوں سے لوگوں کو حق اور سچائی کی طرف کھینچے گا کیونکہ وہ معقولی فتنوں کے وقت آئے گا نہ سیفی فتنوں کے وقت اور اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر یک فتنہ کی طرز کے موافق نبی اور مجدد کو بھیجتا ہے۔ پس جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں کی تمام قوتیں مسلوب ہو چکی تھیں اور ان کے ہاتھ میں بجز مکر اور فریب اور زبانی باتوں کے اور کچھ نہ تھا اور سلطنت رومیہ جس کے تحت میں وہ اپنی بدچلنیوں اور بدانتظامیوں کی جہت سے خود آ گئے تھے رومیوں کا بلحاظ ملک گیری کچھ قصور نہ تھا یہی حال قرآن کریم میں مسیح موعود کے زمانہ میں لکھا گیا ہے مثلاً ہندوستان کے مسلمانوں کی نالائق حالت ایسی ہے کہ وہ کسی مصلح کے پیدا ہونے پر تلوار سے اس کی نافرمانی نہیں کر سکتے کیونکہ خود تلواریں ان کے پاس نہیں اور دہلی کا تخت انگریزوں نے ایسا ہی لے لیا

﴿۶۵﴾

[1] الانبیاء: ۹۷

جیسا کہ یہودیوں کا تخت سلطنت رومیہ نے یعنی محض بادشاہوں کی بدچلنی اور نالیاقتی کی وجہ سے۔ انگریزوں کا اس ملک گیری میں کچھ قصور نہیں تا ان پر تلوار اٹھائی جاوے بلکہ از ماست کہ بر ماست کی مثال اس جگہ صادق آتی ہے اسی وجہ سے اس صدی کا مجدد حضرت مسیح کے رنگ میں آیا اور بوجہ قوی مشابہت کے مسیح موعود کہلایا اور یہ نام کچھ بناوٹی نہیں بلکہ حالات موجودہ کی مطابقت کی وجہ سے اسی نام کی ضرورت پڑی۔

اور یاد رہے کہ قرآن کریم میں ایک جگہ **رسل** کے لفظ کے ساتھ بھی **مسیح موعود** کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ سوال کہ ان ہی الفاظ کے ساتھ جو احادیث میں آئے ہیں کیوں قرآن میں ذکر نہیں کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تا پڑھنے والوں کو دھوکا نہ لگ جاوے کہ مسیح موعود سے مراد درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں جن پر انجیل نازل ہوئی تھی اور ایسا ہی دجال سے کوئی خاص مفسد مراد ہے سو خدا تعالیٰ نے فرقان حمید میں ان تمام شبہات کو دور کر دیا۔ اس طرح پر کہ اول نہایت تصریح اور توضیح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی **وفات** کی خبر دی جیسا کہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ[1] سے ظاہر ہے اور پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا **خاتم الانبیاء** ہونا بھی ظاہر کر دیا جیسا کہ فرمایا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[2] اور پھر یہودیوں کی بہت سی نافرمانیاں جابجا ذکر کر کے متواتر طور پر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ آخری حالت عام مسلمانوں اور مسلمانوں کے علماء کی یہی ہو جائے گی اور پھر ذکر کیا کہ آخری زمانہ میں غلبہ **نصاریٰ** کا ہوگا اور ان کے ہاتھ سے طرح طرح کے فساد پھیلیں گے اور ہر طرف سے امواج فتن اٹھیں گی اور وہ ہر یک بلندی سے دوڑیں گی یعنی ہر یک طور سے وہ اپنی قوت اور اپنا عروج اور اپنی بلندی دکھلائیں گی۔ ظاہری طاقت اور سلطنت میں بھی ان کی بلندی ہوگی کہ اور حکومتیں اور ریاستیں ان کے مقابل پر کمزور ہو جائیں گی اور علوم وفنون میں بھی ان کو بلندی حاصل ہوگی کہ طرح طرح کے علوم وفنون ایجاد کریں گے اور نادر اور عجیب صنعتیں نکالیں گے اور مکاید اور تدابیر اور حسن انتظام میں بھی بلندی ہوگی اور دنیوی مہمات میں اور ان کے حصول کیلئے ان کی ہمتیں بھی بلند ہوں گی اور اشاعت مذہب کی جدوجہد اور کوشش میں بھی وہ سب سے فائق اور بلند ہوں گے اور ایسا ہی تدابیر

﴿۶۶﴾

[1] المائدۃ:۱۱۸ [2] الاحزاب:۴۱

معاشرت اور تجارت اور ترقی کاشتکاری غرض ہر یک بات میں ہر یک قوم پر فائق اور بلند ہو جائیں گی یہی معنے ہیں مِنۡ كُلِّ حَدَبٍ يَّنۡسِلُوۡنَ [۱] کے کیونکہ حَدَب بالتحریک زمین بلند کو کہتے ہیں اور نسل کے معنے ہیں سبقت لے جانا اور دوڑنا۔ یعنی ہر ایک قوم سے ہر ایک بات میں جو شرف اور بلندی کی طرف منسوب ہو سکتی ہے سبقت لے جائیں گے اور یہی بھاری علامت اس آخری قوم کی ہے جس کا نام یاجوج ماجوج ہے اور یہی علامت پادریوں کے اس گروہ پُرفتن کی ہے جس کا نام دجال معہود ہے اور چونکہ حدب زمین بلند کو کہتے ہیں اس سے یہ اشارہ ہے کہ تمام زمینی بلندیاں ان کو نصیب ہوں گی مگر آسمانی بلندی سے بے نصیب ہوں گے اور اس مقام سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی قوم یاجوج و ماجوج باعتبار اپنے ملکی عروج کے یاجوج ماجوج سے موسوم ہے اور اسی قوم میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ضلالت کے پھیلانے میں اپنی کوششیں انتہا کو پہنچائی ہیں اور دجال اکبر سے موسوم ہو گئے اور خدا تعالیٰ نے ضلالت کے عروج کے ذکر کے وقت فرمایا کہ اس وقت نفخ صور ہوگا اور تمام فرقے ایک ہی جگہ پر اکٹھے کئے جائیں گے اور بعد ان آیات کے جو جہنم کا ذکر ہے وہ قرآن کریم کے محاورہ کے بموجب الگ بیان ہے کیونکہ قرآن کریم کا یہ عام محاورہ ہے کہ بعض اوقات دنیا کے کسی واقعہ کا ذکر کرتے کرتے کسی مناسبت کی وجہ سے آخرت کا ذکر ساتھ ہی کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن شریف کو غور سے دیکھنے والے اس متواتر محاورہ سے بے خبر نہیں ہیں۔ ﴿۶۷﴾

تیسرا شق ہماری ان مباحث کا یہ تھا کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ وہ مسیح موعود جس کا قرآن اور احادیث میں مختلف پیرایوں میں ذکر ہے وہ یہی عاجز ہے۔ سو میرے خیال میں اس شق کے دلائل لکھنے میں زیادہ طول دینے کی حاجت نہیں اس بات کو ہم نے اس رسالہ میں ثابت کر دیا ہے کہ ایک شخص کا اس امت میں سے مسیح علیہ السلام کے نام پر آنا ضروری ہے۔ کیوں ضروری ہے تین وجہ سے۔

اوّل یہ کہ **مماثلت تامہ کاملہ** ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو آیت كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا [۲] سے مفہوم ہوتی ہے اس بات کو چاہتی ہے۔

[۱] الانبیاء: ۹۷ [۲] المزمل: ۱۶

وجہ یہ کہ آیت اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا [1] صاف بتلا رہی ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ اپنی امت کی نیکی بدی پر شاہد تھے ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شاہد ہیں مگر یہ شہادت دوامی طور پر بجز صورت استخلاف کے حضرت موسیٰ کے لئے ممکن نہیں ہوئی یعنی خدا تعالیٰ نے اسی اتمام حجت کی غرض سے حضرت موسیٰ کے لئے چودہ سو برس تک خلیفوں کا سلسلہ مقرر کیا جو درحقیقت توریت کے خادم اور حضرت موسیٰ کی شریعت کی تائید کے لیے آتے تھے تا خدا تعالیٰ بذریعہ ان خلیفوں کے حضرت موسیٰ کی شہادت کے سلسلہ کو کامل کر دیوے اور وہ اس لائق ٹھہریں کہ قیامت کو تمام بنی اسرائیل کی نسبت خدا تعالیٰ کے سامنے شہادت دے سکیں۔ ایسا ہی اللہ جلّ شانہٗ نے اسلامی امت کے کل لوگوں کے لئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد ٹھہرایا ہے اور فرمایا اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ [2] اور فرمایا وَجِئۡنَا بِکَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیۡدًا [3] مگر ظاہر ہے کہ ظاہری طور پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف تئیس برس تک اپنی امت میں رہے پھر یہ سوال کہ دائمی طور پر وہ اپنی امت کے لئے کیونکر شاہد ٹھہر سکتے ہیں یہی واقعی جواب رکھتا ہے کہ بطور استخلاف کے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی مانند خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی قیامت تک خلیفے مقرر کر دیئے اور خلیفوں کی شہادت بعینہٖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت متصور ہوئی اور اس طرح پر مضمون آیت اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ [4] ہریک پہلو سے درست ہوگیا۔ غرض شہادت دائمی کا عقیدہ جو نص قرآنی سے بتواتر ثابت اور تمام مسلمانوں کے نزدیک مسلّم ہے تبھی معقولی اور تحقیقی طور پر ثابت ہوتا ہے جب خلافت دائمی کو قبول کیا جائے۔ اور یہ امر ہمارے مدعا کو ثابت کرنے والا ہے فتدبّر۔

﴿۶۸﴾

دوسری مماثلت تامہ کاملہ استخلاف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی استخلاف موسوی سے مسیح موعود کا آنا ضروری ٹھہراتی ہے جیسا کہ آیت مندرجہ ذیل سے مفہوم ہوتا ہے یعنی آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ [5] صاف بتلا رہی ہے کہ ایک مجدّد حضرت مسیح کے نام پر چودھویں صدی میں آنا ضروری ہے کیوں کہ امر

[1] المزمل: ۱۶ [2] المزمل: ۱۶ [3] النساء: ۴۲ [4] المزمل: ۱۶ [5] النور: ۵۶

استخلاف محمدی امر استخلاف موسوی سے اسی حالت میں اکمل اور اتم مشابہت پیدا کر سکتا ہے کہ جب کہ اول زمانہ اور آخری زمانہ باہم نہایت درجہ کی مشابہت رکھتے ہوں اور آخری زمانہ کی مشابہت دو باتوں میں تھی ایک امت کا حال ابتر ہونا اور دنیا کے اقبال میں ضعف آجانا اور دینی دیانت اور ایمانداری اور تقویٰ میں فرق آجانا دوسرے ایسے زمانہ میں ایک مجدد کا پیدا ہونا جو مسیح موعود کے نام پر آوے اور ایمانی حالت کو پھر بحال کرے سو پہلی علامت کو ہمارے بھائی مسلمان صرف قبول ہی نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کا ادبار اور ایک ایسی غیر قوم کا اقبال اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جو ان کے مذہب کو ایسا ہی حقیر اور ذلیل سمجھتی ہے جیسا کہ مجوسی یہودیوں پر غالب آکر حضرت مسیح کے زمانہ میں یہود کو حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے اور یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اندرونی حالت اسلام کے علماء اور اسلام کے دنیاداروں کی یہودیوں کے حالات سے کچھ کم نہیں ہے بلکہ خیر سے دہ چند معلوم ہوتی ہے جب ہم قرآن کی پہلی جزو میں ہی یہ آیتیں پڑھتے ہیں جو یہودیوں کے مولویوں کے حق میں ہیں کہ تم لوگوں کو تو نیکی اور بھلائی کے لئے وعظ کرتے ہو اور اپنے تئیں بھول جاتے ہو اور اپنے بھائیوں کے ستانے میں تم قصور نہیں کرتے اور طرح طرح کے لالچوں اور حرام کاریوں اور بدکاریوں اور بدمنصوبوں اور دنیا طلبی کے فریبوں میں مشغول ہو تو بے اختیار دل بول اٹھتا ہے کہ یہ تمام آیتیں ہمارے اکثر مولویوں کے حق میں صادق آرہی ہیں۔ ﴿۶۹﴾

پھر جب کہ ان متلازم علامتوں میں سے ایک علامت کا اس زمانہ میں پایا جانا ہمارے بھائیوں نے خود قبول کر لیا تو دوسری علامت کے قبول کرنے سے منہ پھیرنا بعینہٖ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ آفتاب بے شک نکلا ہوا ہے مگر ابھی دن نہیں چڑھا۔ بہرحال ایک منصف دانا کو اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں ہوگا کہ آیات قرآنی پر غور کے ساتھ نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ محمدی استخلاف کا سلسلہ موسوی استخلاف کے سلسلہ سے بکلی مطابق ہونا چاہئے جیسا کہ کما کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے اور جبکہ بکلی مطابق ہوا تو اس امت میں بھی اس کے آخری زمانہ میں جو قرب قیامت کا

زمانہ ہے حضرت عیسیٰ کی مانند کوئی خلیفہ آنا چاہیے کہ جو تلوار سے نہیں بلکہ روحانی تعلیم اور برکات سے اتمام حجت کرے اور اس لحاظ سے کہ حضرت مسیح حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد آئے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ مسیح موعود کا اس زمانہ میں ظہور کرنا ضروری ہو اور خدا تعالیٰ کے وعدوں میں تخلف نہیں تو اب دیکھنا چاہیئے کہ ایسے کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اس زمانہ میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اگر فرض بھی کیا جائے کہ مثلاً مُسلمانوں میں سے اِس زمانہ میں دس آدمیوں نے دعویٰ کیا ہے تو اُن دس میں سے ایک ضرور صادق اور مسیح موعود ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ نشان صادق کے وجود کو چاہتے ہیں لیکن جس حالت میں بیس کروڑ مسلمانوں میں سے جو شام اور عرب اور عراق اور مصر اور ہند وغیرہ بلاد میں رہتے ہیں اِس علامات کے زمانہ میں جو کتاب اللہ اور حدیث کی رُو سے **مسیح موعود** کے ظہور کا زمانہ ہے صِرف ایک شخص نے مسلمانوں میں سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو ایسے مدعی کی تکذیب سے جو اپنے وقت پر ظاہر ہوا پیشگوئی کی تکذیب لازم آتی ہے۔ **چودھویں صدی** کے سر پر مسیح موعود کا آنا جس قدر حدیثوں سے قرآن سے اولیاء کے مکاشفات سے بپایہ ثبوت پہنچتا ہے حاجت بیان نہیں۔ پھر جو دعویٰ اپنے محل اور موقعہ پر ہے اُس کے ردّ کرنے سے تو ایک مُتّقی آدمی کا بدن کانپ جاتا ہے غرض پہلی دلیل اِس عاجز کی **صداقت** کی ایسے وقت میں دعویٰ کرنا ہے جس وقت کو سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم اور اولیاء کے **مکاشفات** نے مسیح موعود کے ظہور کے لئے **خاص** کیا ہے جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ٹھہرے اور پھر اُس نبی آخر الزمان سے بھی تیرہ سو برس اور گذر گیا تو پھر اِس حدیث کو سوچو جس میں منبر کے سات درجہ کو جو رؤیا میں دیکھا گیا دُنیا کا سات ہزار برس قرار دیا ہے اور خوب غور کرو کہ کیا یہ زمانہ اُس حدیث کی رُو سے مسیح موعود کے لئے ضروری ہے یا نہیں۔ پھر حدیث **الآیات بعد المأتین** پر بھی خیال کرو جس سے علماء نے یہ نکالا ہے کہ تیرھویں صدی سے آیات کُبریٰ قیامت کی شروع ہوں گی کیونکہ اگر آیات سے آیات صُغریٰ مُراد ہیں تو اِس صُورت میں **بعد المأتین** کی شرط لاحاصل ٹھہرتی ہے خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قیامت

﴿۷۰﴾

کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ پھر اگر حدیث کے یہ معنی کئے جائیں گے کہ دوسو برس
کے بعد علامات کُبریٰ شروع ہوں گی تو یہ صریح خلاف ہے کیونکہ دوسو برس کے بعد تو کوئی
علامت شروع نہ ہوئی اِس لئے علمآء نے اِس حدیث میں مِأتین سے مراد وہ دوسو لیا ہے جو ہزار ﴿۷۱﴾
کے بعد آوے یعنی بارہ سو برس۔ اور اِس تاویل میں علماء حق پر ہیں کیونکہ کچھ شک نہیں کہ بڑے
بڑے فتنے تیرھویں صدی میں ہی ظہور میں آئے اور دجّالیّت کا طوفان اِسی صدی میں پھیلا اور
مِنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ [1] کا تماشا بھی اِسی صدی میں دیکھا گیا۔ صدہا اسلامی ریاستیں
خاک میں مل گئیں اور نصاریٰ نے خوب بلندی حاصل کی۔

اور یہ تیسرا شق بحث طلب کہ اگر درحقیقت کوئی مسیح موعود اِس اُمت میں سے آنے والا ہے تو
اِس پر کیا دلیل ہے کہ وہ مسیح یہی عاجز ہے اِس کے بعض قرائنی دلائل تو ابھی ہم تحریر کر چکے ہیں
حاجت اعادہ نہیں لیکن خاص طور کے دلائل اگر طلب ہوں تو سائل کو ذرہ صبر کرنا چاہیئے تا خود
خداتعالیٰ اپنے بندے کی تائید میں دلائل نازل کرے اصل بات یہ ہے کہ ایسے دعاوی صرف
معقولی یا منقولی دلائل سے کامل طور پر بپایۂ ثبوت نہیں پہنچ سکتے جب تک شخص مدعی کی برکات
آسمانی تائیدات سے ثابت نہ ہوں اور یہی سنّت خداتعالیٰ کی قدیم سے انبیاء علیہم السلام کے
ساتھ جاری چلی آئی ہے مثلاً ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اگرچہ پہلی
کتابوں میں پیش از وقت خبریں دی گئیں تھیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ایسے زمانہ
میں تشریف لائے کہ وُہ زمانہ ایک عظیم الشان رسول کے مبعوث ہونے کا محتاج ہو رہا تھا لیکن
باوجود اِن سب باتوں کے خداتعالیٰ نے اپنے سچّے نبی کی سچّائی ثابت کرنے کے لیے پہلی
پیشگوئیوں پر اکتفا نہ کی اور نہ دُوسرے قرائن کو مکتفی سمجھا بلکہ بہت سے آسمانی نشان اُس پاک
نبی کی تصدیق کے لئے نازل کئے۔ یہاں تک کہ اس نبی کریم کا سچا ہونا کُھل گیا اور آفتاب کی
طرح نُورِ صداقت چمک اُٹھا۔

سو اِسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ اگر یہ عاجز خداتعالیٰ کی طرف سے ہے اور اپنے اقوال میں صادق ہے تو

[1] الانبیاء: ۹۷

خدا تعالیٰ اپنی خاص مددوں سے اِس عاجز کی سچّائی کو ظاہر کر دے گا اور اپنے خاص نشانوں سے دُنیا پر روشن کر دے گا کہ یہ عاجز اُس کی طرف سے ہے نہ اپنے منصوبوں سے۔ پھر جس حالت میں آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے اپنے دعوے میں صادق ہونا ثابت ہو جائے تو پھر بعد اس کے کوئی وجہ انکار باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ آسمانی نشان وہ چیز ہے جس سے بڑی بڑی نبوتیں ثابت ہو گئی ہیں رسالتیں ثابت ہو گئیں ہیں کتابوں کا خُدا تعالیٰ کا کلام ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ پھر ان کے ذریعہ سے مثیل مسیح ہونا کیوں کر ثابت نہ ہو سکے غرض خدا تعالیٰ جس طور سے اپنے صادق بندوں کی صداقت ثابت کرتا آیا ہے اُسی طور سے اِس عاجز کی صداقت بھی ثابت کرے گا۔ دیکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوّت کے ماننے کے بارے میں کس قدر مشکلات یہودیوں کو پیش آ گئی تھیں پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ عیسےٰ بادشاہ ہو کر آئے گا مگر مسیح ایک غریب مسکین کی صورت میں پیدا ہوا پہلی کتابوں میں درج تھا کہ اُسکے آنے سے یہودیوں کے ایّام اقبال پھر عود کریں گے۔ اور یہودی اِس خیال میں لگے ہوئے تھے کہ وہ سلطنت رومیہ کے ساتھ لڑے گا اور اسرائیل کی بادشاہت کو پھر قائم کرے گا مگر معاملہ برعکس ہوا اور یہودی اور بھی مصیبت اور ذلّت میں پڑے۔ ایسا ہی پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ وُہ نہیں آئے گا جب تک ایلیا نبی دوبارہ دُنیا میں نہ آلیوے اِس لئے یہودی منتظر تھے کہ ایلیا کب آسمان سے نازل ہوتا ہے لیکن ایلیا نازل نہ ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ کر دیا کہ مسیح موعود میں ہی ہوں اور یہ بھی کہا کہ یحيٰی نبی ہی ایلیا ہے مگر یہ تاویل یہودیوں کی نظر میں پسندیدہ نہ تھی بلکہ وُہ اِسی طرح حضرت ایلیا کے نزول کے منتظر تھے جیسا کہ آجکل حضرت عیسیٰ کے نزول کے مسلمان منتظر ہیں لیکن باوجود اِن سب روکوں کے جو درحقیقت سخت روکیں تھیں خدا تعالیٰ نے اپنے سچّے نبی کو ضائع نہ کیا اور بہت سے نشانوں سے ثابت کر دیا کہ وُہ صادق ہے جس سے بالضرورت نتیجہ نکالنا پڑا کہ مسیح موعود ہی ہے جو آخر سچا مانا گیا۔

سو عزیزو یقیناً سمجھو کہ صادق کی صداقت ظاہر کرنے کیلئے خدا تعالیٰ کے قدیم قانون میں ایک ہی

﴿۷۲﴾

﴿۷۳﴾ راہ ہے اور وہ یہ کہ آسمانی نشانوں سے ایسا ثابت کر دیوے کہ خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا مقبول ہے۔ اَب سوچو کہ اِس عاجز کی طرف سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے دعوے سے کچھ بڑا نہیں ہے پھر ذرا غور کر لو کہ یہ تمام بزرگوار نبی کیونکر دُنیا میں تسلیم کئے گئے کیا بذریعہ آسمانی برکات اور تائیدات کے یا کوئی اور طریق تھا سو سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی قدیم سنّت میں تغییر و تبدیل نہیں اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور صرف افترا اور جعلسازی ہے تو انجام بہتر نہیں ہوگا اور خدا تعالیٰ ذلّت کے ساتھ ہلاک کرے گا اور پھر ابدالدہر تک لعن طعن کا نشانہ بنائے رکھے گا کیونکہ اِس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں کہ ایک شخص کہے کہ مَیں منجانب اللہ بھیجا گیا ہوں اور دراصل نہیں بھیجا گیا اور کہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کے مکالمہ سے مشرف ہوں اور اس کا کلام میرے دِل پر اُترتا ہے اور میری زبان پر جاری ہوتا ہے حالانکہ نہ کبھی اس سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ واقع ہوا اور نہ کبھی خدا تعالیٰ کا کلام اُس کے دِل پر اُترا اور نہ کبھی اُس کی زبان پر جاری ہوا۔ **الا لعنة اللّٰہ علی الکاذبین الذین یفترون علی اللّٰہ وھم فی الدنیا والاٰخرة من المخذولین۔**

لیکن اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اُس نے مجھ کو بھیجا ہے اور اُسی کی طرف سے وہ کلام ہے جس کا مجھ کو الہام ہوتا ہے تو مَیں ہرگز ضائع نہ کیا جاؤں گا اور مَیں ہلاک نہیں ہوں گا بلکہ خدا تعالیٰ اُسے ہلاک کرے گا جو میرے مقابل پر اُٹھے گا اور میرا سدّ راہ ہو گا۔ مَیں متعجب ہوں کہ لوگ مسیح موعود کے لفظ کو کیوں عجیب سمجھتے ہیں اور اِس کا ثبوت کیوں مجھ سے مانگتے ہیں حالانکہ عندالعقل یہ بات ممتنعات میں سے نہیں ہے کہ مسیح کی طرز پر اس اُمت میں بھی جو مثیل اُمت موسیٰ ہے کوئی پیدا ہو یہ بات فلاسفروں کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ وجود بنی آدم دَوری ہے اور یہی سنّت اللہ اور قانون قدرت سے ثابت ہوا ہے کہ اِس دُنیا میں بعض بعض کے شبیہ پیدا ہو جاتے ہیں نیکوں کے شبیہ بھی پَیدا ہوتے رہتے ہیں اور بدوں ﴿۷۴﴾ کے بھی۔ ہاں منجانب اللہ ہونے کا ثبوت مانگنا چاہیئے، اُس ثبوت کے ذیل میں تمام ثبوت

آ جاتے ہیں۔ دیکھو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں پر ظاہر کیا کہ مَیں مثیل موسیٰ ہوں اور خدا تعالیٰ کا رسول ہوں تو جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت ہوگئی۔ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل موسیٰ ہونے میں بھی شک نہ رہا اور جیسا وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے ایسا مثیل ہونے پر لائے سو منجانب اللہ اور سچّے ملہم ہونے کا ثبوت تمام ثبوتوں کی جڑ ہے مثلاً نبی پر جو کتاب نازل ہوتی ہے اُس کے فقرہ فقرہ کا ثبوت کوئی نہیں مانگتا بلکہ رسالت کے ثابت ہونے سے خود وہ تمام واقعات ثابت ہو جاتے ہیں۔عزیزو! یہ بات تو نہیں کہ خدا تعالیٰ میرے لئے کوئی نرالا قانون بنانا چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے قدیم قانون کو دیکھو اور اُس کے مطابق سوال کرو۔

پھر ماسوا اِس کے آج کی تاریخ تک جو گیارہ ربیع الاوّل ۱۳۱۱ھ مطابق بائیس ستمبر ۱۸۹۳ء اور نیز مطابق ہشتم اسوج سمت ۱۹۵۰۔ اور روز جمعہ ہے اِس عاجز سے تین ہزار سے کچھ زیادہ ایسے نشان ظاہر ہو چکے ہیں جن کے صدہا آدمی گواہ بلکہ بعض پیشگوئیوں کے پُورا ہونے کے تو ہزار ہا ہندو اور عیسائی اور دوسرے مخالف مذہب گواہ ہیں اور اگر تحقیق کی رُو سے دیکھو تو بعض نشان ایسے بھی ہیں کہ جنھیں لاکھ ہا دشمن دین اسلام اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں اور اب تک وہ لوگ زندہ موجود ہیں جنہوں نے بکثرت ایسے نشان ملاحظہ کئے جو اِنسانی طاقتوں سے بالاتر ہیں اور ایسے بھی صدہا موجود ہیں جنہوں نے دُعاؤں کے قبول ہونے کی پیش از وقت خبر سُنی اور پھر اِس امر کو جیسا کہ بیان کیا گیا تھا ظاہر ہوتے بھی دیکھ لیا اور ایسے بھی سولہ ہزار کے قریب لوگ ہندوستان اور انگلستان اور جرمن اور فرانس اور روس اور روم میں پنڈتوں اور یہودیوں کے فقیہوں اور مجوسیوں کے پیشرووں اور عیسائیوں کے پادریوں اور قسیسوں اور بشپوں میں سے موجود ہیں جن کو رجسٹری کرا کر اِس مضمون کے خط بھیجے گئے کہ درحقیقت دُنیا میں دین اسلام ہی سچا ہے اور دُوسرے تمام دین اصلیّت اور حقانیت سے دور جا پڑے ہیں کسی کو مخالفوں میں سے اگر شک ہو تو ہمارے مقابل پر آوے اور ایک سال تک رہ کر دین اسلام کے نشان ہم سے ملاحظہ

﴿۷۵﴾

کرے۔ اور اگر ہم خطا پر نکلیں تو ہم سے بحساب دوسو روپیہ ماہواری ہرجانہ اپنے ایک برس کا لے لے ورنہ ہم اُس سے کچھ نہیں مانگتے صرف دینِ اسلام قبول کرے اور اگر چاہے تو اپنی تسلّی کے لئے وُہ روپیہ کسی بینک میں جمع کرا لے لیکن کسی نے اِس طرف رُخ نہ کیا۔ اَب ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی نصرت پر ایسا کامل یقین نہ رکھتا کہ جو متواتر مشاہدات اور ذاتی تجارب کے بعد ہوتا ہے تو کیونکر ممکن ہوتا کہ اسلام کے تمام مخالفوں کے مقابل پر یعنی اُن لوگوں کے مقابل پر جو رُوئے زمین پر نامی مخالف مذہب اور اپنی قوموں کے مقتدیٰ تھے اکیلا کھڑا ہو جاتا ظاہر ہے کہ ضعیف البنیان انسان اپنے نفس میں ہرگز ایسی طاقت نہیں رکھتا کہ سارے جہان کا مقابلہ کر سکے پھر بجُز اپنے کامل یقین اور ذاتی تجارب کے اور کیا چیز تھی جس نے اِس پیش قدمی کے لئے اِس عاجز کو جُرأت بخشی اور نہ صرف زبانی بلکہ دو ہزار روپیہ کے قریب ان اشتہارات کے طبع میں جو انگریزی اور اُردو میں چھاپے گئے تھے اور ایسا ہی اُن کی روانگی میں جو ہندوستان اور یورپ کے مُلکوں کی طرف رجسٹری کرا کر خط بھیجے جاتے تھے خرچ ہوا مگر کسی کو جُرأت نہ ہوئی کہ مقابل پر آوے اور دشمنوں کے دلوں پر ہیبت پڑنا یہ بھی ایک نشان تھا۔ اِمتحان کے طور پر اِس زمانہ کے کسی پادری صاحب وغیرہ کو پوچھ کر دیکھو کہ کیا دعوت اسلام کیلئے رجسٹری شدہ خط اُن کے پاس نہیں پہنچا۔ پھر سوچ لو کہ جو شخص کئی ہزار روپیہ صرف اشتہارات کے طبع اور اُنکے مصارف روانگی میں خرچ کرے اور دشمن کے لئے ایک رقم کثیر بطور انعام بصورت فتح دشمن مقرر کرے کیا عندالعقل ایسے شخص کا صرف جُھوٹ اور کذب اور افتراء پر مدار ہو سکتا ہے کیا آج تک دُنیا میں کوئی ایسا مفتری کتابوں میں پڑھا گیا یا سنا گیا یا دیکھا گیا بھلا کوئی نظیر تو دو۔ عزیزو! یقیناً سمجھو کہ جب تک خُدا کسی کے ساتھ نہ ہو یہ استقامت اور یہ شجاعت اور یہ بذل مال ہرگز وقوع میں آ ہی نہیں سکتے کبھی کسی نے اِس زمانہ کے کسی مولوی کو دیکھا یا سنا کہ اُس نے دعوتِ اسلام کے لئے کسی اسسٹنٹ کمشنر انگریز کی طرف ہی کوئی خط بھیجا لیکن اس جگہ نہ صرف اس قدر بلکہ پارلیمنٹ لنڈن اور شاہزادہ ولی عہد ملکہ معظّمہ اور شہزادہ بسمارک کی خدمت میں بھی

﴿۷۶﴾

دعوتِ اسلام کے اشتہار اور خطوط بھیجے گئے جن کی رسیدیں ابتک موجود ہیں۔ اِن اشتہارات میں جن کے شائع کرنے پر قریباً عرصہ دس۱۰ برس کا گذر چکا ہے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ یہ عاجز حضرت مسیح ابن مریم سے ان کے کمالات میں مشابہ ہے اور سوچنے والے کے لئے یہ ایک اور دلیل اس عاجز کی سچائی پر ہے کیونکہ اگر مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ صرف انسان کا منصوبہ ہوتا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ مسیح موعود کے دعویٰ کرنے سے دس۱۰ برس بلکہ بارہ برس پہلے اُس دعویٰ کے مؤید متواتر الہامات اپنی طرف سے شائع کئے جاتے کیونکہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ عادتاً انسان میں اتنی پیش بندیوں کی طاقت نہیں کہ جو کام یا دعویٰ ابھی بارہ برس کے بعد ظہور میں آنا ہے پہلے ہی سے اُس کی بنیاد قائم کی جائے اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ خدا تعالیٰ ایسے ظالم مفتری کو اتنی لمبی مہلت بھی دیدے جسے آج تک بارہ برس گذر چکے ہوں اور مُفتری ایسا اپنے افتراء میں بیباک ہو جس نے پہلے ہی سے ارادہ کیا ہو جو بارہ برس کے بعد ایسا دعویٰ کرونگا اور اس دعویٰ کی بنیاد بارہ برس پہلے ہی یہ رکھی ہو کہ مَیں ضرور مثیل مسیح ہوں اور نہ صرف یُونہی بلکہ الہام کے حوالہ سے اپنے تئیں مثیل مسیح قرار دیا ہو اور کمالات میں اُس کے مشابہ اپنے تئیں ٹھہرایا ہو اور اُس کے جوہر ذاتی کا ایک ٹکڑا اپنے تئیں سمجھا ہو اور پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ علانیہ اور واشگاف طور پر بارہ برس پہلے اپنے دعویٰ مسیح ہونے سے اپنی کتاب میں (یعنی براہین احمدیہ میں) یہ شائع کیا ہو کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ رکھ دیا ہے اور مجھ کو وعدہ دیا ہے کہ مَیں تجھے تیری طبعی موت سے ماروں گا اور پھر اپنی طرف تجھے اُٹھا لوں گا اور منکروں کے تمام الزاموں سے تجھے بَری کروں گا اور تیرے تابعین کو قیامت تک تیرے دشمنوں پر غالب رکھوں گا اور خُدا تعالیٰ اُس کو نہ صرف مُہلت بلکہ الہامی نشانوں سے اُس کی مدد بھی کرے اور اُس کے لئے ایک جماعت طیار کر دے حالانکہ وہ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ **میں مفتری کو مدد نہیں دیتا اور وہ جلد ہلاک کیا جاتا ہے** اور اُس کی جماعت متفرق کی جاتی ہے بلکہ سید الرسل کو اُس نے کہا کہ اگر تو ایک ذرہ افترا کرتا تو تیری شاہ رگ کاٹ دی جاتی۔ پس اگر یہ بات سچ

﴿۷۷﴾

نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ مفتری کو جو جھوٹا مرسل بن کر خلق اللہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے بہت جلد پکڑ لیتا ہے تو اِس صُورت میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہ استدلال صحیح نہیں ہوسکتا کہ اگر آنحضرتؐ نعوذ باللہ مُفتری ہوتے تو خدا تعالیٰ ان کو پکڑتا پھر باوجود اِس لمبی مہلت اور خدا تعالیٰ کی صدہا تائیدوں اور صدہا نشانوں کے مخالفوں نے بھی اِس عاجز پر نزول عذاب کے لئے ہزارہا دُعائیں کیں اور اپنے مباہلہ میں بھی رورو کر اِس عاجز پر عذاب نازل ہونا چاہا مگر بجُز رسوائی اور ذلّت کے اُن کو کچھ بھی نصیب نہ ہوا اور اللہ جلّ شانہٗ جانتا ہے کہ ہم نے کسی مباہلہ میں کسی دشمن پر عذاب نازل ہونا نہیں چاہا اور نہ عبدالحق غزنوی کے لئے جس نے بمقام امرتسر مباہلہ کیا تھا اُس کی موت کے لئے بددُعا کی مگر اُس نے بہت کچھ جزع فزع کیا اور ہمارا مدعا مباہلہ سے یہی تھا اور اب تک یہ ہی ہے کہ آسمانی نشانیاں اِس عاجز کی تائید میں عام طور پر ظاہر ہوں اور مخالف مباہل کی ذلّت اور رُسوائی کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک مقام میں ہماری فتح ظاہر کرے۔ غرض یہ تمام صداقت کے نشان ہیں مگر اُس کے لئے جو غور کرے۔ افسوس کہ مجھ سے بار بار پُوچھا جاتا ہے کہ تمہارے دعویٰ مسیح موعود ہونے پر دلیل کیا ہے مگر ایسے لوگ نہیں سمجھتے کہ حضرت عیسیٰؑ کے موعود ہونے پر اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیّین موعود ہونے پر کیا دلیل تھی۔ کیا یہی نہ تھی کہ بہت سے نشانوں سے خدا تعالیٰ نے اُن کا صادق ہونا ثابت کر دیا اور حضرت مسیح کو گو یہودیوں نے قبول نہ کیا اور آج تک یہی کہتے ہیں کہ وہ مسیح موعود نہ تھا مگر اُن کے معجزات اور نشانوں سے ان کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہو گیا☆ ضروری مطالبہ تو صادق اور منجانب اللہ ہونے پر ہوتا ہے اور مثلیت کا ثبوت ﴿۷۸﴾

☆ **حاشیہ** ایک صاحب ہدایت اللہ نام جنہوں نے انکار معجزات عیسوی کا الزام اِس عاجز کو دے کر ایک رسالہ بھی شائع کیا ہے وُہ اپنے زعم میں ہماری کتاب ازالہ اوہام کی بعض عبارتوں سے یہ نکالتے ہیں کہ گویا ہم نعوذ باللہ سرے سے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات سے منکر ہیں مگر واضح رہے کہ ایسے لوگوں کی

تو اِسی کے ذیل میں آجاتا ہے باوجود اِس کے تمام لوازم موجودہ بلند آواز سے یہی پکار رہے ہیں کہ اس صدی کا مجدّد مسیح موعود ہو کیونکہ خدا تعالیٰ کی پاک کلام نے جو مسیح موعود کے زمانہ کے نشان ٹھہرائے تھے وُہ سب اِس زمانہ میں پُورے ہو گئے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ عیسائی سلطنت تمام دُنیا کی ریاستوں کو نگلتی جاتی ہے اور ہر ایک نوع کی بلندی اُن کو حاصل ہے اور مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ[1]

بقیہ حاشیہ

اپنی نظر اور فہم کی غلطی ہے ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کے صاحب معجزات ہونے سے انکار نہیں بے شک اُن سے بھی بعض معجزات ظہور میں آئے ہیں اور گو انجیل کے دیکھنے سے اُن کے معجزات پر بہت کچھ دھبّہ لگتا ہے جیسا کہ تالاب کے قصّہ اور خود اُن کے بار بار کے انکار سے کہ میں صاحب معجزات نہیں مگر ہمیں انجیل سے کیا کام قرآن کریم سے بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ بعض نشان اُن کو دیئے گئے تھے ہاں ہمارے کم توجہ علماء کی یہ غلطی ہے کہ اُن کی نسبت وہ گمان کرتے ہیں کہ گویا وہ بھی خالق العالمین کی طرح کسی جانور کا قالب تیار کر کے پھر اُس میں پُھونک مارتے تھے اور وہ زندہ ہو کر اُڑ جاتا اور مُردہ پر ہاتھ رکھتے تھے اور وہ زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگتا تھا اور غیب دانی کی بھی اُن میں طاقت تھی اور اب تک مرے بھی نہیں مع جسم آسمان پر موجود ہیں اور اگر یہ باتیں جو اُن کی طرف نسبت دی گئی ہیں صحیح ہوں تو پھر اُن کے خالق العالم اور عالم الغیب اور محی اموات ہونے میں کیا شک رہا۔ پس اگر اس صورت میں کوئی عیسائی ان کی الوہیت پر استدلال کرے اِس بنا پر کہ لوازم شے کا پایا جانا وجود شے کو مستلزم ہے تو ہمارے بھائی مسلمانوں کے پاس اِس کا کیا جواب ہے اگر کہیں کہ دُعا سے ایسے معجزات ظہور میں آتے تھے تو یہ کلام الٰہی پر زیادت ہے کیونکہ قرآن کریم سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مثلاً پُھونک مارنے سے وہ چیز جو ہیئت طیر کی طرح بنائی جاتی تھی اُڑنے لگتی تھی۔ دُعا کا تو قرآن کریم میں کہیں بھی ذکر نہیں اور نہ یہ ذکر ہے کہ اُس ہیئت طیر میں درحقیقت جان پڑ جاتی تھی۔ یہ تو نہیں چاہیئے کہ اپنی طرف سے کلام الٰہی پر کچھ زیادت کریں یہی تو تحریف ہے جس کی وجہ سے یہودیوں پر لعنت ہوئی۔ پھر جس حالت میں جان پڑنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ معالم التنزیل اور بہت سی اور تفسیروں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہیئت طیر تھوڑی دیر اُڑ کر پھر مٹی کی طرح زمین پر گر پڑتی تھی تو بجز اس کے اور کیا سمجھا جائے کہ وہ دراصل مٹی کی مٹی ہی تھی۔ اور جس طرح مٹی کے کھلونے انسانی کلوں سے چلتے پھرتے ہیں وہ ایک

﴿۷۹﴾

[1] الانبیاء:۹۷

﴿۷۹﴾ کا مصداق ہیں اور اسلام کی دینی دنیوی حالت ایسی ہی ابتر ہوگئی ہے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں کی حالت ابتر تھی اور جیسا کہ مسیح ایسے وقت میں آیا کہ اُس وقت دین کے لئے تلوار اُٹھانا بالکل نامناسب تھا وجہ یہ کہ یہودی اپنی بدچلنی سے اپنے مُلک کو کھو بیٹھے تھے اور رومی سلطنت کا ملک گیری میں کچھ قصور نہ تھا تا اُن پر تلوار اُٹھائی جاتی۔ یہی حال آج کل ہے کہ مُسلمانوں کے بادشاہوں نے آپ بے اعتدالیاں کر کے اور نالائق عیشوں میں مبتلا ہو کر اپنا ملک کھویا بلکہ اُن میں مُلک داری کی لیاقت ہی باقی نہ رہی سو خدا تعالیٰ نے انگریزوں کو ملک دیا اور انہوں نے ملک لے کر کچھ ظلم نہ کیا۔ کسی کا نماز روزہ بند نہ کر دیا۔ کسی کو حج جانے سے منع نہ کیا۔ بلکہ عام آزادی اور امن قائم کیا۔ پھر اُن پر باوجود محسن ہونے کے کیونکر خدائے کریم ورحیم تلوار اُٹھانے کا فتویٰ دیتا کیا اس کے پاس دین پھیلانے کا ذریعہ صرف ظاہری تلوار تھی رُوحانی تلوار نہ تھی پھر اس پر طُرہ یہ کہ اِس وقت تلوار کا ایمان کچھ معتبر نہیں انگریزوں نے تلوار سے کسی کو اپنے مذہب میں داخل نہیں کیا تا تلوار کا جواب تلوار ہوتا بلکہ لوگ نئے فلسفہ اور نئے طبعی اور پادریوں کے وساوس سے ہلاک ہوئے

بقیہ حاشیہ نبی کی رُوح کی سرایت سے پرواز کرتے تھے ورنہ حقیقی خالقیت کے ماننے سے عظیم الشان فساد اور شرک لازم آتا ہے۔ غرض تو معجزہ سے ہے اور بے جان کا باوجود بے جان ہونے کے پرواز یہ بڑا معجزہ ہے۔ ہاں اگر قرآن کریم کی کسی قرأت میں اس موقعہ پر فیکون حَیًّا کا لفظ موجود ہے یا تاریخی طور پر ثابت ہے کہ درحقیقت وہ زِندہ ہو جاتے تھے اور انڈے بھی دیتے تھے اور اب تک اُن کی نسل سے بھی بہت سے پرندے موجود ہیں تو پھر ان کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ اگر تمام دُنیا چاہے کہ ایک مکّھی بنا سکے تو نہیں بن سکتی کیونکہ اِس سے تشابہ فی خلق اللہ لازم آتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ نے آپ ان کو خالق ہونے کا اذن دے رکھا تھا یہ خدا تعالیٰ پر افترا ہے کلام الٰہی میں تناقص نہیں خدا تعالیٰ کسی کو ایسے اذن نہیں دیا کرتا۔ اللہ تعالےٰ نے سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مکّھی بنانے کا بھی اذن نہ دیا۔ پھر مریم کے بیٹے کو یہ اذن کیونکر حاصل ہوا۔ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور مجاز کو حقیقت پر حمل نہ کرو۔ **منہ**

﴿۸۰﴾

سواس کا جواب اسلام کی حقانیت کا ثبوت دینا ہے نہ یہ کہ لوگوں پر تلوار چلانا۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے مُسلمانوں کی حالت کے ہم رنگ پاکران کے لئے حضرت مسیح کی مانند بغیر سیف وسنان کے مصلح بھیجا اور اُس مصلح کو دجّالیت کے دُور کرنے کے لئے صرف آسمانی حربہ دیا اور جیسا کہ **عیسیٰ عند منارۃ دمشق** کے لفظوں سے چودہ سو کا عدد مفہوم ہوتا ہے وہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر آیا اور جیسا کہ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ[1] کے عدد سے ۱۲۷۵ نکلتے ہیں اِسی زمانہ میں وہ اصلاح خلق کے لئے طیار کیا گیا۔ اور جیسا کہ قرآن کریم نے بشارت دی کہ امواج فتن نصاریٰ کے وقت میں نفخ صور ہوگا ایسا ہی اُس کا ظہور ہوا اور کئی بندگان خدا نے الہام پاکر اُسکے ظہور سے پہلے اُسکے آنے کی خبر دی بلکہ بعض نے بتیس برس پہلے اُس کے ظہور سے اُسکا نام بتلایا اور یہ کہا کہ مسیح موعود وُہی ہے اور اصل عیسیٰ فوت ہو چکا ہے اور بہت سے صاحب مکاشفات نے چودھویں صدی کو مسیح موعود کے آنیکا زمانہ قرار دیا اور اپنے الہامات لکھ گئے۔ اَب اِس کے بعد ایسے اُمور میں جن میں ایمان بالغیب کی بھی کچھ گنجائش رکھ لینی چاہیئے اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔

پھر ماسوا اِس کے بعض اور عظیم الشّان نشان اِس عاجز کی طرف سے معرض امتحان میں ہیں جیسا کہ منشی عبداللہ آتھم صاحب امرتسری کی نسبت پیشگوئی جس کی میعاد ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ مہینہ تک اور پنڈت لیکھرام پشاوری کی موت کی نسبت پیشگوئی جس کی میعاد ۱۸۹۳ء سے چھ سال تک ہے اور پھر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے داماد کی موت کی نسبت پیشگوئی جو پٹی ضلع لاہور کا باشندہ ہے جس کی میعاد آج کی تاریخ سے جو اکیس ستمبر ۱۸۹۳ء ہے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئی ہے یہ تمام امور جو انسانی طاقتوں سے بالکل بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت کے لئے کافی ہیں کیونکہ احیا اور اماتت دونوں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور جب تک کوئی شخص نہایت درجہ کا مقبول نہ ہو خدا تعالیٰ اُس کی خاطر سے کسی اس کے دشمن کو اس کی دعا سے ہلاک نہیں کر سکتا خصوصًا ایسے موقع پر کہ وہ شخص اپنے تئیں منجانب اللہ قرار دیوے اور اپنی اُس کرامت کو اپنے صادق ہونے کی دلیل ٹھہراوے۔ سو پیشگوئیاں کوئی معمولی بات نہیں کوئی ایسی بات نہیں جو

[1] الجمعۃ: ۴

﴿۸۱﴾ انسان کے اختیار میں ہو بلکہ محض اللہ جلّ شانہ‘ کے اختیار میں ہیں سو اگر کوئی طالب حق ہے تو اِن پیشگوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے۔ یہ تینوں پیشگوئیاں ہندوستان اور پنجاب کی تینوں بڑی قوموں پر حاوی ہیں یعنی ایک مسلمانوں سے تعلّق رکھتی ہے اور ایک ہندوؤں سے اور ایک عیسائیوں سے اور ان میں سے وُہ پیشگوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اِس کے اجزاء یہ ہیں (۱) کہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو (۲) اور پھر داماد اُس کا جو اس کی دُختر کلاں کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو (۳) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایّام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو (۵) اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی اِن تمام واقعات کے پُورے ہونے تک فوت نہ ہو (۶) اور پھر یہ کہ اِس عاجز سے نکاح ہو جاوے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں۔

اور اگر اب بھی یہ تمام ثبوت میاں عطا محمد صاحب کے لئے کافی نہ ہوں تو پھر طریق سہل یہ ہے کہ اس تمام رسالہ کو غور سے پڑھنے کے بعد بذریعہ کسی چھپے ہوئے اشتہار کے مجھ کو اطلاع دیں کہ میری تسلّی اِن اُمور سے نہیں ہُوئی اور مَیں ابھی تک افترا سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری نسبت کوئی نشان ظاہر ہو تو مَیں انشاء اللہ القدیر اُن کے بارہ میں توجہ کروں گا اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کسی مخالف کے مقابل پر مجھے مغلوب نہیں کرے گا کیونکہ مَیں اُس کی طرف سے ہوں اور اُسکے دین کی تجدید کیلئے اُس کے حکم سے آیا ہوں لیکن چاہیئے کہ وہ اپنے اشتہار میں مجھے عام اجازت دیں کہ جس طور سے مَیں ان کے حق میں الہام پاؤں اس کو شائع کرادوں اور مجھے تعجب ہے کہ جس حالت میں مسلمانوں کو کسی مجدّد کے ظاہر ہونے کے وقت خوش ہونا چاہیئے یہ پیچ وتاب کیوں ہے اور کیوں ان کو بُرا لگا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے دین کی حُجّت پُوری کرنے کیلئے ایک شخص کو مامور کر دیا ہے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ حال کے اکثر مسلمانوں کی ایمانی حالت نہایت ردّی ہوگئی ہے اور فلسفہ کی موجودہ زہر نے ان کے اعتقاد کی بیخ کنی کر دی ہے ان کی زبانوں پر بے شک اسلام ہے لیکن دل اسلام سے بہت دُور جا پڑے

﴿۸۲﴾

ہیں خدائی کلام اور الٰہی قدرتیں اُن کی نظر میں ہنسی کے لائق ہیں۔ ایسا ہی میاں عطا محمد کا حال ہے مجھے یاد ہے کہ جب بمقام امرت سر مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب کو ان کی موت کی نسبت پیشگوئی سُنائی گئی تو میاں عطا محمد نے میرے فرودگاہ میں آ کر میرے رُوبرو ایک مثال کے طور پر بیان کیا کہ ایک ڈاکٹر نے میری موت کی خبر دی تھی کہ اتنی مدّت میں عطا محمد فوت ہو جائے گا مگر وہ مدّت خیر سے گذر گئی اور مَیں نے اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو سلام کیا اُس نے کہا کہ تُو کون ہے۔ مَیں نے کہا وہی عطا محمد جس کے مرنے کی آپ نے پیشگوئی کی تھی۔ مطلب یہ کہ یہ تمام اُمور جُھوٹ اور لغو ہیں۔ مگر میاں عطا محمد کو یاد رہے کہ ڈاکٹر کی مثال اس جگہ دینا صرف اس قدر ثابت کرتا ہے کہ آسمانی روشنی سے آپ بکلّی بے خبر ہیں بیشک ایک ہستی موجود ہے جس کا نام خدا ہے اور وُہ اپنے سچّے مذہب کی تائید میں نہ صرف کسی زمانہ محدود تک بلکہ ہمیشہ ضرورت کے وقت میں آسمانی نشان دکھلاتا ہے اور دنیا کا ایمان نئے سرے قائم کرتا ہے۔ ڈاکٹر کی مثال سے ظاہر ہے کہ آپ کا اُس خدا پر ایمان کِس قدر ہے۔ اَب مَیں مناسب دیکھتا ہوں کہ اس رسالہ کو اِسی جگہ ختم کر دوں۔

فَالحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَظَاهِرًا وبَاطِنًا هُوَ مَوْلَانَا نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ.

المؤلّف

عاجز غلام احمد قادیانی

۲۲؍ ستمبر ۱۸۹۳ء مقام قادِیان روزِ جُمعه

﴿ ۱/۱ ﴾

گورنمنٹ کی توجّہ کے لائق

یہ عاجز صاف اور مختصر لفظوں میں گذارش کرتا ہے کہ بباعث اس کے کہ گورنمنٹ انگریزی کے احسانات میرے والد بزرگوار میرزا غلام مرتضٰی مرحوم کے وقت سے آج تک اس خاندان کے شامل حال ہیں اس لئے نہ کسی تکلّف سے بلکہ میرے رگ وریشہ میں شکر گذاری اِس معزّز گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہے۔ میرے والد مرحوم کی سوانح میں سے وہ خدمات کسی طرح الگ ہو نہیں سکتیں جو وہ خلوص دل سے اِس گورنمنٹ کی خیر خواہی میں بجا لائے۔ اُنہوں نے اپنی حیثیت اور مقدرت کے موافق ہمیشہ گورنمنٹ کی خدمت گذاری میں اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے وقت وہ صدق اور وفاداری دکھلائی کہ جب تک انسان سچّے دِل اور تہِ دل سے کسی کا خیر خواہ نہ ہو ہرگز دکھلا نہیں سکتا۔ سن ستاون[۵۷] کے مفسدہ میں جبکہ بے تمیز لوگوں نے اپنی محسن گورنمنٹ کا مقابلہ کر کے ملک میں شور ڈال دیا تب میرے والد بزرگوار نے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر کے اور پچاس سوار بہم پہنچا کر گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کئے اور پھر ایک دفعہ چودہ[۱۴] سوار سے خدمت گذاری کی اور انہیں مخلصانہ خدمات کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ میں ہر دلعزیز ہوگئے چنانچہ جناب گورنر جنرل کے دربار میں عزّت کے ساتھ اُن کو کرسی ملتی تھی اور ہر یک درجہ کے حکام انگریزی بڑی عزّت اور دلجوئی سے پیش آتے تھے انھوں نے میرے بھائی کو صرف گورنمنٹ کی خدمت گذاری کے لئے بعض لڑائیوں پر بھیجا اور ہر ایک باب میں گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل کی اور اپنی تمام عمر نیک نامی کے ساتھ بسر کر کے اِس ناپائدار دُنیا سے گذر گئے بعد اِس کے اِس عاجز کا بڑا بھائی میرزا غلام قادر جس قدر مدّت تک زندہ رہا اُس نے بھی اپنے والد مرحوم کے قدم پر قدم مارا اور گورنمنٹ کی مخلصانہ خدمت میں بدل و جان مصروف رہا پھر وہ بھی اِس مسافر خانہ سے گذر گیا۔ مَیں امید رکھتا ہوں کہ اَب بھی بہت سے حکّام انگریز بقید حیات ہوں گے جنھوں نے میرے والد صاحب کو دیکھا اور اُنکی مخلصانہ خدمات کو بچشم خود مشاہدہ کیا ہے ﴿ ۲ ﴾

چنانچہ منجملہ اُن کے مسٹر گریفن ہیں جنہوں نے رئیسان پنجاب کے بارہ میں ایک کتاب بھی لکھی ہے اور اس میں میرے والد صاحب کا بھی خیر اور خوبی سے ذکر کیا ہے۔

اب میری حالت یہ ہے کہ بعد وفات پا جانے اِن عزیزوں اور بزرگوں کے خُدا تعالیٰ نے میرے دِل کو دُنیا سے پھیر دیا اور مَیں نے چاہا کہ خدا تعالیٰ سے میرا معاملہ کامل طور کی سچائی اور صدق اور محبّت سے ہو۔ سو اُس نے میرے دِل کو اپنی محبت سے بھر دیا مگر نہ میری کوشش سے بلکہ اپنے فضل سے۔ تب مَیں نے چاہا کہ جہاں تک میرے لئے ممکن ہے معرفت اور محبت الٰہی میں ترقی کروں اور صحیح طور پر معلوم کروں کہ خدا کون ہے اور اس کی رضا کن باتوں میں ہے سَو میں نے ہر یک تعصب سے دِل کو پاک کیا اور ہر یک آلودگی سے آنکھ کو صاف کر کے دیکھا اور خدا تعالیٰ سے مدد چاہی تب میرے پر کھل گیا اور خدا تعالیٰ نے اپنے پاک الہام سے مجھے آگاہی بخشی کہ خُدا وہ ذات ہے جو اپنی تمام صفات میں کامل ہے اور ازل سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی طریق پر چلا آتا ہے نہ اس میں حدوث ہے نہ وہ پَیدا ہوتا ہے نہ مَرتا ہے اور کوئی پیدا ہونے والا اور مرنے والا بجز عبودیت کے کوئی ایسا تعلق اس سے نہیں رکھتا جسے کہا جائے کہ وُہ اُس کی خُدائی کا حصّہ دار ہے بلکہ ایسا خیال کرنا اُس ذات کے انکار سے بھی بدتر اور انسان کی تمام بدکاریوں سے بڑھ کر ایک سخت درجہ کا بُرا خیال ہے۔ یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے سب سے زیادہ مرتبہ پر وہ لوگ ہیں جن کا نام نبی یا رسُول ہے بے شک وہ خدا تعالیٰ کے پیارے ہیں مقبول ہیں نہایت درجہ کے عزت دار ہیں اسی میں کھوئے گئے اور اُسی کا رُوپ بن گئے اور خُدا تعالیٰ کا جلال اُن میں سے ظاہر ہوا اور خُدا اُن میں اور وُہ خدا میں مگر تاہم اُن میں سے ہم حقیقتاً نہ کسی کو خدا کہہ سکتے ہیں اور نہ خدا کا بیٹا بلا شبہ اِس اختلاف میں مُسلمان حق پر ہیں اور عیسائی غلطی پر۔ مگر یہ غلطی اِس زمانہ میں عیسائیوں میں قائم رہنے والی نظر نہیں آتی انگریز ایک ایسی قوم ہے جن کو خدا تعالیٰ دن بدن اقبال اور دولت اور عقل اور دانش کی طرف کھینچنا چاہتا ہے اور جو سچائی اور راستبازی اور انصاف میں روز بروز ترقی کرتے جاتے ہیں اور علوم جدیدہ اور قدیمہ کا تو گویا ایک چشمہ ہیں اسلئے اُمید قوی ہے کہ خدا تعالیٰ یہ دولت بھی اِنھیں دیگا بلکہ میری دانست

﴿۳ج﴾

میں تو دِلوں کو اندر ہی اندر دے دی ہے بہر حال جبکہ ہمارے نظام بدنی اور امور دنیوی میں خدا تعالیٰ نے اِس قوم میں سے ہمارے لئے گورنمنٹ قائم کی اور ہم نے اس گورنمنٹ کے وہ احسانات دیکھے جن کا شکر کرنا کوئی سہل بات نہیں اس لئے ہم اپنی معزّز گورنمنٹ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اِس گورنمنٹ کے اسی طرح مخلص اور خیر خواہ ہیں جس طرح کہ ہمارے بزرگ تھے۔ ہمارے ہاتھ میں بجُز دعا کے اور کیا ہے۔ سو ہم دُعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اِس گورنمنٹ کو ہر یک شر سے محفوظ رکھے اور اس کے دشمن کو ذلت کے ساتھ پسپا کرے۔ خدا تعالیٰ نے ہم پر محسن گورنمنٹ کا شکر ایسا ہی فرض کیا ہے جیسا کہ اس کا شکر کرنا۔ سو اگر ہم اِس محسن گورنمنٹ کا شکر ادا نہ کریں یا کوئی شر اپنے ارادہ میں رکھیں تو ہم نے خُدا تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کیا کیونکہ خدا تعالیٰ کا شکر اور کسی محسن گورنمنٹ کا شکر جس کو خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو بطور نعمت کے عطا کرے درحقیقت یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور ایک دوسری سے وابستہ ہیں اور ایک کے چھوڑنے سے دوسری کا چھوڑنا لازم آجاتا ہے بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اِس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ سوال اُن کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اُس سے جہاد کیسا۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ سو میرا مذہب جس کو مَیں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں دُوسرے اِس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے اگرچہ یہ سچ ہے کہ ہم یورپ کی قوموں کے ساتھ اختلافِ مذہب رکھتے ہیں اور ہم ہرگز خدا تعالیٰ کی نسبت وہ باتیں پسند نہیں رکھتے جو اُنھوں نے پسند کی ہیں۔ لیکن اِن مذہبی امور کو رعیّت اور گورنمنٹ کے رشتہ سے کچھ علاقہ نہیں۔ ﴿۶۵﴾

خدا تعالیٰ ہمیں صاف تعلیم دیتا ہے کہ جس بادشاہ کے زیر سایہ امن کے ساتھ بسر کرو اس کے شکر گزار اور فرمانبردار بنے رہو سو اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام اور خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں اِس صورت میں ہم سے زیادہ بددیانت کون ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کے قانون اور شریعت کو ہم نے چھوڑ دیا۔ اِس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کا مذہبی تعصّب اُن کے عدل اور انصاف پر غالب آ گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جہالت سے ایک ایسے خونخوار مہدی کے انتظار میں ہیں کہ گویا وہ زمین کو مخالفوں کے خون سے سُرخ کر دے گا اور نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی ان کا خیال ہے کہ حضرت **مسیح** علیہ السلام بھی آسمان سے اِسی غرض سے اتریں گے کہ جو مہدی کے ہاتھ سے یہود و نصاریٰ زندہ رہ گئے ہیں اُن کے خون سے بھی زمین پر ایک دریا بہا دیں لیکن یہ خیالات بعض مسلمانوں مثلاً شیخ **محمد حسین** بٹالوی اور اس کی جماعت کے سراسر غلط اور کتاب اللہ کے مخالف ہیں۔ یہ نادان خون پسند ہیں اور محبت اور خیرخواہی خلق اللہ کی سرمُو اِن میں نہیں لیکن ہمارا سچا اور صحیح مذہب جس پر ہمیں یہ لوگ کافر ٹھہراتے ہیں یہ ہے کہ مہدی کے نام پر آنے والا کوئی نہیں ہاں مسیح موعود آ گیا مگر کوئی تلوار نہیں چلے گی اور امن سے اور سچائی سے اور محبت سے زمانہ توحید کی طرف ایک پلٹا کھائے گا اور وُہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ زمین پر نہ رام چندر پوجا جاوے گا نہ کرشن اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام۔ اور سچے پرستار اپنے حقیقی خدا کی طرف رُخ کر لیں گے اور یاد رہے کہ جس بادشاہ کے زیر سایہ ہم باامن زندگی بسر کریں اُس کے حقوق کو نگاہ رکھنا فی الواقعہ خدا کے حقوق ادا کرنا ہے اور جب ہم ایسے بادشاہ کی دِلی صدق سے اطاعت کرتے ہیں تو گویا اُس وقت عبادت کر رہے ہیں۔ کیا اسلام کی یہ تعلیم ہوسکتی ہے کہ ہم اپنے محسن سے بدی کریں اور جو ہمیں ٹھنڈے سایہ میں جگہ دے اُس پر آگ برساویں اور جو ہمیں روٹی دے اُسے پتھر ماریں ایسے انسان سے اور کون زیادہ بدذات ہوگا کہ جو احسان کرنیوالے کے ساتھ بدی کا خیال بھی دِل میں لاوے۔

﴿۵﴾

اس تمام تمہید سے مدّ عا یہ ہے کہ گورنمنٹ کو یاد رہے کہ ہم تہ دل سے اس کے شکر گذار ہیں اور بہمہ تن اس کی خیر خواہی میں مصروف ہیں اور مَیں نے سُنا ہے کہ ایک شخص ساکن بٹالہ ضلع گورداسپورہ نے جو اپنے تئیں مولوی ابو سعید **محمد حسین** کرکے مشہور کرتا ہے اس اختلاف رائے کے سبب سے جو بعض جُزئی مسائل میں وہ اِس عاجز کے ساتھ رکھتا ہے میری نسبت اپنی سخت دشمنی کی وجہ سے اور سراسر بے انصافی اور درندگی کے جوش سے خلاف واقعہ باتیں گورنمنٹ کو بدظن کرنے کے لئے لکھتا ہے اور میرے خاندان کی مخلصانہ اور خیر خواہی کے تعلق کو جو گورنمنٹ سے ہے غلط بیان کرتا اور چھُپاتا اور اپنے افتراؤں کے نیچے دبانا چاہتا ہے اور محض عداوت اور حسد ذاتی کی تحریک سے اِس بات پر زور دیتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ یہ عاجز گورنمنٹ کا سچا خیر خواہ نہیں ہے۔ یہ نادان ذرہ خیال نہیں کرتا کہ جُھوٹے منصوبوں اور بے بنیاد افتراؤں میں ہرگز وہ قوت پیدا نہیں ہوتی کہ جو سچ میں قدرتی طور پر پائی جاتی ہے۔ سچ کی طاقت کا ایک کرشمہ جُھوٹ کے پہاڑ کو ذرہ ذرہ کرکے دکھا دیتا ہے اور نیز جو جُھوٹ میں ہٹ دھرمی اور بے ایمانی کی عفونت ہوتی ہے وہ حکام کی خداداد قوت شامہ سے چُھپ بھی نہیں سکتی۔ اور اگرچہ یہ تمام افترا اُس کے اِس قسم کے تھے کہ ازالہ حیثیت عرفی کی وجہ سے عدالت کے ذریعہ سے اس کی اِن تمام چالاکیوں کا تدارک کرایا جائے لیکن بالفعل یہی مناسب سمجھا گیا کہ معزز گورنمنٹ کو اِس شخص کے اِن افتراؤں سے **اطلاع** دیجائے اور امید ہے کہ دانا گورنمنٹ ادنیٰ توجہ سے اس کے ان بہتانات کو بخوبی سمجھ جائے گی اور وزن کرلے گی اور جانچ لے گی اور ایسے مفسد کا تدارک نہایت ضروری ہے تا آئندہ کوئی خبیث نفس ایسی حرکات ناشائستہ کی طرف جُرأت نہ کرے۔ ہماری دانا اور عادل گورنمنٹ اِس بات سے بے خبر نہیں ہے کہ ہر یک مخبر کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ جس معاملہ میں وہ قطعی طور پر گورنمنٹ کو اطلاع دیوے اور اپنی طرف سے قطعی رائے ظاہر کرے تو اِس سے پہلے وہ اِس معاملہ کو **کما حقّہٗ** تحقیق بھی کرلیوے۔ اب عادل گورنمنٹ اگر چاہے تو ایک خیر خواہ خاندان کے لئے جس کو اس نے اپنی خوشنودی کی اعلیٰ درجہ کی اسناد دے رکھی ہے یہ تکلیف اُٹھا سکتی ہے کہ اِس دروغ گو مخبر کو جو بذریعہ اپنے رسالہ اشاعت کے خلاف واقعہ خبریں اس

﴿۶و﴾ عاجز کی نسبت گورنمنٹ کو پہنچاتا ہے طلب کر کے اس بات کا ثبوت مانگے کہ اس نے کن دلائل اور وجوہ سے اِس عاجز کو گورنمنٹ انگریزی کا مفسد قرار دیا ہے اور اگر وہ دلائل شافیہ بیان نہ کر سکے تو پھر جس قدر مناسب ہو قانونی سزا کا اس کو کچھ مزہ چکھا دیوے کہ یہ ایک عین مصلحت اور ایک سچّے خیر خواہ خاندان کی اس میں دلجوئی متصوّر رہے اگرچہ ایسے جوش بعض مخالفین مذہب کی تحریرات میں بھی پائے جاتے ہیں جیسے پادری عماد الدین وغیرہ وغیرہ۔ مگر وہ بباعث ناواقفیّت اور جوش مذہب اور لاعلاج تعصّب کے کسی قدر معذور بھی ہیں اور حق بات کو منہ سے نہیں نکال سکتے مگر یہ شیخ بٹالوی درحقیقت حد سے گذر گیا ہے۔ عادل گورنمنٹ اس شخص کی تحریرات ۹۲، ۱۸۹۳ء کے ساتھ اِن تحریرات کو بھی دیکھے جو ۱۸۸۴ء میں اِس شخص کے اشاعۃ السنۃ میں اس عاجز کی نسبت موجود ہیں تا معلوم ہو کہ یہ شخص منافق اور حق پوش اور دورنگی اختیار کرنے والا ہے اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ زیرک اور دانا اور عادل اور وسیع واقفیّت والی گورنمنٹ کے آگے ایسی مکّاریاں چل نہیں سکتیں اور یہ عمیق اندیش گورنمنٹ دور سے ہوا کا رُخ دیکھ لیتی ہے اور متعصّبانہ مخبریوں کو حقیر اور شرمناک حسد یقین کر جاتی ہے لیکن تاہم گورنمنٹ پر کوئی وحی تو نازل نہیں ہوتی اور ممکن ہے کہ چند شریروں کے یک زبان ہونے سے ایسا دھوکا لگے جو انسان کو لگ سکتا ہے اس لئے ہماری طرف سے کسی قدر عرض حال ضروری تھا۔

اب ہم گورنمنٹ کے ملاحظہ کے لئے ۱۸۸۴ء کے **اشاعۃ السنہ یعنی نمبر ۶ جلد ۷** سے جو **براہین احمدیہ** پر ریویو ہے کسی قدر عبارت اس شخص کے رسالہ مذکورہ کی گورنمنٹ کے ملاحظہ کے لئے نقل کرتے ہیں تا دانا گورنمنٹ خود ملاحظہ فرمالیوے کہ اس شخص نے اس عاجز کی نسبت پہلے کیا لکھا تھا اور اب کیا لکھتا ہے۔

اور وہ عبارت یہ ہے

ﷺ

پولٹیکل نکتہ چینی کا جواب

مؤلّف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلّف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جبکہ ہم قطبی اور شرح ملّا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب اُس زمانہ سے آج تک ہم میں اُن میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری رہی ہے اِسلئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم اُن کے حالات وخیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہے۔

گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت کا خیال کبھی مؤلف کے آس پاس بھی نہیں پھٹکا۔ وُہ کیا اُن کے خاندان میں اِس خیال کا کوئی آدمی نہیں ہے بلکہ اُن کے والد بزرگوار مرزا غلام مرتضٰی نے عین زمانہ طوفان بےتمیزی (غدر ۱۸۵۷ء) میں گورنمنٹ کا خیر خواہ جان نثار وفادار ہونا عملاً بھی ثابت کر دکھایا۔ اِس غدر میں جبکہ ترموں کے گھاٹ پر متصل گورداسپورہ مفسدین بدطینت نے یورش کی تھی ان کے والد ماجد نے باوجودیکہ وُہ بہت بڑے جاگیردار وسردار نہ تھے اپنی جیب خاص سے پچاس گھوڑے معہ سواران وساز وسامان طیار کر کے زیر کمان اپنے فرزند دلبند مرزا غلام قادر مرحوم کے گورنمنٹ کی معاونت میں دیئے جس پر گورنمنٹ کی طرف سے ان کی اس خدمت پر شکریہ ادا ہوا اور کسی قدر انعام بھی ملا۔ علاوہ براں اِن خدمات کے لحاظ سے مرزا صاحب مرحوم (والد مؤلّف) ہمیشہ مورد کرم ولطف گورنمنٹ رہے اور دربار گورنری میں عزّت کے ساتھ اُن کو کرسی ملتی رہی اور حکّامِ اعلیٰ ضلع وقسمت (یعنی صاحبان ڈپٹی کمشنر وکمشنر) (چٹھیات خوشنودی مزاج) جن میں سے کئی چٹھیات اس وقت ہمارے سامنے رکھی ہوئی ہیں وقتاً فوقتاً ان کو عطا کرتے رہے ہیں۔ اِن چٹھیات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بڑے دِلی جوش سے لکھی گئی ہیں جو بغیر ایک خاص خیر خواہ اور سچّے وفادار کے کسی دُوسرے کے لئے تحریر نہیں ہوسکتیں۔ اکثر صاحبان ڈپٹی کمشنر وکمشنر ایّام دَورہ میں از راہ خوش خلقی ومحبّت و دِلجوئی مرزا صاحب کے مکان پر جا کر ملاقات کرتے رہے اور ان کی وفات پر صاحبان کمشنر وفنانشل کمشنر اور صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر

﴿ح۸﴾

نے اپنے خطوط میں بہت سا افسوس ظاہر کیا ہے اور آئندہ کے لئے قدر دانی اور اس خاندان کے لحاظ اور رعایت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی شرف خاندان اور خیر خواہ قدیم ہونے کے لحاظ سے صاحب فنانشل کمشنر بہادر نے ان دنوں میں مرزا سلطان احمد (فرزند مؤلّف) کے لئے تحصیل داری کی خاص سفارش کی ہے جس کی رپورٹ بہ تعمیل حکم ضلع سے روانہ ہو چکی ہے۔ الغرض یہ خاندان قدیم سے خیر خواہ اور زیر نظر عنایت گورنمنٹ چلا آتا ہے۔ ان حالات و واقعات کی تصدیق کے لئے منجملہ ان چٹھیات کے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں ہم تین چٹھیاں حاشیہ میں نقل کرتے ہیں تا کہ حاسد ناعاقبت اندیش اس خاندان کی گورنمنٹ انگریزی میں قدر و منزلت سے آگاہ ہو کر اپنے ارادہ بد و نیت فاسد سے باز آویں اور عام مسلمان ان کے دھوکہ میں آ کر اس کتاب اور اس کے مؤلّف سے بدگمان اور متوحش نہ ہوں۔

نقل مراسلہ

(جے نکلسن صاحب)

نمبر ۳۵۳

تہور پناہ شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضٰی رئیس قادیان حفظہ عریضہ شما مشعر بر یاد دہانی خدمات و حقوق خود و خاندان خود بملاحظہ حضور اینجانب در آمد ما خوب میدانیم کہ بلاشک شما از ابتدائے دخل حکومت سرکار انگریزی جان نثار و فاکیش ثابت قدم ماندہ اید و حقوق شما در اصل قابل قدر اند بہر نہج تسلی و تشفی دارید سرکار انگریزی حقوق و خدمات خاندان شمارا ہرگز فراموش نخواہد کرد بموقعہ مناسب بر حقوق و خدمات شما غور و توجہ کردہ خواہد شد

Translation of Certificate of J. Nickolson

To,

Mirza Ghulam Murtaza Khan Chief of Qadian

I have perused your application reminding me of your and your family's past services and rights I am well aware that since the introduction of the British Govt. you and your family have certainly remained devoted faithful and steady subjects and that your rights are really worthy of regard. In every respect you may rest assured and satisfied that the British Govt. will never forget

﴿۹﴾ ہرچند خاص کرمؤلف کتاب (میرزا غلام احمد صاحب) سے ان کے عالمانہ اور درویشانہ وضع وحالت کے سبب کوئی ایسی کارروائی نہیں ہوئی مگر جس قدر خیر خواہی گورنمنٹ منصب علماء اور درویشوں کے مناسب ہے اور ان کی

بایدکہ ہمیشہ ہواخواہ وجان نثار سرکار انگریزی بمانند کہ دریں امر خوشنودی سرکار وبہبودی شما متصور ست

الرقوم ۱۱۔ جون ۱۸۴۹ء

لاہور۔ انارکلی

your family's rights and services which will receive due consideration when a favourable opportunity offers itself.

You must continue to be faithful and devoted subjects as in it lies the satisfaction of Govt., and your welfare.

11.6.1849

نقل مراسلہ

(رابرٹ کسٹ صاحب بہادر کمشنر لاہور)

تہور و شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضٰی رئیس قادیان بعافیت باشند۔

از انجا کہ مفسدہ ہندوستان موقوعہ ۱۸۵۷ء از جانب آپ کے رفاقت و خیرخواہی و مدد دہی سرکار دولتمدار انگلشیہ درباب نگاہداشت سواران وبہم رسانی اسپان بخوبی بمنصہ ظہور پہنچی اور شروع مفسدہ سے آج تک آپ بدل ہوا خواہ سرکار رہے اور باعث خوشنودی سرکار ہوا۔ لہٰذا بجلد دی اس خیر خواہی و خیر سگالی کے خلعت مبلغ دوصد روپیہ کا سرکار سے آپ کو عطا ہوتا ہے اور حسب منشاء چٹھی صاحب چیف کمشنر بہادر نمبری ۵۷۶

Translation of Mr Robert Casts certificate.

To,

Mirza Ghulam Murtaza Khan Chief of Qadian

As you rendered great help in enlisting sowars & supplying horses to govt in the mutiny of 1857 and maintained loyalty since its beginning up to date and thereby gained the favour of Govt a Khilat worth Rs 200/- is presented to you in recognition of Good services and as a reward for your loyalty.

Moreover in accordance with the wishes of Chief Commissioner

﴿۱۰ ی﴾

قدرت میں داخل ہے اس سے انہوں نے بھی دریغ نہیں کیا۔ عالموں کی تلوار قلم ہے اور فقیروں کا ہتھیار دعا۔ موٴلّف نے ان ہتھیاروں کے ساتھ گورنمنٹ کی خیر خواہی و معاونت سے دریغ نہیں فرمایا۔ اپنی قلم سے بارہا لکھ

مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۵۸ء پروانہ ہذا باظہار خوشنودی سرکار ونیک نامی و وفاداری بنام آپ کے لکھا جاتا ہے۔ مرقومہ تاریخ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۸ء	as conveyed in his No. 576 Dt. 10th August 1858, this parwana is addressed to you as a token of satisfaction of Govt. for your fidelity and repute.

نقل مراسلہ

فنانشل کمشنر پنجاب

مشفق مہربان دوستان مرزا غلام قادر رئیس قادیان حفظہ آپ کا خط ۲ ماہ حال کا لکھا ہوا ملاحظہ حضور اینجانب میں گذرا مرزا غلام مرتضٰی صاحب آپ کے والد کی وفات سے ہم کو بہت افسوس ہوا۔ مرزا غلام مرتضٰی سرکار انگریزی کا اچھا خیر خواہ اور وفادار رئیس تھا ہم آپ کی خاندانی لحاظ سے اسی طرح پر عزت کریں گے جس طرح تمہارے باپ وفادار کی کی جاتی تھی ہم کو کسی اچھے موقعہ کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پابجائے کا خیال رہے گا۔ المرقوم ۲۹ جون ۱۸۷۶ء الراقم سر رابرٹ ایجرٹن صاحب بہادر فنانشل کمشنر پنجاب	Translation of Sir Robert Egerton Financial Commr's: Murasla dt. 29 June 1876. My dear friend Ghulam Qadir, I have persued your letter of the 2nd instant and deeply regret the death of your father Mirza Ghulam Murtaza who was a great well wisher and faithful Chief of Govt. In consideration of your family services I will esteem you with the same respect as that bestowed on your loyal father. I will keep in mind the restoration and welfare of your family when a favourable opportunity occurs.

﴿ک۱۱﴾

چکے اور اپنی اسی کتاب میں جس کی اشاعت ان کا شبا روزی فرض ہے وہ صاف درج کر چکے ☆ ہیں کہ گورنمنٹ انگلشیہ خدا کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔ یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے یہ سلطنت مسلمانوں کے لئے آسمانی برکت کا

☆ حاشیہ

اصل کلام مؤلّف یہ ہے جو اس کتاب کے حصہ سیوم وچہارم سے یہ تلخیص نقل کیا جاتا ہے۔ حصہ سیوم کے ابتدائی اوراق میں آپ فرماتے ہیں۔ مسلمانوں پر جن امور کا اپنی اصلاح حال کے لئے اپنی ہمت اور کوشش سے انجام دینا لازم ہے۔ وہ انہیں فکر اور غور کے وقت آپ ہی معلوم ہو جائیں گے حاجت بیان وتشریح نہیں۔ مگر اس جگہ ان امروں میں سے یہ امر قابل تذکرہ ہے جس پر گورنمنٹ انگلشیہ کی عنایات اور توجہات موقوف ہیں کہ گورنمنٹ ممدوحہ کے دل پر اچھی طرح یہ امر مرکوز کرنا چاہیئے کہ مسلمانان ہند ایک وفادار رعیت ہے کیونکہ بعض ناواقف انگریزوں نے خصوصاً ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے جو کمیشن تعلیم کے اب پریزیڈنٹ ہیں اپنی ایک مشہور تصنیف میں اس دعویٰ پر بہت اصرار کیا ہے کہ مسلمان لوگ سرکار انگریزی کے دلی خیرخواہ نہیں ہیں اور انگریزوں سے جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں گو یہ خیال ڈاکٹر صاحب کا شریعت اسلام پر نظر کرنے کے بعد ہر یک شخص پر محض بے اصل اور خلاف واقعہ ثابت ہوگا لیکن افسوس کہ بعض کوہستانی اور بےتمیز سفہا کی نالائق حرکتیں اس خیال کی تائید کرتی ہیں اور شاید انہی اتفاقی مشاہدات سے ڈاکٹر صاحب موصوف کا وہم بھی مستحکم ہوگیا ہے کیونکہ کبھی کبھی جاہل لوگوں کی طرف سے اس قسم کی حرکات صادر ہوتی رہتی ہیں لیکن محقق پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ اس قسم کے لوگ اسلامی تدین سے دور مہجور ہیں اور ایسے ہی مسلمان ہیں جیسے مکلین عیسائی تھا۔ پس ظاہر ہے کہ ان کی یہ ذاتی حرکات ہیں نہ شرعی پابندی سے۔ اور ان کے مقابل پر ان ہزارہا مسلمانوں کو دیکھنا چاہیئے جو ہمیشہ خیرخواہی دولت انگلشیہ کی کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں جو کچھ فساد ہوا اس میں بجز جہلا اور بدچلن لوگوں کے اور کوئی شائستہ اور نیک بخت مسلمان جو باعلم اور باتمیز تھا ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا بلکہ پنجاب میں بھی غریب غریب مسلمانوں نے سرکار انگریزی کو اپنی طاقت سے زیادہ مدد دی چنانچہ ہمارے والد صاحب مرحوم نے بھی باوصف کم استطاعتی کے اپنے اخلاص اور جوش اور خیرخواہی سے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر کے اور پچاس مضبوط اور لائق سپاہی

حکم رکھتی ہے خداوند رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کیلئے ایک باران رحمت بھیجا ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا قطعی حرام ہے۔ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہیں کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہ کر اس کا

﴿۱۲﴾ ل

بقیہ حاشیہ

بہم پہنچا کر سرکار میں بطور مدد کے نذر کئے اور اپنی غریبانہ حالت سے بڑھ کر خیر خواہی دکھلائی اور جو مسلمان صاحب دولت و ملک تھے انہوں نے تو بڑی بڑی خدمات نمایاں ادا کیں۔ اب ہم پھر اس تقریر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ گو مسلمانوں کی طرف سے اخلاص اور وفاداری کے بڑے بڑے نمونہ ظاہر ہو چکے ہیں مگر ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کی بدنصیبی کی وجہ سے ان تمام وفاداریوں کو نظر انداز کر دیا اور نتیجہ نکالنے کے وقت ان مخلصانہ خدمات کو نہ اپنے قیاس کے صغریٰ میں جگہ دی اور نہ کبریٰ میں۔ بہرحال ہمارے بھائی مسلمانوں پر لازم ہے کہ گورنمنٹ پر ان کے دھوکوں سے متاثر ہونے سے پہلے بے حد طور پر اپنی خیر خواہی ظاہر کریں جس حالت میں شریعت اسلام کا یہ واضح مسئلہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں اور جس کے عطیات سے ممنون منت اور مرہون احسان ہوں اور جس کی مبارک سلطنت حقیقت میں نیکی اور ہدایت پھیلانے کے لیے کامل مددگار ہو قطعی حرام ہے تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ علماء اسلام اپنے جمہوری اتفاق سے اس مسئلہ کو اچھی طرح شائع نہ کر کے ناواقف لوگوں کی زبان اور قلم سے مورد اعتراض ہوتے رہیں جن اعتراضوں سے ان کے دین کی سستی پائی جائے اور ان کی دنیا کو ناحق ضرر پہنچے۔ سو اس عاجز کی دانست میں قرین مصلحت یہ ہے کہ انجمن اسلامیہ لاہور و کلکتہ و بمبئی وغیرہ یہ بندوبست کریں کہ چند نامی مولوی صاحبان جن کی فضیلت اور علم اور زہد اور تقویٰ اکثر لوگوں کی نظر میں مسلم الثبوت ہو اس امر کے لئے چن لئے جاویں کہ اطراف اکناف کے اہل علم کو جو اپنے مسکن کے گردنواح میں کسی قدر شہرت رکھتے ہوں اپنی اپنی عالمانہ تحریریں جن میں برطبق شریعت حقہ سلطنت انگلشیہ سے جو مسلمانان ہند کی مربی و محسن ہے جہاد کرنے کی صاف ممانعت ہو۔ ان علماء کی خدمت میں بہ ثبت مواہیر بھیج دیں کہ جو بموجب قرارداد بالا اس خدمت کے لئے منتخب کئے گئے ہیں اور جب سب خطوط جمع ہو جاویں تو یہ مجموعہ خطوط جو مکتوبات علماء ہند سے موسوم ہو سکتا ہے کسی خوشخط مطبع میں

﴿۱۳م﴾

احسان اٹھاوے۔اس کے ظل حمایت میں بامن وآسایش رہ کر اپنا مقسوم کھاوے اس کے انعامات متواترہ سے پرورش پاوے پھر اسی پر عقرب کی طرح نیش چلاوے۔اور دعا سے بھی انہوں نے اس گورنمنٹ کو بہت دفعہ

بقیہ حاشیہ بہ صحت تمام چھاپا جاوے اور پھر دس بیس نسخے اس کے گورنمنٹ میں اور باقی نسخہ جات متفرق مواضع پنجاب و ہندوستان خاص کر سرحدی ملکوں میں تقسیم کئے جائیں۔ یہ سچ ہے کہ بعض غم خوار مسلمانوں نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے خیالات کا ردلکھا ہے مگر یہ دو چار مسلمانوں کا ردّ جمہوری رد کا ہرگز قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ جمہوری رد کا ایسا اثر قوی اور پرزور ہوگا جس میں ڈاکٹر صاحب کی تمام غلط تحریریں خاک سے مل جائیں گی اور بعض ناواقف مسلمان بھی اپنے سچے اور پاک اصول سے بخوبی مطلع ہو جائیں گے اور گورنمنٹ انگلشیہ پر بھی صاف باطنی مسلمانوں کی اور خیرخواہی اس رعیت کی کماحقّہٗ کھل جاوے گی اور بعض کوہستانی جہلا کے خیالات کی اصلاح بھی بذریعہ اسی کتاب کے وعظ ونصیحت کے ہوتی رہے گی۔ بالآخر یہ بات بھی ظاہر کرنا ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ اگرچہ تمام ہندوستان پر یہ حق واجب ہے کہ بنظر ان احسانات کے کہ جو سلطنت انگلشیہ سے اس کی حکومت اور آرام بخش حکمت کے ذریعہ سے عامہ خلائق پر وارد ہیں سلطنت ممدوحہ کو خداوند تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھیں اور مثل اور نعماء الٰہی کے اس کا شکر بھی ادا کریں لیکن پنجاب کے مسلمان بڑے ناشکر گذار ہوں گے اگر وہ اس سلطنت کو جو ان کے حق میں خدا کی ایک عظیم الشان رحمت ہے نعمت عظمیٰ یقین نہ کریں۔ان کو سوچنا چاہیے کہ اس سلطنت سے پہلے وہ کس حالت پُر ملالت میں تھے اور پھر کیسے امن وامان میں آ گئے۔پس فی الحقیقت یہ سلطنت ان کے لئے ایک آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے جس کے آنے سے سب تکلیفیں ان کی دور ہوئیں اور ہر یک قسم کے ظلم وتعدی سے نجات حاصل ہوئی اور ہر یک ناجائز روک اور مزاحمت سے آزادی میسر آئی کوئی ایسا مانع نہیں کہ جو ہم کو نیک کام کرنے سے روک سکے یا ہماری آسائش میں خلل ڈال سکے۔پس حقیقت میں خداوند کریم ورحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کے لئے ایک باران رحمت بھیجا ہے جس سے پودہ اسلام کا پھر اس ملک پنجاب میں سرسبز ہوتا جاتا ہے اور جس کے فوائد کا اقرار حقیقت میں خدا کے احسانوں کا اقرار ہے۔یہی سلطنت ہے جس کی آزادی ایسی بدیہی اور مسلم الثبوت ہے کہ بعض دوسرے ملکوں سے مظلوم مسلمان ہجرت کر کے

﴿۱۴﴾

یاد کیا ہے۔انؔ کی آخری دعا ان کے اشتہار مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر میں جس کی بیس ہزار کاپی چھپوا کر ہند و اور انگلینڈ میں انہوں نے شائع کرنی چاہی ہے یہ کلمات دعائیہ مرقوم ہیں۔ انگریز جن کی شائستہ اور مہذب اور

بقیہ حاشیہ

اس ملک میں آنا بدل و جان پسند کرتے ہیں۔ جس صفائی سے اس سلطنت کی ظل حمایت میں مسلمانوں کی اصلاح کے لئے اور ان کی بدعات مخلوطہ دور کرنے کے لئے وعظ ہوسکتا ہے اور جن تقریبات سے علماء اسلام کو ترویج دین کے لئے اس گورنمنٹ میں جوش پیدا ہوتے ہیں اور فکر اور نظر سے اعلیٰ درجہ کا کام پڑتا ہے اور عمیق تحقیقاتوں سے تائید دین متین میں تالیفات ہوکر حجت اسلام مخالفین پر پوری کی جاتی ہے وہ میری دانست میں آج کل کسی اور ملک میں ممکن نہیں۔ یہی سلطنت ہے جس کی عادلانہ حمایت سے علماء کو مدتوں کے بعد گویا صدہا سال کے بعد یہ موقعہ ملا کہ بے دھڑک بدعات کی آلودگیوں اور شرک کی خرابیوں سے اور مخلوق پرستی کے فسادوں سے نادان لوگوں کو مطلع کریں اور اپنے رسول مقبول کا صراط مستقیم کھول کر بتلاویں۔ کیا ایسی سلطنت کی بدخواہی جس کے زیر سایہ تمام مسلمان امن اور آزادی سے بسر کرتے ہیں اور فرائض دین کو کما حقّہٗ بجالاتے ہیں اور ترویج دین میں سب ملکوں سے زیادہ مشغول ہیں جائز ہوسکتی ہے حاشا و کلا ہرگز جائز نہیں اور نہ کوئی نیک اور دیندار آدمی ایسا بدخیال دل میں لاسکتا ہے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ دنیا میں آج یہی ایک سلطنت ہے جس کے سایہ عاطفت میں بعض بعض اسلامی مقاصد ایسے حاصل ہوتے ہیں کہ جو دوسرے ممالک میں ہرگز ممکن الحصول نہیں۔ شیعوں کے ملک میں جاؤ تو وہ سنت جماعت کے وعظوں سے افروختہ ہوتے ہیں اور سنت جماعت کے ملکوں میں شیعہ اپنی رائے ظاہر کرنے سے خائف ہیں۔ ایسا ہی مقلدین موحدین کے شہروں میں اور موحدین مقلدین کے بلاد میں دم نہیں مار سکتے۔ اور گو کسی بدعت کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیں منہ سے بات نکالنے کا موقعہ نہیں رکھتے آخر یہی سلطنت ہے جس کی پناہ میں ہر یک فرقہ امن اور آرام سے اپنی رائے ظاہر کرتا ہے اور یہ بات اہل حق کے لئے نہایت ہی مفید ہے کیونکہ جس ملک میں بات کرنے کی گنجائش ہی نہیں نصیحت دینے کا حوصلہ ہی نہیں اس ملک میں کیونکر راستی پھیل سکتی ہے۔ راستی پھیلانے کیلئے وہی ملک مناسب ہے جس میں آزادی سے اہل حق وعظ کرسکتے ہیں۔ یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ دینی جہادوں سے اصلی غرض آزادی کا قائم

﴿۱۵﴾ بارحم گورنمنٹ نے ہم کو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملات سے ممنون کر کے اس بات کے لئے دلی جوش بخشا ہے کہ ہم ان کے دین و دنیا کیلئے دلی جوش سے بہبودی اور سلامتی چاہیں تا ان کے گورے وسپید

بقیہ حاشیہ کرنا اور ظلم کا دور کرنا تھا اور دینی جہاد انہیں ملکوں کے مقابلہ پر ہوئے تھے جن میں واعظین کو اپنے وعظ کے وقت جان کا اندیشہ تھا اور جن میں امن کے ساتھ وعظ ہونا قطعی محال تھا۔ اور کوئی شخص طریقہ حقہ کو اختیار کر کے اپنی قوم کے ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا لیکن سلطنت انگریزی کی آزادی نہ صرف ان خرابیوں سے خالی ہے بلکہ اسلامی ترقی کی بدرجہ غایت ناصر اور مؤیّد ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس خداداد نعمت کی قدر کریں اور اس کے ذریعہ سے اپنی دینی ترقیات میں قدم بڑھاویں۔

اور حصہ چہارم کے ابتدائی اوراق میں آپ فرماتے ہیں۔ تھوڑا عرصہ گزرا ہے کہ بعض صاحبوں نے مسلمانوں میں سے اس مضمون کی بابت کہ جو حصہ سیوم کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کے شکر کے بارے میں شامل ہے اعتراض کیا اور بعض نے خطوط بھی بھیجے اور بعض نے سخت اور درشت لفظ بھی لکھے کہ انگریزی عملداری کو دوسری عملداریوں پر کیوں ترجیح دی۔ لیکن ظاہر ہے کہ جس سلطنت کو اپنی شائستگی اور حسن انتظام کے رو سے ترجیح ہو اس کو کیونکر چھپا سکتے ہیں۔ خوبی باعتبار اپنی ذاتی کیفیت کے خوبی ہی ہے گو وہ کسی گورنمنٹ میں پائی جائے **الحکمة ضالة المؤمن الخ** اور یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہیں ہے کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہ کر اس کا احسان اٹھاوے اس کے ظل حمایت میں بامن و آسائش رہ کر اپنا رزق مقسوم کھاوے اس کے انعامات متواترہ سے پرورش پاوے پھر اسی پر عقرب کی طرح نیش چلاوے اور اس کے سلوک اور مروت کا ایک ذرہ شکر بجا نہ لاوے بلکہ ہمارے خداوند کریم نے اپنے رسول مقبول کے ذریعہ سے یہی تعلیم دی ہے کہ ہم نیکی کا معاوضہ بہت زیادہ نیکی کے ساتھ کریں اور منعم کا شکر بجا لاویں اور جب کبھی ہم کو موقعہ ملے تو ایسی گورنمنٹ سے بدل صدق کمال ہمدردی سے پیش آویں اور بطیب خاطر معروف اور واجب طور پر

﴿۱۶ ع﴾

منہ جس طرح دنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں بھی نورانی ومنور ہوں۔ **فنسئل اللہ تعالٰی خیرھم فی الدنیا والاخرۃ. اللھم اھدھم و ایدھم بروح منک واجعل لھم حظا کثیرا فی دینک۔** الخ

پھر ایسے شخص پر یہ **بہتان** کہ اس کے دل میں گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت ہے اور اس کی کتاب کی نسبت یہ گمان کہ وہ گورنمنٹ کے مخالف ہے پرلے سرے کی **بے ایمانی اور شرارت شیطانی نہیں تو کیا ہے**۔ خیر خواہان سلطنت و پیروان مذہب اسلام ان یاوہ گوحاسدوں کی ایسی باتیں ہرگز نہ سنیں اور اس کتاب یا مؤلّف کی طرف سے سوءظنی کو اپنے دلوں میں جگہ نہ دیں **گورنمنٹ** سے تو ہم پہلے ہی **مطمئن** ہیں کہ وہ ان باتوں کو مؤلّف کی نسبت ہرگز نہ سنے گی۔ بلکہ جو ان باتوں کو گورنمنٹ تک پہنچائے گا اس کو اس کی دروغگوئی پر **سرزنش** کرے گی۔

بقیہ حاشیہ اطاعت اٹھاویں۔ سو اس عاجز نے جس قدر حصہ سوم کے پرچہ مشمولہ میں انگریزی گورنمنٹ کا شکر ادا کیا ہے وہ صرف اپنے ذاتی خیال سے ادا نہیں کیا بلکہ قرآن شریف اور احادیث نبوی کی ان بزرگ تاکیدوں نے جو اس عاجز کے پیش نظر ہیں مجھ کو اس شکر ادا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ سو ہمارے بعض ناسمجھ بھائیوں کی یہ افراط ہے جس کو وہ اپنی کوتاہ اندیشی اور بخل فطرتی سے اسلام کا جز سمجھ بیٹھے ہیں۔

اے جفا کیش نہ عذر است طریق عشاق ہرزہ بدنام کنی چند نکو نامے را

(براہین احمدیہ)

مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ

﴿۱﴾

التوائے جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء

ہم افسوس سے لکھتے ہیں کہ چند ایسے وجوہ ہم کو پیش آئے جنہوں نے ہماری رائے کو اس طرف مائل کیا کہ اب کی دفعہ اس جلسہ کو ملتوی رکھا جائے اور چونکہ بعض لوگ تعجب کریں گے کہ اس التوا کا موجب کیا ہے لہٰذا بطور اختصار کسی قدر ان وجوہ میں سے لکھا جاتا ہے۔

اول۔ یہ کہ اس جلسہ سے مدعا اور اصل مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کر لیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلی جھک جائیں اور ان کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد اور تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں اور انکسار اور تواضع اور راستبازی ان میں پیدا ہو اور دینی مہمات کے لئے سرگرمی اختیار کریں لیکن اس پہلے جلسہ کے بعد ایسا اثر نہیں دیکھا گیا بلکہ خاص جلسہ کے دنوں میں ہی بعض کی شکایت سنی گئی کہ وہ اپنے بعض بھائیوں کی بدخوئی سے شاکی ہیں اور بعض اس مجمع کثیر میں اپنے اپنے آرام کے لئے دوسرے لوگوں سے کج خلقی ظاہر کرتے ہیں گویا وہ مجمع ہی ان کے لئے موجب ابتلا ہو گیا اور پھر میں دیکھتا ہوں کہ جلسہ کے بعد کوئی بہت عمدہ اور نیک اثر اب تک اس جماعت کے بعض لوگوں میں ظاہر نہیں ہوا اور اس تجربہ کے لئے یہ تقریب پیش آئی کہ ان دنوں سے آج تک ایک جماعت کثیر مہمانوں کی اس عاجز کے پاس بطور تبادل رہتی ہے یعنی بعض آتے اور بعض جاتے ہیں اور بعض وقت یہ جماعت سو سو مہمان تک بھی پہنچ گئی ہے اور بعض وقت اس سے کم لیکن اس اجتماع میں بعض دفعہ بباعث تنگی مکانات اور قلت وسائل مہمانداری ایسے نالائق رنجش اور خودغرضی کی سخت گفتگو بعض مہمانوں میں باہم ہوتی دیکھی ہے کہ جیسے ریل میں بیٹھنے والے تنگی مکان کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اور اگر کوئی بیچارہ عین ریل چلنے کے قریب اپنی گٹھری کے سمیت مارے اندیشہ کے دوڑتا دوڑتا ان کے پاس پہنچ جاوے تو اس کو دھکے دیتے اور دروازہ بند کر لیتے ہیں کہ ہم میں جگہ نہیں حالانکہ گنجائش نکل سکتی ہے مگر سخت دلی ظاہر کرتے ہیں اور وہ ٹکٹ لئے اور بقچہ اٹھائے ادھر ادھر پھرتا ہے اور کوئی اس پر رحم نہیں کرتا مگر آخر ریل کے ملازم جبراً اس کو جگہ دلاتے ہیں۔ سو ایسا ہی یہ اجتماع بھی بعض اخلاقی حالتوں کے بگاڑنے کا ایک ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور جب تک مہمانداری کے پورے وسائل میسر نہ ہوں اور جب تک خدا تعالیٰ ہماری جماعت میں اپنے خاص فضل سے کچھ مادہ رفق اور نرمی اور ہمدردی اور

خدمت اور جفاکشی کا پیدا نہ کرے تب تک یہ جلسہ قرین مصلحت معلوم نہیں ہوتا حالانکہ دل تو یہی چاہتا ہے کہ مبائعین محض لِلّٰہ سفر کرکے آویں اور میری صحبت میں رہیں اور کچھ تبدیلی پیدا کر کے جائیں کیونکہ موت کا اعتبار نہیں۔ میرے دیکھنے میں مبائعین کو فائدہ ہے مگر مجھے حقیقی طور پر وہی دیکھتا ہے جو صبر کے ساتھ دین کو تلاش کرتا ہے اور فقط دین کو چاہتا ہے سو ایسے پاک نیت لوگوں کا آنا ہمیشہ بہتر ہے کسی جلسہ پر موقوف نہیں بلکہ دوسرے وقتوں میں وہ فرصت اور فراغت سے باتیں کر سکتے ہیں اور یہ جلسہ ایسا تو نہیں ہے کہ دنیا کے میلوں کی طرح خواہ نخواہ التزام اس کا لازم ہے بلکہ اس کا انعقاد صحت نیت اور حسن ثمرات پر موقوف ہے ورنہ بغیر اس کے ہیچ اور جب تک یہ معلوم نہ ہو اور تجربہ شہادت نہ دے کہ اس جلسہ سے دینی فائدہ یہ ہے اور لوگوں کے چال چلن اور اخلاق پر اس کا یہ اثر ہے تب تک ایسا جلسہ صرف فضول ہی نہیں بلکہ اس علم کے بعد اس اجتماع سے نتائج نیک پیدا نہیں ہوتے۔ ایک معصیت اور طریق ضلالت اور بدعت شنیعہ ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ حال کے بعض پیرزادوں کی طرح صرف ظاہری شوکت دکھانے کے لئے اپنے مبائعین کو اکٹھا کروں بلکہ وہ علت غائی جس کے لئے میں حیلہ نکالتا ہوں اصلاح خلق اللہ ہے پھر اگر کوئی امر یا انتظام موجب اصلاح نہ ہو بلکہ موجب فساد ہو تو مخلوق میں سے میرے جیسا اس کا کوئی دشمن نہیں اور اخی مکرم حضرت **مولوی نورالدین** صاحب سلمہ تعالیٰ بارہا مجھ سے یہ تذکرہ کر چکے ہیں کہ ہماری جماعت کے اکثر لوگوں نے اب تک کوئی خاص اہلیت اور تہذیب اور پاک دلی اور پرہیز گاری اور للّٰہی محبت باہم پیدا نہیں کی سو میں دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات جماعت میں داخل ہو کر اور اس عاجز سے بیعت کرکے اور عہد توبہ نصوح کرکے پھر بھی ویسے کج دل ہیں کہ اپنی جماعت کے غریبوں کو بھیڑیوں کی طرح دیکھتے ہیں وہ مارے تکبر کے سیدھے منہ سے السلام علیک نہیں کر سکتے چہ جائیکہ خوش خلقی اور ہمدردی سے پیش آویں اور انہیں سفلہ اور خود غرض اس قدر دیکھتا ہوں کہ وہ ادنیٰ ادنیٰ خود غرضی کی بناء پر لڑتے اور ایک دوسرے سے دست بدامن ہوتے ہیں اور ناکارہ باتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت پہنچتی ہے اور دلوں میں کینے پیدا کر لیتے ہیں اور کھانے پینے کی قسموں پر نفسانی بحثیں ہوتی ہیں اور اگرچہ نجیب اور سعید بھی ہماری جماعت میں بہت بلکہ یقیناً دوسو سے زیادہ ہی ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو نصیحتوں کو سن کر روتے اور عاقبت کو مقدم رکھتے ہیں اور ان کے دلوں پر نصیحتوں کا عجیب اثر ہوتا ہے لیکن میں اس وقت کج دل لوگوں کا ذکر کرتا ہوں اور میں حیران ہوتا ہوں کہ خدایا یہ کیا حال ہے۔ یہ کونسی جماعت ہے جو میرے ساتھ ہے۔ نفسانی لالچوں پر کیوں ان کے دل گرے جاتے ہیں اور کیوں ایک بھائی دوسرے بھائی کو ستاتا اور اس سے بلندی چاہتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدم نہ ٹھہراوے۔ اگر میرا ایک بھائی میرے

﴿۲﴾

سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری کے زمین پر سوتا ہے اور میں باوجود اپنی صحت اور تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہوں تا وہ اس پر بیٹھ نہ جاوے تو میری حالت پر افسوس ہے اگر میں نہ اٹھوں اور محبت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی اس کو نہ دوں اور اپنے لئے فرش زمین پسند نہ کروں اگر میرا بھائی بیمار ہے اور کسی درد سے لاچار ہے تو میری حالت پر حیف ہے اگر میں اس کے مقابل پر امن سے سو رہوں اور اس کے لئے جہاں تک میرے بس میں ہے آرام رسانی کی تدبیر نہ کروں اور اگر کوئی میرا دینی بھائی اپنی نفسانیت سے مجھ سے کچھ سخت گوئی کرے تو میری حالت پر حیف ہے اگر میں بھی دیدہ و دانستہ اس سے سختی سے پیش آؤں بلکہ مجھے چاہیئے کہ میں اس کی باتوں پر صبر کروں اور اپنی نمازوں میں اس کے لئے رو رو کر دعا کروں کیونکہ وہ میرا بھائی ہے اور روحانی طور پر بیمار ہے اگر میرا بھائی سادہ ہو یا کم علم یا سادگی سے کوئی خطا اس سے سرزد ہو تو مجھے نہیں چاہیئے کہ میں اس سے ٹھٹھا کروں یا چیں برجبیں ہو کر تیزی دکھاؤں یا بدنیتی سے اس کی عیب گیری کروں کہ یہ سب ہلاکت کی راہیں ہیں کوئی سچا مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل نرم نہ ہو جب تک وہ اپنے تئیں ہر یک سے ذلیل تر نہ سمجھے اور ساری مشیختیں دور نہ ہو جائیں۔ خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے اور غریبوں سے نرم ہو کر اور جھک کر بات کرنا مقبول الٰہی ہونے کی علامت ہے اور بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا سعادت کے آثار ہیں اور غصہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ باتیں ہماری جماعت کے بعض لوگوں میں نہیں بلکہ بعض میں ایسی بے تہذیبی ہے کہ اگر ایک بھائی ضد سے اس کی چارپائی پر بیٹھا ہے تو وہ سختی سے اس کو اٹھانا چاہتا ہے اور اگر نہیں اٹھتا تو چارپائی کو الٹا دیتا ہے اور اس کو نیچے گراتا ہے☆ پھر دوسرا بھی فرق نہیں کرتا اور وہ اس کو گندی گالیاں دیتا ہے اور تمام بخارات نکالتا ہے یہ حالات ہیں جو اس مجمع میں مشاہدہ کرتا ہوں تب دل کباب ہوتا اور جلتا ہے اور بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اگر میں درندوں میں رہوں تو ان بنی آدم سے اچھا ہے پھر میں کس خوشی کی امید سے لوگوں کو جلسہ کے لئے اکٹھے کروں۔ یہ دنیا کے تماشوں میں سے کوئی تماشا نہیں ابھی تک میں جانتا ہوں کہ میں اکیلا ہوں بجز ایک مختصر گروہ رفیقوں کے جو دو۲ سو سے کسی قدر زیادہ ہیں جن پر خدا کی خاص رحمت ہے جن میں سے اول درجہ پر میرے خالص دوست اور محبّ مولوی حکیم نور الدین صاحب اور چند اور دوست ہیں جن کو میں جانتا ہوں کہ وہ صرف خدا تعالیٰ کے لئے میرے ساتھ تعلق محبت رکھتے ہیں اور میری باتوں اور نصیحتوں کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی آخرت پر نظر ہے سو وہ انشاء اللہ دونوں جہانوں میں میرے ساتھ ہیں اور میں ان کے ساتھ ہوں۔ میں اپنے ساتھ ان لوگوں کو کیا سمجھوں جن کے دل میرے ساتھ نہیں

﴿۳﴾

☆ یہ باتیں ہماری طرف سے اپنی عزیز جماعت کے لئے بطور نصیحت کے ہیں دوسرا کوئی مجاز نہیں کہ کسی کا نام لے کر ان کا تذکرہ کرے ورنہ وہ سب سے بڑھ کر گناہ اور فتنہ کی راہ اختیار کرے گا۔

جو اس کو نہیں پہچانتے جس کو میں نے پہچانا ہے اور نہ اس کی عظمتیں اپنے دلوں میں بٹھاتے ہیں اور نہ ٹھٹھوں اور بیراہیوں کے وقت خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور کبھی نہیں سوچتے کہ ہم ایک زہر کھا رہے ہیں جس کا بالضرور نتیجہ موت ہے۔ درحقیقت وہ ایسے ہیں جن کو شیطانی راہیں چھوڑنا منظور ہی نہیں۔ یاد رہے کہ جو میری راہ پر چلنا نہیں چاہتا وہ مجھ میں سے نہیں اور اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور میرے مذہب کو قبول کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنا مذہب پسندیدہ سمجھتا ہے وہ مجھ سے ایسا دور ہے جیسا کہ مغرب مشرق سے۔ وہ خطا پر ہے سمجھتا ہے کہ میں اس کے ساتھ ہوں میں بار بار کہتا ہوں کہ آنکھوں کو پاک کرو اور ان کو روحانیت کے طور سے ایسا ہی روشن کرو جیسا کہ وہ ظاہری طور پر روشن ہیں ظاہری رویت تو حیوانات میں بھی موجود ہے مگر انسان اس وقت سوجاکھا کہلا سکتا ہے جب کہ باطنی رویت یعنی نیک و بد کی شناخت کا اس کو حصہ ملے اور پھر نیکی کی طرف جھک جائے سوتم اپنی آنکھوں کے لئے نہ صرف چار پاؤں کی بینائی بلکہ حقیقی بینائی ڈھونڈو اور اپنے دلوں سے دنیا کے بت باہر پھینکو کہ دنیا دین کی مخالف ہے جلد مرو گے اور دیکھو گے کہ نجات انہیں کو ہے کہ جو دنیا کے جذبات سے بیزار اور بری اور صاف دل تھے۔ میں کہتے کہتے ان باتوں کو تھک گیا کہ اگر تمہاری یہی حالتیں ہیں تو پھر تم میں اور غیروں میں فرق ہی کیا ہے لیکن یہ دل کچھ ایسے ہیں کہ توجہ نہیں کرتے اور ان آنکھوں سے مجھے بینائی کی توقع نہیں لیکن خدا اگر چاہے اور میں تو ایسے لوگوں سے دنیا اور آخرت میں بیزار ہوں۔ اگر میں صرف اکیلا کسی جنگل میں ہوتا تو میرے لئے ایسے لوگوں کی رفاقت سے بہتر تھا جو خدا تعالیٰ کے احکام کو عظمت سے نہیں دیکھتے اور اس کے جلال اور عزت سے نہیں کانپتے اگر انسان بغیر حقیقی راستبازی کے صرف منہ سے کہے کہ میں مسلمان ہوں یا اگر ایک بھوکا صرف زبان پر روٹی کا نام لاوے تو کیا فائدہ ان طریقوں سے نہ وہ نجات پائے گا اور نہ وہ سیر ہوگا۔ کیا خدا تعالیٰ دلوں کو نہیں دیکھتا۔ کیا اس علیم و حکیم کی گہری نگاہ انسان کی طبیعت کے پاتال تک نہیں پہنچتی۔

پس اے نادانو خوب سمجھو اے غافلو خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی کے کسی طرح رہائی نہیں اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو نہیں بلکہ وہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اور مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اٹھا لیتے اور رسول کریم کے پاک جوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔

﴿۴﴾

مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے ہیں اور کبھی شرارت اور تکبر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات طیار کی گئی ہے۔ جو شخص شرارت اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اس جہان میں کبھی باہر نہیں ہوگا۔ میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کی زہر کو دور کر دیں۔ میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا کہ وہ ہر یک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دور جا پڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے۔ جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے جیسا کہ قربانیوں کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا صرف تقویٰ پہنچتی ہے ایسا ہی جسمانی رکوع وسجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع وسجود قیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ کہ اس کی طرف جھکے اور سجود یہ کہ اس کیلئے اپنے وجود سے دست بردار ہو۔ سو افسوس ہزار افسوس کہ ان باتوں کا کچھ بھی اثر میں ان میں نہیں دیکھتا مگر دعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دم زندگی ہے کئے جاؤں گا اور دعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا کر کے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتیں اور کینے انکے دلوں سے اٹھا دے اور باہمی سچی محبت عطا کر دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ دعا کسی وقت قبول ہوگی اور خدا میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔ ہاں میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جس کے لئے یہ مقدر ہی نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اس کو حاصل ہو تو اس کو اے قادر خدا میری طرف سے بھی منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے اور اس کی جگہ کوئی اور لا جس کا دل نرم اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔ اب میری یہ حالت ہے کہ بیعت کرنے والے سے میں ایسا ڈرتا ہوں جیسا کہ کوئی شیر سے۔ اسی وجہ سے کہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی دنیا کا کیڑا رہ کر میرے ساتھ پیوند کرے۔ پس التواء جلسہ کا ایک یہ سبب ہے جو میں نے بیان کیا۔ ﴿۵﴾

دوسرے یہ کہ ابھی ہمارے سامان نہایت ناتمام ہیں اور صادق جاں فشاں بہت کم اور بہت سے کام ہمارے اشاعت کتب کے متعلق قلت مخلصوں کی سبب سے باقی پڑے ہیں پھر ایسی صورت میں جلسہ کا اتنا بڑا اہتمام جو صدہا آدمی خاص اور عام کئی دن آکر قیام پذیر رہیں اور جلسہ سابقہ کی طرح بعض دور دراز کے غریب مسافروں کو اپنی طرف سے زادراہ دیا جاوے اور کماحقّہٗ کئی روز صدہا آدمیوں کی مہمانداری کی جاوے اور دوسرے لوازم چارپائی وغیرہ کا صدہا لوگوں کے لئے بندوبست کیا جائے اور ان کے فروکش ہونے کے لئے کافی مکانات بنائے جائیں۔ اتنی توفیق ابھی ہم میں نہیں اور نہ ہمارے مخلص دوستوں میں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان تمام سامانوں کو درست کرنا ہزارہا روپیہ کا خرچ چاہتا ہے اور اگر قرضہ وغیرہ پر اس کا انتظام بھی کیا جائے تو بڑے سخت گناہ کی بات ہے کہ جو ضروریات دین پیش آرہی ہیں وہ تو نظرانداز ہیں اور ایسے اخراجات جو کسی کو یاد بھی نہیں رہتے اپنے ذمہ ڈال کر ایک رقم کثیر قرضہ کی خوانخواہ اپنے نفس پر ڈال لی جائے۔ ابھی باوجود نہ ہونے کسی جلسہ کے مہمانداری کا سلسلہ ایسا ترقی پر ہے کہ ایک برس سے یہ حالت ہو رہی ہے کہ کبھی تیس تیس چالیس چالیس اور کبھی سو تک مہمانوں کی موجودہ میزان کی ہر روزہ نوبت پہنچ جاتی ہے جن میں اکثر ایسے غربا فقرا دور دراز ملکوں کے ہوتے ہیں جو جاتے وقت ان کو زادراہ دیکر رخصت کرنا پڑتا ہے برابر یہ سلسلہ ہر روز لگا ہوا ہے اور اس کے اہتمام میں مکرمی مولوی حکیم نورالدین صاحب بدل و جان کوشش کر رہے ہیں اکثر دور کے مسافروں کو اپنے پاس سے زادراہ دیتے ہیں چنانچہ بعض کو قریب تیس تیس یا چالیس چالیس روپیہ کے دینے کا اتفاق ہوا ہے اور دو دو چار چار تو معمول ہے اور نہ صرف یہی اخراجات بلکہ مہمانداری کے اخراجات کے متعلق قریب تین چار سو روپیہ کے انہوں نے اپنی ذاتی جوانمردی اور کریم النفسی سے علاوہ امدادات سابقہ کے ان ایام میں دیئے ہیں اور نیز طبع کتب کے اکثر اخراجات انہوں نے اپنے ذمہ کر لئے کیونکہ کتابوں کے طبع کا سلسلہ بھی برابر جاری ہے گو بوجہ ایسے لابدی مصارف کے اپنے مطبع کا اب تک انتظام نہیں ہو سکا لیکن مولوی صاحب موصوف ان خدمات میں بدل و جان مصروف ہیں اور بعض دوسرے دوست بھی اپنی ہمت اور استطاعت کے موافق خدمت میں لگے ہوئے ہیں مگر پھر کب تک اس قدر مصارف کا تحمل نہایت محدود آمدن سے ممکن ہے۔ غرض ان وجوہ کے باعث سے اب کے سال التوائے جلسہ مناسب دیکھتا ہوں آگے اللہ جلّ شانہٗ کا جیسا ارادہ ہو۔ کیونکہ اس کا ارادہ انسان ضعیف کے ارادہ پر غالب ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہونے والا ہے اور میں نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا منشاء

میری اس تحریر کے موافق ہے یا اس کی تقدیر میں وہ امر ہے جواب تک مجھے معلوم نہیں۔ وافوض امری الی اللہ
واتوکل علیہ ھو مولانا نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

خاکسار غلام احمد از قادیان

قصیدہ

در مدح حضرت اقدس مولانا ومرشدنا مسیح موعود صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

از آثم بندہ رحمت علی از مقام برناوہ

ای ذات تو کان گوہرِ علم دانی تو بہائے جوہرِ علم
از علم دلِ تو گنج بر گنج و ز خامہ کشادۂ درِ علم
علمست بذات روح پرور تو آمدی روح پرورِ علم
تو نافہ کشائے پردۂ راز تو نشر شمیم عنبرِ علم
در دیدہ نشین تو مردم آسا ای صدر نشین و سرورِ علم
تو نورِ چراغِ دینِ احمد تو شمع منار و منبرِ علم
ایمان ز تو جیغہ جیغۂ ابرو تو غازۂ روئے دلبرِ علم
تو مظہر آخرین منہم تو اوّل حرفِ آخرِ علم
برتُست رہِ ہُدیٰ نمودن امروز توئی چو رہبرِ علم
اکنون تو کلاہ ناز بر کن ای تاجِ مزین سرِ علم
دادی خبرِ وفاتِ عیسیٰ کو بود نہان بدفترِ علم
فرخندہ بمان کہ تازہ کردی زیبندہ لباس دربرِ علم
آن وعدہ کہ عالمِ زمانہ کردست بما زِ داورِ علم
بینم بہ رخت نشان موعود گونیست مرا بصائرِ علم
تو مہدی و ہادیٔ زمانے تو عیسیٰ و خوش پیمبرِ علم
در دست پئی گلوی دجال داری تو کشیدہ خنجرِ علم
بر روہمہ عالمان صورت دارند حجاب اکبرِ علم
آنرا کہ ہدایت ازل ہست آرند کشان کشان برِ علم
برمن نظرے زِ چشم رحمت ای روئے تو نیک منظرِ علم
من تشنہ لب و فتادہ در رہ تو ساقی آب کوثرِ علم
لِلّٰہ تو مکن زِ من دریغے نورے زِ مہ منوّرِ علم

•••••••••••

انڈیکس

روحانی خزائن جلد نمبر ۶

مرتبہ: مکرم نوراللہ خان صاحب

زیرنگرانی

سید عبد الحی

آیاتِ قرآنیہ

الرحمن

الواقعة

الحدید

الصف

الجمعة

الحاقة

الجن

المزمّل

المرسلٰت

التکویر

الانفطار

الانشقاق

الطارق

الشمس

القدر

الزلزال

☆☆☆

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

احادیث بالمعنی

☆☆☆

مضامین

آ، ا

آخرت

آخری زمانہ

آریہ

آسمانی نشان

آگ

ابنیت مسیح دیکھئے عیسائیت

اجرام فلکی

احسان

احکام

اختیار

اسباب

اشتہار/اشتہارات

اعتراضات اور ان کے جوابات

پیشگوئی دربارہ لیکھرام

قرآنی پیشگوئیاں

پیشگوئی مرزا احمد بیگ

پیشگوئی دربارہ آتھم

تاویل

تثلیث

تصرف

تصوف

تعدد ازدواج

تفسیر

قرآن کریم کی درج ذیل آیات کی تفسیر از حضرت مسیح موعودؑ

معرفت الٰہیہ

مفتری

مماثلت

مہدی

ن

نبوت

☆☆☆

اسماء

س، ش، ظ

ع

☆☆☆

مقامات

آ،ا،ب،پ،ت

ج،د،ر،س،ش

ف،ق،ک،گ،ع

ل، م، ہ، ی

☆☆☆

کتابیات

☆☆☆